

# مومن کے عقائد

تالیف فضیلۃ الشیخ ابو بکر جابر الجزائری  
ترجمہ مولانا لطیف حسین ندوی  
تقدیم مولانا مختار احمد ندوی

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



نعمانی مکتب خانہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل

اجازت ہے۔

### ☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



## جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب

تاریخ اشاعت

مؤن کے عقائد

جنوری 2001ء

مؤلف

فضیلہ اشیح ابوبکر جابرا بجزائری

تعداد

1100

مطبوعہ

موٹروے پرنٹرز لاہور

ملنے کا پتہ:

بیانات کتب خانہ  
لاہور



# مہرموں کے عقائد

تالیف

فضیلہ اشیح ابو بکر جابر الجزائری

مولانا مختار احمد ندوی

مولانا الطیب حسینی

نعمانی کتب خانہ



حج سائبرٹ  
اور کوالا اللہ

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## فہرست مضامین

۱۷	۱- عرض ناشر
۱۹	۲- پیش لفظ
۲۶	۳- عقیدے کی ضرورت اور اہمیت
۲۶	۴- انسان اور اس کی حقیقت
۳۹	۵- ڈارون کے نظریے کی خامیاں
۴۱	۶- موازنہ اور تقابلی مطالعہ
۴۱	۷- انسان ایمان والوں کی نظر میں
۴۲	۸- انسان دہریوں کی نظر میں
۴۳	۹- عقیدہ 'عقیدہ کیا ہے؟
۴۵	۱۰- عقیدہ سے انسان کا ازلی رشتہ
۴۹	۱۱- دین کی اہمیت و ضرورت
۵۶	۱۲- خدا کا وجود انسانی فطرت کی آواز ہے
۶۲	۱۳- طبیعیات کیا ہے؟
۶۳	۱۴- اتفاقات کیا ہیں؟
۶۶	۱۵- احتیاج و ضرورت کیا ہے؟
۶۹	۱۶- باری تعالیٰ کی معرفت اور اہل ایمان کے مختلف مراتب
۶۹	۱۷- پہلا درجہ
۷۰	۱۸- دوسرا درجہ
۷۰	۱۹- تیسرا درجہ
۷۱	۲۰- چوتھا درجہ
۷۲	۲۱- حصول معرفت کا پہلا طریقہ
۷۲	۲۲- عقل اور دل سے رہنمائی

۷۳	۲۳- قانونِ علت
۷۵	۲۴- قانونِ وجوب
۷۶	۲۵- قانونِ حدود
۷۷	۲۶- قانونِ نظام
۷۹	۲۷- قانونِ نوازشِ الہی
۸۱	۲۸- آسمان میں
۸۲	۲۹- زمین میں
۸۴	۳۰- خدا کی معرفت کا دوسرا طریقہ مذہب کی رہنمائی
۸۵	۳۱- قرآن کا خطاب تمام انسانوں سے
۹۲	۳۲- قرآن کا خطاب پیغمبروں سے
۱۰۰	۳۳- قرآن کا خطاب ایمان والوں سے
۱۰۱	۳۴- پیغمبروں کے واقعات
۱۰۵	۳۵- آسمانی کتابیں
۱۰۸	۳۶- معجزات، معرفت کا ایک دروازہ
۱۱۲	۳۷- اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات
۱۱۶	۳۸- خلاصہ
۱۱۷	۳۹- خدا سے التجاء
۱۱۹	۴۰- توحید، توحید کیا ہے؟
۱۲۰	۴۱- توحید کی قسمیں
۱۲۱	۴۲- توحید ربوبیت کیا ہے؟
۱۲۱	۴۳- شانِ ربوبیت فطرت کے مطابق
۱۲۳	۴۴- لادینیت کی سرخ آندھی
۱۲۴	۴۵- لادینیت کے اسباب
۱۲۷	۴۶- یورپ خود پہلا شکار



۱۳۲	۴۷-	مظاہرہ رستی کی بھرمار
۱۳۷	۴۸-	توحید الوہیت
۱۳۳	۴۹-	عبادت میں شرک۔ اسکی قسمیں
۱۳۵	۵۰-	ذات باری
۱۳۶	۵۱-	اسماء و صفات
۱۳۸	۵۲-	عبادت الہی
۱۳۹	۵۳-	قلب کے اعمال و عبادات
۱۳۹	۵۴-	ایمان و یقین
۱۳۹	۵۵-	محبت
۱۵۰	۵۶-	خوف و خشیت
۱۵۱	۵۷-	رجاء و رغبت
۱۵۳	۵۸-	توبہ و انابت، توکل
۱۵۴	۵۹-	اعضاء و جوارح کی عبادت
۱۵۵	۶۰-	دعاء، استغاثہ
۱۵۶	۶۱-	استغانت، نذر
۱۵۷	۶۲-	نذر
۱۵۹	۶۳-	قریانی کرنا
۱۵۹	۶۴-	رکوع سجدہ کرنا
۱۶۰	۶۵-	طواف اور حجر اسود کا پوسہ
۱۶۱	۶۶-	دیگر عبادات
۱۶۱	۶۷-	لاج یا ڈر سے عبادت چھوڑ دینا
۱۶۱	۶۸-	قسم کھانا
۰۰	۶۹-	وسیلہ اور اس کی حقیقت
۱۶۳	۷۰-	وسیلہ کیا ہے؟

۱۶۶	۷۱- مشروع اور ممنوع وسیلہ
۱۷۰	۷۲- مشروع وسائل
۱۷۰	۷۳- ایمان خالص کا وسیلہ
۱۷۱	۷۴- نماز کا وسیلہ
۱۷۲	۷۵- روزہ کا وسیلہ
۱۷۳	۷۶- صدقہ کا وسیلہ
۱۷۳-۱۷۴	۷۷- حج، عمرہ اور جہاد کا وسیلہ
۱۷۵	۷۸- ذکر و تسبیح کا وسیلہ
۱۷۶	۷۹- درود شریف کا وسیلہ
۱۷۷	۸۰- استغفار کا وسیلہ
۱۷۸	۸۱- دعاء کا وسیلہ
۱۷۹	۸۲- مومن بھائی کی دعاء کا وسیلہ
۱۸۱	۸۳- قرآن پاک کا وسیلہ
۱۸۱	۸۴- آسماء حسنیٰ کا وسیلہ
۱۸۳	۸۵- نیک کاموں کا وسیلہ
۱۸۳	۸۶- گناہوں سے پرہیز کا وسیلہ
۱۸۵	۸۷- ممنوع اور حرام وسائل
۱۸۶	۸۸- اولیاء و صالحین سے فریاد کرنا
۱۸۷	۸۹- غیر اللہ کیلئے نذر مانگنا
۱۸۷	۹۰- قبروں پر جانوروں کی بھیٹ چڑھانا
۱۸۸	۹۱- قبروں پر چلہ کشی، جاہ کا وسیلہ
۱۸۹	۹۲- کسی کے حق کا وسیلہ لینا
۱۹۱	۹۳- ضروری تنبیہ، ناپیانا کا واقعہ
۱۹۳	۹۴- حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء کی درخواست

۱۹۴	۹۵-	تجی السالطین کی روایت
۱۹۷	۹۶-	شفاعت اور اس کی حقیقت
۱۹۷	۹۷-	شفاعت کے معنی، سفارش کا حکم
۱۹۸	۹۸-	قیاس کی خرابی
۲۰۰	۹۹-	ایک شبہ کا ازالہ
۲۰۱	۱۰۰-	آخرت کی شفاعت کا حکم
۲۰۲	۱۰۱-	منفی شفاعت کی صورتیں
۲۰۳	۱۰۲-	مثبت سفارش
۲۱۰	۱۰۳-	آثار و تبرکات
۲۱۰	۱۰۴-	نفوی و شرعی معنی
۲۱۲	۱۰۵-	بابرکت چیزیں، حصول بרכת کی صورتیں
۲۱۴	۱۰۶-	ولایت، کرامت، ولایت کیا ہے؟
۲۱۶	۱۰۷-	جامع صورت حال
۲۱۷	۱۰۸-	ولایت کا فرق
۲۱۸	۱۰۹-	ولی
۲۲۰	۱۱۰-	کرامت، کرامت کیا ہے؟
۲۲۰	۱۱۱-	کرامت خاصہ
۲۲۳	۱۱۲-	اولیاء کے مرتبے
۲۲۵	۱۱۳-	خلاصہ
۲۲۷	۱۱۴-	شیطانی گروہ اور ان سے دوستی

## اسلامی عقیدہ کا دوسرا رکن

۲۲۹	۱۱۵-	فرشتوں پر ایمان
-----	------	-----------------

۲۳۳	منقول روایات	-۱۱۶
۲۳۶	مشاہدات	-۱۱۷
۲۳۸	فرشتوں پر ایمان کی ضرورت	-۱۱۸
۲۳۹	ملائکہ کی تخلیق	-۱۱۹
۲۴۰	فرشتوں کے مراتب، فرشتوں کے کام	-۱۲۰
۲۴۷	فرشتوں کی بعض صفات	-۱۲۱
۲۵۰	عظیم ترین مخلوق اور باہمی فرق	-۱۲۲
۲۵۲	جنات اور شیاطین	-۱۲۳
۲۵۳	جن اور شیطان موجود ہیں	-۱۲۴
۲۵۳	مشاہدات	-۱۲۵
۲۵۵	روایات، ارشاداتِ ربانی	-۱۲۶
۲۶۱	فرموداتِ نبوی	-۱۲۷
۲۶۳	جنوں اور شیطانوں پر یقین ضروری	-۱۲۸
۲۶۴	سرسری جائزہ، مادّہ تخلیق	-۱۲۹
۲۶۴	نام کی وجہ	-۱۳۰
۲۶۵	کھانے پینے کی حاجت	-۱۳۱
۲۶۵	توالد و تاسل	-۱۳۲
۲۶۶	جن اور شیاطن دو ہیں یا ایک؟	-۱۳۳
۲۶۹	کیا جن اور شیطان روپ بدل سکتے ہیں؟	-۱۳۴
۲۶۹	دارالندوہ میں شیطان کی شرکت	-۱۳۵
۲۷۰	مدینہ منورہ کا سانپ نما جن	-۱۳۶
۲۷۰	صدقہ کے کھجور کی چوری	-۱۳۷
۲۷۱	تنبیہ، جنوں کا مسکن	-۱۳۸
۲۷۲	چوری سے ملاءِ اعلیٰ کی خبر سننا	-۱۳۹

۲۷۲	۱۳۰- انسان جنوں سے افضل
۲۷۳	۱۳۱- کیا نیک جن جنت میں جائیں گے؟
۲۷۵	۱۳۲- کیا جن انسان کو ستاتے ہیں؟
۲۷۷	۱۳۳- فائدہ، حفاظتی تدابیر

## اسلامی عقیدہ کا تیسرا رکن

۲۸۰	۱۳۴- اللہ کی کتابوں پر ایمان
۲۸۰	۱۳۵- تعریف، اہمیت و حقیقت
۲۸۱	۱۳۶- بعض آسمانی کتابیں
۲۸۳	۱۳۷- تورات
۲۸۳	۱۳۸- زبور، انجیل، بعض صحیفے
۲۸۶	۱۳۹- آسمانی کتابوں پر ایمان کیوں؟
۲۸۷	۱۵۰- محفوظ ترین روایت
۲۸۹	۱۵۱- یعنی مشاہدے
۲۹۲	۱۵۲- آسمانی کتابوں پر یقین، ایمان کا اہم رکن اور اس کی وجہ
۲۹۳	۱۵۳- قرآن کریم کا مقام آسمانی کتابوں میں
۲۹۸	۱۵۴- قرآنی ہدایات اور اس کے فیوض و برکات کا روشن مرقع
۳۰۲	۱۵۵- قرآنی ہدایات سے استفادہ کی شرطیں
۳۰۵	۱۵۶- عقائد کی روشنی میں چاروں آسمانی کتابوں پر ایک نظر

## اسلامی عقیدہ کا چوتھا رکن

۳۰۹	۱۵۷- اللہ کے رسولوں پر ایمان، مقدمات
۳۱۱	۱۵۸- وحی الہی اور اس کی شکلیں

۳۱۷	وحی کی حاجت اور ضرورت	-۱۵۹
۳۱۸	نبوت	-۱۶۰
۳۲۰	نبوت کے اوصاف اور تقاضے	-۱۶۱
۳۲۳	انبیاء کی صفات	-۱۶۲
۳۲۶	رسول، تاریخ کی روشنی	-۱۶۳
۳۲۷	رسولوں کی تعداد	-۱۶۴
۳۲۹	پیغمبروں کا زمانہ	-۱۶۵
۳۳۰	پیغمبروں کے علاقے	-۱۶۶
۳۳۱	اولوالعزم پیغمبر	-۱۶۷
۳۳۲	پیغمبروں پر ایمان لانا واجب ہے	-۱۶۸
۳۳۵	محمد رسول اللہ ﷺ	-۱۶۹
۳۳۵	ازواج و اولاد	-۱۷۰
۳۳۷	نوازشِ الہی	-۱۷۱
۳۳۸	نبوت اور بعثت	-۱۷۲
۳۴۰	دعوت کا آغاز	-۱۷۳
۳۴۲	نبوت کی صفات	-۱۷۴
۳۵۰	شجاعت	-۱۷۵
۳۵۱	سیاسی حکمت عملی	-۱۷۶
۳۵۳	شفقت و مہربانی	-۱۷۷
۳۵۵	مجسم سخاوت	-۱۷۸
۳۵۶	عدل و مساوات	-۱۷۹
۳۵۷	عفو و درگزر	-۱۸۰
۳۵۹	نبوت محمدی ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے دلائل	-۱۸۱
۳۶۰	پچھلی آسمانی کتابوں کی شہادت	-۱۸۲

۳۶۲	اہل کتاب علماء کی شہادت	-۱۸۳
۳۶۶	ارہوں مسلمانوں کی شہادت	-۱۸۴
۳۶۶	حق تعالیٰ اور فرشتوں کی شہادت	-۱۸۵
۳۷۲	ختم نبوت	-۱۸۶
۳۷۸	نبی خاتم	-۱۸۷

## اسلامی عقیدہ کا پانچواں رکن

۳۸۰	آخرت کے دن پر ایمان	-۱۸۸
۳۸۰	تعریف، فناء کا امکان	-۱۸۹
۳۸۲	آخرت کا امکان	-۱۹۰
۳۸۳	بعث کے دلائل	-۱۹۱
۳۸۵	حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے استدلال	-۱۹۲
۳۸۶	ارض و سماء کی تخلیق سے حشر اجساد پر استدلال	-۱۹۳
۳۸۷	جزا اور سزا کے تصور سے استدلال	-۱۹۴
۳۸۸	شرعی پابندیوں سے استدلال	-۱۹۵
۳۸۹	دیگر دلائل	-۱۹۶
۳۹۰	مزید دلائل	-۱۹۷
۳۹۱	آخرت کی حکمت	-۱۹۸
۳۹۳	آخرت پر ایمان کی فرضیت	-۱۹۹
۳۹۸	قیامت کی نشانیاں	-۲۰۰
۳۹۹	بعثت محمدی ﷺ	-۲۰۱
۳۹۹	عجبرہ شق القمر	-۲۰۲
۴۰۸	قیامت سے فریب تر علامتیں	-۲۰۳

۴۱۰	قیامت کبریٰ کا آغاز	-۲۰۴
۴۱۱	تنبیہ	-۲۰۵
۴۱۳	پہلی زندگی کا خاتمہ اور نئی زندگی کا آغاز	-۲۰۶
۴۱۷	حشر اور میدانِ قیامت کی سخت ترین پیشی	-۲۰۷
۴۱۹	فصل مقدمات اور اس کیلئے شفاعت	-۲۰۸
۴۲۰	حساب اور میزان	-۲۰۹
۴۲۳	پہل صراط	-۲۱۰
۴۲۵	جنت اور جہنم کے درمیان پہل	-۲۱۱
۴۲۶	دارالسلام	-۲۱۲
۴۲۷	جنت کی کشادگی اور اس کی معطر فضا میں	-۲۱۳
۴۲۸	جنت کے دروازے	-۲۱۴
۴۲۹	اہل جنت کا استقبال	-۲۱۵
۴۳۱	جنت کے محلات اور درجے	-۲۱۶
۴۳۳	غلد بریں کی سر زمین پر ایک نظر	-۲۱۷
۴۳۴	جنت کے درمیان بیٹھکی کے باغات	-۲۱۸
۴۳۵	تنبیہ	-۲۱۹
۴۳۶	جنت کے خیمے اور بازار	-۲۲۰
۴۳۹	جنت کی نہریں اور درخت	-۲۲۱
۴۴۱	جنت کی خورد و نوش	-۲۲۲
۴۴۵	تخت اور مسریاں	-۲۲۳
۴۴۶	عورتیں	-۲۲۴
۴۴۷	جنت کے نفعے	-۲۲۵
۴۴۷	سواریاں	-۲۲۶
۴۴۸	زیارت اور باہم ملاقات	-۲۲۷



- ۲۲۸ - سب سے بڑی نعمت
- ۲۲۹ - تباہی کا گھر
- ۲۳۰ - جہنم محشر میں لائی جائے گی
- ۲۳۱ - جہنم کے دروازے
- ۲۳۲ - داخلہ کی کیفیت
- ۲۳۳ - سزا اور لعنت ملامت
- ۲۳۴ - دوزخیوں کے سامنے ابلیس کی تقریر
- ۲۳۵ - جہنم کا درجہ حرارت
- ۲۳۶ - جہنم کی آگ کا رنگ
- ۲۳۷ - جہنم کی گہرائی
- ۲۳۸ - جہنم کی وادیاں
- ۲۳۹ - جہنم کے طوق اور زنجیریں
- ۲۴۰ - جہنم کے سانپ اور بچھو
- ۲۴۱ - دوزخیوں کا کھانا
- ۲۴۲ - جہنم کی بعض خوراک
- ۲۴۳ - پینے کی کچھ چیزیں
- ۲۴۴ - دوزخیوں کا ڈیل ڈول اور بد صورتی
- ۲۴۵ - عذاب میں باہم فرق
- ۲۴۶ - دوزخیوں کا رونا چلانا
- ۲۴۷ - عالم برزخ
- ۲۴۸ - عالم برزخ میں روح کو راحت یا اذیت کا مسئلہ
- ۲۴۹ - قبر میں یا قبر سے دور عالم برزخ میں راحت یا عذاب

## اسلامی عقیدہ کا چھٹا رکن

۴۸۶	۲۵۰	قضاء و قدر پر ایمان
۴۸۸	۲۵۱	کائنات اور اس کا نظام
۴۹۰	۲۵۲	وجود کیونکر ہوا؟
۵۰۱	۲۵۳	قضاء و قدر
۵۰۵	۲۵۴	رضایا قضاء کے اثرات
۵۱۰	۲۵۵	عقیدہ جبر اور اس کی حقیقت
۵۱۲	۲۵۶	نہ کوئی جبر ہے۔ نہ تقدیر سے انکار
۵۱۵	۲۵۷	ابلیسیہ
۵۲۰	۲۵۸	مزید وضاحت
۵۲۷	۲۵۹	ارادہ اور مشیت الہی
۵۳۶	۲۶۰	ارادہ خداوندی سے متعلق غلط فہمی نے اکثر کو گمراہ اور حیرت زدہ کر دیا ہے
۵۳۹	۲۶۱	ہدایت اور گمراہی
۵۴۳	۲۶۲	سزا اور جزا کا ضابطہ
۵۵۲	۲۶۳	حسن اور یہ خدا کی طرف سے یا نفس کی طرف سے؟
۵۵۳	۲۶۴	مشیت سے متعلق اہم بحث
۵۵۵	۲۶۵	خاتمہ



## عرضِ ناشر

عقیدہ، شریعت اسلامیہ کے فلک بوس محل کی عمیق ترین بنیاد ہے۔ شریعت جتنی عظیم ہے عقیدہ اتنا ہی محکم ہے، بنیاد کی مضبوطی کے بغیر عمارت کا استحکام بے معنی ہے، عقیدہ دین کی اولین اساس ہے، اسلام نے عقیدہ کی چنگلی اس کی تصحیح و تطہیر اور استقامت و سلامتی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ عقائد ہی کی بابت ہے۔ مکہ مکرمہ کی نبوی زندگی میں رسول اللہ ﷺ تیرہ سال تک ایمان و عقیدہ ہی کی تصحیح و تعلیم دیتے رہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان، اسکے دلائل، توحید باری تعالیٰ اس کی مختلف اقسام، شرک اور اسکی مختلف شکلوں کا بیان، وسیلہ، شفاعت، فرشتوں اور قیامت پر ایمان، جنت و دوزخ پر یقین، تقدیر الہی قضاء و قدر کی حقیقت کا اعتراف، عالم برزخ، قبر میں سوال و جواب منکر نکیر، آنکھوں سے نظر نہ آنیوالی عالم آخرت کی تمام تفصیلات، حشر و نشر، قیامت، صور، پل صراط، میزان عدلی، وغیرہ جیسے حقائق ایمانی ہیں جن پر کامل و بے ریب یقین کا ہونا مومن کی ایمانی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔

آج الحاد و بے دینی کا طوفان پوری دنیا میں برپا ہے، لادینی تعلیمی نظام نے برسا برس کی جدوجہد کے بعد خود مسلمانوں میں ایسی نسل تیار کر دی ہے، جو ایمانیت و عقائد کے ان مسلہ اصولوں کا کھلے عام انکار کرتی ہیں، تکلیک و انکار الوہیت کا فتنہ عام ہو چکا ہے۔ انسانی زندگی عقیدے کی جس سیدھی اور محکم راہ پر چل رہی تھی اس سے اتر کر انارکی، آوارگی، اور حیوانی زندگی کی بے قید و آزاد شاہراہ پر بگ ٹٹ بھاگ رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان جدید علوم و فنون سے مسلح اور مزین ہونے کے باوجود حیوان سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔

خاص طور پر مسلمانوں میں توحید اور اس کے مظاہر پر کھلی اعتقاد نہ ہونے کی بنا پر اسلام کے نام پر وحییت اور کھلی بت پرستی پائی جا رہی ہے نماز اور روزہ حج و زیارت قربانی و نذر فریاد و نداء دعاء و استغاثہ ان تمام امور میں اللہ کی ذات سے منہ موڑ کر کھلم کھلا زندہ و مردہ مخلوق کو اپنی عقیدت و بندگی کا مرکز بنا لیا گیا ہے اس طرح توحید خالص سے مبرا ایک نئے شرکیہ اسلام کا مصنوعی ڈھانچہ تیار کر لیا گیا ہے، اور ملت اسلامیہ قدیم جاہلیت کی تمام شرکیہ رسموں کو اسلام کا نام دے کر زندہ کر چکی ہے۔

عجمی تصوف، خانقاہیت، شیخ پرستی، قبروں کی عبادت، اور اولیاء کی الوہیت کا عقیدہ (معاذ اللہ) آج مسلمانوں کی بڑی تعداد کا دین و عقیدہ بن چکا ہے ایسے گھناٹوپ اندھیرے میں علامہ شیخ ابوبکر الجزیری مدظلہ کی کتاب ”عقیدۃ المؤمن“ ایک روشن چراغ، اور منارۃ نور کی حیثیت رکھتی ہے، عقیدہ کے موضوع پر یہ ایک منفرد اور بے نظیر کتاب ہے اردو زبان میں اس کتاب کا اضافہ بڑا ہی قابل قدر اور لائق صد شکر ہے۔ انشاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندگی بخشیں گے اور شرک و کفر اور الحاد و بے وینی اور تشکیک و تحلیل کے گھنے و سیاہ بادل اس سے چھٹیں گے اور توحید کامل اور خدا پر یقین و توکل کا مطلع صاف ہوگا، اس کتاب کے مصنف عالم اسلام کے مشہور مفکر، داعی اور اسلامی دنیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سینئر استاذ اور مسجد نبوی کے ممتاز مدرس اور مبلغ ہیں۔

علامہ موصوف کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کی یہ لاجواب و مفید کتاب دنیا کی مختلف زبانوں میں منتقل کی جائے اور اس کا نفع عام کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ طویل جدوجہد اور پورے اٹھماک اور کمال جذبہ اخلاص سے بھرپور مسلسل محنت و جانفشانی کے بعد اس کتاب کا اردو ایڈیشن اردو داں طبقہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت، کمپوزنگ، طباعت اور جلد سازی کا اہتمام پوری توجہ سے کیا گیا ہے۔ اور اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں فاضل مؤلف اور ہمارے کارکنوں کی مساعی کو قبول فرمائے۔ آمین۔

ناشر

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### پیش لفظ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، اور اندھیرے اُجالے کو بنایا۔ آدمی کو مٹی سے پیدا کیا، اور ناپاک قطرے کے جوہر سے اس کی نسل کی افزائش کی، حضرت آدم کو اپنے خاص ہاتھوں سے پیدا فرما کر اُن کی عزت بڑھائی، اور ان کے اندر اپنی روح پھونکی نسل آدم کو بزرگی اور شرف بخشا، اور رحم مادر میں اُن کی صورت گرمی کی، اور خوب سے خوب تر انداز پر اُن کی تخلیق کی۔

اُن کے لئے پاکیزہ روزی فراہم کی، اور جملہ خلائق کے مقابلے میں انسانوں کو اعلیٰ و اشرف قرار دیا۔ انہیں عقل سلیم عطا فرمائی، تاکہ اپنے خالق و مالک حقیقی کو پہچانیں، طرح طرح کی نعمتوں سے انہیں نوازا، تاکہ اپنے پروردگار کو یاد کریں، اور اس کا شکر ادا کریں۔

مخصوص فرشتوں اور انسانوں کو اپنا قاصد اور پیغامبر بنایا، اور اُن پر عظیم تر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے، تاکہ خدا کا دین بندگانِ خدا تک پہنچے، اور بندے اُس کی وحدت کا اقرار کریں، اور صرف اپنے رب کی بندگی کریں۔ اُن کے اندر انسانیت اور آدمیت کے جوہر اُجاگر ہوں۔ آخرت اور حیاتِ ابدی کا یقین اُن کے دلوں میں پیدا ہو، اور انہیں یہ احساس ہو کہ صرف اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر مرنے کے بعد جینے کا آرام اور سچی خوشی انہیں میسر آسکتی ہے، اور ان سدا بہار نعمتوں سے وہ فیض یاب ہو سکتے ہیں، جنہیں حق تعالیٰ

نے دارِ آخرت میں صرف اُن کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔ سچ ہے! اُس کی شانِ کبریٰ کی بھلا کوئی حد ہو سکتی ہے؟ اور اس کی شفقت و مہربانی اور اس کی عظمت و کبریائی کا کوئی کہاں تک اندازہ کر سکتا ہے؟ درحقیقت وہ ”ودعہ لاشریک“ ہے۔ اُس کے سوانہ کوئی عبادت کے لائق ہے، نہ کوئی کائنات کا پروردگار اور پالنہار بن سکتا ہے۔

ہر آن اور ہر گھڑی تباہِ ابد، درود و سلام ہو، رحمتِ عالم، سرورِ عالم ﷺ پر، جنہیں حق نے ازل سے اپنا محبوب اور آخری نبی اور رسول ہونے کا شرف بخشا۔ آپ کی ذاتِ گرامی جملہ خلائق میں سب سے افضل اور بزرگ ترین، ہستی قرار پائی۔ بارگاہِ ایزدی سے آپ کو تمام انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) کی امامت کا شرف حاصل ہوا، اور خدا نے چاہا تو داورِ محشر، روزِ حشر ”لواءِ حمد“ ”مقامِ محمود“ اور ”حوضِ کوثر“ آپ کے سپرد فرمائے گا۔ رحمت و سلامتی کا ابر کرم آپ پر خوب جم کر برسے، اور آپ کے ساتھ اُن تمام نبیوں اور رسولوں پر رحمتوں کی بارش ہو، جو آپ سے پہلے گذرے۔ رحمتِ حق کا سایہ ہو آپ کی پاک و برگزیدہ آل و اولاد پر، اور آپ کے تمام جاں نثار صحابہ کرام پر، اور تاقیامت آنے والے اُن تمام بندگانِ خدا پر، جنہوں نے راستی اور اخلاص کے ساتھ آپ کی کامل پیروی میں اپنی عمریں کھپادیں۔ جو حد سے زیادہ مخلص اور بے لوث ثابت ہوئے، اور جنہوں نے اپنی نیکو کاری، پرہیزگاری، شجاعت اور مردانگی کا دنیا دالوں سے لوہا منوالیا۔ — اَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہئے! کہ اسلامی عقائد پر کامل یقین بندہ، مومن کی انفرادی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ بلاشک و شبہ اور بلا شرکتِ غیرے اپنے پیدا کرنے والے کو ایک مانے، اور کفر و شرک کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی گندگیوں سے اپنے دل و دماغ کو آئینہ کی طرح صاف و شفاف رکھے۔

خصوصاً آج کے دور میں عقیدے کی صفائی اور بھی ضروری ہو جاتی ہے، اس لئے کہ آج مادے اور معدے کی ضرورتوں نے ایک طرف سے عقائد کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا ہے، اور دوسری طرف سائنسی علوم اور نئے اقتصادی نظام کی تابلو توڑ کامیابیوں نے ایک دنیا کو حیرت زدہ کر رکھا ہے۔

ان حالات اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظریہ ضروری معلوم ہوا کہ جس قدر جلد

ہوسکے، کتاب و سنت کی روشنی میں ایسی کتاب لکھی جائے جو ہر لحاظ سے موزوں اور معیاری ہو۔ جہاں تک ہوسکے اس کی زبان آسان اور سلیس ہو، لیکن دلائل و شواہد ایسے مضبوط ہوں جو راست دل میں اتر جائیں۔ کتاب میں جا بجا قرآن پاک اور احادیث مقدسہ کی قدیمیں مشعل راہ کا کام دیں، اور اس کے جلو میں عقل و قیاس اور روزمرہ کی مثالیں اور مشاہدے ذہن و ضمیر کو جلا بخشیں۔

راقم السطور نے اس کام کی انجام دہی میں اس لئے بھی عجلت ضروری سمجھی کہ اب وہ عمر کے آخری ایسٹج پر ہے۔ جس کے آگے موت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اس کام کے آغاز سے پیشتر اس عاجز نے اپنے رب سے ایک ذعایہ کی تھی کہ جب تک اس کی تکمیل سے فراغت نہ ہو۔ جسم و جان کا یہ رشتہ اسی طرح استوار رہے، ورنہ ایک نہ ایک دن آخر مرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے بعد اس کی حیثیت باقیات صالحات، اور صدقہ جاریہ کی سی ہو۔ تاکہ دائرہ آخرت میں اگر میرا شمار خوش قسمت لوگوں میں ہو، تو اس کی خیر و برکت میرے لئے مزید اجر کا باعث ہو۔ اور اگر خدا نخواستہ! میرا شمار بد بخت لوگوں میں ہو، اور شاید یہی ایک عمل اس کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے تو میرے عذاب میں کمی ہوگی، اور میری تکلیف راحت سے بدل جائے گی۔

بالآخر خدا کا نام لے کر اس عاجز نے کام کو شروع کیا۔ مختلف کتابوں کی ورق گردانی اور گہرے مطالعے کے بعد قلم کو حرکت دی، اور حاصل ہونے والے نتائج کو کتابی صورت میں یکجا کیا، اور یہ محض اس کا کرم ہے کہ تھوڑے عرصے میں میری حسب منشاء یہ کتاب تیار ہوئی۔ اس کی بنیاد تمام ترکتاب و سنت پر استوار ہے، لیکن نامہ امکان، زبان آسان اور دلائل بے حد ٹھوس اور مستحکم ہیں۔

ساتھ ہی مجھے اس کا اعتراف ہے کہ کام زیادہ اور فرصت کم ہونے کی بنا پر میں اس کتاب کی مزید نوک پلک سنوار نہ سکا۔ اس لئے قارئین کہیں لفظوں کی کمی بیشی، یا جملوں میں تقدیم و تاخیر کا ہلکا سا فرق پائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے بعض مواقع پر عبارت کی ساخت، زبان کی چاشنی، اور زور بیان کچھ متاثر ہو۔ ورنہ جہاں تک معانی و مطالب کی ادائیگی، مواد کی اصلاح و درستی، اور کتاب کی تحقیق و تصحیح کا تعلق ہے، بجز اللہ! بقدر ممکن اس کی پوری

کوشش کی گئی، اور کوئی کسر پاتی نہیں رکھی گئی۔

تصیف و تالیف کے لئے ان امور کو ملحوظ رکھنے کا مشورہ میں اس لئے ضرور دوں گا کہ — یہ کام خواہ میں کروں یا کوئی اور — بہر صورت اصول یہی ہے کہ کتاب اگر معیاری ہے تو اس کا معیاری اوصاف سے متصف ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس سے کتاب کی 'شاعت' اور اس کی عام مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوتا ہے۔

لیکن اس معمولی فروگزاشت سے قطع نظر — جس سے ہو سکتا ہے، کتاب کا ظاہری حسن کہیں کہیں سے مجروح ہو — یہ امر واقعہ ہے کہ مجموعی طور پر پوری کتاب کے مطالب اور اس کے مفہوم کو سمجھنے میں کہیں کوئی دشواری درپیش نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس کی جمع و تالیف میں حتی المقدرت محنت اور پھر خدا کی ذات پر کامل اعتماد مجھے یہ یقین دلاتا ہے کہ اس نے چاہا تو اس کتاب کا اپنا ایک مقام ہو گا۔ اس کی خوبیاں اور محاسن اپنی افادیت کا آپ احساس دلائیں گی، اور دیگر مذہبی کتابوں کی طرح عالم اسلام اس کتاب کا بھی خاطر خواہ استقبال کرے گا۔ اور یہ میں بہ طریق فخر نہیں، 'از روئے فضل خداوندی اس کا اقرار کرتا ہوں' اس لئے کہ میں اس کا قائل ہوں، اور اس کے اظہار میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ علمی و دینی حلقوں میں مذہبی کتابوں کا اس انداز سے تعارف کرانا کوئی معیوب بات نہیں، بلکہ یہ وقت کا تقاضا ہے، تاکہ کتاب کی خوبیوں اور محاسن کا لوگوں کو احساس ہو، اور عالم اسلام میں دینی کتابوں کی نشر و اشاعت اور اس کے مطالعہ کا رجحان عام ہو۔ آخر یہ بھی ایک اہم فریضہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی خواہ کہیں آباد ہوں دین کے تقاضوں اور اس کے بنیادی عقائد سے کما حقہ واقف ہوں۔ تاکہ حق و باطل کی انہیں تمیز ہو، اور صحیح اور غلط میں فرق کرنا ان کے لئے آسان ہو۔

اس غرض کے علاوہ اس کتاب کی تالیف کی دوسری اہم غرض یہ ہے، جس کا اظہار کرتے ہوئے بھی ذکر ہوتا ہے کہ آج کا پڑھا لکھا مسلمان طبقہ اپنے آباء و اجداد اور اپنے سلف صالحین کی کتابوں سے فائدہ اٹھانا تو درکنار! انہیں چھوٹے اور ہاتھ لگانے سے بھی گریز کر رہا ہے جس کی بے شمار وجوہات میں سے چند یہ ہیں:

1- دن بدن یہ یقین بچتے ہوتا جا رہا ہے کہ آج کل کے پڑھنے والوں کے اندر سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ ان پڑھنے والوں کو یہ



احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ یا جو وہ پڑھتے ہیں اس سے اُن کا ذہن اور اُن کا عقیدہ بنتا ہے، یا بگڑتا ہے؟ روزمرہ کے امور میں صحیح یا غلط کسی بھی قسم کے فیصلے کی لیاقت اُن کے اندر پیدا ہو رہی ہے، یا نہیں؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ جو وہ پڑھ رہے ہیں، آیا انہیں پڑھتے رہنا چاہئے، یا نہیں؟

۲۔ بد قسمتی سے پڑھنے والوں کی وہ جنس، کیاب نہیں، نایاب ہوتی جا رہی ہے، جنہیں بزرگوں اور پہلے کے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر کمال عبور حاصل تھا۔ ان کتابوں کی ایک ایک سطر سے وہ اس طرح واقف ہوتے تھے، جیسے مسیحا مریض کی نس نس سے واقف ہوتا ہے۔ اور جب سے علم کے بازار میں یہ جنس ناپید ہوئی، وہ رہنما اور رہبر بھی نہ رہے جو پڑھنے والوں کی انگلی تھام کر انہیں سوئے منزل لے جاسکیں، یا کم از کم انہیں نشانِ راہ دکھا سکیں۔

۳۔ بعض مخصوص افراد کو چھوڑ کر (الامشاء اللہ!)۔ جنہوں نے تحصیل علم کے لئے اذیتیں برداشت کیں، اور اسے حاصل کرنے کے بعد خاطر خواہ اس سے فائدہ اٹھایا۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ علم کی تلاش و جستجو، اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے کی اُن کے اندر کوئی اُمنگ نہیں! جم کر پڑھنے کا اُن کے اندر کوئی حوصلہ نہیں! اور ظاہر ہے کہ جب جوہر قابل ہی نہیں تو اس کے بغیر نہ ان کی مشکلیں آسان ہوں گی، نہ مفہوم و معانی پر اُن کی گرفت مضبوط ہوگی، اور نہ علوم و معارف کی کرنوں سے ان کے اندھیرے دلوں میں اُجالا ہوگا۔

۴۔ موجودہ برق رفتار ایٹمی زمانے نے نئی نسل کے ذہنوں میں۔ جہاں ایک طرف خدا اور آخرت فراموشی کا بیج بو دیا ہے، وہیں ان کے دلوں میں دنیا و مافیہا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی ہے جس کی وجہ سے اس پود کو یہ خبر نہیں کہ حصولِ علم کے لئے شدت نہیں، مدت درکار ہوتی ہے۔ خصوصاً علومِ نبوت کے حصول کی بنیادی شرط یہ ہے کہ طالب خود کو فراموش کر دے۔ شمع کی طرح اپنے آپ کو گھلا دے۔ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے کام لے، اور دنیا کی چمک دمک سے نظریں بچا کر دایرِ آخرت کی اُن نعمتوں کا ہر آن تصور کرے جسے حق تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔

یہ چند وجوہات اس کتاب کی تالیف کی اصل محرک ہیں جس کے لئے راقم السطور نے مزید تاخیر اور انتظار گوارا نہ کیا، اور بڑی عجلت سے اسے لکھ کر شائع کیا کہ یہ نیکی اور خیر کا کام ہے، اور نیک کام میں دیر کرنا اچھا نہیں۔

(میں ناظرین اور اس کتاب کے درمیان مزید حائل ہونا نہیں چاہتا۔ اب جبکہ میں رخصت چاہوں گا) چلتے چلتے اس کتاب کے اہم مباحث کی طرف اپنے قاری کو ایک بار پھر متوجہ کروں گا، تاکہ علمی حلقے اور ہماری نئی نسل کو اس کی اہمیت کا احساس ہو، اور وہ زیادہ سے زیادہ اس کی قدر کر سکیں۔

اس میں شک نہیں کہ زیر نظر کتاب — ”بندہ مومن کا عقیدہ“ — جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے جس میں مرد مومن کے مذہبی عقائد، ان کی حاجت اور ضرورت ان کے بنیادی اصول و ضوابط، اور پھر ہر اصول کے ایک ایک جزئیے پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، اور اس کی انتھک کوشش کی گئی، کہ کسی زاویے سے کوئی بحث تشنہ یا نامکمل نہ رہے۔ مثلاً:

● — اس کا بیان کہ اللہ رب العزت موجود ہے۔ اس کے وجود کے دلائل، اس پر ایمان لانے کی ضرورت اور اہمیت، توحید اور اس کی قسمیں، اور یہ کہ باری تعالیٰ کی جس قدر معرفت مومن کو نصیب ہوگی، اسی قدر تقویٰ، خوف و خشیت، اس کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ دل میں پیدا ہوگا۔ شرک توحید کی ضد ہے۔ لہذا اس کی تعریف، اس کی اقسام اور مظاہر، اور اس سے بچنے کی تدابیر کو تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ علاوہ ازیں وسیلہ، اور وسیلہ لینے کی شرعی حیثیت، اور اس کی جملہ اقسام، آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا حکم، اور شفاعت چاہنے کی جائز اور ناجائز صورتوں کی تفصیل، اولیاء کرام اور ان کی کرامات کی حیثیت، شیطانی گروہ، (جادوگر، کاہن، شعبہ باز) اور ان سے ربط بڑھانے کی مذمت، فرشتوں پر ایمان، ان کے وجود کی مقول اور مقول دلیلیں، فرشتوں کی تخلیق، مادہ تخلیق، الہا کے حالات اور ان کی وسیع تر خدمات، جنوں کا وجود، ان کا مادہ تخلیق، ان کے احوال، ان کے سیاہ و سپید کارنامے، اور ان کا انجام، شیاطین، ان کی اصلیت اور باطنی خصلت اور ان کے مکرو فریب سے بچنے کی تمام امکانی صورتوں کا مفصل تذکرہ اس کتاب کا اہم جزء ہے۔

● — آسمانی کتابوں اور اُن کے لانے والوں پر ایمان، اُن کی تعداد، اور اُن کے برحق ہونے کے دلائل، نسخ اور ناسخ و منسوخ کی تفصیل۔ تمام پیغمبروں پر ایمان، اُن کی تعداد، اُن کے اور اُن کی امتوں کے نام، اُن کے زمانے اور مقامات کا بقدرِ ممکن تعین، اولوالعزم انبیاء اور رسول، وحی عقل و نقل کی روشنی میں، اس کا ثبوت، اس کی حاجت اور ضرورت، اور یہ یقین دہانی کہ وحی الہی کے بغیر انسان کے لئے زندگی کا ایک لمحہ بھی بسر کرنا محال ہے۔

● — روزِ قیامت، حشرِ نضر، جزا و سزا، اور اس کے برحق ہونے پر ایمان کا بیان۔ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی تفصیل، اور حساب کتاب کے وقت ہر شخص کا نفسی نفسی پکارنا، اعمال کا وزن، پل صراط، اس کی ساخت اور یہ کہ جنتی عافیت کے ساتھ اس پر سے گذر جائیں گے، اور دوزخی کٹ کٹ کر اس میں گریں گے۔ جنت اور وہاں کی ابدی راحتیں، جہنم اور اس کا دائمی اور قسم قسم کا عذاب، اچھی اور بری تقدیر سب خدا کی طرف سے ہے، اس کے نقلی اور عقلی دلائل — اس کی وضاحت کہ بندے مجبور محض ہیں، یا بلا اختیار؟ نیز ارادہ، مشیت، ہدایت، گمراہی، اور نیکی بدی کی تشریح۔

آخر میں یہ بتایا گیا کہ انسانی زندگی پر عقائد کے کیا کیا اثرات زونما ہوتے ہیں؟ اور ان سے مزید کس قسم کے فائدوں کی توقع رکھی جاسکتی ہے؟ — اس کتاب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے کسی جزء کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ ہر ایک پر تفصیل سے گفتگو کی گئی، مذہبی دلائل کے ساتھ ساتھ علمی اور عقلی دلائل کو خاص طور پر ذکر کیا گیا، اور ترتیب و تالیف اور مفہوم کی ادائیگی کے وقت عصری تقاضوں اور پڑھنے والوں کی ذہنی صلاحیتوں کا پورا لحاظ کیا گیا۔

ذعا ہے کہ یہ کام جو محض توفیق اور فضل خداوندی کا نتیجہ ہے، حق تعالیٰ اس کے اجر سے مجھے محروم نہ فرمائے، محنت کو قبول فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ اس کے نفع کو عام کرے۔  
(آمین)

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

## عقیدہ کی ضرورت اور اہمیت

### ● انسان اور اس کی حقیقت :

کائناتِ ارضی کی سب سے حیرت انگیز، ہشاش بشاش، زندہ و متحرک، عقل و ہوش اور روح و ضمیر رکھنے والی مخلوق جو حضرت انسان کے نام سے موسوم ہے۔ انسان کو قدرت کے سخی ہاتھوں نے موزوں قد و قامت، حسین و جمیل خدو خل اور حد درجہ نرالی ساخت سے نوازا۔ اس کے اندر بلند اخلاق، قوتِ احساس، طاقتِ گفتار اور فکر و عمل کی صلاحیت پیدا فرمائی اور مافی الضمیر کو ادا کرنے کے مختلف انداز سکھائے۔

حق تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو مٹی سے پیدا کیا (جو ہر قسم کی تبدیلی قبول کرنے کی اہلیت رکھتی ہے) پھر نپاک قطرے کے جوہر سے اس کی نسل کی افزائش کی۔ سب سے پہلے اپنے دستِ خاص سے آدم کا پلٹا بنایا۔ اُن کے جسدِ خاکی میں رُوحِ پھوگی۔ حضرت آدم کے زندہ جسم سے اُن کی بیوی حضرت حوا کو پیدا فرمایا۔ تمام چیزوں کے نام اور حقائق سے انہیں آشنا کیا اور اسی علم کے سبب فرشتوں پر انہیں برتری بخشی۔ خلیفۃ اللہ کا منصب عطا کرنے کے بعد ملائکہ اور جنات کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں! فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی اور آدم کو سجدہ کیا، ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا اور ہمیشہ کے لئے آدم اور نسل آدم کا دشمن بن گیا! آدم اور حوا خدا کے حکم سے جنت میں رہنے لگے۔ اور جنت کی ہر چیز استعمال کرنے لگے۔ انہیں ابتدا سے یہ تاکید کی گئی کہ وہ ”شجرِ ممنوعہ“ کے پھل کو ہرگز استعمال نہ کریں، لیکن دونوں اس حکمِ خداوندی کو بھول گئے، اور دوسرے شیطانی سے اس درخت کا پھل کھا بیٹھے پھل کھاتے ہی انہیں احساس

گناہ ہوا اور دونوں توبہ و استغفار میں لگ گئے۔ حق تعالیٰ نے انہیں توبہ کے الفاظ تعلیم فرمائے اور انہیں معاف تو کر دیا، مگر اس کی مشیت کی رُو سے زمین کو آباد کرنے کا وقت آپکا تھا۔ اس لئے کہ تخلیق آدم کے وقت ہی بتا دیا گیا تھا کہ زمین پر ایک خلیفہ یا نائب کا تقرر ہونے والا ہے۔ چنانچہ زمین کو انسانوں کی رہائش، ان کی نسل کی افزائش، اور ان کی جملہ ضروریات کے لئے آراستہ کر دیا گیا۔ اور اس نافرمانی پر ان دونوں کو جنت سے نکال کر دنیا میں آباد ہونے کا حکم دے دیا گیا۔

اولین انسان سے متعلق ہمارا عقیدہ یہی ہے۔ اور اسلام کی نظر میں اولین انسان اور زمین کے سب سے پہلے آباد کار: حضرت آدم ﷺ سے متعلق ہمارا یہ نظریہ تمام ترویجی الہی اور ارشادِ ربانی کا نتیجہ ہے، جس کے آگے فکر و نظر، قیاس و تخمین، اور دادِ تحقیق سب کچھ بیچ ہے۔

ہمارے نزدیک ایک انسان کا دوسرے انسانوں پر یہ حق ہے کہ: اس کا خون، اس کا مال، اس کی جان، اس کی عزت و آبرو سب محفوظ ہوگی۔ اس کے جذبات و احساسات اور اس کی خودی اور عزتِ نفس سب کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جب تک آدمی اپنی انفرادی آزادی اور خود مختاری کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے، ساج اور معاشرے کو۔ جس کا وہ ایک فرو ہے۔ کوئی نقصان نہ پہنچائے، اسے مکمل خود اختیاری اور شخصِ آزادی کے فوائد حاصل رہیں گے۔

ہم جو عقیدہ رکھتے ہیں اور انسان کے بارے میں ہمارا جو نقطہ نظر ہے، اس کی دلیل اور بنیاد تمام تر باری تعالیٰ کے وہ ارشادات ہیں جس میں اس نے انسانی تخلیق، اس کی نشوونما کے مختلف مدارج، اور اس کے نسلی ارتقاء کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور خالق کائنات کے یہ ارشادات اور یہ ساری معلومات چونکہ ہمیں وحی الہی کے ذریعہ حاصل ہوئیں، جس سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ذریعہ کا تصور عقلِ انسانی کے لئے محال ہے، اور جس سے نہ انکار کیا جاسکتا ہے۔ نہ اسے جھٹلایا جاسکتا ہے۔ یہ دلائل قرآنِ پاک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو چکے ہیں۔

چنانچہ حضرت آدم کی پیدائش کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمِإٍ مَسْنُونٍ ﴿۳۶﴾ (حجر: ۳۶)

”اور بلاشبہ ہم نے انسان کو کھٹکتاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، جو سزے ہوئے گارے

سے تیار ہوئی تھی۔“

نیز فرمایا:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهُ  
وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدٰتِن ۝ (ص: ۷۱، ۷۲)

”جبکہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں، پھر جب میں اس کو پورا بنا چکوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔“

دوسری جگہ فرمایا:

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسٰنِ مِنْ طِیْنٍ ۝  
(سجدہ: ۷۶)

”جس نے جو چیز بنائی، خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔“

اولادِ آدم کی پیدائش پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ جَعَلْنَا نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلٰةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ (سجدہ: ۸۱)

”پھر اس کی نسل (انسانی جسم کے) خلاصہ (یعنی نطفہ کے) حقیرانی سے بنائی۔“

انسان یعنی حضرت آدم کی پیدائش کا ذکر دوسری جگہ یوں کیا:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْسٰجٍ ۝ (الانسان: ۳)

”بلاشبہ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔“

ایک اور جگہ قدرے وضاحت سے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسٰنَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِیْ  
قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً ۝ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ۝  
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا ۝ فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ اَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا  
اٰخَرَ ۝ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ (مومنون: ۱۳-۱۷)

”اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا، پھر ہم نے اس کو ایک

مخروط جگہ (یعنی ماں کے رحم میں) نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لو تھڑا بنایا، پھر لو تھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا، پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنایا، پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک اور ہی صورت میں بنایا۔ پس برکت و عظمت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔“

دنیا کی پہلی خاتون حضرت حوا کے بارے میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ (نساء:)

”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ (یعنی پہلے) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بت سے مرد و عورتیں (پیدا کر کے زمین پر) پھیلا دیئے۔“

نیز فرمایا:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ (اعراف: ۱۸۹)

”وہ اللہ ہی ہے، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس سے (دل کا) سکون حاصل کرے۔“

حضرت آدم کو چیزوں کے نام سکھائے، اور زبان و بیان کی صلاحیت بخشی:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ (بقرہ: ۳۱)

”اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان (چیزوں) کو فرشتوں کے آگے پیش کیا، اور فرمایا، اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔“

نیز فرمایا:

الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الرحمن: ۳۱)

”(خداے) رحمان نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو گویائی سکھائی۔“

اپنے دستِ خاص سے حضرت آدم کو ٹھیک ٹھیک بنایا، اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّا اِبْلِیْسَ ط اَسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (ص: ۷۱ ۷۲ ۷۳)

”جبکہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں، پھر جب میں پورا بنا چکوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ (جب اللہ نے اسکو بنایا) تو سارے کے سارے فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا، مگر ابلیس نے، کہ وہ غرور میں آگیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔“

ابلیس سے کہا!

قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیْ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ ۝ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِیْنٍ ۝ (ص: ۷۴ ۷۵ ۷۶)

”اللہ نے فرمایا، کہ اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آگیا؟ یا تو اونچے درجے والوں میں سے ہے؟ ابلیس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا، اور اس کو مٹی سے بنایا!“



آدم کو حکم ہوا کہ شجر ممنوعہ کا پھل نہ کھائیں! لیکن شیطان کے برکاوے میں آکر آدم نے پھل کو کھالیا! اور اپنے رب کے حکم کے خلاف کیا اور راہ سے بھگ گئے!

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن مَّاقَبِلُ فَتَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ وَاقْلُنَا لِمَلِكِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى ۝ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوُّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى ۝ إِنَّ لَكَ أَنْ لَا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى ۝ وَأَنْتَ لَا تَطْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَى ۝ فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى ۝ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سُرَاتُهُمَا وَطَفِيفًا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ۝ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۝ (ط: ۱۱۵، ۲، ۱۳۳)

”اور بلاشبہ ہم نے پہلے آدم سے عہد کر لیا تھا مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہ پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے (کہ) اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا، اے آدم! بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، تو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے، پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ بلاشبہ تمہارے لئے جنت میں یہ (آرام) ہے کہ تم اس میں کبھی بھوکے رہو گے نہ ننگے ہو گے۔ اور بلاشبہ اس میں تم نہ پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تھو گے۔ پھر شیطان نے ان کے (آدم کے) دل میں وسوسہ ڈالا، (اور) کہا کہ اے آدم! کیا میں تم کو ہمیشہ کا درخت بتاؤں، اور (ایسی) بادشاہی جس کو کبھی زوال نہ ہو؟ چنانچہ ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا، تو ان کے ستر کی چیزیں ان پر کھل گئیں، اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ اور آدم نے اپنے پروردگار کے (حکم کے) خلاف کیا، پس وہ راستے سے بھگ گئے پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو رحمت سے ان پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم کر دیا۔ پھر حکم دیا، تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے

دشمن ہو۔“

پھر باری تعالیٰ نے فرمایا:

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

(بقرہ: ۳۷)

”پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے، تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی“

بے شک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔“

یہ کلمات کیا تھے؟ سورہ اعراف میں انہیں مفصل بیان کیا، فرمایا:

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

الْخَاسِرِينَ ۝ (اعراف: ۲۳)

”دونوں نے عرض کیا، پروردگار! ہم نے اپنے اوپر خود ظلم کیا، اور اگر تو ہم کو نہ

بخشے گا، اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم واقعی نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں

گے۔“

آیات کی طرح احادیث کا سرچشمہ بھی باری تعالیٰ کی ذات گرامی ہے، جنہیں حق تعالیٰ

نے حضور ﷺ کے دل میں ڈالا۔ دنیا کے اولین انسان کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

”حق تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے، جنات کو آگ کے شعلوں سے، اور انسانوں کو اپنے ارشاد

کے مطابق، مٹی سے پیدا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”اور آدم کو مٹی سے بنایا۔“ (مسلم ۲۲۶/۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شفاعت والی روایت میں ہے، — اس روایت کو بخاری اور مسلم نے

روایت کیا ہے کہ:

”ایمان والے قیامت کے دن جمع ہوں گی، پھر ان کے دل میں ایک بیک شفاعت کا خیال آئے

گا۔ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے، کیوں نہ ہم کسی ایسے کو تلاش کریں جو خدا کے یہاں ہماری

سفاشر کرے! تلاش کرتے ہوئے یہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے، ’آدم!

ہمیں ”سب سے پہلا انسان“ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ خدا نے ہمیں اپنے ہاتھوں سے پیدا

فرمایا، تمہارے اندر اپنی روح پھونکی، فرشتوں سے ہمیں سجدہ کرایا۔“ (الکوٹوذر لمرطمان

(۵۰/۳۹/۱)

حضرت آدم اور دیگر انسانوں کی پیدائش میں فرق! اور عام انسانوں کے مقابلے میں

آدم کا امتیاز۔ جس کی طرف حدیث میں بطور خاص اشارہ کیا گیا۔ یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں خود اپنے دست خاص سے یکبارگی پیدا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ”خدا نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا۔“ اگر حضرت آدم کی پیدائش اس طرح عمل میں آتی، جیسا کہ عام انسان پیدا ہوتے ہیں تو حدیث شریف میں ”خدا کے ہاتھوں سے پیدا فرمانے“ کا ذکر نہ ہوتا۔ اور تب حضرت آدم کو دیگر انسانوں پر نہ کوئی فضیلت حاصل ہوتی! اور نہ آپ کا کوئی امتیاز ہوتا!

بخاری، ”مسلم“ اور امام احمد سے انہیں (امام احمد) کے الفاظ میں روایت ہے کہ حضور

ﷺ نے فرمایا:

”آدم اور موسیٰ کی باہم ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے آدم پر اعتراض کرتے ہوئے عرض کیا، آپ آدم ابو البشر ہیں! آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اور اپنی زوج بھونک دی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو اور ہمیں جنت سے نکلوا دیا؟ آدم نے جواب دیا: تم موسیٰ ہو، اللہ کے رسول، تم سے اللہ نے کلام کیا۔ (اور تم نے توریت پڑھی ہے۔ کیا اس میں یہ نہیں لکھا ہے کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھلک گیا! موسیٰ نے عرض کیا، جی ہاں“ (بخاری۔) آدم نے کہا: پھر تم ایسی بات پر مجھے ملامت کیوں کرتے ہو جسے اللہ نے آسمان و زمین کی (اور میری بھی) پیدائش سے چالیس سال قبل میرے لئے مقدر فرمادی تھی؟ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اس طرح حجت میں آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔“ فتح ربانی (۱/۱۳۷) التکوین والمرطبان (۳/۳۱۱) مسلم (۳۹/۸) ابوداؤد (۵۲۸/۲)

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

”باری تعالیٰ نے حضرت آدم کا خمیر مٹھی بھر مٹی سے بنایا۔ یہ مٹی کل روئے زمین سے لی گئی تھی۔ جگہ جگہ کی مٹی کا اولاد آدم پر یہ اثر ہوا کہ جس کی مٹی جہاں کی تھی، نسل آدم کا رنگ زوہب اس کے مطابق سیاہ، سپید، سرخ، یا سرخ اور سیاہی مائل ہوا۔ مزاج میں نرمی، گرمی، اعتدال اسی کا نتیجہ ہے۔ اچھی بری افتاد طبع اور میانہ روی سب اسی مٹی کا اثر ہے۔“

احمد (۳۳۸/۵) ابوداؤد (۵۲۵/۲) ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے:

”خدا نے آدم کو ان کی اپنی شکل پر پیدا فرمایا۔ اس وقت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا۔ پھر فرمایا: آدم! جاؤ ان فرشتوں کو جا کر سلام کرو، اور غور سے سنو، تمہارے سلام کا وہ کس طرح جواب دیتے ہیں۔ اسی کے موافق تم اور تمہاری اولاد آپس میں سلام کیا کرتا۔ حضرت آدم نے بڑھ کر

فرشتوں کو سلام کیا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ! انہوں نے جواب میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کا اضافہ کیا، اور یوں کہا، وَ عَلَیْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ (خدا کا وعدہ ہے کہ جنت میں داخلے کے وقت ہر جنتی کی شکل و صورت آدم کی سی ہوگی، (لیکن دنیا میں) آدم کے بعد ان کی نسل میں دن بدن کمی آتی گئی، تاآنکہ آج کے انسانوں کا قد اس حد تک ہوا۔ (بخاری ۶۳/۸) مسلم شریف کی روایت ہے:

”(ہوں تو سورج روزانہ نکلتا ہے لیکن) سب سے بہتر دن جس میں سورج نکلتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی روز حضرت آدم پیدا ہوئے، اسی روز جنت میں داخل ہوئے، اسی روز جنت سے نکالے گئے، اور قیامت بھی اسی جمعہ کے روز آئے گی۔“ (مسلم ۶۱/۳)

ان تمام آیات و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کا اولین انسان رفتہ رفتہ نہیں، بلکہ یکبارگی پیدا ہوا۔ حق تعالیٰ نے اپنے دست خاص سے ان کی صورت بنائی۔ اس کے بعد وہ — روح پھونکے جانے، فرشتوں سے سجدہ کرانے، علم سکھانے اور جنت میں داخلے کے مراحل سے گذرتے رہے۔ پھر وہ گھڑی آئی کہ — خلاف حکم کرنے اور بھٹک جانے پر پھل کھانے کے نتیجے میں جنت سے نکالے گئے، اور اپنی بیوی حضرت حواء کے ساتھ — جن کی تخلیق حکم الہی سے ہوئی — دنیا میں بسائے گئے۔

حضرت آدم اور حواء دنیا میں آیا ہوئے تو رفتہ رفتہ ان کی نسل بڑھی۔ قدرت مہم ہاتھوں نے فیاضی کی، اور حسن و جمال سے آراستہ شکل و صورت، اور مکمل قد و قامت میں اولاد آدم کی پیدائش کا بڑی تیز رفتاری سے سلسلہ چلا۔ خدا نے ان کے اندر نامی گرامی عقلمند، سرداران قوم اور زبان و بیان کے ماہر پیدا کئے۔ کل کائنات کو ان کا تابع فرمان بنایا، تاکہ دنیا کی زندگی میں یہاں کی ایک چیز سے فائدہ اٹھائیں۔ پھر ان کی اندرونی اصلاح اور باطن کی صفائی کے لئے پیغمبروں کا طویل سلسلہ چلایا۔ نبیوں اور رسولوں پر آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ انسانیت کی تکمیل ہو، دنیا کی زندگی میں ان کے اندر سدھار کے آثار نمودار ہوں، اور پھر وہ دلوں کو صاف اور اپنی زوجوں کو اس قدر پاکیزہ اور صاف تھری بنالیں، تاکہ مرنے کے بعد آسمان میں قدسیوں کی جگہ انہیں ہمیشہ آرام اور اونچا مقام نصیب ہو۔

اسلام اور ہم مسلمانوں کی نظر میں — حد درجہ معزز انسان کا آغاز و انجام اور اس کا

مقام — یہ ہے جو ہم نے پیش کیا — ، لیکن نیچری (Netural) ، دہریہ ، بے دین کفار و مشرکین کا نقطہ نظریہ رہا ہے کہ انسان بذات خود اس طرح پیدا نہیں ہوا ، جس طرح آج دنیا میں نظر آ رہا ہے۔ بلکہ وہ بالکل ابتداء میں ”خلیہ“ (Cell) کی شکل میں کسی سیارے سے زمین پر آ رہا تھا۔ چونکہ ہماری زمین اس نخلے کو اس آگنی ، اس لئے وہ پھیلنا اور بڑھنا شروع ہوا۔ نشوونما کی ابتداء میں اس کی حیثیت بے حد معمولی اور بھدے جاندار کی سی تھی۔ پھر قدرتی طور پر رفتہ رفتہ اس نے ردوبدل کو قبول کیا۔ جینے اور زندہ رہنے کے لئے ضروری چیزیں اس کے اندر آپ سے آپ بنتی اور بگڑتی گئیں ، اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کی ساخت اور اس کی حالت بھی بدلتی گئی۔ پھر امتداد زمانہ اور فطری حالات کے شدید رد و بدل نے خلیہ کی ساخت کو بدل کر دیگر انواع سے ترقی دیتے دیتے اسے ارتقاء کے پہلے زینہ پر ڈال دیا ، اور اس کی شکل بندر کی سی بن گئی ! اس شکل پر آنے کے بعد بھی تبدیلی کا عمل جاری رہا۔ چنانچہ ڈم اور دوسری غیر ضروری چیزیں غائب ہو گئیں ، اور بندر سے اس نے بندر اور انسان کی درمیانی شکل اختیار کر لی۔ پھر وہ وقت آیا کہ یہ صنف بھی ناپید ہونے لگی ، اور ان کا ڈھانچہ بھی زوئے زمین پر باقی نہ رہا۔ اس لئے کہ رد و بدل کے شدید عمل نے اس درمیانی شکل کو بھی باقی نہ رکھا۔ چنانچہ اس شکل نے بھی اپنے اندر تبدیلی قبول کی اور موجودہ انسانی ہیئت اختیار کر لی !

انسانی پیدائش کے اس عجیب و غریب نظریے کو ثابت کرنے کیلئے علم الحیوانات (Zoology) کے ماہرین ان اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں — اتفاقات ، فطری تغیرات ، نظریہ ارتقاء (Theory of Evolution) ، بقاء اصلح (Survival of the Fittest) اور موروثی اثرات وغیرہ۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ، یہ نظریے (Theories) بذات خود بر خود غلط اور بے بنیاد نہیں ، اس لئے کہ ہمارا وجدان بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ باری تعالیٰ آن گت خلائق اور کائنات کی تخلیق میں اپنے دیگر اصولوں کی طرح ان اصولوں کو بھی لگا بے لگا استعمال کرتا ہے ، جبکہ اس کے بیشمار اصولوں اور ضابطوں تک رسائی بھی حضرت انسان کیلئے محال ہے۔ بہر کیف ہم دیکھتے ہیں کہ ابتداء آفرینش میں انسان کا وجود مرد کے نطفے اور عورت کی رطوبت کے اندر ایک خلیہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر مادہ منویہ میں جان پڑتی ہے ، اور اس کے اندر مذکر یا مونث ہونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر مرد عورت کے ملاپ سے

عورت کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے، جو مختلف حالتوں سے گذر کر جنین کی شکل اختیار کرتا ہے۔ تا آنکہ ماں کے رحم میں اس کی خلقت تمام ہوتی ہے، اور نوزائیدہ بچہ کی شکل میں ایک ننھے نئے مکمل انسان کا دنیا میں ظہور ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا  
الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ  
أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (المؤمنون: ۱۳ تا ۱۴)

ترجمہ: ”پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ (یعنی ماں کے رحم میں) نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا، پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنایا، پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک اور ہی صورت میں بنایا۔ پس برکت و عظمت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔“

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”ہر نبی نوعِ انسان اپنی پیدائش کے چالیس دن ماں کے رحم میں نطفہ کی شکل میں گذرتا ہے۔ پھر وہ جھے ہوئے خون اور گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اسی حالت میں فرشتہ اس کے پاس آکر اس کے اندر روح پھونکتا ہے، اور اس کے بارے میں چار چیزوں کا اندراج کرتا ہے۔ روزی، موت، اس کی جملہ کارکردگی، اور یہ کہ اس کا شمار خوش نصیبوں میں ہوگا یا بدبختوں میں۔“

(بخاری، مسلم، اللؤلؤ والمرجان ۳/۲۰۷، ۲۰۸)

حضور ﷺ سے سوال کیا گیا:

”یا رسول اللہ! بچہ ماں یا باپ کی مشابہت کیونکر اختیار کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: مرد و عورت کے ملاپ کی صورت میں جس کی منی غالب آتی ہے، بچہ اسی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ (چنانچہ مرد کی منی غالب آنے کی صورت میں بچہ باپ اور اس کے عزیزوں کی صورت پر جاتا ہے۔ اور عورت کی منی غالب آنے کی صورت میں بچہ اپنے نضیال کی صورت پر جاتا ہے۔)“

(بخاری ۵/۸۸، ۱۰۳، مسلم ۱/۱۷۲)

یہ بھی گویا موروثی اثرات کی طرف ایک قسم کا اشارہ ہے۔ نباتات کے اندر تدریجی ارتقاء کا روز مرہ مشاہدہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ کھجور کا درخت ایک گھٹلی کی شکل میں ادھ ادھ

پڑا گر ملتا ہے، لیکن یہی بیج جب زمین کے اندر دب جاتا ہے، اور مناسب آب و ہوا اور ماحول سے نصیب ہوتا ہے تو یہی سمجھتی تروتازہ شاخ کی شکل میں زمین سے اپنا سر اُبھارتی ہے، اور رفتہ رفتہ لمبے لمبے کھجور کے درختوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے جن کے اوپر تمہ بہ تمہ خوشے لگے ہوتے ہیں۔ یہ سب انتظام اس لئے ہے کہ لوگوں کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو مل سکیں۔

یہ اور قدرت کی کاریگری کے بے شمار نمونے اس کا ثبوت ہیں کہ انسان و حیوان ہوں، یا پودے اور نباتات، سب کی افزائش اور پرورش قدرت کے تدریجی نظام کے تحت عمل میں آتی ہے۔ اسی طرح باپ دادا کی عادات و اطوار اور ان کے خاندانی اثرات کا بیٹے میں منتقل ہونا بھی قدرت خداوندی کا ادنیٰ کرشمہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز ازل سے دستور الہی یہ بھی رہا ہے کہ صرف وہی چیزیں یا قسمیں باقی رہ جاتی ہیں، جو دوسری انواع و اقسام سے زیادہ لائق اور مفید ہوتی ہیں۔ گویا آج سے نہیں ازل سے بقاء اصلح کے دستور پر عملدرآمد جاری ہے۔ لیکن یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہم آنکھ بند کر کے یہ سب مانتے جا رہے ہیں۔ ہم ان نظریوں کی تائید اس شرط کے ساتھ کرتے ہیں کہ کائنات اور اس کے ذرے ذرے میں جو رد و بدل ازل سے ہوتا آ رہا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا، یہ تغیران کا ذاتی نہیں، اور نہ ہی یہ کسی خوشنما اتفاق یا وقتی حادثے کا نتیجہ ہے، بلکہ یہ تمام تراثر اور تاثر اللہ رب العزت اور اس کی زبردست قدرت کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ نیز خلق و تکوین کا یہ قدرتی نظام آزاد اور بے اصول نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کا پابند ہے۔ اور اسی ضابطے کے تحت کائنات کا یہ سارا نظام سارے عالم میں جاری و ساری ہے۔ لیکن چونکہ باری تعالیٰ خود مالک و مختار ہے، وہ محض اپنے فضل اور اپنی مہربانی سے اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کی پابندی کرتا ہے۔ ورنہ اس پر کسی کا جبر اور بواؤ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اس نظام تکوینی میں از خود کبھی کوئی تبدیلی کر دیتا ہے، اور انبیاء و رسول جیسے اپنے نیک بندوں کے ذریعہ ایسے معجزات دُنیا دالوں کے سامنے پیش کرتا ہے جس سے اُن کی نبوت اور رسالت کی تصدیق ہوتی ہے، اور ان معجزات کو دیکھ کر ایک دُنیا حیران اور ششدر رہ جاتی ہے۔

چنانچہ دُنیا بھر کے انسانوں کی تخلیق کا ایک قدرتی نظام ہے، اور توالد و تناسل کا سلسلہ اسی کے مطابق چل رہا ہے۔ لیکن جب خدا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش منظور ہوئی تو

اس نے عام قاعدہ سے ہٹ کر بغیر پاپ کے انہیں پیدا کر کے دکھادیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ (آل عمران: ۵۹)

”بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے کہ اللہ نے پہلے مٹی

سے اس (آدم ﷺ) کا قالب بنایا۔ پھر اس کو حکم دیا کہ (انسان) ہو جا۔ پس وہ انسان ہو گیا۔“

عام انسان اپنی پیدائش کے ایک عرصے کے بعد بولنا شروع کرتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ صلاحیت اس کے اندر ترقی کرتی ہے، لیکن حضرت عیسیٰ ﷺ کو یہ دولت اسی وقت مل گئی جب آپ گوارے میں تھے، اور آپ کی پیدائش کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا۔

آگ کی خاصیت حق تعالیٰ نے یہ بنائی ہے کہ جو اس میں پڑتا ہے، آگ اسے فوراً جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اسی آگ میں ڈالے گئے تو قدرت نے آگ کی اس تاثیر کو معدوم کر دیا، اور وہی آگ آپ کے لئے گلزار بن گئی۔

اس طرح حق تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کائنات کو ایک نظام کے مطابق بھی چلاتا ہے، اور اپنی مرضی اور منشاء سے جب چاہتا ہے اس کے اندر تبدیلی فرما دیتا ہے۔

خلق اور تکوین کے جس نظام کو ہم خدائی نظام کہتے ہیں، حیرت کا مقام ہے کہ یہ نیچری اور بے دین اسکو اتفاقی حادثہ یا خود کار نظام جیسے کھوکھلے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اور یہ تمام تر کھینچ جان اور ہیر پھیر وہ صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ ذات باری تعالیٰ کا اقرار نہ کرنا پڑے، اور وہ ہر قسم کی مذہبی پابندیوں سے اپنی گردن چھڑالیں اور خود کو آزاد اور بے مہار تصور کریں!

لیکن انہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ذات باری کا جس قدر انکار کریں، خلق و تکوین کے اس نظام کو جو چاہیں نام دیں، اس کی قدرت کاملہ میں بال برابر فرق نہ آئے گا۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ○ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ○



(فاطر: ۳۳)

”تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے، اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز نلتا ہوا نہ دیکھو گے۔“

ہاں اس کی مشیت ہوگی تو وہ اپنے بنائے ہوئے نظام کو نہ صرف موقوف کر سکتا ہے، بلکہ اس کو درہم برہم اور نیست و نابود بھی کر سکتا ہے، اس لئے کہ وہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔

اور اگر باری تعالیٰ چاہتا تو حضرت آدم اور حواء کو رفتہ رفتہ وجود میں لاتا، جیسا کہ اس بھری پڑی دنیا کے اس پورے نظام کو وہ تدریجی طور پر چلا رہا ہے۔ لیکن اس کی مشیت یہ ٹھہری کہ دنیا کے اولین انسانی جوڑے کو اس نے یک لخت پیدا فرما دیا۔ دہریوں کی طرح آدم و حواء نے ارتقاء کی میڑھیوں کو زینہ بہ زینہ طے نہیں کیا، اور ہم اس قدر اعتماد اور یقین سے یہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ خبریں ہمیں وہی دے رہا ہے جس کے دست قدرت نے اس بچہ روزگار کو وجود بخشا۔ اور جب صاحب واقعہ خود خبر دیتا ہے تو اس کے اندر صداقت ہوتی ہے اور جھوٹ کا شائبہ تک پایا نہیں جاتا۔

بھلا اللہ! علماء اسلام نے ڈارون کے فاسد نظریوں کا سختی سے تعاقب کیا ہے، اور ان کے اپنے نظریات اور تھیوری سے ان فاسد عقائد اور نظریات کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔

### ● ڈارون کے نظریہ کی خامیاں :

۱۔ نشوونما اور ارتقاء کا نظریہ اگر ہمہ گیر اور عمومی حیثیت رکھتا ہے، جس کی زوسے سبھی جاندار اور حیوانات مختلف روپ دھارنے کے بعد اپنی موجودہ شکلوں تک پہنچ سکے ہیں تو اس نظریہ کے قائل افراد کو یہ بتانا ہو گا کہ اگر انسان شروع میں بندر تھا تو پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بیل، بھینس اور بکری شروع میں کیا تھے؟ چوپائے جیسے گھوڑے، گدھے اور خچر اور درندے جیسے ہاتھی، شیر، چیتا اور کتے وغیرہ ابتداء میں کیا تھے؟

۲۔ ”بقاء آصلح“ کا نظریہ اگر درست ہے! تو پھر کیا وجہ ہے کہ زمین پر بسنے والے جملہ حیوانات کی نشوونما اور ترقی قطعی تھم چکی ہے؟ اس لئے کہ صدیوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ یہ

جاندار اپنے پچھلے حال پر قائم ہیں۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ کمال کی کوئی حد نہیں ہوتی، لہذا ان کے اندر رد و بدل ہونا چاہئے، اور بہتر سے بہتر شکل انہیں اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن دیکھایہ جارہا ہے کہ گھوڑا گھوڑا ہے، شیر اور بھیڑیے حسب سابق اپنی اسی شکل پر قائم ہیں۔ اور سب سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ خود حضرت انسان صدیوں سے اپنی اسی شکل پر قائم ہے۔ اس نے ذرہ برابر ترقی یا کسی قسم کی تبدیلی کو قبول نہیں کیا ہے۔

۳۔ جملہ حیوانات میں ”بقاء اصلح“ کا نظریہ اگر درست ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی دو چیزوں میں زیادہ لائق و فائق نوعیت کو بقاء ہوتی ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ بندر اور انسان کی درمیانی شکل (بوزنہ یا بندر بے ذم) فنا ہوگئی! اور بندر بدستور موجود رہ کر اس نظریہ کا منہ چڑا رہا ہے۔ جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ بندر فنا ہوتا اور وہ درمیانی شکل باقی رہ جاتی، اس لئے کہ بندر سے وہ بدرجہا بہتر تھی۔ اور بقول تمہارے اصلح (زیادہ بہتر) کو بقاء ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جو بے ہنگم اور نامناسب ہے وہ تو دن دناتا پھر رہا ہے، اور اس سے بہتر لاپتہ ہے؟ اور اگر اس سب کے پیچھے نیچر اور فطرت کا خود کار نظام ہے تو سارا قصور اسی نیچر کا ہے کہ اس نے اس قسم کا غلط انتخاب کیوں کیا؟ کہ بھدے اور بے ہنگم کو باقی رکھا اور اس سے بہتر کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

۴۔ تمہارا مادہ پرستانہ ذہن، فکرو نظر اور استدلال و قیاس کو غیر اہم سمجھتا ہے۔ اسی لئے تم نے یہ طے کر لیا ہے کہ بغیر دیکھے کوئی چیز تسلیم نہیں کرو گے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ انسان کے نظریہ ارتقاء میں تم نے اپنے اصول کو بھی خیر باد کہہ دیا، اور بغیر دیکھے متعدد چیزیں تم نے تسلیم کر لیں؟ مثلاً تم کہتے ہو کہ انسان کی اولین شکل خلیہ کی صورت میں تھی جو کسی سیارے سے اس زمین پر آگرا تھا۔ جب اولین انسان خود یہی ”خلیہ“ تھا، تو اس سے متعلق تفصیل سے آگاہ آخر کس نے کیا؟ اس لئے کہ خلیہ کا مختلف روپ کسی نے بھی نہیں دیکھا اور خلیہ خود زیر پرورش تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ آج پورے وثوق سے اس نظریہ کو نہ صرف تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ دوسروں میں اس کا پرچار بھی کیا جاتا ہے! اس طرح گویا تم اپنے مادی طریق فکر کی خود بخود خلاف ورزی کرتے ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ڈاروینی عقیدہ بھی باطل اور لغو ہے۔ لہذا اس صاحب ایمان عالم دین کی بات کا تمہیں اعتراف کرنا چاہئے جس نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

”خدا کا انکار کرنا اور گندگی کے کیزے کی طرح زندگی گزارنا اس نظریہ کی بڑا بنیاد اور اس کا

اصل مقصد ہے۔“

(تہتہ الایمان ص ۱۹۳ مین دارون والمجر)

غرض ڈارون کی تھیوری کے قائل بہتروں نے اپنی عاجزی اور درماندگی کا اقرار کیا ہے، اور بیک زبان مل کر یہ اعتراف کیا ہے کہ ”نشونما اور ارتقاء“ کا نظریہ کوئی علمی نظریہ نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے درست ہونے کی کوئی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ البتہ اس نظریہ کو محض اس لئے اختیار کیا جاتا ہے تاکہ خدا پر ایمان لانے سے بچا جاسکے۔ ورنہ اس کی ذات پر ایمان لانے سے بچنے کی کوئی صورت نہیں!! جہاں تک ہم سمجھتے ہیں۔ یہ مشہور کماوت ”مبلی تھیلے سے باہر آگئی!“ اسی قسم کے مواقع پر بولی جاتی ہے جس میں اصل پول کھل جاتا ہے اور جرم سامنے آجاتا ہے۔ والحمد للہ

● موازنہ اور تقابلی مطالعہ :

ایمان والوں اور بے ایمانوں کے عقائد میں امتیاز کرنے کے لئے ذیل میں ایک موازنہ درج کیا جاتا ہے، جس سے ایک نظر میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے نزدیک انسان کیا ہے؟ اور اس کی قدرو قیمت کیا ہے؟ اور ڈارون اور اس کی ذریت کے نزدیک اس اشرف المخلوقات کی کیا کیا ڈرگت بنی ہے؟

## انسان! ایمان والوں کی نظر میں

انسان کی پیدائش آسمانوں میں ہوئی۔ خلق و تکوین کے جملہ مرحلے اس نے بیک وقت طے کئے۔ اولین انسان کی شکل اور بعد والے انسانوں کی صورتیں یکساں رہیں۔ ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہوا، اور نہ ہوگا۔ خدا نے اپنے دست خاص سے اسے بنایا۔ اس کے اندر اپنی روح پھونکی۔ اشیاء کے نام اور ان کے حقائق کا اسے علم دیا۔ آسمان میں فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ خدا نے اسے بہترین شکل و صورت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اور جملہ خلایق سے افضل اور بہتر ٹھہرایا۔ اس کی جان و مال آبرو سب کچھ محفوظ قرار دیا، کہ ناحق اسے کوئی نہ ستائے۔ اس کی ہدایت کے لئے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کا طویل و عظیم سلسلہ جاری کیا۔ دنیا و

آخرت کی بھلائی کا سامان اسے بہم پہنچایا۔ خدا کے ان پیغمبروں نے خدا کی زبانی تفصیل سے یہ بتایا کہ اولین انسان اور پوری کائنات خلق و تکوین کے مرحلے سے کیسے گذری، اس کا بنانے والا کون ہے؟ اس کی غرض کیا ہے؟ اس کی کامیابی اور ناکامی کس میں ہے ہمیشہ کی زندگی اور دائمی آرام کی صورت کیا ہے؟ وغیرہ۔

## انسان! دہریوں کی نظر میں

نشوونما اور نظریہ ارتقاء کی رو سے انسان کی پیدائش بدترین شکل و صورت میں عمل میں آئی۔ صدیاں گزرنے کے بعد اس نے بندر کی شکل پائی۔ مزید صدیاں گزرنے کے بعد بندر سے قدرے بہتر صورت اسے نصیب ہوئی، اور اسی قدر اور زمانہ گذرتا تب کہیں موجودہ انسانی شکل اس نے اختیار کی۔ اولین انسان! اور خلق و تکوین کے جملہ مراحل سے وہ کیسے گذرا؟ یہ سب کی اطلاع دینے والے وہ ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک بے ایمان، بدباطن، فتنہ پرداز، دہریہ اور بے دین ہیں! بے راہ روی ان کی خصلت اور بربادی ان کا مقدر ہے۔ اس لئے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو انہوں نے استعمال کرنے سے گریز کیا۔ جس سے ان کی روشنی طبع ان کے لئے بلا بن گئی، اور وہ وقت بہت قریب ہے کہ ان کا نام و نشان بھی کہیں باقی نہ رہے گا۔

”مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے!

اس تقابلی مطالعے کے بعد وہ لوگ جنہیں خدا نے عقل و بصیرت دی ہے، انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ ان دونوں انسانوں میں کس انسان کا وہ انتخاب کرتے ہیں، کونسا انسان ان کے نزدیک افضل اور لائق احترام ہے؟ اور کس کی عظمت کا ذیائے انسانیت کو اعتراف کرنا چاہئے؟ — آیا وہ انسان، جسے اہل ایمان تسلیم کرتے ہیں، یا وہ انسان جسے ڈارون اور اس کی ذریت تسلیم کرتی ہے۔

انسان اور کل کائنات کے پیدا کرنے والے کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد آج بھی اگر کوئی ڈارون کے نظریے کو درست سمجھنے پر مصر ہے تو ہماری نظر میں اس سے زیادہ نادان اور جاہل بھلا کون ہو گا؟ اس لئے کہ یہ وہ نظریہ ہے جس کی یہ ایک بنیادی غرض خدا کا

انکار ہے، اور دوسری غرض یہ ہے کہ گندگی کے کیڑے کی طرح انسان بھی اس دنیا سے ناکام اور بے مراد چلا جائے، اور اس کی زندگی کا کوئی حاصل نہ ہو! (جیسا کہ ابھی گذرا کہ: خدا کا انکار کرنا اور گندگی کے کیڑے کی طرح زندگی گزارنا۔ تہتہ الایمان ص ۱۹۳)

## عقیدہ

### ● عقیدہ کیا ہے؟

عقیدہ — اُن فیصلوں کا نام ہے جنہیں — انسان اپنی عقل سے سوچ کر، کانوں سے سن کر، اور تو انین الہی کے ذریعے پرکھ کر صادر کرتا ہے۔ یہ فیصلے دو ٹوک اور بے لاگ ہوتے ہیں، عقل و نقل کی کسوٹی پر قطعی پورے اُترتے ہیں۔ اسی لئے ایک بار جب اس کا ذہن اس قسم کا کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے، اور اپنے دل و دماغ میں وہ ٹھان لیتا ہے کہ جو اس نے سوچا وہی برحق اور درست ہے، تو اب کوئی طاقت اسے نہ اپنے فیصلے سے ہٹا سکتی ہے، نہ ہی اس کے اندر کسی قسم کا نقص، فتور، یا شک شبہ کا احتمال اس کے دل میں پیدا کر سکتی ہے۔

اس قسم کا سب سے اولین فیصلہ بندہ اپنے بنانے والے کے بارے میں کرتا ہے۔ وہ دل سے مانتا اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے کہ وہ ایک ذاتِ واحد ہے جس نے اس کو وجود بخشا۔ وہی اس کا خالق و مالک اور روزی رسا ہے۔ وہ بڑا علیم و خبیر، بڑی حکمت و قدرت والا ہے۔ وہ اس کی سنتا، اسے دیکھتا اور اس کے بے حد قریب ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ اس ذاتِ باری نے کل کائنات کو اس کے لئے اور اسے اپنی پرستش اور بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی غرض کے لئے اس نے بے شمار انبیاء اور رسول ہر قوم اور ہر زمانے میں مبعوث فرمائے۔ ان پر آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ بندہ مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا نے اپنے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ جس قدر احکام اسے عطا کئے، ان کا ماننا اور ان پر عمل کرنا اس پر فرض ہے، اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے رُک جانا اس کے لئے لازمی ہے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر دل و دماغ اور روح و ضمیر کی نہ تو صفائی ہوگی نہ اس کے افکار و خیالات میں پاکیزگی آئے

گی۔ نہ ہی اس کے اخلاق و عادات میں کمال اور بڑائی پیدا ہوگی، اور نہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کوئی اصلاح اور درستی پیدا ہوگی۔

صاحب ایمان یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کا رب بے نیاز ہے۔ اسے بندوں سے کسی قسم کی حاجت نہیں۔ نہ وہ بندوں کا محتاج ہے، ہاں بندے البتہ اس کے محتاج ہیں، اور یہ احتیاج بھی لامحدود ہے اس لئے کہ بندے ہر چیز میں حتیٰ کہ سانس جو وہ لے رہے ہیں اس میں بھی وہ اپنے رب کے محتاج ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ان کی سانس کو جاری رکھ کر انہیں زندہ رکھ سکتا ہے، ورنہ انہیں موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ وہ صرف خدا پر توکل اور اعتماد کرتے ہیں، اسی سے امید رکھتے ہیں، اور خوف بھی سب سے زیادہ اسی سے رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بڑا سخت گیر اور بعجلت حساب لینے والا ہے، اور دوسری طرف وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا بھی ہے۔

وہ یہ بھی تصور رکھتا ہے کہ اگر اس کے رب نے اسے پسند کیا اور اس سے محبت کی تو جملہ خلائق از خود اس سے محبت کرے گی، لیکن اس کا رب اگر اس سے ناراض ہے تو ہر کوئی اس سے ناراض ہوگا۔ (اس لئے کہ جملہ خلائق کا دل خالق کائنات کی دو انگلیوں کے بیچ معلق ہے، وہ جب چاہے انہیں الٹ پلٹ سکتا ہے)

وہ یہ طے کئے ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ اس کا مالک و مولیٰ ہے۔ اس کے سوا کسی کو یہ قدرت نہیں ہے وہی اس کا معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی اور پرستش کے لائق نہیں، نہ اس کے سوا کوئی اور پروردگار ہو سکتا ہے۔ نہ ہی اولوہیت کی شان اور ربوبیت کی صفت کسی اور کے اندر پیدا ہو سکتی ہے۔



## عقیدہ سے انسان کا ازلی رشتہ ہے

ہمت سے لوگ — عقیدہ اور مذہب کا نام سن کر — کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ انسان کو عقائد کی چنداں حاجت نہیں! جب کہ طویل انسانی تاریخ اور ہر دور کے حقائق اور واقعات نے ہمیشہ اس خیالِ خام کی تردید کی ہے، اور اعتقاد و عقائد کی ضرورت کا احساس دلایا ہے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ انسان آج سے نہیں، تاریخ کے نامعلوم زمانے سے خواہ کہیں، اور کسی قسم کے حالات سے دو چار رہا ہو، اس نے کچھ افکار اور خیالات کو مرکزی حیثیت دے کر انھیں بطور ”عقیدہ“ تسلیم کیا ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ عقائد صحیح بھی رہے یا نہیں۔ بہر کیف یہ واقعہ ہے کہ عقیدے کے وجود سے انسان کا دل و دماغ کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ بالخصوص آج کے ترقی یافتہ زمانے میں بھی یہ تصور اسی طرح انسانوں کے نماں خانہ دل میں برقرار ہے۔ جب کہ یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اس صدی کی سائنس اور ٹیکنالوجی ترقیات اور علوم کی بہتات نے انسانوں کو ہمہ قسم کے عقائد بلکہ دین و مذہب سے بھی بے نیاز کر دیا ہے۔ یہی نہیں، وہ ایک قدم آگے بڑھا کر یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ: ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے اس زمانے میں جب کہ انسان نے چاند پر اپنے قدم جمائے، اور خلا میں دوسرے ستاروں اور سیاروں کی گذر گاہوں کی تلاش میں ہے۔ اتنا کچھ کر لینے کے بعد اس دور کے انسان کو کسی خدا پر ایمان لانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ کفر و سرکشی کا یہ مرض ان کے اندر اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ یہ بد زبان کہتے ہیں کہ، انسانوں کو خدا نے نہیں بنایا بلکہ خدا خود انسانی ذہن کی پیداوار ہے!“ (خدا کی پناہ!)

ل انسان کی بیماری کے عنوان سے مارکسٹ کمیونسٹ ڈکشنری میں یہ فقرہ اسی طرح درج ہے۔

عقل و ہوش کے یہ دشمن اصل میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا کا تصور افسانہ ہے، اس کا کوئی وجود نہیں، اور قدیم زمانے میں جن لوگوں نے اس کے وجود کو تسلیم کیا، انہوں نے رضا و رغبت سے نہیں بلکہ خوف اور دہشت سے اسے مانا ہے۔

اس لئے کہ پرانی دنیا کا انسان جس کے لئے زندگی اجر تھی۔ اپنے ابتدائی دور میں ہر چیز سے خوف کھاتا تھا۔ آسمانی، سلطانی ہر قسم کا خطرہ اسے لاحق تھا۔ وہ بیماری، فاقہ کشی، اور مفلسی سے ڈرتا تھا۔ آسمان پر بجلی کی گرج چمک اگر اس کی نیند حرام کر دیتی تھی تو زمین پر آندھی، طوفان، زلزلے اور سیلاب سے اس کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر ریگننے والے حقیر کپڑے مکوڑوں سے اس کا چین و سکون سب تباہ برباد ہو جاتا تھا۔

یہ اور اس قسم کے بے شمار آلام و مصائب نے اسے کسی ایسی غیبی طاقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا جو اس کی دانست میں بڑا زور آور، بڑا بلند و بالا ہے۔ جو اس کی پشت پناہی کر سکتا ہے۔ اور ان خطرات سے اسے نجات دے سکتا ہے۔

صورتِ حال یہ تھی جس سے تنگ آکر مجبوراً انسان نے خداؤں کا اپنے ذہن میں تصور باندھا۔ اس کا ایک نام تجویز کیا۔ اور خود سے یہ طے کیا کہ اسے خوش رکھنے کے لئے اس کی پرستش کرے گا دل سے اسے یاد کرے گا۔ تاکہ خطرات سے اسے نجات ملے۔

اس پس منظر کو دکھا کر وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ خدا خود پروردگار نہیں۔ بلکہ بندوں کی ایجاد یا ان کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان خود ساختہ اہل خرد کی بہت ساری لغویات کی طرح ان کا یہ فقرہ بھی پرلے درجہ کی حماقت، جہالت، کفر و سرکشی، حقائق سے چشم پوشی، دل گلی، اور دیوانگی کی بدترین مثال ہے جو حد سے متجاوز ہو چکی ہے۔

”کفر کو نقل کرنا کفر نہیں“

اس مقولے کی بناء پر ہم نے اس ناپاک فقرے کو یہ دکھانے کے لئے نقل کیا ہے کہ خدا سے ان کی مراد اگر بت پرستوں کا خدا ہے جسے انہوں نے تراش خراش کر خدا کا نام دے رکھا ہے تو ہم بھی اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک ان کا خدا ساختہ پر داختہ اور ان کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس نے انسانوں کو نہیں انسانوں نے خود انہیں وجود بخشا ہے۔



لیکن اگر وہ اس خام خیالی میں — مبتلا ہیں کہ — وہ خدا بھی انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔ جو زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے، جس نے انسانوں کو پیدا کیا، اور ان کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول بھیجے، ان پر کتابیں نازل کیں، بہتر دین اور بہتر شریعت سے انہیں نوازا۔ تاکہ ان کے اندر انسانیت اور کمال کے جوہر کھلیں۔ زمین پر اپنے رب کے سچے نائب بنیں، اور دین دنیا اور آخرت کی سعادت اور مسرتیں انہیں نصیب ہوں۔ تو ہم بر ملا یہ کہیں گے کہ یہ ان کا دجل و فریب اور کھلی ہوئی مکاری اور جھوٹ ہے، اس لئے کہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والا انسان اس قدر بھی ناتواں اور کمزور ہے کہ خود اپنے آپ کو، یا اپنے جیسے حقیر انسان، یا کسی قسم کے کیڑے مکوڑے، اور مکھی اور مچھر کو تو پیدا نہ کر سکا۔ چہ جائیکہ وہ اسے پیدا کرنے چلے جس نے کل کائنات اور جملہ مخلوق کو عدم سے وجود بخشا، جو ان کا آقا و مالک اور پروردگار ہے۔ خداوند قدوس کی ذات ہر عیب سے پاک اور برتر ہے۔

اور یہ جو آج کا انسان خدا پر ایمان سے بے نیازی کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے طبیعیات اور کائنات کے اسرار فاش کر لئے۔ جب کہ وہ آج بھی بیماری، غریبی، سیلاب، زلزلے، قحط سالی، اور فاقہ مستی سے پہلے کی طرح ڈرتا ہے۔ تو درحقیقت — اس کا یہ دعویٰ لغو، باطل اور بے قیمت ہے اس لئے کہ آج کا انسان ان سب سے ڈرتا ہے۔ اور اپنے پاس موجود کل وسائل کو استعمال کر کے بھی خود کو محفوظ نہیں پاتا نہ وہ کبھی محفوظ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسانوں کو درپیش جسمانی، اور روحانی بیماریاں روز بروز افزوں تر ہیں۔ اور کل عالم انسانی اس سے لرزہ بر اندام ہے۔ چنانچہ کالا، کینسر، مرگی اور اس جیسی صدہا بیماریوں نے انسانوں کو گھیر رکھا ہے۔ دنیا کی بڑی آبادی محکمری، سیلاب، اور زلزلوں کی تباہ کاری سے دو چار ہے۔ بے شمار آدمی مرتے ہیں۔ اور خدا کا منکر اور بزعم خود اس کو پیدا کرنے کا دعویٰ کرنے والا، ان ہلاکتوں سے بچنا تو درکنار، ان پر روک لگانے یا ان کے توڑنے کی سکت بھی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کی پریشانیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ خطرات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ محض اس لئے کہ اس نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اس کے پسندیدہ دین سے رخ پھیرا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ذاتی وقار، شخصی کردار اور عادت و اطوار سب کچھ خاک میں مل چکا ہے۔ اس کی زندگی بدمزہ اور شب و روز گذارتا ان کے لئے موت سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ ان کی آنکھ کا پانی مرجچا ہے،

ان کی پوری زندگی بے حیائی، جرائم و تشدد، فحاشی اور فحش پسندی کا دوسرا نام ہے۔ انسانیت اور آدمیت کا سرچشمہ ان کے اندر سے خشک ہو چکا ہے۔ غیرت مندی، ذہانت اور شرافت و مروت کے جوہر ان کے اندر سے مردہ ہوتے جا رہے ہیں۔ جھوٹ، مکاری، خیانت، دغا بازی، کٹر قسم کی منافقت اور فریب کاری ان کی فطرت اور عادت بن چکی ہے۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی بناء پر انسانی معاشرہ اور اس کی رہی سہی زندگی پستی کا شکار ہوئی۔ اور گراؤت حد سے بڑھ گئی۔ ان حالات سے تنگ آکر موجودہ دور کے فلاسفر اور نام نہاد دانشور بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اب دین اور ایمان کی طرف لوٹ کر چلا جانا ناگزیر ہے۔ بڑے بڑے مفکرین اور ملحدین آج سرنگوں ہیں۔ اور مذہب اور روحانیت کی کمی کا شدت سے اقرار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی نفسیات اور سماجی علوم کے ماہرین سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی بہتر دین تجویز کریں۔ لیکن اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اس مذہب کے اندر خدا کا تصور نہ ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ”خدا کا تصور انصاف، بھلائی اور قربت داری کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے“ (اقتباس از نحل ۲۹۱)

ان کی مشکل یہ ہے کہ عدل و انصاف، نیکو کاری اور بھلائی کو ایک آنکھ پسند نہیں کرتے۔ اور نہ دوسری طرف ظلم و زیادتی، بے حیائی اور بد کاری کو چھوڑنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ ایسا خانہ ساز دین چاہتے ہیں جس سے نفس اور اخلاق کی اصلاح ہو لیکن خدا کا تصور، اس کے احکام اور اس کی نواہی کا ذکر درمیان میں نہ آئے لیکن کیا ان کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر ہو گا؟

اور کیا کسی خانہ ساز دین سے نفس، اخلاق اور روح و ضمیر کی اصلاح بھی ہو سکے گی؟ ہرگز نہیں! درحقیقت یہ لوگ فریب نفس جہالت اور گمراہی میں غرق ہو چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ پھر ان کے کانوں کو بہرا، اور ان کی آنکھوں کو اندھا بنا دیا۔ اس قدر تفصیلات میں جانے کی غرض محض اس علمی حقیقت کی وضاحت تھی کہ عقل پر جہنی آئین اور شریعت دونوں ہی ایمان و یقین اور دین و مذہب کو انسان کے لئے حد درجہ لازمی قرار دیتے ہیں۔ انسان کی زندگی اور اس کی تمام حاجتوں اور مشکلات کا قرار واقعی حل کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انسانی زندگی کے لئے خدا پر ایمان اور اس کی عبادت سے خالی رہنا کسی

لحمہ گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء آفرینش سے روئے زمین پر کسی باشعور انسان نے کسی ملک اور کسی زمانہ میں اعتقاد اور دین کی دولت سے محرومی کو کبھی پسند نہیں کیا ہے۔ جس کا مصداق یہ آیت ہے۔

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ○ (فاطر: ۲۳)

”اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو۔“

قرآن پاک کی زبان میں ”نَذِيرٌ“ کے لفظ سے نبی و رسول یا ان کے وہ فرستادے مراد ہوتے ہیں۔ جنہوں نے انبیاء و رسل کی کابل پیروی کی، اور اس کے صلے میں حق تعالیٰ نے علوم نبوت سے انہیں سرفراز فرمایا۔ اور نبیوں کی آمد کے درمیانی عرصہ میں جب عام آدمی آنے والے نبی کا انتظار کرتے ہیں، یہ باسعادت افراد کابل نبوت کو آگے بڑھاتے ہیں، اور اپنی قوم کو سابق نبی کی طرح کفر و شرک اور عقائد کی گندگی، اور خدا کی نافرمانی پر تشبیہ کرتے ہیں۔ خدا اور آسمانی کتابوں کو، نبی اور رسول اور ان کے لائے ہوئے دستور کو تسلیم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، اور ظلم و شرارت اور زمین میں فتنہ و فساد سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔<sup>۱</sup>

### ● دین کی اہمیت و ضرورت :

ابتداء آفرینش سے یعنی آدم و حوا علیہما السلام کے جنت سے اتر کر جنت ارضی کو آباد کرنے سے آج تک انسان کو ایسے دستور حیات اور ضابطے کی اشد ضرورت تھی، جس پر عمل کرنے سے اسے عقل سلیم اور فطرت مستقیم نصیب ہو، اسکے نفس اور باطن کی اصلاح ہو، اس کی زندگی منظم اور اسکا رخ صحیح سمت کی طرف ہو، اور اسے دنیا کی زندگی میں جو روئے زمین پر گذر رہی ہے کمال و کامرانی، اور ان مقاصد کی تکمیل نصیب ہو، جس کیلئے اسکے رب نے دنیا میں اسے بھیجا ہے، اور آخرت کی زندگی میں جو مرنے کے بعد شروع ہوگی، اور جس کا یقینی علم انبیاء کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں سے ہوتا ہے۔ سعادت ابدی اور رضائے الہی میسر ہو۔

<sup>۱</sup> سورخ، شمارک نے قرآن پاک کی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے: تاریخ میں ایسی بے شمار بستیوں کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے، جہاں قلعے اور محلات نہ تھے، بڑے بڑے پل اور اونچے اونچے ڈیم اور بند نہیں تھے۔ لیکن کسی ایسی بستی کا سراغ نہیں ملتا، جہاں کوئی عبادت گاہ اور معبد نہ رہا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ کسی نوعیت کے انسانی یا زمینی دستور پر عمل درآمد سے زندگی میں اس قسم کا انقلاب، اس کی اپنی اصلاح و درستی، اور عظیم مقاصد کا حصول ممکن نہیں، تاوقتیکہ کسی سچی اور خالص آسمانی شریعت کی پیروی نہ کی جائے، یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر انسانی خواہشات، اس کے احساسات، اس کے دکھ درد، اور اس کے افکار و خیالات سے واقف کوئی نہیں ہو سکتا، جس نے عدم سے اسے وجود بخشا، اور مدد سے لحد تک اس کی پرورش کی، لہذا اس ذاتِ واحد سے بڑھ کر بھلا اور کون ہوگا، جو اس کے لئے دین و آئین وضع کرے، اور وہ ضابطہ حیات مقرر فرمائے، جس سے اسے زندگی میں کمال اور مرنے کے بعد حیاتِ ابدی اور دائمی خوشی کی اہلیت نصیب ہو۔

یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے دین کی ضرورت زندگی کی بنیادی ضرورتوں، جیسے کھانے پینے، اوڑھنے سردی گرمی سے بچنے، دوا علاج، اور رہنے کے لئے مکان سے زیادہ مقدم ہے، اور جہاں ایک شخص کی زندگی میں دین کا آنا ضروری ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ دیگر افراد ایک دوسرے کے لئے آئینہ بنیں، تاکہ ایک سے دوسرے کی اصلاح ہو، آپس میں تعاون اور ہمدردی پیدا ہو اور یکساں رنگ رہتی زندگی سب پر قائم اور باقی رہے۔

انسان فطری طور پر اپنی ناتوانی سے آگاہ ہے، اور بخوبی جانتا ہے کہ اسے زندگی کے میدان میں اپنے مالک و مولیٰ کی اعانت، اس کی توفیق و عنایت، اور اس کی حفاظت و نگہداشت مطلوب ہے، اس لئے وہ شدت سے اس کا محتاج ہے کہ اپنے رب حقیقی کی معرفت اسے نصیب ہو۔ اور اطاعت و بندگی، اور مختلف عبادات سے اس کی رضا و خوشنودی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو۔

انسان اپنی خدا داد عقل و شعور، فہم و فراست، اور لیاقت و صلاحیت سے رفعت و سر بلندی کے ان مدارج تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، جن سے آگے کا تصور مشکل ہے، بنا بریں ان تین حالتوں میں جن کا ذکر پہلے گذرا اسے دین الہی اور ایسے آئین کی ضرورت ہے جو اس کی فطرت اور افتادِ طبع کے مناسب ہو، جس کے ذریعے اس کے درمیان اور ان افراد کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی تعاون ہو، جن سے زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کے تعلقات ناگزیر ہوں، یہ اس لئے کہ زندگی کے تقاضے بکثرت ہیں، اور حسن رہائش کے لئے کھانا پانی،

لباس، رہائش اور مواصلاتی وسائل بہر کیف درکار ہیں، نیز خدا کی معرفت اور اس تک رسائی کے لئے اس کے سکھائے ہوئے علوم و معارف بھی ناگزیر ہیں۔ جن سے اس کو معلوم ہو گا کہ اس کی عبادت اور بندگی کیوں کرنی چاہئے، اس کے تقرب کے کیا طریقے ہیں، اسے کیا پسند اور کیا ناپسند ہے، کن سے وہ راضی یا ناراض ہوتا ہے، اسی علم الہی سے اسے حیات اور کائنات کے حقائق کا علم ہو گا، اور یہ معلوم ہو گا کہ دنیا اور آخرت میں عروج اور کمال کی کیا کیا شکلیں ہیں، اور زوال اور پستی کی کیا کیا صورتیں ہیں؟

غرض دین کی ضرورت اور اہمیت مسلم ہے اور اگر انسان چشم بصیرت سے کام لے تو محسوس ہو کہ جسم کی نشوونما کے لئے اگر ہوا، پانی، غذا اور دوا ضروری ہے، تو روح کی پاکیزگی اور باطن کی اصلاح کے لئے عقائد کی درستی اور شرعی اصولوں کی پابندی اس سے زیادہ ضروری ہے، جس کا انکار کوئی جاہل یا گنوار ہی کر سکتا ہے، اور جن کی طرف التفات بھی نادانی ہے۔ رہا یہ دعویٰ کہ ”انسان کی رہنمائی کے لئے“ اس کی صلاح و فلاح اور کامرانی کے لئے اس کی عقل کافی ہے۔ اس کے لئے کسی وحی الہی کی ضرورت نہیں“ تو یہ جہالت اور نادانی ہے اس لئے کہ اگر بد قسمتی سے انسانی عقل و شعور کی آبیاری وحی الہی کے آب حیات سے نہ ہوئی ہو بلکہ ان کی نشوونما خود رو گھاس کی طرح ہوئی ہو، جن کے لئے کوئی اصول یا ضابطہ نہیں، تو اس میں شک نہیں کہ یہ عقل نہیں، جنون اور دیوانگی کہلانے کی مستحق ہے، جس کا نہ خدا کے میل اعتبار ہے، نہ عام انسانوں کے نزدیک اس کا کوئی وزن ہے، اور اگر اس قسم کی عقل چنداں مفید ہوتی تو وحی الہی سے محروم قومیں کسی صورت بد حالی، گمراہی اور فکری پریشانی کا یوں شکار نہ ہوتیں۔

چنانچہ سورۃ احقاف میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا  
وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً، فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا  
أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ، وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا  
بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ○ (احقاف: ۲۶)

”اور بے شک ہم نے (عاد) کو اُن باتوں میں قدرت دی تھی جن میں تم کو قدرت نہیں دی۔ اور انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے، تو نہ ان کے کان ان کے کچھ کام آئے، اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑاتے تھے، اس نے ان کو آگھیرا۔“

وحی الہی کے بغیر انسانی عقل نفع و ضرر کے فیصلے کرنے سے اس لئے درماندہ اور عاجز ہے کہ انسانی عقل کی حیثیت بدن کے ایسے عضو کی سی ہے جو قوتِ ادراک اور طاقتِ احساس رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر آنکھ کے اندر دیکھنے کی صلاحیت ہے، اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ دیکھنا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب روشنی ہو۔ اجلا نہ ہونے اور گھٹا نوپ تاریکی پھیل جانے کی صورت میں آنکھ کی حیثیت بغیر سیل (Cells) کے ٹارچ کی سی ہو جاتی ہے۔ جس طرح سیل کے بغیر ٹارچ روشنی نہیں دے سکتی، روشنی کے بغیر آنکھ کچھ دیکھ نہیں سکتی۔ اسی طرح نورِ الہی اور وحی خداوندی کے بغیر عقل کسی قسم کا صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر اس کے باوجود کوئی اپنی عقل کو حق کا معیار سمجھے تو یہ اس کی بھول اور سب سے بڑی نامعقولیت ہوگی، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اسلام جیسا دینِ فطرت جو وحی کا وہ تصور پیش کرتا ہے، جو ہر قسم کی کمی زیادتی اور رد و بدل سے پاک ہے یہ دین مختلف علوم و فنون کی تحصیل پر کسی قسم کی پابندی عائد کرتا ہے یا اس پر مصر ہے کہ تحصیلِ علم کی تمام کوششوں کو وحی الہی اور علومِ شریعت تک محدود رکھا جائے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ:

۱۔ بیشتر علوم جیسے ادب، اخلاق، تاریخ، سیرت (جغرافیہ، نجوم، فلکیات، ہیئت، طبقات الارض، ریاضی، ہندسہ، طب و جراحی، صنعتی پیداوار، تجارتی کاروبار) اور مختلف علوم و فنون کی نسبت جیسا کہ قرآن پاک کی صراحت اور اس کے بعض اشارات سے پتہ چلتا ہے۔ بالواسطہ یا بلا واسطہ قرآن پاک سے ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جنہوں نے ان علوم کو سنوارا، ان کا نام اس علم کے ساتھ مشہور ہوا۔

۲۔ مادی علوم کا نفع عام طور پر مادی جسم اور معدے تک محدود ہوتا ہے۔ جب کہ روح، جس کی اہمیت محکم بیان نہیں رہی، اس کو ان علوم سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچتا، اس لئے کہ روحانی سکون اور دل کی تسکین کا اس بازار میں کوئی پرسانِ حال نہیں! چنانچہ اس

غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس علم کے ماہرین بظاہر بڑے آرام و راحت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ لیکن اندر سے ان کی روح کس طرح بے چین رہتی ہے، اس کا احساس کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

مادی علوم جن پر وحی الہی کی چھاپ نہ ہو، ان کے آزادانہ استعمال سے یہ تو ہوتا ہے کہ کائنات کے سربستہ راز کھل جاتے ہیں، مادوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ نئی نئی ایجاد سامنے آتی ہے جس سے گھڑی بھر کے لئے نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں:

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

(روم: ۷)

”یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں، اور آخرت کی طرف سے غافل ہیں۔“

لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ روحانیت اور اخلاقی قدروں کا دامن چھوڑ جانے کی صورت میں ان ایجادات کے تباہ کن اثرات کا یہ عالم ہے کہ خود ان کے بنانے والے خوف و دہشت سے لرز رہے ہیں، جب کہ یہ مادے اپنی تمام تر فتنہ سامتیوں کے باوجود اتنے کوتاہ قامت بھی ہیں کہ اپنے مادی خول سے نہ باہر آسکتے ہیں، نہ روحانیت کی تسکین، یا ٹولنے دلوں کو پھر سے جوڑنے کی سکت رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں ظاہری علوم پر جس قدر محنت بڑھ رہی ہے، اور نت نئے تجربات اور ان کے نتائج سامنے آرہے ہیں، بار بار یہ ہوتا ہے کہ توقع کے خلاف نتیجہ نکلنے کی صورت میں ان علوم کے ماہرین عاجز اور حیران رہ جاتے ہیں، اور دریافت کرنے پر کہ یہ کیوں ہوا؟ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ”کیسے“ کا جواب ان کے پاس ہے، لیکن ”کیوں ہوا؟“ یہ وہ خود بھی نہیں جانتے۔ ان کی یہ معذوری دراصل وحی الہی سے محرومی کا نتیجہ ہے۔

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا

ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

نیز یہ واقعہ ہے کہ مادی علوم نے طویل محنت اور وسیع تجربے کی بنیاد پر خاصا امتیاز اور کمال اپنے اندر پیدا کر لیا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج انسانیت اس سے کہیں زیادہ حیران اور دم بخود ہے جتنی کہ ان ترقیات سے پہلے اسے پریشانی لاحق تھی، اس لئے

کہ آج ہر ترقی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ بنتی جا رہی ہے، اور امن و سکون کو دن بدن خطرہ لاحق ہے۔ جس کا زندہ ثبوت ہمارے سامنے پیش آنے والے روزمرہ کے حالات و واقعات ہیں۔ اور یہ سب سے بین اور کافی ثبوت ہیں۔ ان حالات کے پیش نظریہ اعتراف ضروری ہو جاتا ہے کہ دین حق کا زندگی کے اندر آنا ایسا ہی ضروری ہے، جیسے زندگی کے لئے سانس کی تالی میں ہوا کی آمدورفت ضروری ہے، یا جیسے دھوئیں کے لئے آگ کا ہونا ضروری ہے۔

آخر میں ہم پھر عرض کریں گے کہ دنیائے انسانیت کی، اس جہان اور آخرت میں کامرانی اور سعادت ابدی کا باعث صرف وہ دین ہے جسے حق تعالیٰ نے بندوں کے لئے بنا کر مکمل کیا، اسے اپنی طرف منسوب کیا، اور اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ رہے وہ باطل مذاہب جنہیں خود ان کے ماننے والوں ہی نے توڑ مروڑ کر مسخ کیا، جیسے بدلا ہوا عیسائیت اور یہودی مذاہب۔ ان کے علاوہ مجوسی، بدھ اور ہندو دھرم وغیرہ اگر انہیں کسی معنی میں دین کہا بھی جائے تو اس میں شک نہیں کہ آج ان میں سے کسی کے اندر، اور تمام دوسرے زمینی اور خود ساختہ مذاہب میں روحانیت کا وہ پیغام نہیں جو دین الہی اور شریعت خداوندی کا خلاصہ ہے۔ اس لئے کہ علمائے یہود اور مسیحی پادریوں نے جس چیز کو مذہب کا نام دیا، وہ مذہب نہیں، مذہب کی گہڑی ہوئی شکل تھی۔ اور اس بگاڑ کے پیدا کرنے والے وہ خود تھے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں دنیا ان سے فریب کھا گئی، اور یہ فیصلہ کر بیٹھی کہ اگر یہی مذہب ہے تو اسے دور سے سلام۔ ایسے مذہب سے باز آنا بہتر ہے۔

ان مذاہب سے عام بیزاری کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ یورپ جس نے ایک زمانے تک مسیحیت کو بطور مذہب قبول کیا، وہاں کے متعدد ملکوں نے مختلف سیاسی، سماجی، ثقافتی، سائنسی، صنعتی اور تجارتی میدانوں میں اسی صورت ترقی کی جب کہ ان مذاہب کو انہوں نے خیر بلا کہا! اس کے بالمقابل یہ حقیقت ہے کہ خدائی مذہب جو اپنی اصل شکل و صورت میں ہو، عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم سے اس کا ٹکراؤ کبھی نہیں ہو سکتا۔

دنیائے انسانیت اور باشعور طبقہ آج اگر رہی سہی انسانیت کی حفاظت چاہتے ہیں، مائے اور معدے کے چکر سے نکل کر جہاں ان کی حالت مشین کے پرزوں یا جانوروں کی طرح بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں، بندوں کی غلامی سے نکل کر



خدا کی بندگی اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں، تو بلا تکلف عرض ہے کہ ان کا گمشدہ سرمایہ یہی دین اسلام اور شریعت محمدی ﷺ ہے، جو ان کی ہمہ قسم کی ضرورتوں کی بخوبی تکمیل کر سکتا ہے، ان کی تمام بیماریوں کا علاج اور زندگی کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے۔

آج اسلام تمام دانشوروں کو اور ان کے ذریعے سارے عالم کے انسانوں کو رنگ و نسل کی سطح سے بلند ہو کر یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کے عقائد، اس کے احکام اور اس کے مکمل نظام کو اختیار کریں۔ جس کے اندر ان کے لئے دنیا میں راحت اور آخرت میں نجات کا سامان مہیا ہے، اور جو چودہ سو سال سے ہر قسم کے رد و بدل اور تحریف سے پاک و صاف ہے۔

جہاں انہوں نے دیگر مذاہب اور مختلف ازموں کو جانچا اور پرکھا، حق کی جستجو اور روشنی کی تلاش کے لئے ایک آزمائش اور سعی! ع  
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ واں کے لئے!



## خدا کا وجود

### انسانی فطرت کی آواز ہے

عقل سلیم کا راستہ سب سے آسان اور سیدھا راستہ ہے، جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب کو پہچان سکتا ہے۔ اس کی الوہیت اور ربوبیت کو تسلیم کر سکتا ہے، اور اس کے کل احکام کی پابندی کر سکتا ہے۔

انسانی عقل اگر راستی اور سلامتی پر مبنی ہے، تو یہی عقل اشیاء اور مختلف امور سے متعلق مثبت یا منفی، یا ہونے یا نہ ہونے کا قائل قبول فیصلہ کرتی ہے۔

باری تعالیٰ کا وجود، اس کی معرفت و اطاعت اور اس سے تقرب کا حصول منجملہ ان مسائل میں سے ہے، جس کی تائید میں انسانی عقل انتہائی واضح اور دو ٹوک فیصلہ کرتی ہے، جس سے انکار کی گنجائش سمجھدار اور باشعور افراد کے لئے بے حد دشوار ہے۔

انسان اگر اپنے ضمیر کی آواز کو دہانے کی کوشش نہ کرے، اور اپنی عقل کے فیصلوں پر توجہ دے تو عقل و ضمیر اس کی رہنمائی کریں، اس کے سامنے دلائل اور شواہد پیش کریں۔ اور اس قضیہ سے متعلق اپنا آخری فیصلہ صادر کریں کہ:-

”حق تعالیٰ کو اس کے اسماء و صفات کے ساتھ ماننا سب سے اہم فریضہ ہے۔ اس کی وحی پر عمل پیرا ہونا۔ اس کی اطاعت و عبادت کرنا۔ اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کی کامل پیروی کرنا نہایت ضروری ہے۔“

”انسان غور کرے کہ اس بھری پڑی کائنات میں سب سے بلند و بالا، سب سے زیادہ عظمت اور شان کا مالک آسمان ہے، جسے جی بھر ہر کوئی جب اور جہاں چاہے دیکھ سکتا ہے۔ اس

روشن، کشادہ اور جگمگاتے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عقلِ انسانی اسے اس طرح مخاطب کرتی ہے۔

”یہ چریخِ نیلی قام، اور یہ اونچا آسمان، یہ چاند، یہ سورج، یہ تارے، اور یہ ککشاں جن کا مشاہدہ ان آنکھوں سے ممکن ہے، جس کی رفعت، حد، دوری اور پستائی کی نہ کوئی انتہا ہے، نہ کسی کو اس سے انکار ہے۔ کیا یہ اس کا ثبوت نہیں کہ یہ جس قدر عظیم المرتبت اور اونچی شان والا ہے، اس کا بنانے والا اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا، اور قدرت، سطوت اور شان و شوکت کا مالک ہے۔“

زمین کا فرشِ خاکی — جسے انسان ہر جگہ اپنے پیروں سے روندتا ہے، اسی خاک سے پیدا ہو کر ایک روز اسی میں مل جاتا ہے۔ یہ زمین اپنے وجود کی آپ دلیل ہے، جس سے انکار نہیں کیا سکتا۔ لہذا آسمان کی طرح یہ زمین بھی کیا خود بخود پیدا ہو سکتی ہے، یا اس کا کوئی بنانے والا ہے؟

زمین و آسمان کے علاوہ جن کا تعلق جمادات سے ہے، زندہ و پائندہ خلائق میں سب سے حیرت انگیز، عجوبہ روزگار اور افضل ترین مخلوق انسان ہے، اور اس کے بالمقابل ادنیٰ اور کمتر مخلوق کبھی، مکڑی اور چیونٹی وغیرہ ہیں۔ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ان حقیر ترین مخلوقات کی بھی مختلف دنیا آباد ہے۔ ان کی کچھ مخصوص عادات اور طور طریق ہیں۔ ان کے زندگی گزارنے، کھانے پینے، خوراک کا ذخیرہ کرنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے کا اپنا ایک نظام ہے، جو کسی خارجی اعانت کے بغیر حرکت و عمل میں مصروف ہے۔ عقل یہ پوچھتی ہے کہ ”کیا یہ نظام بھی خود ساختہ اور آپ سے آپ جاری و ساری ہے۔ یا اس کے پیچھے کوئی ذہن، کوئی طاقت کار فرما ہے؟“

اس طرح انسانی عقل ایک ایک مخلوق، اور ان کے نظامِ حیات کو پیش کر کے یہ سوال کرتی ہے اور یہ احساس دلاتی ہے کہ ضرور اس کی جستجو کی جائے کہ عدم سے انہیں وجود بخشنے والا، انہیں روزی پہنچانے اور ایک خاص نظام کا پابند بنانے والا، ہر جاندار کو ایک مخصوص مدت تک زندگی سے نوازنے، اور پھر اسے سلب کر لینے والا آخر کون ہو سکتا ہے؟ وہ کون ہے؟ جس نے ازل سے ابد تک جملہ خلائق اور کل کائنات کو وجود بخشا، جو زبردست اور انوکھی قوت

تخلیق، حکمت و تدبیر اور نظم و ترتیب کا مالک ہے۔

انسان سوچے، تدبیر اور غور و فکر سے کام لے، اور اپنی عقل کو بچھ اور حقیر نہ سمجھے۔  
انسانی عقل قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے، جو اس سے کام نہ لے، ہر کوئی اسے دیوانہ اور پاگل مشہور کرتا ہے۔ اس لئے کہ فکر و شعور اور عقل و تدبیر سے خالی ہو کر بلا سوچے سمجھے جو اس کے جی میں آتا ہے، کہتا ہے یا کرتا ہے، عقل کے ناخن لے کر انسان غور کرے کہ کیا کل کائنات آپ سے آپ بن گئی؟ کیا کوئی اس کا بنانے والا نہیں؟ اسی طرح کیا مادہ بھی تخلیق اور حرکت کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اول تو عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ مادہ جو پرسکون اور تن مردہ کی طرح ہوتا ہے، اتفاقاً اس کے اندر حرکت کیونکر پیدا ہوئی؟ اس لئے کہ جو شے مردہ ہو، وہ کسی اور چیز کی حیات کا باعث بن سکتی ہے؟

أَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ○ (طور: ۳۵)

”کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟“

اور اگر بالفرض حرکت پیدا ہو بھی جائے تو یہ کیا ضروری ہے کہ اس مادے کے اندر زندگی کے آثار رونما ہوں، مختلف مخلوقات پیدا ہوں، اور ایک حیرت انگیز نظام کے تحت ان کا رشتہ آپس میں منسلک ہو؟

اور اگر یہ سب ممکن نہیں، اور یہ نظریہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے، تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے اور زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ وہ خدا ہے، جو ہمیشہ سے ہے جو بڑی قوت و قدرت، بڑی قوت ارادی اور حد درجہ علم و حکمت والا ہے۔ اس نے بیخبروں اور کتابوں کے ذریعے آگاہ کیا کہ وہی خالق، پروردگار، ہر چیز پر قادر، زمین آسمان کا موجد اور کل بادشاہت والا ہے۔

اجرامِ ستاری پر غور کرنے کے بعد اب ہمیں زمین پر چل پھر کر اس کی جستجو اور تلاش میں نکلنا چاہئے کہ یہاں موجود تمام چیزیں کیا آپ سے آپ بن گئیں؟ یا ان کا کوئی بنانے والا ہے؟

ہمارے ارد گرد نباتات کی ایک دنیا آباد ہے۔ قسم قسم کے پودے، درخت، پتے، پھل، بول اور بلیں اپنی اپنی بھاری کھاتے ہیں۔ ان سب پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان

کی پرورش اور افزائش مقرر اصول کے تحت انجام پاتی ہے، اور کوئی پودا یا پتہ اس ضابطے سے روگردانی یا انحراف کی اپنے اندر سکت یا طاقت بھی نہیں رکھتا۔ ہر بیج ایک مدت تک زمین کے اندر دفن رہتا ہے۔ زمین کی رطوبت اور تری سے تازگی پاتا ہے۔ چند روز کے بعد زمین سے سر اٹھا کر باہر کی دنیا کو دیکھتا ہے۔ ہوا اور پانی سے شاد کام ہوتا ہے۔ اور جس طرح مادے کے حقیر ذرے میں ایسی طاقت کا عفریت بند ہوتا ہے، ایک معمولی بیج پورے درخت کا اس کی جڑ شاخوں سمیت خاکہ اپنے سینے میں مخفی کئے ہوتا ہے! کیا یہ درخت آپ سے آگ رہا ہے؟ یا اس کا کوئی اگنے والا ہے؟

نباتات کی طرح حیوانوں اور جانوروں کی بھی ایک دنیا ہے جن کی تعداد ہی نہیں ان کی اقسام بھی بے شمار ہیں۔ ان میں حقیر اور معمولی بھی ہیں، بلند و بالا اور پست قامت بھی ہیں۔ لیکن کسی حیوان سے متعلق یہ انکشاف آج تک نہیں کیا جاسکا کہ فلاں جاندار اپنی پیدائش کا آپ ذمہ دار ہے!

انسان خود اپنے اوپر بھی غور کرتا چلے کہ وہ سب سے اعلیٰ اشرف جاندار ہے جسے حق تعالیٰ نے خصوصی درجہ اور نمایاں امتیاز مرحمت فرمایا۔ دوسروں پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ آدمی اپنے اوپر نظر ڈالے، کہ مرد و عورت کے ملاپ سے رحم میں اس کا نطفہ قرار پایا۔ پھر مختلف مدارج طے کرتا ہوا ایک ننھے معصوم انسان کی صورت میں اس کا ظہور ہوا۔ پیدائش کے بعد پرورش اور ارتقاء کے مختلف زینے یعنی بچپن، جوانی، بڑھاپے کے مراحل طے کرتا رہا۔ تا آنکہ مقررہ وقت پر اس کو موت آتی ہے اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کیا ان تمام مراحل میں جنہیں انسان طے کرتا ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسے ذرہ برابر بھی اختیار ہے، یا وہ اپنی مرضی اور ارادے کا مالک ہے؟

زمین، آسمان، نباتات و جمادات، اور کل کائنات پر، اور پھر اپنے اوپر نظر ڈال کر انسان غور کرے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ یہ سارا کارخانہ کیا آپ سے آپ جاری و ساری ہے؟

انسان کم از کم اپنے حالات سے بخوبی آگاہ ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خود اپنی پیدائش کے معاملے میں وہ کتنا بے بس ہے۔ علم و آگہی کے باوجود جب اسے اپنے اوپر قدرت

نہیں تو تمام حیوانات جو اس سے کمتر ہیں، اپنی پیدائش پر بھلا انہیں کیونکر قدرت حاصل ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہو گا اسی طرح کوئی مخلوق جیسے، مکھی، یا ادنیٰ سی چیز جیسے، چائے کی پیالی، پیدا کرنے اور بنانے والے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ چہ جائیکہ بڑی سے بڑی عمارت، یا معمولی سی روٹی آپ سے آپ بن جائے! یہ سوچنا بھی جہالت ہے کہ خدا کچھ کرنا ہوا کیسے نظر نہیں آتا۔ اس لئے اس کا کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ پہلو میں دھڑکتے ہوئے دل، اور سر کے اندر موجود دماغ کو ہر شخص دیکھ نہیں پاتا، لیکن ہزاروں آن دیکھی چیزوں کی طرح ان کے وجود کو مانتا ہے۔ ایٹم جو اتنا مہین برق پارہ ہے کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا، لیکن سائنس کی نظر میں اس کی ایک حقیقت ہے۔ اور جب ان کا وجود ہے تو لامحالہ کوئی ان کا بنانے والا بھی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ بنانے والے کے بغیر کوئی چیز بن نہیں سکتی۔

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ○ (طور: ۳۵)

”کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟“

حیرت ہے کہ یہ منکرین، جو خلق و تکوین کے خدائی قانون سے واقف ہوتے ہیں، بسا اوقات قدرت کے بعض مظاہر کا الٹا اثر لیتے ہیں۔ چنانچہ سمندر سے آبی بخارات اٹھتے، اور بخارات سے بارش برستے ہوئے، یا انڈے سے چوزہ، اور بیج سے پودا اُگتے ہوئے دیکھ کر وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جب یہ سب آپ سے آپ ہو رہا ہے تو کسی خدا کو ماننے، یا اس کا وجود تسلیم کرنے کی کیا ضرورت؟ اس عقل و دانش پر ماتم نہیں تو اور کیا کیا جائے کہ جن چیزوں سے اوروں کے دلوں میں ایمان و یقین پیدا ہوتا ہے، ان کے اندر کفر و الحاد کے جراثیم پر دان چڑھتے ہیں۔ کاش کہ انہیں اس کا احساس ہوتا!

اس قسم کے الحاد اور بے دینی کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی طباق بھر اعلیٰ درجہ کی کھجوریں کسی آن پڑھ آدمی کے سامنے کھانے کے لئے رکھ دے۔ جب وہ شکم سیر ہو کر کھا چکے، اور یہ پوچھ بیٹھے کہ اتنی لذیذ کھجوریں کس نے بنائیں؟ تو اسے بتایا جائے کہ بھائی خدا کے سوا بھلا اور کون بنا سکتا ہے؟ وہ شخص بھی مان لیتا ہے کہ بے شک اسی نے بنایا۔ پھر اتفاق سے اس کا گذر کھجوروں کے ایک باغ پر ہوتا ہے، جہاں باغ کا مالی درختوں کی رکھوالی میں مصروف ہوتا ہے، کھجور کے درختوں کی قلمیں لگاتا ہے، اور جڑوں کو مینچ کر پودوں کی پرورش کرتا ہے۔ یہ

دیکھ کر وہ شخص نگر جاتا ہے، اور کہتا ہے کہ کھجور اگلانے والا خدا نہیں، بلکہ یہی ملی ہے۔ اس لئے کہ شروع سے آخر تک ساری محنت یہ کرتا ہے، نہ کہ کوئی اور! — اب اسے کون سمجھائے کہ ملی کی بساط ہی کیا؟ یہ تو قدرت کی ادنیٰ کاریگری ہے کہ اس نے کھجور کا ایک بیج ہی نہیں، بلکہ اس کی پرورش کے لئے ہوا، پانی، مٹی، اور خود اس ملی کو عدم سے وجود بخشا۔ اسے باغبانی کا علم دیا، اور یہ اسی کا کرشمہ ہے کہ معمولی بیج کے پیٹ سے اونچا پورا درخت سر اٹھاتا ہے، اور اس کی شاخوں سے میٹھی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں!

اور اگر ان دہریوں سے یوں کہا جائے کہ تم جو زمین و زمان کے اصولوں اور کون و مکاں کے دستور پر حاوی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ اصول اور ضابطے آخر کس نے بنائے؟ تو یہ منکرین، خدا کے وجود اور اس کی پرستش سے بچنے کے لئے کہیں گے کہ ”یہ سب نیچر اور مادے کی توانائی کا کرشمہ ہے۔“ اور اگر نیچر کو زبان مل جائے اور وہ ان سے مطالبہ کرے کہ ”پھر تم میری سنو، اور میرے خلاف مت چلو!“ تو جیسے انہوں نے خدا کا انکار کیا، نیچر کا بھی انکار کر بیٹھیں گے۔ جب کہ خداوند عالم صاف صاف ان سے کہتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ  
تَتَّقُونَ ○ (بقرہ: ۲۱)

”اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تم کو پیدا کیا، اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذرے، تاکہ تم پر ہیزار گار بن جاؤ۔“

اس میں شک نہیں کہ نیچر یا مادے جیسی بے جان شے کو سب کچھ تسلیم کر لینے کی بجائے خدا پر ایمان لانا کہیں زیادہ معقول اور آسان ہے۔ چنانچہ کسی ماہر طبیعیات نے صحیح کہا ہے کہ ”کائنات اور یہ سارا نظام اگر اپنے آپ وجود پذیر ہوا، تو ہمیں کل کائنات کو خدائی اوصاف کا حامل، بلکہ خدا تسلیم کرنا ہوگا، اور یہ کسی عجوبے سے کم نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کسی ایسے خدا کا تصور کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ جو بیک وقت مادی اور غیر مادی، محسوس اور غیر محسوس، دو متضاد اوصاف کا حامل ہو۔ اس لئے میں ایسے خدا پر ایمان لانے کو ترجیح دوں گا جس نے کل کائنات کو پیدا کیا، جو تمام جہانوں کا حاکم اور نگران ہے، اور جس کی ذات کائنات سے ماورا اور کون و مکان

کی آلائشوں سے پاک و صاف ہے۔ میں خدا کو چھوڑ کر نکتہ دروں کی غیر یقینی توجیہات اور فلسفیوں کی بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ جانا اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔“

یعنی نظام کائنات کی توجیہ کرنے کے لئے ماہرین طبیعیات اور اہل سائنس نے اتفاق، احتیاج، ضرورت اور مادی توانائی کے جو نظریے پیش کئے، اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ جس چیز کو کائنات کی توجیہ کا نام دے کر خدا کا بدل ٹھہرانے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں، نہایت آسانی سے اسے خدائی نظام اور اس کا طریق کار جیسے معقول نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ ان کی تمام تر توجیہات کی حیثیت ذہنی تعیش، خوشنما فریب، جہالت اور وہم و گمان سے زیادہ نہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کائنات کی توجیہ اور نظام عالم کو چلانے کے لئے، خدا کے منکر اور ملحدین طبعیت، احتیاج و ضرورت اور اتفاق و علت جیسے نظریے پیش کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد کیا ہے؟

● طبیعیات کیا ہے؟

طبیعیات کلنی و وسیع مفہوم کا حامل ہے، جو بیک وقت مادے اور اس کے اجزاء ترکیبی پر بولا جاتا ہے۔ نیز مختلف عناصر جیسے: حرارت، برودت، خشکی اور تری، اور ان کے مختلف امتزاج پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ علم طبیعیات کی رو سے کسی عنصر کے باریک ترین ذرے یعنی جو ہر کو بھی مادہ (Atom) کہتے ہیں۔ جو دوسرے انتہائی مہین ذروں کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ ان کے اندر مثبت اور منفی دونوں قسم کی توانائیاں مقید ہوتی ہیں، (جیسے گھڑی کی کمائی پوری چابی دینے کے بعد اپنے اندر توانائی رکھتی ہے۔)

علم طبیعیات اور جدید سائنس کے ماہرین یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مادہ یا جو ہر ان تین بنیادی اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ پروٹون (Proton) نیوٹرون (Neutron) اور الیکٹرون (Electron)

اس علم کے ماہرین کے نزدیک مادہ کی حیثیت یہ ہے۔ لیکن جہاں تک عقل سلیم کا تعلق ہے، یہ سوال بار بار ذہن میں گردش کرتا ہے کہ عناصر کا یہ کھیل، یہ جوہری توانائی اور



اہم کی یہ تمام تر فتنہ سالانی کیا محض اسی مادے کے چشم واپروہ کا کرشمہ ہے؟ کیا مادہ یہ سب کچھ کر رہا ہے؟ یا اس مادے کے ماوراء بھی کوئی ذات ہے؟ جس کا قدم قدم پر مادہ خود محتاج ہے؟ — اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا نظریہ محض عقل کی نارسائی اور فہم کی ناپختگی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کہ اس پورے نظریے کو من و عن تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ مادہ پہلے معدوم تھا۔ سب سے پہلے اس نے خود کو وجود بخشا۔ پھر اس نے دوسرے عناصر اور کل کائنات کو پیدا کیا! — جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مادہ اپنی تمام تر حیرت انگیز توانائی کے باوجود اپنے وجود کے لئے کسی ایسے موجد کا محتاج ہے جو اس سے ہزار ہا ہزار گنا زیادہ طاقت اور قوت کا مالک ہے، اور جس نے ان اوصاف کو اس حقیر ذرے میں ودیعت کیا ہے۔ اس صورت کے تسلیم کئے جانے کے بعد یہ لازم آئے گا کہ مادہ ناقابل تخلیق اور لافانی نہیں، بلکہ مخلوق اور قطعی فنا ہو جانے والا ہے۔ اور یہ امر مقرر ہے کہ فانی شے الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھ سکتی، نہ خلق و تکوین اور عدم سے وجود میں لانے کی اہل بن سکتی ہے۔ عقل کی اس نارسائی سے خدا کی پناہ!

عقل سلیم نے اب سے بہت پہلے اس قاعدہ کو مان لیا ہے کہ جو مادہ مختلف عناصر سے مرکب ہوگا، فانی ہوگا۔ اس لئے کہ مرکب اور بنی ہوئی چیز ایک نہ ایک دن بگڑ کر رہتی ہے۔ نیز عدم سے جو شے وجود میں آئے، اس کے لئے موجد کا ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ علت و معلول کا نظریہ جو اگرچہ باطل ہے، لیکن اس کی تائید کرتا ہے۔ (اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں ازل سے ایک کے بعد ایک واقعات اور حوادث پیش آتے گئے۔ اور ہر بعد کے واقعہ کے لئے پہلے کے واقعہ کا وجود فرض کیا گیا ہے جو بعد والے واقعہ کا سبب اور اس کی علت بنا۔ اس نظریے کی رو سے کائنات کی تخلیق کی اصل علت اگر مادہ بنتا ہے، تو یہ ضروری ہے کہ خود مادہ سے پہلے کوئی علت ہو جو مادے کو جنم دے، ورنہ مادہ کا وجود باطل ہوگا۔ اس لئے کہ یہ نام نہاد عقائد بھی اس کے قائل ہیں کہ علت کے بغیر معلول کا وجود کسی طرح ممکن نہیں!)

پس یہ ثابت ہوا کہ مادہ کا وجود اور اس کی گردش یا توانائی اگر معلول اور نتیجہ ہے تو اس کے لئے کوئی علت کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہی علت درحقیقت الہ ازل ہے جو غیر مادی ہے، ازل اس لئے کہ غیر ازل حادث ہوتا ہے، اور حادث سرا سرامادہ سے بنا ہوتا ہے، وہ بھلا کسی کو کیا زندہ کر سکتا ہے؟

یوں بھی یہ امر بدیہی ہے کہ جو شئی خود تھی اور خلق ہو، وہ دوسرے کے لئے کچھ نہیں کر سکتی، نہ زندگی اور حیات کی طرح کوئی اعلیٰ وارفع چیز دے سکتی ہے، نہ موت اور عدم کی طرح کوئی ادنیٰ چیز دے سکتی ہے۔

نیز یہ تمام تر دجل و فریب اور ذہنی خلجان جو خلق اور نکلون کو مادے کی طرف منسوب کرنے کے نتیجے میں رونما ہوا، اور جس نے بیشتر افراد کو خدا کی یاد اور اس کی کتاب کی تلاوت سے غافل اور شکوک میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس تمام تر خلجان سے بچنے کے لئے صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ دھوکے کی یہ ساری نیناں محض اس لئے کھڑی کی گئی ہیں تاکہ خدا کے بندے ان میں الجھ کر خدا کے وجود اور اس کے احکام کی بجا آوری کی نعمت سے غافل ہو جائیں۔ اس لئے بلا پس و پیش یہ کہا جاسکتا ہے کہ کائنات کے خدا کا اقرار کر لیا جائے اور اس کا اعلان کر دیا جائے کہ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوگا، سب کچھ خدا کی قدرت اور اس کے طریق کار کا مظہر ہے۔ مادہ اور رائی سے لیکر پیرت تک تمام اشیاء خدا کی مخلوق ہیں، ان کی نسبت اندھے اور بے جان مادہ کی طرف کرنا صحیح نہیں، نہ ہی اتفاقات کی طرف کرنا صحیح ہے، جو حکمت و ارادہ و تدبیر سے خالی ہیں۔

### ● اتفاقات کیا ہیں؟

طبیعیات کے ماہرین نے انکار خدا کے لئے قانونِ علت کی طرح قانونِ اتفاق کے نام سے ایک نظریہ وضع کیا ہے، جو اپنے پس منظر کی طرح لغو اور باطل بنیادوں پر قائم ہے۔ اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ اب سے کروڑوں اربوں سال پہلے۔ یہ ماہرین اپنا جھوٹ چھپانے اور انسانی ذہن کو مرعوب کرنے کے لئے ہمیشہ اسی قسم کے مہیب اعداد و شمار کا سہارا لیتے ہیں۔ کائنات کا وجود نہ تھا۔ نہ نظامِ شمسی تھا، نہ زمین آسمان، نہ نباتات تھے اور نہ حیوانات۔ البتہ فضا کے اندر مادہ موجود تھا، جو شروع میں معتدل اور غیر متحرک تھا۔ مادہ کی اس ہیئت پر صدیاں بیت گئیں۔ پھر ایسا ہوا کہ پر سکون مادے میں غیر ارادی اور اتفاقی طور پر خلل واقع ہوا، اور وہ آپ سے آپ بڑھتا ہوا فضا میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ جا بجا پھیلا ہوا مادہ سمٹ کر مختلف جگہوں میں یکجا ہونے لگا، اور اس پر بھی صدیاں بیت گئیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس جمع شدہ

مادے سے کل کائنات، چرند پرند، نباتات و جمادات اور حیوانات وجود میں آئے، اور خلا میں رقص کرتی رنگ و نور سے معمور یہ دنیا آباد ہوئی۔

کائنات کی ابتداء اور نظام عالم کی استواری کی یہ توجیہ ہے، جسے اس نظریہ کے حاملین بڑے شدد سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج تک خود ان کا ضمیر بھی اس پر مطمئن نہیں ہو سکا ہے۔ اور اطمینان کیونکر ہو؟ جب کہ ہڈیاں اور اوبہاں اس نظریے کی بنیاد ہے، جسے ماننا تو درکنار سنا بھی ہر شخص گوارا نہیں کرے گا۔

مزید برآں یہ نظریہ خود ان کے قاعدے کی رو سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بغیر دیکھے کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن دیکھا گیا کہ اس نظریے میں چھوٹی بڑی متعدد چیزوں کو بغیر دیکھے محض فرض و تخمین، اور قیاس و اندازے کی بنیاد پر تسلیم کر لیا گیا!

ہم پھر عرض کریں گے کہ اس نظریے کی تہ میں صرف خدا کا انکار اور اس کی بندگی سے گریز کا جذبہ کار فرما ہے۔ اس لئے کہ انہیں یقین ہے کہ اگر انہوں نے خدا کو تسلیم کر لیا تو انہیں دنیا کی لذت اور عیش کوشی سے دستبردار ہو کر ایک خدا کی بندگی، اور ایک پابند زندگی گزارنی ہوگی۔

نظریہ اتفاق اور نظریہ علت جس طرح ایک عجوبہ ہے، علماء اسلام اور دینیات کے ماہرین نے اس کی تردید کے لئے بالکل اسی رنگ میں بعض دلچسپ جوابات دیئے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”کسی زمانے کا ذکر ہے کہ کسی شہر میں ایک چھاپہ خانہ تھا۔ جس کے اندر ایک صندوق میں بند کپڑوں کے لئے ٹاپ کے اتنے سارے حروف رکھے تھے جن کی مدد سے کئی کئی کتابیں شائع کی جاسکیں۔ اتفاق سے اس علاقے میں زبردست بھونچال آیا جس نے عمارت کے در و دیوار اور اس صندوق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لیکن اس زلزلے کے نتیجے میں ایک تماشہ ہوا کہ صندوق میں حرکت پیدا ہونے کی وجہ سے حروف ایک دوسرے پر گرتے گئے، اور بالکل اتفاقی طور پر متعدد ابواب اور فضلوں پر مشتمل ایک خوبصورت جی سجائی علمی کتاب تیار ہو گئی!!!“

”اسی قسم کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ کسی جگہ ایک شخص نے ایک تختی کے وسط میں ایک سوئی گاڑ دی، اور ایک اندھے شخص کو جسے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا، ایک ہزار سوئیاں دے کر کہا کہ اس

سوئی کا نشانہ لے کر ایک ایک سوئی اس انداز سے پھینکو کہ تمہاری ہر سوئی پہلی سوئی کے ناکے میں پیوست ہوتی جائے اور اس طرح بالکل اتفاقی طور پر سوئیوں کا اونچا نیچا رکھا ہو جائے۔“  
غور کیا جائے کہ کوئی بھی عقلمند ان دونوں حوادث کو عقل و مشاہدے کی رُو سے درست ماننے پر آمادہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! لہذا محض اتفاقی حوادث کے سارے جب اس قسم کی معمولی چیزوں کا وجود ناممکن ہے تو اس قدر وسیع و عریض کائنات اور خلا میں رقص کرتی یہ بھری پڑی دنیا کیا محض اتفاق سے وجود میں آسکتی ہے؟ یا اس کے پیچھے بڑے زبردست منتظم اور مدیر کا شعوری ذہن کام کر رہا ہے؟

### ● احتیاج و ضرورت کیا ہے؟

نظریہ اتفاق کی طرح لمحدین نے خدا کا انکار کرنے کے لئے ایک اور عجیب و غریب نظریہ وضع کیا ہے، جس کا نام احتیاج و ضرورت ہے۔

اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ ”کائنات اور کل مخلوق کے اندر جو فرق نظر آتا ہے، وہ سب ضرورت اور احتیاج کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ زرافہ کو اونچے درختوں کی پتیاں کھانے، اور مچھلی کو پانی میں تیرنے کی ضرورت ہے۔ لہذا اس ضرورت نے پہلے کی گردن لمبی کر دی، اور دوسری کو گھبرٹے عطا کئے!“

یہ اور اسی انداز کی دیگر کارآمد چیزوں کو اس نظریے کے حاملین اسی نام نداد ”ضرورت“ کی دین سمجھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس تمام جھوٹ کا حاصل، خدا سے فرار اور اس کی بندگی سے گریز کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ یہ دانشور جنہیں خدا نے شعور اور دل و دماغ بھی بخشا ہے، غور کریں تو انہیں معلوم ہو کہ جس چیز کو وہ حاجت اور ضرورت کا نتیجہ سمجھتے ہیں، دراصل وہ سب خدا کی رحمت اور اس کی مہربانی کا صدقہ ہے۔ اور اگر کوئی رافت و رحمت کے ان نمونوں کو تلاش کرنا چاہے تو سچ یہ ہے کہ تلاش کرنے والوں کی عمریں ختم ہو جائیں گی، لیکن اس کی رحمت و مہربانی کے نمونے کبھی ختم نہ ہوں گے۔ چنانچہ دانشور آئیں اور دیکھیں کہ یہ قدرت الہیہ کے وہی مخفی ہاتھ ہیں جو ماں کے رحم اور ماہہ کے پیٹ میں بچے کی عجیب انداز سے پرورش کرتے ہیں۔ چنانچہ بچہ جب ماں کے رحم میں ہوتا ہے تو اس کے پیٹ سے ایک تلی لگی ہوتی ہے جس کے ذریعہ اس کی غذا براہ راست اس کے پیٹ میں پہنچتی

ہے، اور جب مدت حمل کے بعد بچہ کی پیدائش عمل میں آتی ہے تو وہی غذا دودھ کی شکل میں ماں کے پستان سے برآمد ہوتی ہے۔ اور دست قدرت بچے کی یوں دنگیری کرتا ہے کہ ابھی اسے کسی قسم کا شعور نہیں ہوتا، لیکن ماں کے پستان کو منہ میں لینا اور چوسنا اسے آجاتا ہے اور محض اس کے ہلکے سے اشارے پر اس کی غذا اس کے پیٹ میں پہنچ جاتی ہے، تا آنکہ دوسری غذاؤں کا وہ عادی بن جاتا ہے۔ نر مادہ کا باہمی اختلاط بھی اسی کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہے جس کی بنا پر حیوانات میں تو الدو متاثر کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ بھی حضرت انسان کو پہنچتا ہے کہ ان جانوروں سے انسان اپنی غذا، لباس اور معاش کے بہت سارے مسائل حل کرتا ہے۔

دانشور ذرا سوچیں! کہ نباتات اور پودوں میں ”ختم ریزی اور بار آوری“ کا عمل کیونکر ہوتا ہے؟ کیا یہ امر حیرت انگیز نہیں کہ زراعت کے بیجوں سے کیڑے اڑاڑ کر مادہ درختوں پر پڑتے ہیں! اور اس طرح کیے بعد دیگرے درختوں کو بار آور کرتے ہیں۔ یہ سب صرف انسانوں کے فائدے اور نفع رسانی کے لئے ہوتا ہے۔ آئے دن وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ سمندروں سے اٹھنے والے بادلوں کو ہوائیں اپنے دوش پر اڑائے لئے پھرتی ہیں، پھر جہاں خدا کا حکم ہوتا ہے، گرج چمک کے ساتھ بارش ہوتی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ کھیتوں میں اناج، اور باغوں میں پھل اور سبزی ترکاریاں اُگتی ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے پستان میں دودھ کی افزائش، نر مادہ کا باہمی اختلاط، نباتات میں ختم ریزی، بادلوں سے بارش، کھیتوں اور باغوں سے اناج اور پھلوں کی پیداوار اور کارخانہ قدرت میں ہر چھوٹی بڑی حرکت کیا اسی نام نفاذ احتیاج اور ضرورت کا نتیجہ ہے؟ اور کیا یہ سب جو انتہائی باقاعدگی اور ایک خاص نظم و ترتیب سے ہو رہا ہے، یہ ساری کار فرمائی اسی ضرورت کی کرشمہ سازی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ کسی ضرورت کا کرشمہ نہیں۔ یہ سب مالکِ حقیقی کا لطف و کرم اور اس کی عنایت و مہربانی کا ادنیٰ مظہر ہے۔

آخر میں ایک عقلی دلیل پر اس بحث کو ہم ختم کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ مادہ پرست اس کے قائل ہیں کہ انسان، حیوان اور نباتات کی پیدائش بہت بعد میں ہوئی۔ خصوصاً انسانوں کی پیدائش اور بھی پیچھے ہوئی لہذا اگر ان تینوں سے متعلق یہ سوال کیا جائے کہ انہیں عدم سے

وجود میں لانے والا کون ہے؟ ظاہر ہے ذیل کا کوئی ایک مفروضہ اس کا جواب ہوگا:

۱- باری تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔

۲- مادہ اور اس کے مختلف عناصر کے قصد و ارادے اور باہمی ملاپ سے کائنات کی تخلیق ہوئی اس کی صورت یہ ہوئی کہ ان چیزوں نے بڑے غور و خوض کے بعد پوری دنیا کو اس طرح پیدا کیا جس طرح آج وہ ہمارے سامنے ہے۔

۳- مادہ اور اس کے عناصر کے اتفاقی ملاپ سے زمین آسمان، نبات و جماد، اور انسان و حیوان کی تخلیق ہوئی۔ اور یہ سب کسی قصد و ارادے اور نظم و ترتیب کے بغیر ہوا۔

ان تین مفروضوں میں سے دوسرے مفروضے کو ٹھہرین رد کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ نظریہ اتفاق کے قائل ہیں، جب کہ اس مفروضہ میں مادہ کے لئے قصد و ارادہ ثابت کیا گیا۔ رہا تیسرا نظریہ تو مادیین اگرچہ اس کے قائل ہیں، لیکن عقل و قیاس کی زو سے جیسا کہ ہم نے عرض کیا، یہ محض واہمہ اور فکر و نظر کا فریب ہے ان دو مفروضوں کے باطل ہونے کے بعد اب ایک حقیقت باقی رہ گئی، وہ یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے کل کائنات اور اس عالم رنگ و بو کو پیدا کیا۔ انسان و حیوان، اور نبات و جماد کو وجود بخشا، اور اسی کے قانونِ قدرت کے تحت یہ کارخانہ حیرت انگیز نظم کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ اس صاف اور سیدھی بات کے سامنے آجانے کے بعد یہ ضروری ہوا کہ مادہ قانونِ اتفاق، اور نظریہ علت جیسے باطل خداؤں کا انکار کر کے اس خدائے واحد پر ایمان لانے کا اعلان کیا جائے جو خالق و مالکِ عظیم و خبیر اور حکیم و دانا ہے۔

عقل و قیاس کی روشنی میں وجودِ باری تعالیٰ پر ٹھوس دلیلیں پیش کئے جانے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی معرفت اور اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟



## باری تعالیٰ کی معرفت اور اہل ایمان کے مختلف مراتب

خدا کی معرفت اور اس کے حصول کے مختلف درجے ہیں۔ حق پرست چاہیں تو ذاتی مجاہدے اور محنت سے ان مراحل کو طے کر کے کمال کے مرتبے کو پہنچ سکتے ہیں۔ نیز یہ امر بھی واضح ہے کہ جس قدر معرفت الہی نصیب ہوگی، اسی درجہ کا تقویٰ اور تقرب، خوف و خشیت، عقیدت و محبت اور جذبہ بندگی بندے کے دل میں پیدا ہوگا۔

### ● پہلا درجہ:

جدید سائنس اور اس کے مختلف علوم جیسے: طبیعیات، علم حیات اور کیمیا کے ماہرین جن کے سامنے کائنات کھلی کتاب کے مانند ہوتی ہے، اور جو مختلف اشیاء اور ان کے حقائق پر طویل ریسرچ میں عرصہ کھپا دیتے ہیں۔ مختلف تجربات اور کئی غور و خوض کے بعد ان میں سے بعض خوش نصیب ہستیوں کو یہ توفیق ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کی مناعی، اس کی قدرت، اور اس کی حکمت و تدبیر کا زبان و دل سے اقرار کر لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن کریم اور اس کے پیغمبر یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کی کوئی خبر یا اس سے ادنیٰ واقفیت بھی انہیں میسر نہیں ہوتی، اس لئے انہیں کامل ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی معرفت کا ادنیٰ درجہ حاصل ہونے کے باوجود وہ ایک طرح سے اندھیرے میں رہتے ہیں۔ اس لئے کہ کتاب و سنت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے انہیں باری تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کی واقفیت نہیں ہوتی، نہ ان کے دلوں میں اس کی محبت، عقیدت اور اس سے خوف و خشیت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جس سے دلوں میں نیکی کی رغبت اور بدی سے نفرت پیدا ہوتی ہے، اور بندہ خدا کی بندگی

اور اس کی عبادت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ تب جا کر کہیں صحیح معرفت الہی اور یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ ان لوگوں کے دلوں میں خدا پر کسی درجہ کا ایمان و یقین پایا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے ان کے اندر خدا کی کسی قدر عظمت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اس ایمان کے صلے میں دنیا میں انہیں دلی راحت و سکون میسر ہوتا ہے، اور خدا نے چاہا تو آخرت میں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

### ● دوسرا درجہ:

خدا کی معرفت کے دوسرے درجے میں وہ روایتی اور خاندانی مسلمان شامل ہیں جن کے کان بچپن ہی سے خدا کے وجود، اور اس کے اسماء و صفات سے آشنا ہوتے ہیں، اور جن کے تحت الشعور میں خدا اور اس کے نبیوں پر ایمان سرایت کئے ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایمان انہیں بلا کسی محنت اور تلاش و جستجو کے حاصل ہوتا ہے، اس لئے اس طبقہ کا ایمان بھی متوسط، اور خدا کی معرفت بھی انہیں کم نصیب ہوتی ہے، اور اسی لحاظ سے ان کے اندر خدا کا خوف، محبت، ذوق عبادت، تقویٰ اور اس سے نزدیکی پیدا ہوتی ہے۔

### ● تیسرا درجہ:

اس زمرہ میں وہ مومنین صادقین اور علماء امت شامل ہیں جنہیں شریعت مطہرہ اور دستور الہی کا علم اور اس کا فہم نصیب ہوتا ہے، جس کا سرچشمہ براہ راست خدا کی کتب اور اس کے نبیوں کی تعلیمات ہوتی ہیں۔ نیز ذات باری کے وجود اور اس کی معرفت کا یقین مختلف عقل و نقلی دلائل سے انہیں حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ خدا کی معرفت کے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے، اور عام مسلمانوں کے مقابلے میں علماء کا یہ گروہ محبت و بندگی اور خشیت الہی کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی گروہ کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ○ (فاطر: ۲۸)

”اور خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں، جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔“



### ● چوتھا درجہ:

یہ نورانی اور مقدس ترین گروہ انبیاء و مرسلین کا گروہ ہے، جو اہم امتیاز اور زبردست معجزات کے حامل ہوتے ہیں۔ یہی وہ بابرکت گروہ ہے جو معرفت کے سب سے اونچے اور بلند مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔ جن کی ہمسری اور برابری کا کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فضل و کمال کے جملہ اوصاف جیسے خدا پر ایمان، اس کی محبت اس کا خوف، اس کی بندگی، اس کی راہ میں استقامت، اور مصائب پر صبر، غرض جملہ مکارمِ اخلاقِ علی وجہ الکمال ان کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ مقام بلند انہیں اس لئے حاصل ہوتا ہے کہ رسالت و نبوت کے نازک اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے سے پہلے اور بعد میں زندگی کے کسی اسٹیج پر ان سے کوئی چھوٹا بڑا گناہ یا قصور سرزد نہیں ہوتا۔ نیز یہ وہ مقدس ہستیاں ہوتی ہیں جن کے منہ میں حق تعالیٰ اپنا پاک کلام ڈالتا ہے۔ بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے انہیں منتخب کرتا ہے۔ اپنی معرفت، اس پر کامل یقین اور اس پر مستزاد فہم و فراست اور بالغ نظری اپنے دستِ خاص سے انہیں عطا فرماتا ہے، اپنے اسماء و صفات اور تمام اشیاء کا علم انہیں عطا فرماتا ہے، جس کی وجہ سے ان کا ایمان کامل اور یقین راسخ ہوتا ہے۔ اور اس سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت، اس کی طاعت و بندگی کا جذبہ سب سے زیادہ ان کے دلوں میں موجزن ہوتا ہے۔ چنانچہ نبیوں کے پیشوا اور خاتم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء و رسل کے بعد سب سے مقدس گروہ یعنی جماعت صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں، اور اس سے ڈرتا ہوں“ (التوفو والمرجان لئما اتفق علیہ الشیخان ۱/۳) (بخاری و مسلم)

## حصول معرفت کا پہلا طریقہ

### عقل اور دل سے رہنمائی

عقل سلیم جو گرد و پیش کی آلودگی سے متاثر ہوئے بغیر کوئی فیصلہ کرتی ہے، یا کوئی رائے قائم کرتی ہے، اس میں شک نہیں کہ اس کا فیصلہ باذن اور حق بجانب ہوتا ہے۔ عقل کی بجائے اگر انسان کے ظاہری حواس جیسے، آنکھ، ناک، اور کان وغیرہ کوئی فیصلہ صادر کرتے ہیں، اپنی قوت احساس، سابقہ تجربات، یا تحقیق و تلاش کے بعد کوئی حکم نافذ کرتے ہیں، تو سب اوقات بعد میں ان کی خامی کا احساس ہوتا ہے، اور یہ پتہ چل جاتا ہے کہ پہلا فیصلہ غلط اور جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آنکھ ساکن اور متحرک شے میں فرق نہیں کرتی، کان انسانی اور حیوانی آواز میں، اور ناک مختلف قسم کی بو اور مہک میں تمیز نہیں کرتی، قوت ذائقہ کسی چیز کو کڑوا جاتی ہے۔ بعد میں وہی چیز اسے شیریں یا ترش معلوم ہوتی ہے۔

علمی تجربے اور اس کے نتائج میں بھی آئے دن رد و بدل اور انقلاب آتے رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مختلف فنی تحقیقات جن کی بنیاد طویل مشاہدے اور جستجو پر مبنی ہوتی ہے، ان کے مختلف زاویوں میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے، اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ علم ایک سمندر ہے۔ کوئی اس کے حصول میں عمریں کھپا دے، اس کی حد اور انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے دریا کی گہرائی اور اس کا کنارہ تلاش کرنا دشوار ہے! لیکن مشاہدہ شاہد ہے کہ عقل سلیم اور فہم مستقیم جو مسائل حل کرتی ہے، یا جو فیصلے صادر کرتی ہے۔ ان کے اندر ناقص اور باہم ٹکراؤ نہیں ہوتا، خواہ ان مسائل کا تعلق موجودات ممکنات، یا ناممکنات سے کیوں نہ ہو۔

مثال کے طور پر موجودات کے بارے میں عقل سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ کوئی امر موجود اگر معلول ہے، تو اس کی علت کا پایا جانا ضروری ہے۔ امکان جیسے: ساکن اشیاء کے لئے حرکت، اور متحرک اشیاء کے لئے سکون، دونوں کا عقل کے نزدیک امکان ہے، چنانچہ حرکت کی علت پر حرکت، اور سکون کی علت پر سکون کا پایا جانا لازمی ہے۔ امتناع کی مثال یوں ہے جیسے کہا جائے کہ کھڑا ہونے والا بیٹھا نہیں ہے۔

مذکورہ بالا امور کی طرح بدیہی اور نظری مسائل میں بھی عقل سلیم صحیح فیصلہ کرتی ہے اور خطا سے محفوظ رہتی ہے چنانچہ دو کا آدھا ایک ہونا مرد کا مرد ہونا، بھرے ہوئے برتن کا بھرا ہونا، بدیہی ہے۔ بدیہی نہایت واضح ہوتا ہے، اس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہوتی، البتہ نظری امور میں قدرے غور و فکر کی حاجت ہوتی ہے، جیسے تین چوبیس کا آٹھواں حصہ ہے، ایک پارہ کا بارہواں حصہ ہے، عالم حادث ہے، اور معلول کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے، یہ سب نظری ہیں۔ ان میں فکر و نظر اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں خطا اور غلطی نہیں ہوتی۔

غرض انسانی عقل و شعور کے صحیح استعمال سے بہت ساری گتھیاں سلجھ جاتی ہیں، خدا پر ایمان لانے، اور اس تک رسائی کے لئے بھی عقل ایک اہم ذریعہ ہے۔ ذیل میں ایسے چند ذرائع اور ضابطے درج کئے جاتے ہیں:

### ● قانونِ علت:

۱- انسان کو آغاز تمیز سے جن بدیہی باتوں کا علم ہوتا ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حالت، صفت، یا وجود میں تبدیلی کے لئے کسی نہ کسی علت کا پایا جانا ضروری ہے، اور چونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے، اس لئے کوئی شی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، دور کیوں جائیں، اپنے سامنے رکھی ہوئی صراحی، یا کسی مشین کا پرزہ دیکھ کر ہر کوئی اپنی عقل سے سوچ لیتا ہے کہ ہونہ ہو کسی نے صراحی لا کر رکھ دی ہے! اور پرزے کا کوئی نہ کوئی بتانے والا ہے! اس لئے کہ یہ یقین ہے کہ صراحی اپنے آپ اس جگہ پر آ نہیں سکتی، نہ ہی پرزہ خود بخود بن کر اپنی جگہ فٹ ہو سکتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جب ایک معمولی سی صراحی یا چھوٹے سے چھوٹا پرزہ کسی

رکھنے یا بنانے والے کے بغیر اپنی جگہ نہیں لے سکتا، تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ نظام شمسی اور یہ پوری کائنات آپ سے آپ بن جائے۔

اس صاف اور سیدھے طریقے سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے، اور عقل بھی تفصیل سے بتاتی ہے، جسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز ہی نہیں کائنات کے ذرے ذرے کا وجود، اور اس کے اندر ہونے والی ہر صفت کیفیت، حرکت اور تبدیلی آپ سے آپ رونما نہیں ہو سکتی، ان گنت اور بیشمار مخلوقات جو خشکی اور تری میں زندگی کے سفر میں مصروف ہیں، آخر کوئی علت تو ہے جو انہیں عدم سے نکال کر وجود میں لاتی ہے، اور ایک حال سے دوسرے میں لے جانے کا سبب بنتی ہے، عقل یہ بھی کہتی ہے کہ کارکردگی کے لحاظ سے یہ علت ناکافی اور کمزور نہیں، ورنہ یہ ایجاد و اختراع ناقص ہوگی، اس لئے یہ علت انتہائی زبردست، توانا اور سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، اس لئے کہ مظاہر قدرت اور اس پوری کائنات کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ جس علت کے سبب حرکت و عمل میں مصروف ہے، اور یہاں کی ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، جس طرح خلق و تکوین، ایجاد و اختراع، حکمت و تدبیر اور نظم و ترتیب کے مراحل سے گذر کر ایک مستحکم وجود، موزوں ساخت، اور بے مثال رنگ و روپ اختیار کرتی ہے، یہ ضروری ہے کہ وہ علت بذات خود زبردست قدرت بے نظیر علم و حکمت اور کلنی دوانی قوت ارادی کی حامل ہو، ورنہ بصورت دیگر عجز اور درماندگی لازم آئے گی، اب عقل گذشتہ تمام مفروضوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتی ہے، اور پوچھتی ہے کہ ”کیا مادہ اور طبیعیات وہ علت ہے جو یہ سب کر رہی ہے؟“ ہرگز نہیں، اس لئے کہ مادہ قصد و ارادہ اور علم و حکمت سے خالی ہے، پھر کیا یہ سب اتفاقات کا نتیجہ ہے، نہیں ہرگز نہیں، اس لئے کہ کوئی چیز کتنی ہی موزوں ساخت یا مناسب ہیئت کی ہو، آپ سے آپ اس صورت کو پہنچنا اس کے لئے ممکن نہیں، پھر کیا یہ سارا کرشمہ احتیاج و ضرورت کا ہے، نہیں، ہرگز نہیں، اس لئے کہ وہ ذہنی ایچ ہے، جسے باہوش اور سنجیدہ آدمی سنا بھی گوارا نہیں کرتا، عقل کہتی ہے کہ ان تمام نظریوں کے باطل ہو جانے کے بعد اب ایک حقیقت رہ جاتی ہے، کہ وہ علت کوئی اور نہیں خود باری تعالیٰ کی ذات ہے، جس نے رنگ و نور سے آراستہ اس دنیا کو آباد کیا، اور تمام جہانوں کو پیدا فرمایا، جو ہر عیب سے پاک اور سب سے بزرگ و برتر ہے، اس میں شک نہیں کہ باری

تعالیٰ کے وجود پر عقل سلیم اس طرح راست اور درست فیصلہ صادر کرتی ہے، ایمان والے اپنے خالق و مالک کو مان کر اس کے ناموں اور صفتوں کے ساتھ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جن کی فطرت ان کی عقل کی طرح سلیم ہوتی ہے، عقل و ضمیر کے اس فیصلے کو وہ بھی من و عن تسلیم کرتے ہیں۔

### ● قانون وجوب:

۲۔ اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ کل عالم علوی اور سفلی، اور کائنات کی ایک ایک چیز جیسے: انسان، حیوان، نباتات و جمادات کا وجود تین حالتوں سے خلی نہیں، اس لئے کہ حکماء کا یہی فیصلہ ہے کہ ہر چیز کا وجود یا تو واجب ہوگا، یا ممتنع، یا ممکن، — واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شی ازل سے ابد تک ہو، اور اس کے معدوم ہونے کا تصور عقل کے نزدیک بھی محال ہو، — ممتنع ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز جو نہ کبھی موجود تھی، نہ آئندہ موجود ہو سکتی ہے، اور اس کے وجود کا تصور عقلی طور پر محال ہو، — جائز، جسے ممکن بھی کہا جاسکتا ہے، وہ شی ہے جو ہمیشہ سے نہیں ہے، لیکن وجود میں آئی، اور فنا ہو جائے گی، گویا شی کا عدم اور وجود یکساں ہے۔ ان تینوں نظریات کو مد نظر رکھتے ہوئے دیکھنا چاہئے کہ کائنات کا وجود کس نوعیت کا ہے، جواب یہ ہے کہ جہاں تک پہلے دونوں مفروضوں (واجب اور ممتنع) کا تعلق ہے یہ دونوں فیصلے غلط ثابت ہوتے ہیں، اس لئے کہ کائنات کا واجب الوجود ہونا، یعنی ازلی اور لافانی ہونا، اور ممتنع یعنی وجود کا تصور بھی محال ہونا دونوں باطل ہے، اس لئے کہ فی الوقت کائنات موجود ہے۔ اور جب کائنات اور کل عالم کے لئے وجوب اور امتناع کا حکم ثابت نہ ہو سکا، تو لا محالہ عالم کا ممکن الوجود ہونا ثابت ہوا۔ اس لئے کہ حالتیں تین ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور حالت نہیں، اور جب ممکن الوجود ہونا ثابت ہوا، تو ہم کہیں گے کہ جب کائنات کا وقوع ممکن ہے تو وہ سردست ہے، اور جب ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے وجود کا موجب کون ہے؟ اگر جواب یہ ہو کہ اس کے وجود کے لئے کوئی نہ کوئی علت کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ علت کے بغیر — معلول اور سبب کے بغیر مسبب کا پایا جانا محال ہے، جسے عقل بھی تسلیم نہیں کرتی، تو یہ سوال در پیش ہوگا کہ کیا وجود کی علت مادہ اور طبیعیات ہے؟ جو شعور اور ارادے سے خالی اور ترتر، مردہ کی طرح ہے، یا اس کی علت اتفاقی حوادث ہیں، جب کہ پہلے گذر چکا کہ ایجاد و اختراع، موزونیت

اور حسن قامت، نکتہ سنجی اور باریک بینی اور اس سب کے ساتھ خلق و تکوین جیسے عظیم شاہکار کے لئے، فکر و نظر، شعوری ذہن و افر عقل و بصیرت لا محدود قوت ارادی، اور اس سب کے بعد ذات واجب الوجود کا ہونا ضروری ہے، رہا انتقالی حوادث کا نظریہ تو یہ سراسر باطل ہے اور اس کے اندر کامل عقل، محکم عزم، اور حکمت و تدبیر جیسے اوصاف کا تصور اور اس کی تلاش عبث ہے، اسی طرح احتیاج و ضرورت بھی اس کی علت نہیں اس لئے کہ یہ یکسر باطل اور لا یعنی تخیل ہے، اسے نظریہ کہنا بھی ٹھیک نہیں جب کہ یہ محض وہم ہے، جس کا قائل کوئی صاحب الہام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جیسا کہ عرض کیا گیا یہ صرف باری تعالیٰ کی ذات مجمع صفات، اور اس کی عنایات کا کرشمہ ہے، جس نے کائنات کو وجود بخشا، اور محض اپنی حکمت و تدبیر اور نظم و ترتیب سے اس کا راہ عالم کو مقرر وقت تک کے لئے رواں دواں رکھا۔ بنا بریں کائنات کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے باری تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر اعلیٰ و ارفع اور لائق و فائق کوئی ذات نہیں ہے جس نے کسی کجی اور ٹیڑھ کے بغیر کائنات کو راست اور درست پیدا کیا، تا آنکہ کل عالم اور جانوں کا حیرت انگیز نظام جس انوکھی ترتیب، حکمت و تدبیر، قوت ایجاد، فطری مظاہر، وقت نظر اور چشتگی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے ہے، یہ حق تعالیٰ کی شان کی کبریائی کی روشن دلیل ہے۔

اس طرح عقل کے راستے اہل دانش، خدا تک رسائی حاصل کرتے ہیں، ایمان لانے والے اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی پرستش اور اس سے محبت کرتے ہیں، اور اس کی بارگاہ میں تقرب پاتے ہیں۔

### ● قانونِ حدوث:

۳- زندہ و پائندہ خلایق اور کل کائنات سے متعلق یہ نظریہ مسلم ہے کہ یہ سب حادث ہیں۔ اور انسان وہ مخلوق ہے جس پر حدوث سب سے زیادہ طاری ہوتا ہے، چنانچہ حکماء اور طبقات الارض کے ماہرین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کل کائنات حادث ہے، اور کل اس لئے کہ بیک وقت بعض کا حدوث اور بعض کا قدم متعلق، ناقابل قبول اور عقل کے خلاف ہے۔

رہا کل کائنات کا حدوث تو از روئے عقل یہ ثابت ہے، اور جیسا کہ کہا گیا ماہرین طبیعیات بھی اس کے منکر نہیں، البتہ حدوث ثابت ہونے کے بعد یہ ضروری ہے کہ جس علت کو اسکا موجب تسلیم کیا گیا، وہ اس کے لئے کافی ہو، اس لئے کہ معلول یعنی حدوث مناسب علت کے بغیر ناقض کا باعث، اور عقل سلیم کے خلاف ہے، لہذا یہ لازم آتا ہے کہ اس کے لئے ایسی لازمی اور مناسب علت ہو، جو احتمالی قوی، بے نیاز وغیر محتاج، منظم و مدبر، ازلی اور لافانی ہو۔ اور خود اس پر حدوث طاری نہ ہو۔ اس لئے کہ جو علت خود فانی یا دوسروں کی محتاج ہو وہ دوسروں کو فنا نہیں کر سکتی۔ اور اگر کوئی علت دوسروں کی محتاج ہو تو اس سے دور یا تسلسل لازم آئے گا، جو عقل کی رو سے باطل اور محال ہے۔

اس بحث و تمحیص کا حاصل بھی یہی نکلتا ہے کہ وہ لافانی ذات جو اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہیں، اور جو ازل سے ابد تک ہے، باری تعالیٰ کی ذات ہے جس نے عالم کی تخلیق کی، اور جو اس جیسے نہ جانے کتنے جہانوں کا پروردگار اور پالناہار ہے۔

### ۴۔ قانون نظام:

خدا کو عقل کے ذریعہ پانے اور پہچاننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دنیا اور کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز سے سبق لیا جائے۔ چنانچہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ جس طرح ایک خوبصورت گھڑی ہوتی ہے جو صحیح وقت، دن، تاریخ، مہینہ اور گرمی سردی کا درجہ بتاتی ہے، کائنات کے اندر قدرت کا بنایا ہوا ایک شمسی نظام بھی ہے جو اس گھڑی سے کہیں زیادہ صحیح اور درست طریقہ پر روز و شب، صبح و شام، ہفتہ مہینہ، برس، صدی، سمت اور موسم نہ صرف بتاتا ہے، بلکہ ان تمام چیزوں کو بتاتا ہے۔ قدرت کی اس عظیم گھڑی کی نقل میں جو انسانی گھڑی بنائی گئی، جس کے بارے میں اغلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ سو برس، دو سو برس چلے گی، پھر اس کے پرزے کھس کر ختم ہو جائیں گے۔ لیکن ہزاروں صدیاں گزر گئیں، دنیا نہ جانے کتنی بار اجڑی اور بسائی گئی، لیکن قدرت کے اس نظام اور اس کی بنائی ہوئی گھڑی کا نہ کوئی پرزہ خراب ہوا، نہ اس میں کوئی فرق آیا۔ پہلی گھڑی کو دیکھ کر انسانی ذہن فوراً اس کے بنانے اور ایجاد کرنے والے کی طرف جاتا ہے۔ اہل خرد ذرا سوچیں! کہ اس سے زیادہ ستم ظریف بھلا کون ہو گا؟ جو کسی

معمولی گھڑی کو دیکھ کر تو اس کے بنانے والے کا قائل ہو جائے، لیکن چاند، سورج، مریخ، عطارد، زہرہ، مشتری، زمین، آسمان، اور قدرت کے اس مستحکم نظام کو دیکھنے اور سمجھنے، اس کے باوجود ہٹ دھرمی سے کام لے، اور یہ خیال کرے کہ یہ سارا کارخانہ آپ سے آپ چل رہا ہے۔ یا نچر، مختلف عناصر، اتفاقی حوادث، یا احتیاج و ضرورت جیسے مختلف نظریات کے نام سے اس کا کوئی چلانے والا ہے، تو وہ علم و حکمت، ارادہ و دانش، اور نظم و ترتیب کی دولت سے بیکر محروم ہے!

صدقِ احساس، اور فکر و تجسس کے ساتھ انسان ذرا سوچے کہ کیا یہ گنبد نما نیلا آسمان اس کی رفعت اور پختہ بناوٹ، یہ جگمگاتے تارے اور ہر ایک کا درمیانی فاصلہ، یہ دکھتا سورج اور ٹھنڈا چاند، اور یہ رات دن کی منظم گردش، کیا یہ سب باری تعالیٰ کی عظمت، اس کی الوہیت، اور اس کی شانِ ربوبیت کی زبردست نشانیاں نہیں؟

زمین کا یہ فرشِ خاکی، کہیں دریا کہیں ندی، کہیں پہاڑ کہیں وادی، کہیں رفعت کہیں پستی، کہیں جا بجا سبزہ کی چادر، کہیں لہلہاتے مرغزار، کہیں پودے کہیں جھاڑی، جنگلوں اور پہاڑوں میں، سمندروں اور دریاؤں میں انواع و اقسام کے حیوانات، کیا یہ سب خدا کی نشانیاں اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں؟

جائباتِ عالم اور اس کی نیرنگیوں سے ہٹ کر انسان خود اپنے جیسے انسانوں کا جائزہ لے کہ کہنے کو سب انسان ہیں، لیکن تمام انسانوں کی رنگت، ان کی ساخت، ان کی زبان، ان کے خدوخلل، اور قد و قامت میں کس قدر تنوع اور جدت آفرینی ہے کہ کوئی دو انسان ہی نہیں، کسی ایک ہی انسان کی ہر انگلی کے نقوش دوسری انگلی سے قطعی جداگانہ اور مختلف ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ گوناگوں فرق اور تفاوت عقلِ انسانی کے لئے لمحہ فکریہ ہے، جو اسے رک کر یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ اس ایجاد و اختراع کے پیچھے ایک ایسا شعوری اور فکری ذہن کار فرما ہے، جو ہر لحاظ سے بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کا مالک، زبردست قدرت اور حکمت والا ہے۔ جو اکیلا ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا نہ پرورش کرنے والا ہے، نہ ہی پرستش کے لائق ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ



فُرُوجٌ ۝ وَالْأَرْضُ مَدَدْنَهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِي وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ  
زَوْجٍ بَهيج ۝ تَبْصِرَةٌ وَذِكْرٌ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝ (ق: ۸۶)

”کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا اونچا اور بڑا بنایا اور ستاروں سے اس کو آراستہ کیا اور اس میں کہیں شگاف نہیں ہے۔ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں۔“

اور اگر واقعی انسان حق کا متلاشی اور اس کا ذہن عبرت و نصیحت کا خواستگار ہو تو اس میں شک نہیں کہ اس کی قدرت کے ادنیٰ مظاہر جیسے: دن کا اجالا اور رات کی اندھیاری، مشکبار ہوائیں اور کلی گھٹائیں، گھر کے آنے والے بادل اور موسلا دھار بارش اور پھر پانی اور اس کے ذریعہ نشوونما پانے والے جملہ حیوانات و نباتات، غرض سب ہی انسان کو فکر و عمل کی دعوت دیتے ہیں اور خدا کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کے لئے واضح اشارہ کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اگر عقل سلیم بیدار ہو جائے تو کائنات کا ذرہ ذرہ وجود باری کا ثبوت اور اس کی حکمت و تدبیر، قوتِ تخلیق اور ایجاد و اختراع کی روشن دلیل بنتا ہے۔

### ۵۔ قانونِ نوازشِ الہی:

اس قانون کی تفصیل ذکر کرنے سے پہلے اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی خلق و تکوین میں ذرہ برابر ناانصافی یا ظلم و زیادتی نہیں کی، نہ ہی کسی چیز کو بیکار اور رائیگاں پیدا فرمایا۔ چنانچہ انسان دیکھ سکتا ہے کہ چیزوں کی شکل و صورت بدل جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود ہر اسٹیج پر کسی نہ کسی مصرف میں اس کا استعمال ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَأَعْبَثِنَ ۝ مَا خَلَقْنَاهُمَا  
إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (ذخا: ۳۸، ۳۹)

”اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے کھیل نہیں بنایا، بلکہ ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

نیز فرمایا:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا، ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ

كَفَرُوا - (ص: ۲۷)

”اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں، ان کو خالی از

حکمت نہیں پیدا کیا۔ (یعنی خالی از حکمت ہوتا) ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں۔“

اس مختصر تمہید کے بعد انسان غور کرے کہ یہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز۔

۱- جہاں کسی خلل یا خرابی کا شکار نہیں،

۲- وہیں کل کائنات جیسے: زمین آسمان، چاند سورج، ہوا اور بادل، غرض پورا نظام

کمال اطاعت اور جذبہ احسان کے ساتھ مسلسل حرکت و عمل میں مصروف ہے۔ یہ حرکت و

عمل صرف اس لئے ہے کہ نازش خلق اور افضل خلائق کملانے والا یہ معمولی قد و قامت کا

انسان اپنی ود وقت کی روٹی پاسکے، اور اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان کر اس کی پرستش کرے۔

انسان اور کل کائنات کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عظیم المرتبت بادشاہ نے ایک علی

شان اور بے نظیر محل تعمیر کیا۔ ہر قسم کی خوبصورتی اور رعنائی کا اسے نمونہ بنایا۔ راحت و آرام

کے تمام اسباب جو کہیں ہو سکتے تھے، سب اس میں فراہم کرنے کے بعد اس کو ایک مثالی اور

لاٹھانی محل کی شکل میں کھڑا کیا۔ پھر اپنی رعایا میں سے بظاہر حقیر و ناتواں نظر آنے والی ایک رعیت

کو محض اپنے لطف و کرم سے اپنا حمان بنایا، اور اسے یہ شرف بخشا کہ وہ آئے اور اس محل

میں رہے، خود کو اور اپنی نسلوں کو اس میں آباد کرے، اور ہر قسم کے اسباب راحت سے فیض

اٹھائے۔ مہمان نے بسرو چشم اس میزبانی کو قبول کیا اور محل کو آباد کیا۔ لیکن عیش و راحت

جس کا خاصہ ہے کہ دل کو یادِ الٰہی، اور دماغ کو خوفِ خدا سے آزاد کر دیتی ہے! یہ مہمان بھی

اس مرض کا شکار ہوا، اور بجائے اس کے کہ اپنے منعم حقیقی کا احسان مانے، اس کی نعمتوں کی

قدر کرے۔ اس نے اس کی ناقدری کی، اور اپنے محسن کو بھول کر اس بے نظیر محل کی تعمیر کی

نسبت ایسوں کی طرف کرنی شروع کی، جنہوں نے اپنے ذہن میں ادنیٰ چیزوں کی خلق و تکوین کا

بھی کبھی تصور نہ کیا تھا۔

اس تمثیل میں بادشاہ سے مراد باری تعالیٰ ہے، محل سے مراد دنیا اور مہمان سے مراد حضرت انسان ہے، جو انکار و الحاد کا مرتکب ہو کر خدا اور مذہب سے بیزار اور گمراہ اور اپنے رب کی نافرمانی کا شکار ہوتا جا رہا ہے، جبکہ قرآن پاک اسے آواز دیتا ہے:

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لَتَجْرِي أَلْفُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ (جاثیہ: ۱۲، ۱۳)

”وہ اللہ ہی تو ہے، جس نے دریا کو تمہارے کام میں لگایا، تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں، اور تاکہ تم اس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور شکر گزار بن جاؤ۔ اور اسی طرح جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا، جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔“

ذیل میں بندوں پر نوازشِ الہی کی ہلکی سی جھلک پیش کی جاتی ہے۔

### ● ۱۔ آسمان میں:

یہ دھرتی جس کے اوپر انسان کا پورا کنبہ آباد ہے، اس سے بہت اوپر تاحد نظر پہیلی ہوئی آسمان کی نیلیوں چھت اپنے جلو میں بے شمار اجرامِ سماوی، روشن ستارے، سیارے، چاند، سورج، اور اس کے پورے نظامِ شمسی کو سمیٹے ہے، جن سے ایک طرف اگر نیلے آسمان کو زینت حاصل ہے، تو دوسری طرف زمین کے کل کاروبار، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور معیشت کا ان سے گہرا تعلق ہے۔ چاند نہ نکلا ہو تو تاروں بھری رات میں انسان، تاروں کی مدد سے سمتوں اور راہوں کا تعین کرتا ہے، چاند کے طلوع و غروب، اس کے گھٹنے بڑھنے، اور اس کی بڑھوں اور منزلوں سے ماہ و سال کا حساب لگاتا ہے۔ طلوعِ آفتاب سے روز و شب کا اندازہ، اور روزہ مرہ کے کاموں کی تکمیل کرتا ہے۔ دن کے چھوٹے بڑے ہونے سے موسم کی تبدیلی اور فصلوں کی آمد و گذشت کا تعین کرتا ہے۔ دھوپ کی مدد سے زمین حرارت، اور توانائی پاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ نہ ہوتی تو زمین برف کی طرح سرد ہو کر ناقابلِ رہائش قرار پاتی۔ دھوپ سے

آبی بخارات بادل بن کر بارش کی شکل میں شوکھی دھرتی کو سیراب اور جل تھل بنا دیتے ہیں۔ زور آکاش سے آنے والی یہ موسلا دھار بارش اور پانی کے قطرے زمین کے منہ میں نہ گرتے تو یہاں نہ زندگی کی رمق ہوتی، اور نہ انسان، حیوان اور نبات کا زور زور کہیں نام و نشان ہوتا۔

در حقیقت آسمان کی پہنائیوں میں، اس کے چھوٹے بڑے ستاروں سیاروں میں، چاند سورج اور سارے نظام شمسی میں خدا کی حکمت، قدرت، اس کی بے پناہ نعمت اور اس کی معرفت کے بے شمار دلائل موجود ہیں، جو انسانوں کو ہدایت اور فکر و نظر کا احساس دلاتے ہیں۔

### ● ۲- زمین میں:

رہی زمین جس کے فرشِ خاکی پر اس کا اپنا گھر ہے۔ دست قدرت نے اس کے تین چوتھائی حصوں کو پانی سے لبریز رکھا، جس کی وجہ سے جا بجا نہریں، دریا، اور سمندر موجیں مارتے ہوئے رواں ہیں۔ خشکی میں جگہ جگہ روزمرہ کی زندگی میں کار آمد مختلف اشیاء کے ذخیرے کانوں کی شکل میں دبے پڑے ہیں۔ اونچے اونچے پہاڑ، نیلے، ہرے بھرے جنگلوں میں درختوں اور جانوروں کی صورت جنگلاتی دولت بافراط موجود ہے۔ باغوں اور کھیتوں سے پھلوں اور غلے کی پیداوار کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، جس سے غذا اور معاش کی مختلف ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ پورا کارخانہ انسانوں اور صرف انسانوں کا تابع اور مطر ہے۔ اس کے کسی حصہ پر انسانوں کے سوا کسی کا اجارہ نہیں، اور انسان جس قدر بھی چاہے اس خزانے سے اپنی ضرورت کی چیزیں نکال کر ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

آسمان کی پہنائی اور زمین کی وسعت جو اپنے خزانوں کے ساتھ انسان کی خدمت کے لئے کمر بستہ اور ہمہ تن آمادہ ہے، یہ خود اس کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ ان تمام چیزوں، اس پوری کائنات اور خود حضرت انسان کا بنانے والا اور پیدا کرنے والا باری تعالیٰ ہے، جس کا وجود برحق ہے۔ جس نے اس پورے نظامِ ربوبیت کو جاری کرنے کے بعد حضرت انسان کو وجود بخشا، اور محض اس کے اعزاز و اکرام کی خاطر پوری کائنات کو اس کا تابع فرمان بنایا۔ اس قادرِ مطلق کی کس کس عنایت کا ذکر کیا جائے؟ جو اس نے بارش کے قطروں کی طرح انسانوں پر نچھاور فرمائی ہے۔ اس کی ایک ایک عنایت اپنے اندر نوازش و مہربانی کا خزانہ، اور تذکیر و یاد دہانی کا دفتر لئے ہے۔ اور زبانِ حال سے انسانوں کو متوجہ کرتی ہے کہ وہ مزید جمالت اور سرکشی کا شکار نہ ہوں۔

چنانچہ جیسا کہ عرض کیا گیا، نباتات میں تخم ریزی اور حیوانات میں بار آوری بھی قدرت کا ایک عجیب نظام ہے، جس سے انسان کی مختلف ضرورتوں کی باسانی تکمیل ہوتی ہے۔ اور جس طرح آپ سے آپ یہ اہم کام انجام پاتا ہے، اس پر دانشوروں کی عقلیں حیران ہیں۔ چنانچہ ماہرین اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حیوانات کی طرح نباتات میں بھی قدرت نے نر اور مادہ کا فرق قائم رکھا ہے، اور ایک ضابطے کے تحت سال کے مخصوص دنوں میں ان پودوں اور ان کے بیجوں میں باقاعدہ افزائش کا عمل زور نما ہوتا ہے۔ حیوانات میں بار آوری کا عمل محتاج بیان نہیں، البتہ یہ چیز قدرت کے دقیق نظام کا کس قدر انوکھا منظر ہے کہ حیوانوں میں نر، مادہ کی طرف خود بخود مائل ہوتا ہے، لیکن بار آوری کا مرحلہ تکمیل پا جانے کے بعد پھر خود بخود بیگانہ ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ مادہ بچہ جننے اور دودھ پلانے کے عمل سے فارغ ہوتی ہے، اور جب یہ مدت پوری ہوتی ہے تو نر حسب سابق پھر اس کی طرف مائل ہوتا ہے!

ان انسانوں سے کوئی پوچھے کہ یہ اور قدرت کے بے شمار مظاہر اور کارگیری آخر کس کے لئے ہے؟ کیا یہ سارا غیبی خزانہ انسانوں اور صرف انسانوں کی غذا، لباس اور معاش کے بندوبست کیلئے نہیں؟ اور اگر اس قدر صاف صاف رہنمائی کے بعد بھی حضرت انسان محض اپنی ناعاقبت اندیشی کی بنا پر وجود باری اور قدرت الہی کو تسلیم نہ کرے، اور ان واضح اشاروں کو سمجھ نہ سکے، تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے بعد تاریخ انسانی کا وہ سیاہ ترین دور شروع ہوگا، جس کے اندر عقل انسانی کے لیے کسی رہنما، اور فکر و نظر کے لئے کسی رہبر کی ضرورت نہ ہوگی، نہ ذور ذور تک ان کا کہیں وجود ہوگا۔ پھر نہ کوئی حق کا خواستگار ہوگا، اور نہ کہیں یہ سلمان ہدایت دستیاب ہوگا۔ اور وہ وقت آئے گا کہ ولالت اور ہدایت کے معمولی نمونے بھی دنیا سے ناپید ہوں گے۔ چنانچہ ڈھواں ہوگا مگر آگ کا نشان تک نہ ہوگا! بیچ ہوں گے، لیکن پتے، پھل، پودے اور درختوں کا پتہ نہ ہوگا۔ حرکت ہوگی، مگر جانداروں میں زندگی کی رمت اور جینے کا مزہ باقی نہیں رہے گا! اور جب کجگیا کا یہ دور شروع ہوگا تو عقل انسانی بھی ہوش و خرد کی سرحد سے بہت ذور جذب و جنون کی دادی میں سرگرداں ہوگی، اور دنیا بالکل آخری بار گہری تاریکی اور پھر فنا کے گھاٹ اتر کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جائے گی!

خدا کی معرفت کا دوسرا طریقہ

## مذہب کی رہنمائی

خدا کو پہچان کر اور اُس پر ایمان لا کر اُس کی عبادت کرنا انسان کے دنیا میں آنے کا اصل مقصد ہے۔ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں صرف اسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ عقل و نقل ہر دو طریقے سے وہ باری تعالیٰ کے وجود اور اپنی حقانیت کو ثابت کرتا ہے۔ حق و صداقت کو ثابت کرنے کے لئے یہ طریقہ اس لئے زیادہ سود مند ہے کہ اس کی بدولت انسان کا ذہن عقائد کی گندگی سے پاک ہو کر عمل کے اس راستے کو اختیار کرتا ہے جس پر خدا نے دنیا اور آخرت کی کامیابی اور اپنی خوشنودی کا وعدہ فرمایا ہے۔ جبکہ عقل زیادہ سے زیادہ اتنا کر سکتی ہے کہ خالق کائنات سے متعلق انسان کے ذہن کو صاف کر کے خدا کا صحیح تصور دل میں پیدا کر سکتی ہے، لیکن ایسے دستور کا فراہم کرنا عقل کا کام نہیں، جس پر عمل کر کے انسان کفر و شرک کی آلائش سے پاک و صاف ہو کر اپنے نفس اور اخلاق کی اصلاح کرے۔ اپنے رب کو راضی کرنے والے اعمال سیکھ کر انہیں اختیار کرے، اور دنیا میں سکون اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات حاصل کرے۔

مذہب کی رہنمائی کا یہ ہلکا سا تعارف ہے۔ اس تعارف کے بعد، لیکن اس کی تفصیل اور طریق کار کا ذکر کرنے سے پہلے، دو باتوں کا اعتراف ضروری ہے:

۱- اس دنیا میں اور ان مادی آنکھوں سے خدا کو دیکھنا ممکن نہیں۔ لہذا ہر شخص کو کم از کم یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اپنی حقیقت اور ماہیت کو باری تعالیٰ جتنا جانتا ہے، اور جس طرح اپنا تعارف کراتا ہے، کوئی دوسرا نہ اتنا جان سکتا ہے، نہ اُس کے جیسا تعارف کرا سکتا ہے۔

۲- دوسرے اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہو گا کہ حق تعالیٰ نے خود اپنے تعارف کے

لئے دو انتہائی معتبر ذرائع، یعنی پیغمبروں اور ان کی لائی ہوئی آسمانی کتابوں کو خاص طور پر منتخب فرمایا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ انسانی ذہن خدا کی معرفت کا جس حد تک متحمل ہے، اس حد تک سمجھانے میں اس کے پیغمبروں نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی، اور نہ آسمانی کتابوں نے اس موضوع کو تشنہ یا نامکمل رکھا ہے۔ چنانچہ پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی معرفت، اس کے اسماء، اس کی صفات، اور اس سے متعلق جس قسم کی وضاحت پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی زبانی دنیا والوں کو ملتی رہی ہے، یہ صرف اس کا نتیجہ ہے کہ ہر دور میں خدا کے بندوں کا خدا سے تعلق استوار رہا ہے، اس کی محبت اور اطاعت کا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن رہا ہے۔ اور جس طرح انہیں اپنے وجود کا یقین ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ حق تعالیٰ کے موجود ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ آسمانی کتابوں خصوصاً سب سے آخری، مکمل اور محفوظ کتاب: قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے اپنے تعارف کے لئے ذیل کے مختلف انداز کو اختیار کیا ہے:

۱۔ کہیں کافر اور مومن کا امتیاز کئے بغیر زوئے سخن تمام انسانوں کی طرف ہے جس میں اپنی ذات کا مناسب الفاظ میں تعارف کرانے کے بعد بندوں کو ضروری احکام سے نوازا ہے۔  
۲۔ کہیں زوئے سخن پیغمبروں کی طرف ہے، لیکن عمومی طور پر ساری امت بھی وحی الہی، اور احکام خداوندی کی مخاطب ہے۔

۳۔ کہیں وحی کا انداز قصے اور حکایات کا ہے، اور مخاطب کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتداء آفرینش سے پیغمبروں کا طویل سلسلہ جاری فرمایا، ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور ضرورت لاحق ہونے پر ایسے خارق عادت معجزات سے ان کی تائید و حمایت کی جو عام انسانی عقل و شعور سے بالاتر ہیں۔ جن سے انسانی عقلمیں دنگ رہ گئیں، اور ان کا ابطال تو درکنار، ان کی نظیر لانے سے زمانہ قاصر رہا۔

ذیل میں ہر انداز بیان سے متعلق بطور نمونہ چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں:

### ● (۱) قرآن کا خطاب تمام انسانوں سے:

● — باری تعالیٰ نے قرآن پاک کے آغاز میں سب سے پہلے اس کتاب کے وحی الہی ہونے کو بیان کیا، اور اس کی یہ خاصیت بتائی کہ اس سے نیک فطرت لوگوں کو نیکی کا راستہ ملتا

ہے۔ اس کے بعد متقیوں، کافروں اور منافقوں کا ترتیب وار ذکر کیا، تاکہ قرآن پڑھنے والوں پر نیکی اور بدی دونوں کی راہیں کھل جائیں۔ اس وضاحت کے بعد تمام انسانوں کو مخاطب کر کے خدا کی معرفت کا طریقہ اور توحید الہی کا درس دیا۔ کیونکہ دنیا و آخرت کی سعادت، خدا کی عبادت اور شرک سے نجات کی بنیاد خدا کی معرفت اور اس کی توحید پر ہے۔ ساتھ ہی ان امور کی طرف بھی بطور خاص نشاندہی فرمائی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تم کو اور تمام انسانوں کو پیدا کیا، اسی نے تمہاری پرورش کے لئے طرح طرح کے سامان مہیا کئے۔ تمہاری آسائش کے لئے تمہارے پیروں تلے فرشِ خاکی بچھایا، سروں پر نیلگوں آسمان کا ساہن بنایا! بادل بنا کر آسمان سے پانی برسایا، اور زمین سے قسم قسم کے میوے اور دانے اگائے، تاکہ تم کھاؤ پیو اور زندگی کی قدر کرو۔ اس عام خطاب کے ساتھ ساتھ براہِ راست انسانی عقل کو ان دو نکتوں کی طرف توجہ دلائی:

- (۱) خلق و تکوین اور نظامِ ربوبیت کا تمام ترداد و مدار صرف باری تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ اس لئے اس کے سوا کل کائنات اور دنیا کی ایک ایک چیز حادث اور فانی ہے۔
- (۲) دوسرا نکتہ باری تعالیٰ کی نوازش اور اس کی مہربانی کا اظہار ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ  
تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ  
السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا  
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (بقرہ: ۲۱-۲۲)

ترجمہ ”اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ پروردگار ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برساکر تمہارے کھانے کے لئے طرح طرح کے میوے پیدا کئے۔ پس کسی کو اللہ کا ہمسار اور شریک نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اس جیسا کوئی نہیں ہے)۔“



● قرآن پاک تمام بنی نوعِ انسان کو یاد دلاتا ہے کہ ان کی عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اس کتابِ الہی کے اثر سے ان کے اندر پرہیزگاری آئے، اور وہ خدا کے راستے کو چھوڑ کر کفر اور شرک کا راستہ ہرگز اختیار نہ کریں۔ نیز انہیں اپنے خدا سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ وہی ان کا خالق، مالک اور روزیٰ رزماں ہے۔ اس نے سب سے پہلے آدم کو، اور ان کی بائیں پسلی سے حواء کو پیدا فرمایا۔ اور یہ اسی کی نوازش اور مہربانی ہے کہ انہیں کے ایک رشتہ پر انسانی آبادی کے پورے سماجی نظام کی بنیاد ہے۔ ذیل کی اس آیت میں ذاتِ باری کا تعارف اور دنیا کے حادث ہونے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ (سآ:۱۱)

● ”لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ (یعنی پہلے) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مرد و عورتیں (پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیئے)۔“

● تمام انسانوں خصوصاً دانشوروں کو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا اپنی عقل سے تصور کرنا چاہئے کہ یہ اسی کی ذاتِ مجمع صفات ہے جس نے ادنیٰ سے اعلیٰ تک ساری کائنات کو پیدا کیا، اور وہی اس کو چلا رہا ہے۔ آسمان زمین، سورج چاند، تارے درخت، اور پتھر سب کو اس نے تما پیدا کیا۔ لہذا وہی اس لائق ہے کہ تم صرف اس کو کار ساز مانو، اس کے حکموں پر چلو، اور صرف اسی کی پرستش کرو۔ اور اگر اتنی موٹی بات بھی بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تو یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے بعض کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اوصاف ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے وجود کی سچی نشانیاں ہیں۔ ورنہ ادنیٰ ہوش والا بھی غور کرے کہ کل کائنات جب ایک نظام کے مطابق حرکت و عمل میں مصروف ہے تو اس کائنات کے بنانے والے کا موجود ہونا لازمی ہے۔ اس لئے کہ عقلاً یہ محال ہے کہ کام ہو اور کام کرنے والے کا وجود نہ ہو! چنانچہ ارشادِ باری ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشَى اللَّيْلَ اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ  
وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ  
رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (اعراف: ۵۴)

**ترجمہ** ”بلاشبہ تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ وہ رات سے دن کو ڈھانک لیتا ہے، کہ رات دن کے پیچھے جلدی جلدی آتی ہے۔ اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، اس طور پر کہ یہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ (یاد رکھو) اللہ ہی کا کام پیدا کرنا اور حکم فرمانا ہے۔ اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے، بڑی برکت والا ہے۔“

● — اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی نعمتوں پر غور کرو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے آسمان اور زمین میں ایسا عظیم الشان انتظام کر رکھا ہے جس کے ذریعہ تم کو روزی ملتی ہے، اور تمہاری بقا کا سامان ہوتا ہے۔ سوچو کہ کائنات میں اس کے سوا کون ہے جو ایسا انتظام کر سکے؟ ظاہر ہے کوئی نہیں۔ لہذا اس علم کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی بندگی نہ کرو۔ پھر بڑی حیرت کی بات ہے کہ تم کدھر پھرے جا رہے ہو؟ آیت میں حسب سابق عالم کا حادثہ، اور اللہ کا تعارف مذکور ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ  
يَرْزُقْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَانْتَهُوا تَوْفَكُونَ ○  
(فاطر: ۳)

**ترجمہ** ”لوگو! اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں، ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق (اور رازق) ہے؟ جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے سکے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں! پھر تم کھل اٹے جا رہے ہو؟“

● — بزرگی اور بڑائی کے بارے میں لوگوں کا یہ تصور صحیح نہیں کہ جس شخص کا تعلق کسی اونچے خاندان سے ہے وہی بڑا ہے۔ نسب کی حقیقت تو بس اتنی ہے کہ سب انسان آدم و حواء کی اولاد ہیں، اور اس لحاظ سے سب برابر ہیں۔ رہا قوموں، قبیلوں اور خاندانوں کا

فرق تو یہ اس لئے رکھا گیا کہ جب کبھی ضرورت پڑے تو تعارف اور شناخت کے لئے کام آئے۔ ورنہ خدا چاہتا تو جانوروں اور چوپایوں کی طرح انسانوں کے ریوڑ کے ریوڑ بنا ڈالتا۔ پھر نہ کوئی خاندان اور قبیلہ ہوتا، نہ ہی کسی قومیت اور ملت کا وجود ہوتا، لیکن اس صورت میں بڑی خرابیاں ہوتیں۔ اس لئے کہ انسانوں اور جانوروں میں نہ کوئی امتیاز ہوتا، نہ تمذیب و شائستگی اور اخلاقی قدروں کا نام و نشان ہوتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے بڑا کرم کیا، اور بندوں پر اس کی بڑی نوازش ہوئی جو اس نے انسانوں کی سماجی زندگی اور اس کی کامیابی کا راز، آپس کے تعاون اور امداد باہمی کے اصولوں پر رکھا، اور انہیں یوں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم فرما دیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

(حجرات: ۱۳)

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد، ایک عورت سے پیدا کیا، اور تم کو مختلف قومیں اور قبیلے بنایا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ بلاشبہ اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔“

● اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے، اور یہ صرف اسی کی خصوصیت ہے کہ اس نے بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا، اور ان کو ایسے قانون میں جکڑ دیا کہ وہ بغیر ستونوں کے ٹھہرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی نے زمین کو فرش کی طرح بچھلایا، اور اس پر جگہ جگہ پہاڑ کھڑے کر دیئے کہ وہ ہلے نہیں، اور اس پر بسنے والے ایک دوسرے پر گر کر تباہ و برباد نہ ہوں۔ اور زمین پر قسم قسم کے اور عجیب و غریب شکل و صورت کے بے شمار جانور پھیلا دیئے۔ پھر آسمان سے پانی برسا کر کل زوئے زمین کو ان کے لئے ایک وسیع و عریض دسترخوان میں تبدیل کر ڈالا۔ اور اس میں طرح طرح کے خوشنما درخت، پودے، پھل پھول، سبزیاں اور غلے آگائے، جسے زمین پر بسنے والے تاحیات استعمال کرتے ہیں، اور آسمان کے سبز گنبد تلے، زمین کے فرش خاکی پر چھین اور سکون سے اپنی زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عظیم آسمان کائنات تو یہ سامنے ہے۔ اب ذرا ان کی بتائی ہوئی چیزوں کے کچھ نمونے پیش کرو، جن کو تم نے اپنا معبود بنا

رکھا ہے! اگر نہیں پیش کر سکتے تو ذرا سوچو کہ بے کمال اور جھوٹے خداؤں کو معبود بنانا کہاں کی عظمتی ہے، آیت میں حدوثِ عالم اور باری تعالیٰ کا تعارف مذکور ہے ارشاد ہے:

خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرْوُنَهَا وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ  
تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا  
فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ○ هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ  
الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ○ (القصص: ۱۱۰)

”اسی نے آسمانوں کو ستون کے بغیر پیدا کیا، جیسا کہ تم دیکھتے ہو، اور زمین پر پہاڑ بنا کر رکھ دیئے تاکہ وہ تم کو لیکر جھک نہ جائے، اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے۔ اور ہم نے ہی آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے قسم قسم کی نفیس چیزیں اُگائیں۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ تو مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا جو (جھوٹے معبود) ہیں، انہوں نے کیا پیدا کیا؟“

ساتھ ہی ان آیتوں میں عقلِ انسانی کو خطاب کر کے باری تعالیٰ کا وجود، اس کی عنایات و مہربانی، اس کے نظامِ ربوبیت، اور خلق و تکوین کے مختلف مظاہر کی طرف بھی موقع موقع پر اشارہ کیا گیا ہے۔

● — باری تعالیٰ اپنی ایک ایک صفات کو سمنا تا ہے۔ اپنی زبردست قوتِ تخلیق، حکمت و تدبیر، شانِ غفاری، اور زورِ آوری کے ایک ایک نمونہ کو پیش کرتا ہے، اور اس کے جلو میں اپنی بے شمار نعمتوں کو شمار کراتا ہے، اور بتاتا ہے کہ یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو کہ رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں، اور اس نظام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سورج نکلتا ہے تو رات اپنی سیاہ چادر لپیٹ کر چل دیتی ہے۔ اور جب ڈوبتا ہے تو دن اپنی نورانی چادر لپیٹ لیتا ہے اور رات اپنی سیاہ چادر تان دیتی ہے۔ یہ اس کی قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ چاند اور سورج کی یہ وہ منظم گردش ہے جس کے ذریعہ تم روز و شب، ماہ و سال، اور موسموں کی تبدیلی کا اندازہ کرتے ہو۔ سورج اور اس کا سرگرم نظام نہ ہوتا تو زمین برف کی قاش ہوتی! جس پر زندگی اجیرن اور

حیات ناپید ہوتی۔ تمہارے فائدے اور راحت کے لئے اس نے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکریاں پیدا فرمائیں، کہ تم ان کا دودھ پیتے ہو، گوشت کھاتے ہو، ہڈیوں اور چمڑے سے بہت ساری چیزیں بناتے ہو۔ گویا یہ جانور باری تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے گوشت، دودھ، اون، بال اور کھال کا چلتا پھرتا خزانہ ہیں، جن سے جب تم چاہتے ہو اپنی مطلوبہ شے بقدر ضرورت لے کر اپنا کام چلا لیتے ہو، تمہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ساری بلند صفات اس کی ہیں جس کا نام ”اللہ“ ہے۔

کیا اب بھی یہ بات تمہارے دلوں میں نہیں اترتی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ حیرت ہے ایسی روشن دلیلوں کے ہوتے ہوئے بھی خدا کے وجود اور اس کی توحید کا تم انکار کرتے ہو؟

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ، يَكْوَرُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ وَيَكْوَرُ  
النَّهَارُ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ  
مُسَمًّى، أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ○ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ  
مِنْهَا زَوْجَهَا وَانزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ ثَمِينَةَ أَزْوَاجٍ يَخْلُقْكُمْ فِي  
بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلْمٍ ثَلَاثٍ، ذَلِكُمْ اللَّهُ  
رَبُّكُمْ، لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ○ (ذمرہ: ۶)

ترجمہ ”اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا“ اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اور اسی نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔ دیکھو، وہی غالب اور جتنے والا ہے۔ اس نے تم کو ایک شخص یعنی آدم سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا، اور اس نے تمہارے لئے چار پایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے۔ وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین اندھیروں میں بناتا ہے یہی تمہارا پروردگار ہے، اور اسی کی سلطنت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟“

● — منکرین و ملحدین پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے باری تعالیٰ اپنی خالقیت کی صفت کی طرف ان کی توجہ منعطف کرتا ہے، جس کا نشان بندہ اپنے میں اور ساری کائنات میں دیکھ سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے پھر وہی ہے جو زندگی کے بعد موت طاری کرتا ہے، اور موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشنے گا۔ اور پھر تم اپنے اعمال کی جزاء یا سزا پانے کے لئے اس کے سامنے حاضر ہو گے۔ جس ذات میں خالقیت کی اتنی بڑی صفت ہو اس کے وجود اور اس کے پیغام کا انکار کرنا سخت تعجب کی بات ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ (بقرہ: ۲۸-۲۹)

● ”لوگو! تم اللہ کا کیونکر انکار کر سکتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے۔ اس نے تم کو زندگی بخشی، پھر وہ تم کو مارے گا، پھر دوبارہ زندہ کرے گا، پالا، خراسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے زمین میں تمام چیزیں پیدا کیں، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا، تو عمدہ سات آسمان بنائے، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔“

ان تمام آیتوں میں حق تعالیٰ کے وجود، اس کی عملیات، اور کائنات کے حالات اور فانی ہونے کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

(۲) قرآن کا خطاب پیغمبروں سے:

● — انبیاء اور رسول خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ جن کے منہ میں اللہ تعالیٰ اپنا کلام ڈالتا ہے کبھی ان کے پاس فرشتوں کو بھیجتا ہے، کبھی براہ راست ان پر وحی نازل کرتا ہے، اور ان کے ذریعہ دنیا والوں کے سامنے اپنا تعارف کرتا ہے۔ دنیا کے اولین انسان حضرت آدم ہیں۔ انہیں حکم ہوتا ہے:

يَاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ○ (بقرہ: ۳۵)

”اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں بہشت میں رہو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ پيو، لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا، ورنہ زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔“

● حضرت آدم کی بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم کا سجدہ کریں۔ سب نے حکم کی تعمیل کی، لیکن شیطان نے انکار کیا، اور اسی وقت سے حضرت آدم اور ان کی اولاد کا دشمن ہو گیا۔ آدم اور اولاد آدم کو ان کے پروردگار نے جتلا دیا، اور بار بار توجہ دلائی کہ شیطان ان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور ہر لمحہ ان کو گمراہ کرنے کے درپے ہے۔ وہ اس کی جان توڑ کوشش کرے گا کہ آدم کو کسی نہ کسی طرح جنت سے نکال باہر کرے۔ اس لئے انہیں اس درخت کے قریب نہ جانا چاہئے جس کا پھل کھانے سے انہیں اللہ نے منع کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ○ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْنٰلِيسَ اِنِّي ○ فَقُلْنَا يَا آدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجُكَ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ○ اِنَّ لَكَ اِلَّا تَجْوَعُ فِيْهَا وَلَا تَعْرِى ○ وَاَنْتَ لَا تَظْمَأُ فِيْهَا وَلَا تَصْحٰى ○ (طہ: ۱۱۴-۱۱۵)

”اور بلاشبہ ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے، اور ہم نے ان میں عزم نہ پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا، اے آدم! بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، تو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے، پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ بلاشبہ جنت میں تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ تم اس میں نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ تنگے ہو گے اور بلاشبہ اس میں تم نہ پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔“

● — اسلام تمام انبیاء کا دین ہے۔ ان میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اللہ

کا ارشاد ہے:

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ○ (ہود: ۳۶-۳۷)

”اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تم غم نہ کھاؤ اور ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ۔ اور جو ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیئے جانے والے ہیں۔“

نیز فرمایا:

يُنُوخُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ ○ (ہود: ۴۸)

”اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہے) کشتی سے اتر جاؤ۔“

● — آج سے ہزاروں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے مرکز اور عبادت گاہ قرار دیا اور اس کی تولیت حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے سپرد کی اور ان کو حکم دیا کہ عبادت کرنے والوں اور طواف کرنے والوں کے لئے اس گھر کو ہر قسم کی گندگیوں سے پاک و صاف رکھیں:

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ○ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ○ (بقرہ: ۱۲۳)

”(اس وقت) اللہ نے فرمایا کہ (اے ابراہیم) میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ (ابراہیم نے) عرض کیا (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی ارشاد ہوا کہ میرا یہ عہد ظالموں تک نہ پہنچ سکے گا۔“

وَعَهْدُنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَّرَا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ



وَالرَّكْعَ الشُّجُودِ ○ (بقرہ: ۱۲۵)

”اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ طواف کرنے والوں اور اعکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے اس گھر کو پاک و صاف رکھو۔“  
وَنَادَيْتُ أَنْ يَا بُرَاهِيمُ قَدْ صَدَقْتَ الرَّؤْيَا، إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ (صفت: ۰۳؛ ۱۰۵)

”ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَ الْأَسْبَاطِ (نساء: ۱۲۳)

”اور جس طرح ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف وحی بھیجی تھی۔“

● حضرت موسیٰ نے ایک غیبی آواز سنی، جس نے اپنا تعارف یوں کرایا:  
يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ، إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○  
وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى ○ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا  
فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ○ (طہ: ۱۱-۱۲)

”اے موسیٰ! میں تمہارا پروردگار ہوں۔ پس تم اپنی جوتیاں اتار دو، کیونکہ تم طوی کے مقدس میدان میں ہو۔ اور میں نے تم کو (نبوت کے لئے) منتخب کر لیا ہے۔ تو جو وحی کی جاتی ہے، اسے غور سے سنو۔ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھو۔“

وَمَا تَلْكَ بِمِثْلِكَ يَا مُوسَى ○ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا  
وَأَهْشُرُ بِهَا عَلَىٰ غَمَمِي وَلِي فِيهَا مَارِبٌ أُخْرَى ○ قَالَ أَلْقَاهَا يَا  
مُوسَى ○ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْفِي ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ  
سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ○ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءِ آيَةٍ أُخْرَى ○ لِئَرْيَاكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ○  
 إِذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي.....  
 وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى ○ (طہ: ۷۷-۷۸)

”اور اے موسیٰ! یہ تمہارے واسطے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میری لاشیٰ ہے۔ میں اس کا سارا لیتا ہوں۔ اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، اور اس میں میرے لئے اور بھی فائدے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ! تے (زمین پر) ڈال دو۔ تو انہوں نے ڈال دیا پس اچانک (کیا دیکھتے ہیں کہ) وہ ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا اس کو پکڑ لو، اور ڈرو نہیں۔ ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔ اور دیکھو تم اپنا ہاتھ اپنی بھل میں رکھو (پھر نکالو) وہ کسی عیب (اور بیماری) کے بغیر روشن (اور چمکتا دکلتا) نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی (ہوگی) تاکہ ہم اپنی قدرت کی (بڑی) نشانیاں تم کو دکھائیں (یہ نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ۔ کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کی ہے۔ موسیٰ نے کہا میرے خدا (اس کام کے لئے) میرا سینہ کھول دے..... اور اس شخص کے لئے سلامتی ہے جو ہدایت کی بات مانے۔“

● نبوت اور سلطنت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنا بہت ضروری بھی ہے اور بے حد مشکل بھی۔ اس لئے حضرت داؤد کو خطاب کر کے نصیحت فرمائی:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ  
 وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ○ (ص: ۲۶)

”اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرو، اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو) وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔“

● اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے مال و دولت اور اہل و عیال میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی، چنانچہ وہ بڑی بے فکری سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان

کی آزمائش فرمائی، مال و متاع برباد ہوا، اہل و عیال ہلاک ہوئے، اور جسم کو سخت روگ لگ گیا۔ اس پر بھی انہوں نے صبر کیا، اور جناب باری میں کوئی شکایت نہیں۔ بلکہ نہایت ادب کے ساتھ اپنا حال زار اس طرح عرض کیا کہ پروردگار، شیطان نے مجھے ایذا اور تکالیف میں ڈال دیا ہے۔ جب حضرت ایوب آزمائش میں پورے اترے تو اللہ نے ان کی ساری تکلیفیں دور فرمادیں:

وَإِذْ كُنَّا عَبْدًا لَّآئِبًا إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسْنِي الشَّيْطَانُ يَنْصُبْ  
وَعَذَابٍ ۝ أَرْكَضُ بِرِجْلِكَ هَذَا مُغْتَسِلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ  
أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَى لَأُولَى الْأَلْبَابِ ۝ وَخُذْ  
بِيَدِكَ ضِغْتًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْتَسِبْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ  
إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ (ص: ۴۲:۴۱)

”اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا (اور عرض کیا) کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور تکلیف پہنچائی ہے۔ (ہم نے کہا زمین پر) اپنا پاؤں مارو۔ (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا جو) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں ہے) اور ہم نے ان کو (اہل و عیال) اور ان کے ساتھ ان کے برابر بخشے (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عمل والوں کے لئے نصیحت تھی۔ اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو، اور اس سے مارو، اور قسم نہ توڑو۔ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ اچھے بندے تھے، اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔“

● حضرت زکریا کے کوئی اولاد نہ تھی، کیونکہ ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ بڑھاپے میں ان کو خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ میرے بعد میرے عزیز و اقربا دین حق کو برباد کر دیں۔ اس لئے ایک رات بارگاہِ ایزدی میں اپنا حال پیش کیا، آواز آئی:

يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا  
۝ (مریم: ۳)

”اے زکریا! ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص نہیں بنایا۔“

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی دعا قبول فرمائی، اور ان کو انوکھے ڈھنگ کا ایک لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی تو ان کو یقین آگیا۔ حضرت زکریا نے بارگاہ الہی میں عرض کیا:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا

○ (مریم: ۱۰)

”زکریا نے کہا‘ اے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم صبح سالم رہتے ہوئے تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔“

● اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے اور ملک میں پیغمبروں کو بھیجا۔ بہت کم لوگوں نے ان بزرگوں کی نصیحتوں کو سنا، اور ان پر عمل کر کے اپنی زندگیوں کو سدھارا۔ لیکن بہت سے بندوں نے اپنے پروردگار کے پیغام سے منہ پھیر لیا، اور پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اس کے علاوہ اہل کتاب نے پیغمبروں کی اولاد ہونے پر بڑا غور کیا، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ پیغمبر بہر صورت ان کو عذاب الہی سے بچالیں گے۔ خاص کر عیسائیوں نے کفارہ کا عقیدہ گھڑ کر اپنے خیال میں اللہ سے نجات کا پروانہ لکھوا لیا، اور بے فکر ہو کر بیٹھ گئے۔ ان عیسائیوں کی تنبیہ کے لئے خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نمایاں اور طویل فرمایا، چنانچہ فرمایا:

يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكَرُ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ اِذْ آيَدْتُكَ  
بِرُوحِ الْقُدُسِ

”اے عیسیٰ بن مریم! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے، جبکہ میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی۔“

نیز فرمایا:

يُعِيسَى اِنِّى مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَىٰ وَمَطْهَرُكَ مِنَ الدِّينِ كَفَرُوْا  
وَجَاعِلُ الدِّينِ اَتَّبِعُوْكَ فَوْقَ الدِّينِ كَفَرُوْا اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ○ (آل  
عمران: ۵۵)

”اے عیسیٰ! میں تمہاری (دنیا میں رہنے کی) مدت پوری کر دوں گا۔ اور تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا، اور تمہیں کافروں (کی تمہنتوں) سے پاک کر دوں گا۔ اور جن لوگوں نے

تمہاری پیروی کی ہے، ان کو قیامت تک کافروں پر غالب رکھوں گا۔“

● اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو خدا کے اس آخری پیغمبر نے کم و بیش تیس سال تک دشمنوں کے ہجوم میں رہ کر کامل صداقت اور وفاداری، عزم و ہمت، صبر و استقلال اور جانفشانی کے ساتھ اللہ کے احکام بندگانِ خدا تک پہنچائے۔ اس پورے زمانے میں کفر و اسلام کی کشمکش انتہائی عروج پر تھی۔ ہجرت کے بعد بھی مکہ والوں کی فوج کشی کا خطرہ الگ رہا۔ خود مدینہ میں یہودیوں اور منافقوں نے خطرناک سازشوں کا جال بچھا رکھا تھا، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے وجود مقدس کے بارے میں ان کی نیتیں خراب ہو چکی تھیں۔ اس زہریلے ماحول اور مخالفتوں کے ہجوم میں حق تعالیٰ نے مختلف انداز سے آپ کی ڈھارس بندھائی اور تسلی دی، اور سارے جہان والوں کے سامنے آنحضرت کی شانِ رسالت کا اعلان فرمایا، اور منصب رسالت کی اہمیت کو واضح کیا۔ اور فرمایا کہ اس منصب کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کچھ اے پیغمبر! تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کا ایک ایک حرف بندگانِ خدا کو پہنچا دو۔ اور اس بات کی فکر مت کرو کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے!

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ، وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ○ (آئدہ: ۶۷)

● ”اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھا جائے گا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔“

○ — سورہ احزاب میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ (احزاب: ۳۱)

● ”اے پیغمبر! اللہ سے ڈرو۔ اور کافروں اور منافقوں کا کمانہ مانو! بیشک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور اس حکم کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو بلاشبہ اللہ اس سے باخبر ہے۔“

اور اللہ پر بھروسہ رکھو! اللہ ہی کافی و کارساز ہے۔“

● — سورہ جاثیہ میں فرمایا:

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيحَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَغْنُؤُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ (جاثیہ: ۱۸)

● ”پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر قائم کر دیا۔ پس تم اسی پر چلے رہو۔ اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو جو کچھ نہیں جانتے۔ یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔“

● (۳) قرآن کا خطاب ایمان والوں سے:

● — کہیں عام مسلمانوں اور ایمان والوں کو براہ راست خطاب کیا گیا، اور ان کو

سب موقع نصیحتیں کی گئیں۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں مسلمانوں کی یہ شان بتائی گئی کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ  
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ (آل عمران: ۱۰۲-۱۰۳)

● ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اسلام کے سوا کسی اور دین پر نہ مرو۔ اور سب مل کر اللہ (کے دین) کی رسی کو مضبوط پکڑو رہو، اور متفرق مت ہو۔“

● — سورہ حج میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ وَأَسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۚ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ (حج: ۷۷-۷۸)

● ”اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں رکوع کرو اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیکی کرتے رہو تاکہ کامیاب رہو، اور اللہ (کی راہ) میں خوب کوشش کرو، جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔“

● — سورہ زُحُف میں فرمایا:

يَا عِبَادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا

وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ○ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُخْبِرُونَ ○  
(زخرف: ۷۸-۷۹)

”ہم ان سے کہیں گے) اے میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے، اور نہ تم تمکین ہو گے۔ (یعنی) وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار تھے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اور تمہاری بیویاں عزت و احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔“

● (۴) پیغمبروں کے واقعات:

● عام انسانوں کی ہدایت کے لئے باری تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ خدا کے یہ مخلص اور پاکباز بندے اپنے وقت پر دنیا میں تشریف لائے۔ خدا کا پیغام اس کے بندوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچایا۔ جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا انہیں نجات اور رضاء الہی کا ثمرہ سلیا۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی انہیں اس کے عذاب سے ڈرایا دھمکایا۔

حضرت نوح علیہ السلام سلسلہ نبوت کے عظیم المرتبت پیغمبر گذرے ہیں۔ سورہ نوح میں ان کی حکایت قرآن پاک اس طرح بیان کرتا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ  
عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ  
وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ○ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ  
مُسَمًّى إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○ (نوح: ۱۰۳)

”بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو کفر کے وبال سے) ڈراؤ، قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! میں تمہارے لئے کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ (اور کہتا ہوں کہ) تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تم کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجائے گا تو وہ نہیں ٹلے گا۔ کاش تم

”سبحو۔“

● حضرت ہود اور حضرت صالح، قوم عاد اور قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔ اسی ترتیب سے قرآن پاک ان کے قصے بیان کرتا ہے:

وَ إِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ○ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجَبْتُمُونِي إِلَّا عَلَىٰ الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (حود: ۵۰-۵۱)

● ”اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، ہود نے کہا، اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم (شرک کر کے) اللہ پر ہتان باندھتے ہو۔ اے میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس (اللہ) کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پس تم کیوں نہیں سمجھتے۔“

وَ إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ثُمَّ تَوَلَّوْا إِلَيْهِ إِنْ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ○ (حود: ۶۱)

● ”اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے (قوی) بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر بھیجا) صالح نے کہا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا، اور پھر اسی میں تم کو آباد کیا تو تم اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اسی کی طرف متوجہ رہو۔ بے شک میرا پروردگار نزدیک ہے اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔“

● حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اسی زرین سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ قرآن پاک جتہ جتہ ان میں سے ایک ایک کا واقعہ اپنے مخصوص رنگ میں پیش کرتا ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النَّبُوَّةَ وَالكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهُتِدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَيْسِقُونَ ○ (حدید: ۲۶)



”اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر بھیجا) اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (جاری) رکھا، تو بعض ان میں سے ہدایت پر ہیں، اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں“

وَإِنَّ لَوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ جَعَلْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَحْرِينَ وَإِنَّا لَمَكْرُومٌ عَلَيْهِمْ مُّصِيبِينَ وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (صفت: ۱۳۳، ۱۳۸)

”اور لوٹ بھی پیغمبروں میں سے تھے جب کہ ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو سب کو نجات دی، مگر ایک بڑھیا کہ بیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور (اسے مکہ والو!) بیشک تم ان (کے مقامات) پر کبھی صبح کو اور (کبھی) رات کو گزرتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے۔“

وَ إِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ؛ قَدْ جَاءَ تَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ؛ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا؛ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ○ (اعراف: ۸۵) :

”اور ہم نے مدین (دالوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا۔ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (دیکھو) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے، تو (دیکھو) ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اگر تم ایماندار ہو تو (یقین کرو کہ) یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔“

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَنٍ مُّبِينٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ؛ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمُوْرُوْدُ ○ (ہود: ۹۶، ۹۸)

”اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانوں اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے

سرداروں کی طرف بھیجا، مگر ان لوگوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم درست نہ تھا۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور ان کو دوزخ میں اتارے گا یہ برا گھاٹ ہے جس پر وہ پھنسیں گے۔“

وَإِذْ قَالَ عِيسَىٰ بَنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ قَوْمِثْبِتْرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنَ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ○ (صف: ۲۵)

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام ”احمد“ ہوگا، ان کی بشارت سنا تا ہوں۔ پھر وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ ”یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔“

● — حضرت محمد ﷺ دیوار نبوت کی آخری اینٹ اور ختم المرسلین ﷺ ہیں۔ آپ کی نبوت ہمہ گیر اور ناقیامت قائم و دائم رہے گی۔ قرآن پاک نے جا بجا اس حقیقت کا اظہار کیا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ○ (اعراف: ۱۵۸)

”اے محمد! تم کہہ دو کہ لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔“

يَأْتِيهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ○ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَثِيرًا ○ وَلَا تَطِعِ الْكُفْرِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ (احزاب: ۴۵، ۴۸)

”اے پیغمبر! ہم نے تم کو اسی دینے والا خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ (بنایا

ہے) اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کا کسانہ مانو اور ان کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس کا خیال نہ کرو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کافی کار ساز ہے۔“

یہ انبیاء کرام وہ ہیں جن کا قرآن کریم نے مختصراً مفصل ذکر کیا۔ ان کے علاوہ ایسے بھی پیغمبر گذرے ہیں جن کا قرآن کریم نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ بہر کیف نبیوں اور رسولوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جن کی طرف حق تعالیٰ نے وحی بھیجی، اپنے علوم و معرفت سے انہیں نوازا، اور مختلف قوموں اور ملکوں کی طرف انہیں مبعوث فرمایا۔ کبھی ان پیغمبروں پر کوئی برا وقت آیا تو انہوں نے اپنے رب کو آواز دی۔ حق تعالیٰ نے فوری طور پر ان کی فریاد رسی کی۔ معجزات کی ضرورت لاحق ہونے پر خارق عادت معجزات سے نوازا۔ پھر کیا ان برگزیدہ ہستیوں اور ان کے مقدس کارناموں کا قریب سے جائزہ لینے کے بعد کسی سمجھ دار باہوش آدمی کے لئے اس بات کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ وہ باری تعالیٰ کے وجود، اس کی معرفت، اس پر ایمان لانے، اس کی اطاعت کرنے، اور اس سے ڈرنے کے لئے دلائل یا مزید ثبوت تلاش کرے؟ نہیں! ہرگز نہیں!

### ● (۵) آسمانی کتابیں:

● — علاوہ ازیں حق تعالیٰ نے وحی والہام کے ساتھ ساتھ بے شمار صحیفے اور چھوٹی بڑی کتابیں نازل فرمائیں، جو معرفت الہی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ چنانچہ بعض صحیفے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ پر نازل ہوئے۔ توریت، زبور، انجیل اور قرآن پاک ترتیب وار حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی حضرت محمد علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ حق تعالیٰ نے مذکورہ کتابیں انبیاء سابقین پر نازل فرمائیں۔ اور ان کی امتوں کے گئے چنے خوش نصیب اور باسعادت افراد نے ان آسمانی کتابوں کو بسرو چشم قبول کیا۔ ان کے احکام و نواہی اور دستور کی پابندی کی، اور وعدے و وعید اور زجر و توبیح کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ ہاں، اتنا ضرور ہوا کہ آگے چل کر امت کی اکثریت نے لاپرواہی برتی اور ان کتابوں میں کتریبونت اور تبدیلی اور تحریف کے مرتکب ہوئے۔ لیکن ہر قسم کے رد و بدل اور

حک و اضافے سے اگر کوئی آسمانی کتاب محفوظ رہی تو بلاشبہ وہ ”قرآنِ کریم“ ہے۔ اس کتاب کی خصوصیات بے شمار ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں کہ یہ کتاب حضور اکرم ﷺ کا سب سے عظیم اور زندہ و تابندہ معجزہ ہے! آسمانی کتابوں میں سے یہی وہ کتاب ہے جس کے نزول پر چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ حال کی نازل شدہ اور استثنائی ترو تازہ معلوم ہوتی ہے۔ مضبوط اور منضبط ایسی کہ ایک لفظ نہیں، بلکہ کسی نقطہ اور شوٹے کا فرق بھی نہیں نکالا جاسکتا! یہ روشن چراغ حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور آپ کی رسالت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اس لئے کہ ایک یتیم جس نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا! کسی استاد کے سامنے کبھی زانو تہ نہیں کیا! اس نے دنیا والوں کے سامنے ایسی کتاب پیش کی، جس نے بڑے بڑے ادباء، شعراء، فلاسفہ اور حکماء کو عاجز و درماندہ کر دیا۔

(جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ ورون سے حل نہ ہوا

وہ رازِ اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں)

علوم و فنون اور حکمت و معرفت — جن کا تعلق ذاتِ باری سے ہو یا انسانی معلومات سے — ان کا ایسا کونسا گوشہ ہے جس کے متعلق کلی یا جزئی، اصولی یا ذیلی طور پر ان کا ذکر یا اشارہ اس کتاب میں موجود نہیں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایجادات اور بیشتر اہم ترقیات حالیہ برسوں یا اس صدی کی دین ہیں؟ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ امتیاز و خصوصیت بھی صرف اسی منفرد کتاب کو حاصل ہے کہ برس ہا برس پہلے سے یہ ان کی طرف واضح اور صاف صاف اشارات کرتی چلی آرہی ہیں۔

چنانچہ جدید سائنس نے بسیار کلاش کے بعد جس ذرے کو تلاش کیا، قرآنِ پاک نے بہت پہلے اس چھوٹی سے چھوٹی مقدار کا ذکر کیا ہے۔ علم الجیوان<sup>۱</sup>۔ یا علم الاشیاء (جیسے زمین،

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ لُجُجِ الْعُرُوقِ وَمَقَالَ ذُرَّةَ خَيْرِ أُمَّةٍ ۖ (زلزال: ۷)

”تو جس نے ذرہ بمرنگی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

(Zoology) وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ۖ (ذاریات: ۴۹)

”اور ہر چیز کی ہم نے دو دو قسمیں بنائیں۔“

آسمان، رات اور دن وغیرہ کا علم) زمین کا مدور ہونا۔ کائنات اور افلاک کا وسیع ہونا۔ اصول حفظانِ صحت<sup>۵</sup>۔ عدل و مساوات<sup>۶</sup>۔ آدابِ معیشت و معاشرت اور اخلاقی فاضلہ<sup>۷</sup>۔ اور بے شمار ضروری علوم؛ جن کا تعلق ایسے، فلکیات، کائنات و موجودات، یا انسانی زندگی کے کسی گوشے یا شعبے سے ہو۔ جن سے انسانی دنیا اب تک ناواقف تھی! اور جن کا اجمالی ذکر بھی کافی تفصیل طلب ہے۔

اس کتاب میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب دنیا کی جامع اور مکمل ترین کتاب اور اس کا لانے والا دنیا کا اعلیٰ و ارفع ترین، صادق و امین، اور کامل و اکمل ترین انسان ہے (ﷺ) غور کرنا چاہئے کہ اس قدر اوصاف کی حامل کتاب آخر کہاں سے آسکتی ہے؟ کیا اس کا کوئی ناخدا یا سرچشمہ نہ ہوگا؟ یا پیغمبر علیہ السلام نے خود اسے ترتیب دیا؟ ظاہر ہے دونوں میں سے کوئی جواب درست نہیں! لہذا یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ اس کی نسبت ذاتِ باری کے سوا کسی اور کی طرف ممکن نہیں۔ اور اس کا لانے والا بھی خدا کا فرستادہ اور پیغمبر ہو سکتا ہے، کوئی اور نہیں۔ اور اگر انسانی دنیا کو راحت و سکون، عدل و مساوات، اور حق و صداقت کی تلاش ہے تو

﴿يُكْوِرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكْوِرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ﴾ (زمر: ۵)

”دی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔“

﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ﴾ (ذاریات: ۴)

”اور ہم ہی نے آسمان کو اپنی قدرت سے بنایا اور ہم کو سب طرح کی قدرت ہے۔“

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ (اعراف: ۳۱)

”اور کھاؤ اور پیو مگر فضول خرچی مت کرو۔“

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (نساء: ۵۸)

”اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْتُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (محل: ۹۰)

”بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو اور (سب کے

ساتھ) بھلائی کرو۔“

وہ صرف اس کتاب میں مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کہیں نہ یہ گمشدہ سرمایہ مل سکتا ہے، نہ ہی سعادت ابدی، نجات اور ہدایت نصیب ہو سکتی ہے!

### ● (۶) معجزات معرفت کا ایک دروازہ:

● باری تعالیٰ نے انبیاءِ عظیم السلام کو کچھ ایسی نشانیاں مرحمت فرمائیں جو خرق عادت کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں، جن سے باری تعالیٰ کی معرفت اور اس کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ معجزات کی حیثیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عادی نظام کے خلاف صرف اپنی قدرت سے ظاہر فرماتا ہے، تاکہ یہ ثابت کر دے کہ نظامِ فطرت اس کے قدرتی نظام کے تابع ہے۔ وہ کسی کا محکوم نہیں، بلکہ وہ جس طرح چاہے ان میں تصرف کر سکتا ہے۔

ان معجزات میں سے ایک معجزہ موحدین کے پیٹروا انبیاء کے سردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ جن کا احترام دنیا کی تمام اہل کتاب قومیں یکساں طور پر کرتی ہیں۔

حق و صداقت اور توحید و رسالت کے دشمن منکرین اور مشرکین نے آپ کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا۔ اور آپ کا قصہ تمام کرنے۔ آپ سے انتقام لینے، اور آپ سے نجات پانے کے لئے آپ کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔

ظاہری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ آگ جلاتی ہے۔ اور آگ اگر جلاتی ہے تو بے شک یہ اس کی فطرت ہے۔ مگر اس میں جلانے کی فطرت کس نے پیدا کی؟ اس کے خالق نے۔ یہ آگ کی فطرت کا طبعی تقاضہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس نے چاہا سارا انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس خاصیت کو بدل ڈالا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جس رسی سے آپ کے دونوں ہاتھ پیر باندھے گئے تھے وہ جل گئی، لیکن آپ کا بال تک بیکانہ ہوا:

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ (انبیاء: ۶۸، ۶۹)

”ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم پر سلامتی (کا موجب) بن جا۔“

جا۔“

● حضرت موسیٰ علیہ السلام ہاتھ میں ایک لاشی لئے کھڑے ہیں، اور اس کے متعلق صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ ان کا سارا اور بکریوں کے لئے پتے جھاڑنے کا ایک ذریعہ

ہے۔ اسی معمولی سی لکڑی سے متعلق حکم ہوا کہ اس کو زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی فطرت کو بدل کر اسے ایک مسیب حیوان بنا ڈالا:

فَالْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠﴾ (اعراف: ۱۰)

”تب موسیٰ نے اپنی لاشی زمین پر ڈال دی تو وہ اسی وقت ایک نمایاں اژدہا بن گئی۔“

● پانی کی فطرت سیلان ہے۔ مگر اس کی یہ فطرت اور خود پانی باری تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس لئے جب اس نے چاہا اپنے کلیم حضرت موسیٰ کے لئے روانی اور سیلان کی فطرت کو ٹھہرا ڈال اور انعام سے بدل ڈالا۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنی لاشی ماری تو وہ پھٹ کر پہاڑوں کی طرح الگ الگ ہو گیا۔ ان دو معجزوں کا منکر کوئی حسی اور بدیسی امور کا منکر ہی ہو گا جس کا انکار بھی ناقابل اعتماد ہے۔ ارشاد ہے۔

فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالظَّوَدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ (شعرا: ۶۳)

”تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ (ہے)۔“

● بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دست قدرت نے عجیب شان سیمائی سے نوازا تھا۔ آپ خدا کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ فرما دیتے تھے۔ شیر خوار اور پالنے میں پرورش پانے والا بچہ کبھی بات نہیں کر سکتا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت بات کی جب آپ ماں کی گود میں ابھی انگوٹھا چومتے تھے:

إِذْ آتَيْدُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ ، تَكَلَّمَ النَّاسُ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ، وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي ، وَ تَبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ﴿١٠٠﴾ (مائدہ: ۱۰۰)

”جب کہ میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی اور جب کہ تم بھولے میں اور بڑے ہو کر لوگوں سے یکساں گفتگو کرتے تھے۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا تھا۔ اور

جبکہ تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے علم سے اچھا کر دیتے تھے۔“

دنیا کے سب سے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ کو حق تعالیٰ نے بے شمار معجزات سے نوازا تھا۔ آپ کا سب سے بڑا اور درخشیں معجزہ جس سے افق عالم جگمگا اٹھا وہ قرآن کریم ہے۔ اس کے علاوہ چند معجزات یہ ہیں: معراج کا واقعہ، غزوہٴ احد میں حضرت قتادہ کی آنکھ جو رخسار پر لٹک آئی تھی، آپ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اوپر اٹھایا اور اس کو اس کی جگہ پر جما کر اپنی ہتھیلی سے زرا دبا دیا۔ پھر ان کے انتقال تک یہ حال تھا کہ ان سے جو بھی ملتا، اس کو کبھی یہ معلوم نہ ہوتا کہ ان کی کس آنکھ میں زخم لگا تھا۔ کنکریوں کا سلام کرنا اور کیکرے کے درختوں کا آپ کے لئے رونا اور شہادت دینا۔ آپ کی انگشت مبارک سے پانی کا چشمہ اُبل پڑتا جس سے لق و دق صحرا میں کم و بیش چودہ سو پر مشتمل لشکر نے سیراب ہو کر پانی پیا۔ ان کے علاوہ بے شمار معجزات ہیں جن کا ذکر دشوار ہے۔ یہ معجزے صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے سامنے ہوا کرتے تھے، جن سے زیادہ پاک باطن اور بندہ مولیٰ صفات انسانوں کو چشم فلک نے بھی کم دیکھا ہو گا!

مذکورہ بالا ایک ایک معجزہ قدرت کے نکو بنی نظام کے برخلاف اور خارق عادت ہے۔ لیکن کیا ان میں سے کوئی معجزہ حق تعالیٰ کے سوا کسی اور خدا کے وجود، اس کی الوہیت، اس کی ربوبیت اور اس کے بے پناہ اوصاف کی نشاندہی کرتا ہے؟ خدایا، نہیں، ہرگز نہیں، یہ سب بس تیری ذات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ تو اولین و آخرین کا رب ہے۔ تو وہ پاک ذات ہے جس کا منکرین بھی انکار نہ کر سکیں گے۔ انصاف پسند بتائیں کہ وہ کس خدا کو ماننا چاہتے ہیں؟ کیا اس کو جو تخلیق، رزق رسانی، تدبیر، نفع و ضرر، اور موت و حیات پر قادر ہے۔ جس نے پیغمبر بھیجے۔ ان پر کتابیں نازل کیں۔ قوانین وضع کئے، جو ہدایت دیتا اور گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے نیک

۱۔ سورہ اسرار اللہ (۱/۳۵۳) بخاری (۱/۹۳-۹۴) مسلم (۱/۹۹-۱۰۰)

۲۔ سیرت ابن ہشام (۳/۳۳)

۳۔ تفسیر ۹، بخاری ۸/۲

۴۔ تفسیر (۸/۲۳۳)

۵۔ مسلم (۸/۵۸۵)

۶۔ بخاری (۷/۳۸)



بخت یا بد بخت بناتا ہے۔ جس سے چاہتا ہے دوستی یا دشمنی کرتا ہے۔ یا راضی یا ناراض ہوتا ہے۔ جس نے بیشمار معجزات و کرامات بخشے۔ جس کے ننانوے اسماء حسنی اور اعلیٰ صفات ہیں۔ جو گویا دانا، پینا، اور سننے والا ہے۔ جو پست و بالا کرتا ہے۔ عزت و ذلت دیتا ہے۔ عدل و احسان کا معاملہ کرتا ہے۔ اور ظلم سے روکتا ہے۔ یا وہ بے شعور، گونگے، بہرے، اندھے اور ٹھٹھے مادے کو خدا تسلیم کرنا چاہتے ہیں۔ جو سننے، بولنے، پسند کرنے نہ کرنے، اور نفع و ضرر غرض ہر چیز سے خالی ہے۔ جس نے پیغمبر نہیں بھیجے، کتابیں نازل نہیں کیں۔ قوانین نہیں بنائے جس کا کوئی نام، کوئی وصف نہیں، جس کا مقدر گونگا، بہرہ رہنا اور فنا کے گھاٹ اتر جانا ہے۔

ماہہ پرست ہمیں بتائیں؟ یا پھر ہماری سنیں! ہم اس خدائے واحد پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس نے کائنات اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ جس کا عرش پانی پر تھا۔ جس نے آدم کو مٹی سے بنا کر اس میں جان ڈالی ناپاک قطرے کے جوہر سے ان کی نسل بڑھائی۔ جو ہر چیز کا خالق و مالک، بڑی قدرت اور بڑی حکمت والا ہے جس نے پیغمبر بھیجے، انہیں کتابوں سے نوازا، جو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ جو بخشش کرتا اور فتح و ظفر سے شاد کام کرتا ہے۔ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ گمراہ کرتا ہے تو انصاف کے ساتھ گمراہ کرتا ہے۔ اس کے بندوں کے سینے اس کی محبت سے معمور ہوتے ہیں۔ خدا کی یاد ان کی غذا اور اس کی خوشنودی ان کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ اس کی بندگی کے بغیر ہر گھڑی وبال، ایمان کے بغیر ان کی زندگی اجرن ہے۔ ان کا ایمان اُمید و بیم کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی رضا کے آگے وہ سب کچھ ہیچ سمجھتے ہیں اس کی معرفت اور محبت سے ان کے دلوں کو ڈھارس ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت اور خواہش بھی نہیں ہوتی۔

خدا! تو نے ہمیں جس طرح اپنی معرفت اور ایمان سے نوازا اپنی عبادت اور بندگی کے لئے بھی ہمیں قبول فرما، اور اس کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرما۔ اپنی محبت اور خوشنودی عنایت فرما، اپنے غفور و درگذر کے دامن میں ہمیں پناہ دے، اور اپنی خوشنودی اور رضامندی کی خلعت ہمیں مرحمت فرما۔ آمین!

### ● اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات:

معرفت الہی کا عام طریقہ جیسا کہ عرض کیا گیا، خالص عقل کا طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ بندہ خلق میں غور و فکر کے ذریعہ خالق تک رسائی حاصل کرے۔ چونکہ اس طریقہ کا دارومدار تمام تر عقل و قیاس پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے اس سے خدا کی محض جزئی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ مکمل معرفت کا حصول صرف اسی طریقے سے ممکن نہیں۔

معرفت الہی کا سادہ اور محفوظ ترین طریقہ وہ ہے جس میں فکر و نظر اور عقل و بصیرت کا استعمال بھی ہو، اور جہاں عقل درماندہ اور عاجز ہو جائے وہاں آسمانی کتابوں اور نبیوں کی تعلیمات سے روشنی لی جائے یہ طریقہ اس لئے زیادہ سود مند اور آسان ہے کہ باری تعالیٰ کے وجود، اور اس کے اسماء و صفات کا علم بتنا وحی الہی اور پیغمبروں کی زبانی ہو سکتا ہے، پہلے طریقے سے اس کا سوال ۱۰۰ حصہ بھی نصیب نہیں ہو سکتا! یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین، اسماء و صفات الہی کے بارے میں کذب و افتراء اور ہر قسم کی کجی سے بچنے کے لئے غیر معمولی احتیاط کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ باری تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولنا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذَا جَاءَهُ  
أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ○ (زمر: ۳۲)

”تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے۔ اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے تو اس کو جھٹلائے۔ کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہ ہوگا۔“

اس کذب و افتراء سے بچنے کے لئے ان کے نزدیک دو ضابطے مقرر تھے:

۱۔ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں حق تعالیٰ کی جتنی صفات اور اسماء وارد ہیں، سب سے زیادہ جامع بات یہ ہے کہ اللہ کو اس کے انہیں ناموں اور صفات کے ساتھ پکارا جائے جن کے ساتھ اس نے خود کو متصف کیا ہے، یا اس کے نبیوں نے بیان کیا ہے، اور جو درحقیقت اللہ کی عظمت و جلال اور اس کی کبریائی کے عین لائق اور مطابق ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذُرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي

أَسْمَائِهِ سَيَجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ (اعراف: ۱۸۰)

”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں۔ تو اس کو ان ہی ناموں سے پکارو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی سزا پائیں گے۔“

۲۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوصافِ عالیہ اور اسماءِ حسنیٰ کا جو ذکر فرمایا ہے، نیز احادیث سے اس بارے میں جو کچھ ثابت ہے، اسلافِ صالحین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات سے تشبیہ نہیں دیتے تھے، اور نہ اس کی ذات کو مخلوق سے تشبیہ دیتے تھے۔ مخلوقات سے تشبیہ اس لئے بھی عقل و قیاس کے خلاف ہے کہ جب خاک کو عالم پاک سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی!

چہ نسبت خاک ربا عالم پاک  
توفانی اور لافانی میں یکسانیت بھلا کیونکر ہو سکتی ہے؟ نیز شرعی نقطہ نظر سے مماثلت اس لئے بھی محال ہے کہ باری تعالیٰ نے خود کو مخلوقات کی مماثلت سے پاک رکھنے کا حکم صادر کیا ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○ (شوریٰ: ۱۱)

”اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔“

نیز فرمایا:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا

أَحَدٌ ○ (سورہ اِخْلَاص)

”(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی

کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔“

مشابہت اور تمثیل عقل کی رُو سے اس لئے محال ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ، اور وہ شے جو مادہ کہلانے کی مستحق ہے، سب خود مخلوق ہے، اور مادہ کا پیدا کرنے والا مادہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو مادی نہیں اس کی نسبت یا اس کی مشابہت مادہ کے ساتھ کرنا درست نہیں۔ یہی وہ عقائد

ہیں جنہیں اللہ نے اپنے لئے بیان فرمایا۔ اسی عقیدے پر حضور اکرم ﷺ اور آپ کے بعد خیر القرون کا زمانہ تھا۔ اور تمام حق پرست مومنین صادقین بھی اسی عقیدے پر قائم رہے۔

صاحب ایمان بندے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ سنا اور دیکھتا ہے دوست اور دشمن رکھتا ہے۔ اپنے ہاتھوں تخلیق کرتا ہے۔ عرش پر قرار پاتا ہے۔ فیصلہ کیلئے جلوہ گر ہوگا۔ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے۔ اس نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ اور یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے متعلق جس طرح کہہ دیا، رسول ﷺ نے (جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں) اس کے اسماء و صفات کو جس طرح بیان کر دیا۔ اس سے آگے کچھ سوچنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اس لئے کہ اس میں کوئی گنجائش ہوتی تو اللہ اور اس کے رسول کا ممانعتی حکم کتاب و سنت میں وارد نہ ہوتا۔ نیز کتاب و سنت میں درج اوصاف کو جھٹلانا یا ان کے خلاف کہنا حرام ہے۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ جن اوصاف سے حق تعالیٰ بری ہے۔ یا جو اوصاف سے اس کے کمالات الہیہ کے منافی ہیں۔ ان کی نسبت اس کی طرف کی جائے۔ جیسے اس کی بیوی، اولاد، حکومت میں حصہ دار، یا ناتوانی کے سبب اس کا کوئی معاون تصور کیا جائے۔

۲۔ صاحب ایمان بندے خدا اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ خالق اور مخلوق کے اوصاف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور ہر دو میں ادنیٰ مشابہت بھی محال ہے۔ چنانچہ جب باری تعالیٰ کہتا ہے کہ اس کے ہاتھ ہیں۔ اور مومن بھی یہی کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں لیتے کہ خدا کا ہاتھ انسانوں جیسا ہے۔ یا اس کے مشابہ ہے۔ بخدا وہ اس کا تصور بھی نہیں کرتے اس لئے کہ جس طرح خدا اور انسان کی ہستی میں فرق ہے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن بندے حق تعالیٰ کی صفات میں نہ کسی قسم کی تاویل کرتے ہیں۔ نہ تحریف، تعطیل اور تشبیہ سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ خالق و مخلوق کی صفات میں کسی قسم کی مشابہت تلاش کرنا عقل و نقل اور شریعت کی رو سے محال اور ناممکن ہے۔ اور خارج میں بھی یہ بعید از امکان ہے نیز اسی لئے حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کو کسی مخلوق سے مشابہ قرار دینا ان کے نزدیک سب سے بڑا جھوٹ اور باطل ہے۔ جیسے یہ کہنا کہ: اللہ کا ہاتھ، اللہ کی آنکھ،

انسان کے ہاتھ یا آنکھ کی طرح ہے۔ یا اللہ تعالیٰ عرش پر قرار پاتا ہے۔ جیسے انسان تخت پر بیٹھتا ہے۔ وغیرہ۔! یہ اور اس قسم کی تمام تشبیہات باطل ہیں۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ سراسر جھوٹ اور خدا پر بہتان باندھنا ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ عرض کیا گیا انسانی عقل خود خالق و مخلوق کی ذات و صفات اور اس کی ایک ایک چیز میں ادنیٰ سی، مشابہت کو بھی محال اور ناممکن ٹھہراتی ہے۔

۳۔ باہم فرق اور مغایرت کو عقلی طریقہ سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ محاورہ میں دو چیزوں کی ذات اور صفات کی نمائش کیلئے ایک ہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں انتہائی مغایرت اور دوری ہوتی ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں ”راس“ کا لفظ مال اور انسان دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ (راس المال، راس الانسان) لیکن پہلی صورت میں اس کے معنی دولت اور سرمایہ کے ہیں۔ اور دوسری صورت میں اس سے مراد ”کاسہ سر“ ہے۔ اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ لفظ ”عین“ کا استعمال بھی اسی طرح ہے۔ عین الشمس (چشمہ آفتاب) عین الماء (چشمہ آب) عین الحيوان (جانور کی آنکھ) لیکن نام کے سوا ان کے اندر کوئی یکسانیت نہیں ہے۔

قصہ کوتاہ، عقل اور نقل دونوں مومن کی ان عقائد تک کامل رہنمائی کرتے ہیں۔ عقل اس طرح کہ عقل اس کی ماہیت اور حقیقت کے ادراک سے خود کو قاصر سمجھتی ہے۔ کیوں کہ باری تعالیٰ کی ذات کوئی مادہ نہیں جس کا ادراک ممکن ہو۔ اور چونکہ اس کی صفات اسی کی ذات سے وابستہ ہیں اس لئے ذات کی طرح صفات کی کنہ اور حقیقت سمجھنا بھی محال ہے۔ نقل اور شریعت سے اس طرح رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اس کے جیسی کوئی چیز نہیں۔ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ نیز یہ کہ مخلوق خالق کا احاطہ کر بھی نہیں سکتی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنی متعدد صفات بیان فرمائیں۔ جیسے صفت سمع و بصر، صفت ید، صفت عین، صفت رضا، صفت غضب، صفت محبت، صفت ناراضگی وغیرہ نیز اپنے کئی افعال گنوائے۔ جیسے آنا، اترنا، عرش پر قرار پانا وغیرہ اوصاف جو کتاب و سنت میں صاف اور صریح طور پر وارد ہیں۔

### ● خلاصہ!

بحث کا حاصل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات اور اس کی حقیقت کا علم جس طرح خود ذاتِ باری کو حاصل ہے، کسی اور کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے باری تعالیٰ نے اپنے اوصاف عالیہ اور اسماءِ حسنیٰ کو جس طرح بیان کیا ہے، اس کے نبیوں اور رسولوں نے اس سے متعلق جو کچھ کہا ہے، وہ حق تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور عظمت و جلال کے شایانِ شان ہے۔ اس لئے بندہ مومن حق تعالیٰ کے بارے میں بس وہی عقیدہ رکھتا ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نیز وہ یہ سمجھتا ہے کہ باری تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دینا مشرکانہ طریقہ ہے۔ اسی طرح ذاتِ باری سے اس کے اوصاف و کمال کو بے دخل کرنا اور اسے معطل سمجھنا یا ان کی بے جا تاویل کرنا کفر و الجاد ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو مخلوقات سے مماثل قرار دینے سے منع فرمایا ہے، اور تشبیہ وینے والے کو مردود قرار دیا ہے!

مشرک اور کافر جو خدا کے ناموں اور صفوں میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، درحقیقت وہ خدا کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔ ظاہر ہے ان بد بختوں سے بڑھ کر ظالم اور بے انصاف کوئی نہیں۔ ان کے برخلاف وہ لوگ جو حق و صداقت کے پرستار ہیں، اور حق تعالیٰ کو بے مثل اور بے چوں مانتے ہیں، جو باری تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں اپنی در ماندگی اور عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور خالقِ باری کی ذات میں غور کرنے کی بجائے اس کی خلاق اور کل کائنات میں غور کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا دامن باری تعالیٰ سے متعلق کذب و غلط بیانی سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا، جو اللہ پر جھوٹ بولے اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے تو اس کو جھٹلائے، کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہ ہو گا؟“

### ✽ خدا سے التجا:

قَالُوا انْتَابِطِرْهَانِ فَقُلْتُ لَهُمْ اَنْتُمْ يَتَّقُوْنَ عَلٰى الْبِزْهَانِ بَزْهَانِ  
 جب انہوں نے دلیل طلب کی تو جواب میں میں نے کہا اس قدر روشن دلیل کے ہوتے ہوئے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت ہے؟  
 ○ — پارہا! کافروں کے کفر، مشرکین کے شرک، اور طہدین کی بے دینی سے ہم  
 بیزار ہیں، اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں، اور صرف تیری الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں۔  
 خدایا! اپنی ہستی کی سب سے بڑی پہچان اور اپنے وجود کی سب سے بڑی دلیل خود تیری ذات  
 ہے۔ پھر تیرے وجود کی دلیلیں لانا ہماری کتنی بڑی نادانی ہے۔ خدایا! ہمارے اس قصور کو معاف  
 فرما۔ ہم تجھ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم نے تجھے بس تیرے ذریعہ پہچانا۔ کسی اور ذریعہ سے نہیں۔  
 تو نے ہمیں اپنے انعام و احسانات سے متعارف کرایا، ہمارے دل میں ایمان کا نور منور فرمایا۔  
 جس سے ہمیں تیری معرفت نصیب ہوئی۔ تو ہمارا اور تمام جنانوں کا پروردگار ہے۔ تو ہی ہمارا  
 اولین و آخرین کا معبود ہے۔

○ — خدایا! تو وہم و گمان، اندازے اور قیاس سب سے بالاتر ہے۔ جس ایمان و  
 یقین کی فطرت پر تو نے ہمیں پیدا کیا، ہمارے دلوں میں اپنی محتاجی، اور ضرورت کو جس قدر تو  
 نے اُجاگر کیا، اپنے اوپر جس حد تک اعتماد اور بھروسہ کرنے کا تو نے ہمیں پابند بنایا، اسی فطرت  
 مستقیم، ایمان و یقین اور احتیاج و توکل نے ہمیں راہ دکھائی، اور آج ہم تیرے در پر حاضر  
 ہیں۔ تیری ذات اور تیری جملہ صفات کو تیرے بیان کے مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ ہم عقل سلیم  
 اور فطرتِ مستقیم کے ساتھ تیرے وجود کا اقرار کرتے ہیں، اور ہر حال میں نزدیک اور دور،  
 اطرافِ عالم میں اور اپنی ذات میں بس تیرے جلال و جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور تیرے ہی  
 اوصاف و کمالات کے بارے میں حق کی گواہی دیتے ہیں۔ ہم مکرر کہتے ہیں کہ تیرا وجود، دلیل و  
 ثبوت، نشان و شہادت سے بالاتر اور بے نیاز ہے۔ دلائل اور شہادتیں بھلا کیونکر تیری تخلیق کر  
 سکتی ہیں، جب کہ تو خود ان کا بنانے اور پیدا کرنے والا ہے۔ صرف تو ہے جو خلائق کا پروردگار،  
 ان کا مالک و مولیٰ، اور ان کا معبود حقیقی ہے۔

○ — خدایا ہم ندامت، شرمندگی، ❶ 'حیا' اور درماندگی کی پونجی لے کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ تجھ سے بڑھ کر واضح کوئی حقیقت نہیں، کل موجودات صرف تیرے وجود کا صدقہ ہیں۔ تو اپنی دلیل آپ ہے، تیرے وجود کے لئے ہمیں مزید کسی ثبوت کی ❷ حاجت نہیں۔ ہم تیری بندگی میں کوتاہی، اور تیری معرفت میں سستی کا اعتراف کرتے ہیں۔ بس ہمارے قصور کو تو معاف فرما۔!

❶ اس میں شک نہیں کہ ان سطور کی تحریر کے وقت، خصوصاً وجود باری کے لئے عقلی اور شرعی دلائل تحریر کرتے ہوئے میرا شعور مجھے جمبوڑ کر یہ کہتا تھا کہ: کیا باری تعالیٰ کا وجود بھی کوئی مسئلہ ہے جسے ثابت کرنے کی ضرورت ہو؟ کیا کوئی ہے جو اس کا انکار کرتا ہو؟ اور کیا خصوصاً ہم مسلمان ایسی زندگی کا تصور کر سکتے ہیں جس میں خدا نہ ہو، اس کے وجود اور اس پر ایمان کا کوسوں پتہ نہ ہو؟ اور کیا...؟؟

❷ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا: خدا کی معرفت کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "دین کے اندر جو کوئی اکل کے تیر چلاتا ہے، حق و صداقت سے دور، شک و شبہ میں مبتلا، اور بھرگراہ ہو جاتا ہے۔ ہمارا طریق کار یہ ہے کہ خدا نے اپنے بارے میں جو کچھ اور جیسا کچھ بتایا ہے، ہم اس کو بس اسی کے مطابق مانتے ہیں۔"

ایک عارف کا مقولہ ہے کہ: چیزوں نے ہمیں خدا تک نہیں پہنچایا، بلکہ خدا نے ہمیں چیزوں تک پہنچایا، اور ان کے بارے میں صحیح علم دیا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۸/۲)





## توحید

### ● توحید کیا ہے؟

توحید: وحدت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ایک ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا ہے۔ شریعت کی زبان میں یہ عقیدہ رکھنے کا نام توحید ہے کہ: باری تعالیٰ اپنی ذات، صفات، اور جملہ اوصاف و کمال میں یکتا اور بے مثال ہے۔ اُس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں، کوئی اُس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔ صرف وہی با اختیار ہے، اُس کے کاموں میں نہ کوئی دخل دے سکتا ہے، نہ اسے کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہے۔ حتیٰ کہ اس کے نہ اولاد ہے۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ  
لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ (سورہ اِخْلَاص)

”(اے پیغمبر! لوگوں سے کہدو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کے کوئی اولاد ہے، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔“

باری تعالیٰ اپنی شانِ ربوبیت میں منقرہ ہے۔ اس کے کسی وصف میں اور خاص طور پر اس کی ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں:

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ؟ قُلِ اللَّهُ ۝ (رعد: ۱۶)

”(اے پیغمبر! ان سے) پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ (وہ تو کیا کہیں گے) تم ہی کہہ دو کہ اللہ! (ہی تو ہے)۔“

نیز فرمایا:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ، وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ، فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۖ (يونس: ۳۱)

ترجمہ

”(اے پیغمبر! ان مشرکوں سے) پوچھو کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، یا وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے، اور بے جان کو جاندار سے پیدا کرتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام دنیا کا انتظام کر رہا ہے؟ تو وہ (بلا تامل) کہیں گے کہ، ”اللہ!“۔“

عبادت اور بندگی کے لائق بس وہی ہے۔ اس کا کوئی ساجھی اور ہمسر نہیں:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۖ (انعام: ۱۶۲)

”(اے پیغمبر) یہ بھی کہدو کہ بیشک میری نماز اور میری تمام عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا، اور میں اللہ کے فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔“

● توحید کی تسمیہ:

توحید کی تین تسمیہ ہیں: (۱) توحید ربوبیت (۲) توحید الوہیت (۳) توحید اسماء و

صفات

۱۔ توحید ربوبیت: یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک اور روزی رسا ہے۔ وہی زندہ کرنے والا، اور مارنے والا ہے اپنے افعال اور کارکردگی میں وہ اکیلا ہے، اور یہ پورا کارخانہ صرف اس کے اشارہ پر رواں دواں ہے۔

۲۔ توحید الوہیت: توحید الوہیت کو توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کو تنہا عبادت اور بندگی کے لائق مانا جائے۔ کیونکہ وہی اس کا حقیقی مستحق ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں، خواہ اس کا درجہ اور مرتبہ کتنا ہی بلند و بالا ہو۔ خواہ

وہ نبی یا پیغمبر ہو، فرشتہ یا جن ہو، یا ولی صالح ہو!

۳۔ توحید اسماء اور ذات: گذشتہ صفحات میں اسماء و صفات کی توحید کا مفصل ذکر آچکا ہے۔ باقی ماندہ دونوں قسموں کی تفصیل، اور ان سے متعلق ضروری معلومات ہم اب پیش کر رہے ہیں۔

### ● ۱۔ توحید ربوبیت کیا ہے؟

ربوبیت کا لفظ ”رب“ سے بنا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے رب کی تشریح ضروری ہے۔ رب کے کئی معنی ہیں: آقا، مالک، پرورش کرنے والا، درستی کرنے والا۔ اور اس کا صحیح ترین مصداق باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ کا حقیقی مفہوم اور صحیح استعمال صرف اس کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے معنی میں اس کا استعمال مجازی اور اضافی ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات ”رب“ کہلانے کی حقیقی مستحق اس لئے ہے کہ صرف وہی ذات واحد ہے جس کے اندر مذکورہ معنی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہی جملہ کائنات اور تمام موجودات کا خالق و مالک، آقا و پروردگار، روزی و رسل و مصلح، مربی اور نگران ہے۔ ان تمام اوصاف و اعمال میں اس کی ذات یکتا اور منفرد ہے۔ کوئی فرد بشر، یا کوئی مخلوق اس رب حقیقی کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے کنبے کی پرورش کرتا ہے، یا ان کا روزی رسل ہے۔ فلاں آدمی بچوں کی تربیت اور ان کی اصلاح کا ذمہ دار ہے، یا فلاں، فلاں کا آقا، مالک اور والی ہے، تو اس قسم کا استعمال غلط نہیں۔ نہ ہی توحید ربوبیت کا عقیدہ اس سے مجروح ہوگا۔ اس لئے کہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ کوئی انسان خواہ کسی زتبہ اور مرتبہ کا ہو، عدم سے وجود میں لانا، یا مالک حقیقی اور مربی ہونا اس کے یا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ بندہ جو کچھ کرتا ہے مجازی طور پر کرتا ہے۔ حقیقت میں خلق و تکوین سے لے کر جملہ ضروریات کا بہم پہنچانے والا، اور رشد و ہدایت دینے والا بھی صرف باری تعالیٰ ہے۔

### ● شان ربوبیت فطرت کے عین مطابق:

ہر دور اور ہر زمانے میں صحیح سوچ بوجھ رکھنے والوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ خدا کے

ساتھ اس کی شانِ ربوبیت میں کسی کو شریک نہیں سمجھتے تھے، اور اسے عقل اور فطرت کے خلاف مانتے تھے اس لئے کہ عقل سلیم اور فطرت مستقیم رکھنے والا ہر شخص یہ جانتا اور مانتا ہے کہ خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

شرک کے غیر فطری ہونے کی دوسری اہم دلیل یہ ہے کہ عرب کے مشرکین جنہیں قرآن پاک توحید ربوبیت کی تلقین کرتا، تو وہ اس کا اعتراف کرتے تھے کہ ان کے معبود ربوبیت کے دصف سے خالی، اور خلق و تکوین سے عاجز ہیں۔ حالانکہ یہ وہی مشرکین تھے جو اپنے خداؤں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، اور ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے خداؤں کے بارے میں ربوبیت، یا اس کی کسی ادنیٰ صورت کا دعویٰ وہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بڑے سے بڑا انسان، یا ان کے سینکڑوں بت مل کر بھی یہ طاقت نہیں رکھتے کہ تپتے ہوئے صحرا میں پانی کا ایک گھونٹ، یا اناج کا کوئی دانہ پیدا کر سکیں! وہ دل سے اس کے قائل تھے کہ کائنات سے ماوراء، کوئی ذات ہے جو خالق و مالک، روزی رساں، اور مدبر ہے، اور یہ سارا نظام اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

قرآن کریم، مشرکین کے اس اندرونی بھید کا پردہ جا بجا فاش کرتا ہے۔ چنانچہ سورہ یونس میں ہے۔

قُلْ مَنْ يُرِزُّكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ  
وَالْأَبْصَارَ، وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ، وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ  
الْحَيِّ، وَمَنْ يَدْبُرُ الْأُمُورَ، فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۝ (يونس: ۳۱)

”(اے پیغمبر! ان مشرکوں سے) پوچھو کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، یا وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اہتمام رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے، اور بے جان کو جاندار سے پیدا کرتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام دنیا کا انتظام کر رہا ہے؟ تو وہ (بلا تامل) کہیں گے کہ ”اللہ!“۔“

سورہ زحرف میں ہے:

وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ

الْعَلِيمُ ○ (زخرف: ۹)

”اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ ان کو اللہ (غالب اور) علم والے نے پیدا کیا ہے۔“  
سورہ مومنوں میں ہے:

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ○ (مومنون: ۸۶، ۸۷)

”(اے پیغمبر! ان سے) پوچھو کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔“  
نیز فرمایا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولَنَّ اللَّهُ فَاَنَّى يُؤْفَكُونَ ○ (زخرف: ۸۷)

”اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے ان کو پیدا کیا؟ تو یہ کہیں گے اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں پھرے جاتے ہیں؟۔“

● لادینیت کی سرخ آندھی:

قدیم سے قدیم دنیا جہاں خدا کی قائل اور اس کی شانِ ربوبیت کی معترف رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لگ بھگ سترہویں صدی تک عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اِلٰہ اور لادینیت کوئی چیز ہے۔ یا باقافذ دیگر خدا کا کہیں وجود نہیں۔ لیکن اسے ترقی، مکس کئے یا عقل و خرد کی بے خردی، کہ ٹھیک اٹھارہویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز سے اس تخیل کے ساتھ ایک نئی تحریک نے جنم لیا، کہ خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ خصوصاً یورپ میں انتہا پسند، لیکن زدہ مارکسٹ کمیونسٹوں نے اس نظریہ کو خوب خوب ہوا دی۔ اور دیکھتے دیکھتے یورپ اور دنیا کے بیشتر ملک اس سرخ آندھی کی لپیٹ میں آگئے۔ جبکہ قدیم دنیا خدا کے تصور کے ساتھ اگرچہ مشرکانہ رسوم اور طرح طرح کی خرافات میں جھلا رہی، اور اپنے جھوٹے خداؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کی پرستش، اور ان کے لئے

بھینٹ چڑھاتی رہی۔ لیکن جیسا کہ ابھی گذرا، فطری طور پر ان کے کان ایک غیبی آواز سے سدا آشارتہ تھے کہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے جس کے ذریعہ خیر کی طلب اور شر سے پناہ مانگی جاسکتی ہے۔

### ● لادینیت کے اسباب:

لادینیت کی سرخ آندھی نے یورپ اور دوسرے ملکوں کو جس طرح اپنی لپیٹ میں لیا، اس کی وجوہات متعدد ہو سکتی ہیں ذیل کی پانچ وجوہات ان میں زیادہ اہم ہیں:

۱۔ اربابِ کلیسا کی بالادستی اور ظلم و زیادتی: کلیسا کے پوپ اور پادریوں کو عوام اور حکومت میں جو اثر و رسوخ اور اقتدار حاصل رہا، اس کا انہوں نے ہمیشہ غلط استعمال کیا۔ چنانچہ مذہب کے نام پر مذہب کے ان ٹھیکیداروں نے اقتدار کے نشہ میں وہ حرکتیں کیں، جس نے عوام کو رسوا کیا اور انہیں غلاموں سے زیادہ بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کیا۔

۲۔ عیسائیت کا حالِ زار اور عقلیت اور اصولِ فطرت سے اس کا تقصوم: آسمانی شریعت اور خدائی قانون میں جس چیز کا سب سے زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے، وہ انسانی فطرت ہے۔ لیکن عیسائیت کے جھوٹے علمبرداروں نے خدائی مذہب میں اپنی طرف سے آمیزش کر کے اسے فطرت کے عین مقابل لاکھڑا کیا۔ خلافِ عقل اور خلافِ فطرت آئین و ضوابط کو مذہب اور دینداری کا نام دیا۔ اور اس طرح انسانوں کو مذہب حقہ سے برگشتہ اور ڈور کرنے کا راستہ ہموار کیا۔

۳۔ طبیعیات اور صنعت و حرفت کے علوم کی غیر معمولی ترقی اور مذہبیت کی پستی: علمِ حیات، علمِ کیمیا اور مختلف تاریخی، جغرافیائی، اور فلسفیانہ نظریے، جن کو کسی دور میں مسلمہ حقائق کی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ اربابِ کلیسا نے ان افکار و خیالات کو مسلمات کا درجہ دے کر ان کا رشتہ مذہب سے جوڑ دیا۔ جبکہ ان افکار کی حیثیت ہمیشہ عارضی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ انسانی علم رفتہ رفتہ آگے بڑھتا ہے اور ہر آن اس میں تبدیلی کا امکان ہوتا ہے۔ عیسائیت کے ٹھیکیداروں کی اس عقل و فطرت سے متصادم پالیسی کے نتیجے میں یورپ میں علوم کے احیاء کی تحریک نے جنم لیا۔ اہل کلیسا نے عقل کو بیکار کرنے اور فطرت کو

دبانے کی جس قدر کوششیں کیں، وہ سب ناکام ہوئیں۔ اس تحریک کے میدانِ عمل میں آنے کے بعد سائنسی ایجادات اور صنعتی ترقیات کا دور شروع ہوا، جو آج نقطہ عروج پر پہنچا ہوا ہے، چونکہ کلیسا نے عقل و دانش کو پہلے ہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کرنا چاہا تھا، اس لئے جب اہل سائنس اور جدید علمی نظریات اور عملی تجزیوں نے عیسائیت پر اعتراضات کئے، تو ان اعتراضات کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ چنانچہ مادی قوتوں کو فروغ ہوا، اور ان طاقتوں نے توہم پرستی اور مذہبیت کا سرے سے خاتمہ کر دیا!

۴۔ مذہب کے ناعاقبت اندیش بھی خواہوں نے مذہب کو فطرت سے دور رکھ کر فطری خواہشات کو غیر فطری ذرائع سے دبانے کی کوشش کی۔ چنانچہ بظاہر عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کی گئی، شادی کو گناہ سمجھا گیا، لیکن اصلاح کے اس غیر فطری طریقے کی آڑ میں بدکاری کے اڈے کھل گئے۔ فحش کاری کا بازار گرم ہوا۔ عبادت گاہیں قحبہ خانے میں تبدیل ہو گئیں۔ اور یوں ایک نام نہاد مذہبی طبقہ کے طفیل دیگر مذاہب بھی سرعام رسوا ہوئے۔ نیز شیطان، انسان کو شہوت پرستی کے راستے پر ڈالنے کی زبردست کوشش کرتا ہے۔ ان نام نہاد خدا پرستوں نے جب فطرت کا گلا گھونٹ دیا تو اس کے نتیجے میں اخلاقی قدروں کا جنازہ نکل گیا۔ خانگی اور گھریلو زندگی تباہ ہوئی۔ آزادانہ شہوت رانی، اباحت، اور مذہبی طرز زندگی سے بغاوت کا عام جذبہ پیدا ہوا، اور رفتہ رفتہ سماج اور معاشرہ پر سے مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔

۵۔ رہا اسلام تو اس کے احکام نظروں سے اوجھل اور اس کی روشنی آنکھوں سے مستور ہو چکی تھی۔ اس کا روحانی سایہ سمٹ کر تنگ اور اس کی خیر و خوبی کا سرچشمہ محدود ہو چکا تھا۔ جو بجا طور پر سارے عالم کیلئے طاقت اور روحانیت کا ذخیرہ فراہم کرتا تھا۔ جو اخلاقی قدروں اور اعلیٰ صفات کا نقیب تھا۔ بالخصوص جس دوران، کیونزوم اور سوشلزم جیسے فاسد اور سراسر مادی نظریے وجود میں آئے افسوس اسی اثناء میں اسلام کے چشمہ صافی کو گدلا اور صحیح اور خالص اسلامی عقائد کو زنگ آلود کرنے کی سازش کی گئی۔ اس کے گھر کو تاراج اور اس کے علوم و معرفت کے بازار کو ویران کیا گیا۔ دشمنوں کے گھروں میں یہ سازش تیار کی گئی۔ اور خود اسلام کے فرزند خواب غفلت میں پڑ کر اس کا شکار ہوئے۔ اس اوپارو کبیت اور خواب بے خودی اور غفلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ إلحاد و لامذہبیت نے میدانِ خالی پایا۔ اور لادینیت کے

ٹھیکیداروں نے پرزے نکالنا شروع کئے۔ پھر کیا تھا۔ گمراہی، غلط کاری، بگاڑ اور فساد کا بازار گرم ہوا۔ اور جب رفتہ رفتہ ان کی ہمت بڑھی، انہوں نے تمام مذاہب پر نظر کرم کرنی شروع کی۔ خدا کی ہستی کو فرضی مان کر اس کے وجود سے انکار کیا۔ لوگوں کی شخصی اور ذاتی خرابی کو بھی مذہب کے سرِ باندھنا شروع کیا۔ مذہب کا انکار اور اس کے خلاف ایک محاذ بنالیا۔ اور ادنیٰ سی مہلت دیئے بغیر مذہب کے خلاف اپنے سارے ترکش خالی کر لئے۔ اور نئے نئے اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔

اور اگر یادش بخیر! — اسلام کا عہد زرتیں لوٹ آتا۔ اسلامیوں کی رزم کی شمشیر و سناں اور بزمِ رفتہ کی رعنائیاں اسی طرح اپنے شباب پر ہوتیں، وہ علوم جن کے یہ موجد تھے، جیسے: طبیعیات، فلکیات، نئی نئی ایجادات، علمِ کیسیا، علمِ حفظانِ صحت، طب و جراحات، علمِ قانون، علمِ ہندسہ، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی اور علمِ الاخلاق وغیرہ پر بدستور ان کی گرفت ہوتی، ان کے عدل و انصاف، اور آئین مساوات کے جو نمونے تاریخ کے صفحات میں مدفون ہیں، زندہ جاوید شکل میں دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوتے تو اس میں شک نہیں کہ یہ دشمنانِ اسلام، اسلام پر یوں حملہ آور ہونے کی بجائے دم بخود اور سرگلوں ہوتے، اور ان کی قوتِ گویائی کبھی کی سلب ہو چکی ہوتی۔ لیکن ہوا وہ جو نہ ہونا تھا! —

بِذَاقِضَتِ الْاَيَّامِ حَتَّيْنَ اَهْلِيهَا مَصَابِيْثُ قَوْمٍ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدُ  
زمانہ کی ریت کچھ اس قسم کی ہے کہ ایک ہی دن کسی قوم کے لئے روزِ ماتم ہوتا ہے تو دوسری قوم کے لئے جشنِ مسرت کا دن ہوتا ہے

ہماری نظر میں دہریت اور انتہا پسند اشتراکیت جو آج جہاں اور جس قدر نظر آرہی ہے، اس کے وجود کے حقیقی اسباب یہ ہیں۔ اور ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر ان پر روک نہ لگائی گئی، تو وہ دن دور نہیں جب ہر طرف صرف جنگل کا راج ہوگا، حیوانیت پورے عروج پر ہوگی، اور سستی بلکتی انسانیت تمہ خاک مدفون ہوگی۔

اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، آج دنیا میں کوئی مذہب یا کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس سرخ سیلاب کے تھپیڑوں کا رخ موڑ سکے، یا کم از کم اس کا زور توڑ کر اپنا بچاؤ ہی کر سکے۔ ہاں اگر کوئی مذہب ہے، تو بلاشبہ یہی ایک ”دینِ اسلام“ ہے۔ لیکن یہ دین اسی صورت میں برگ



دوبار لاسکتا ہے جبکہ اس کے خالص اصولوں اور پاک و صاف دستور کے نفاذ کے لئے کوئی خط یا گوشہ محفوظ ہو، جہاں صرف کتاب و سنت اور سلف صالحین کے طریقوں کی حکمرانی ہو، اور ہر کس و ناکس اسلامی احکام اور اسلامی شعائر کی بجا آوری کو اپنی زندگی کا اولین فرض قرار دے، اور اس دین خالص کے اندر کسی اور ازم یا دھرم کا پیوند نہ لگائے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس قسم کی مثالی حکومتوں سے نہ صرف لادینیت اور مادہ پرست عقلیت کا خاتمہ ہوگا، بلکہ اہل دانش دیکھیں گے کہ عوام از خود سوشلزم اور کمیونزم جیسے کھوٹے سکوں اور اس کے بلند بانگ دعوؤں سے دست بردار ہوں گے، اور دین خالص کو اپنا دستور بنائیں گے۔

### ✽ یورپ خود پہلا شکار:

چونکہ مادہ پرست عقلیت اور اشتراکیت سراسر یورپ کی دین ہے، اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ خود اس نظریہ اور اس کے عملی تجربے کا اولین شکار بنا۔ یورپ نے دوسری زبردست غلطی یہ کی کہ اس کے ظلمت کدہ میں اسلام کا نور جب روشنی کا پیغام لے کر پہنچا تو مذہب کے نام نہاد علمبرداروں نے اس نور کا جواب تاریکی سے دیا، اور ہلال و صلیب کے نام سے انتہائی خون ریز جنگیں چھیڑ دیں۔ جبکہ انہیں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق، اور آپ کے لائے ہوئے دین کو قبول کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ ان کے پیغمبر حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) نے بھی آپ کی بعثت کی خوشخبری سنائی تھی۔

علاوہ ازیں مسیحیت ایک قوم کی شریعت، اور حضرت مسیح صرف بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ جبکہ حضرت محمد ﷺ باقیامت آنے والی نسلوں کے پیغمبر، اور آپ کی لائی ہوئی کتاب تمام انسانوں کے لئے آخری آسمانی شریعت ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا پیغمبر مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کامل اعتراف تھا۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا:

”میں تو صرف اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو راہ بتاؤں۔“ (انجیل متی: ۱۵، ۲۴)

قرآن پاک نے اس اعتراف کو اپنے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِ اسْمُهُ أَحْمَدُ ۝ (صف: ۶)

”اور وہ وقت بھی یاد کرو جبکہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں (خاص) تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی توریت) اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام ”احمد“ ہوگا، ان کی بشارت سنا رہا ہوں۔“

اگلی آیتوں کے انبیاء اور اپنے درمیان فرق کو نبی آخر الزماں ﷺ نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا:

”مجھ سے پہلے کے نبیوں کی بعثت مخصوص خطے اور مخصوص قوم کی طرف ہوا کرتی تھی، اور میں اقامت آنے والی قوموں کا نبی ہوں۔“ (المؤلوذ والمرجان: ۱/۱۰۴)

نیز باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۝ (اعراف: ۱۵۸)

”اے محمد! تم کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَ نَذِيرًا ۝ (سبا: ۲۸)

”اور (اے محمد!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

مزید ارشاد ہوا:

تَبَرُّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ (فرقان: ۱)

”وہ (ذات بڑی) بابرکت ہے جس نے اپنے (خاص) بندے پر فرقان (یعنی قرآن) نازل فرمایا، تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔“

نیز مسیحیوں کا یہ کردار بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ اسلام کے آغاز ہی سے، اسلام کے خلاف یہودیوں نے انہیں اپنا آلہ کار بنا رکھا ہے، اور انہیں اس کا احساس تک نہیں کیا۔ مسیحی خود اپنی تاریخ بھلا بیٹھے ہیں کہ کس طرح شاطر یہودیوں نے حضرت مسیح کی پیدائش کے دن سے ان کے خلاف کذب اور افترا پردازی کا ایک بازار گرم کیا۔ ان کے حواریوں سے ہر نماز پر ایسی سخت زور آزمائی کی کہ ناچار ہو کر انہیں آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑ کے غاروں اور گھاسوں میں پناہ لینی پڑی۔ اور یہی وہ صیہونی درندے تھے جنہوں نے بارہویں صدی عیسوی میں مسیحیت کے اسلام سے راست تصادم کے لئے اسے میدانِ کارزار میں لاکھڑا کیا۔ اور سارے یورپ اور اس کی حلیف طاقتوں کو صلیبی جنگوں میں جھونک دیا۔ جبکہ درپردہ حقیقت یہ تھی کہ ان یہودیوں کو خصوصاً مشرقی یورپ میں خالص مسیحی تعلیمات کی نشرو اشاعت اور اپنے مکرو فریب کا پردہ فاش ہونے کا سخت اندیشہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مسیحی راہبوں اور پادریوں کا لبادہ اوڑھ کر مسیحی بنا گوارا کیا۔ اور اس طرح بنی اسرائیل کی ان گم گشتہ رہ بھیڑوں کو حضرت مسیح اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات سے برگشتہ کیا۔

نیز یہ انہیں کی سازش تھی کہ ”تثلیث“ جیسے فاسد عقیدے کے ذریعے دینِ مسیحی میں بت پرستی کو شامل کر دیا، جبکہ حضرت مسیح نے یہ کہہ کر اس سے کھلی بیزاری کا اظہار کیا تھا جبکہ آپ ابھی گوارے میں تھے کہ:

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ○ (مریم: ۳۰)

”میں اللہ کا بندہ ہوں!“

نبوت سے سرفراز ہونے پر فرمایا:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ○ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ○

(مائدہ: ۷۲)

”اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو، جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ بلاشبہ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

یہودیوں کی جانب سے خالص دین مسیحی کو تباہ کرنے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ انہوں نے ایک انجیل میں رد و بدل کر کے اس کی تین، تین انجیلیں بنا ڈالیں۔<sup>۱</sup>

دیکھ اس بات کا ہوتا ہے کہ یورپ نے سب کچھ یہ جانتے ہوئے کیا کہ خالص مسیحیت کی جگہ اب صرف اسلام وہ اکیلا مذہب ہے جو یورپ کے معیار پر پورا اترتا ہے، یہی ایک آفاقی مذہب ہے جس کے اندر قدرت نے بے پناہ وسعت اور لچک پیدا کر رکھی ہے۔ نیز یہ کہ یہ تنہا عربوں کا، یا ایشیا اور افریقہ والوں کا دین نہیں۔ اس دین پر صرف یورپ یا کسی اور براعظم والوں کا اجارہ بھی نہیں، بلکہ یہ ساری دنیا کا، اور ساری دنیا کے انسانوں کا دین ہے۔ اور اس کے بعد بھی اس دین خالص کو تسلیم کرنے سے انہوں نے گریز کیا۔!

یورپ یہ بھی جانتا تھا کہ صرف اسلام وہ دین ہے جس کے اندر سارے عالم کی ہدایت کی بھرپور صلاحیت ہے، اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ سب سے پہلے یورپ بڑھ کر اس دین کا حلقہ گوش ہوتا، اسے اپنا کر معادیت ابدی کا حقدار بنتا۔ لیکن افسوس کہ اس سب کے باوجود یورپ نے ماضی بعید میں اسلام کے خلاف پوری شدت سے صلیبی جنگوں کی آگ بھڑکائی۔ ماضی قریب میں بیشتر مسلم ممالک کو یورپین اقوام، بالخصوص برطانیہ اور فرانس نے اپنے پنجہ استبداد میں ایک مدت تک جکڑے رکھا۔ اور ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ صیہونیت اور یورپ کے ناپاک گٹھ جوڑنے ”خلافت اسلامیہ“ کی قبائے عظمت کو تار تار کیا۔ باطنیہ، ناصریہ، زندیقیہ، نام نہاد صوفیا، اور دوسرے گمراہ مسلم فرقوں جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو جڑ بنیاد سے کھود پھینکنے کی کوشش میں دشمنان اسلام سے بڑھ کر پیش پیش ہیں کا متحدہ محاذ بنا کر اسلام کی دیواروں میں شکاف ڈالنے کی سرٹوڑ کوششیں کیں۔

تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ یورپ اور اس کی حلیف سامراجی طاقتوں نے جب

<sup>۱</sup> آگے چل کر یہ تعداد ۳۵ ہوئی۔ پھر ان میں سے پانچ کو چھانٹ کر طغیہ کیا گیا۔ آج کی مسیحی دنیا میں انہیں پانچ انجیلوں کا عام رواج ہے

یہ دیکھا کہ مسلم نو آبادیات پر تادیر قبضہ ان کے لئے مضرب ہے، تو انہوں نے ایک ایک کر کے ان ملکوں کو آزاد کرنا شروع کیا۔ لیکن بائیں ہمہ خاصی بڑی تعداد میں کچھ تنگ دیں، تنگ وطن قسم کے ضمیر فروش میر جعفروں اور میر صادقوں کو اپنی ٹاپاک یادگار کے طور پر ان ملکوں کی سیاسی بساط پر ایک مرے کی طرح رکھ چھوڑا۔ جن کی نس نس میں اسلام دشمنی، خود رانی، اور خدا فراموشی کا جذبہ سرایت کئے ہے۔ جو اسلام کا ٹائٹیل استعمال کرتے ہیں، لیکن اندر سے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کا مستحکم قلعہ کسی طرح زمین بوس ہو۔ یہ سیاسی کٹھ پتلیاں بڑی طاقتوں کے اشارے پر اس لئے ناچتی ہیں کہ سامراج، جو سامنے کے دروازے سے ان ملکوں کو چھوڑنے پر بظاہر مجبور ہوا، چور دروازے سے پھر اسے اندر گھسنے کا موقع ملے۔

آج یہ دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ عالم اسلام کی کلیدی شخصیتیں ان بڑی طاقتوں کی محض آلہ کار بنی ہوئی ہیں، اور اپنے یورپین آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک بازی لے جانے کی فکر میں ہیں۔ اب ان کی کوشش یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ چھیڑ دی جائے۔ یہ کوشش ان کی پہلے سے بھی رہی ہے۔ اور اب تو انہوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ اسلام نہ رہے صرف اس کا نام باقی رہے! آخری آسمانی کتاب کی روح نکل جائے، اور صرف اس کے نقوش صفحہ قرطاس پر ثبت رہیں۔ لیکن کیا دشمنانِ اسلام کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگا؟ اور کیا ”جیسی کرنی، ویسی بھرنی“ کے مصداق قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی ان پر صادق نہ آئے گی کہ:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۝ (فاطر: ۴۳)

”اور بری تدبیر کا وبال اس کے کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔“

کیوں نہیں؟ یقیناً وہ دن دور نہیں، جب ان بڑی طاقتوں کو منہ کی کھلنی پڑے گی، جب ان کی طاقت و سطوت کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا، اور انہیں خون کے گھونٹ پینے پڑیں گے۔ اور یہ کوئی خوش فہمی نہیں۔ خدا کی یہی سنت متواتر ہے کہ کوئی سی طاقت و قوت ہو، اس کے نزدیک اس کی حیثیت تارِ عنکبوت سے زیادہ نہیں۔ اور جب اس کی مشیت ہوگی، اس کا ایک معمولی جھاڑو مکڑی کے ان جالوں کو تار تار کرنے کیلئے کافی ہوگا۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہر نادانی کا نتیجہ انہیں مل کر رہے گا۔ اس لئے کہ یہ دینِ خدا کی زمین پر

خدا کا پسندیدہ پہلا اور آخری دین ہے۔ اس سے زیادہ سچا اور خالص دین اب روئے زمین پر کوئی اور نہ آئے گا۔ اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے والا اس دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے گا، ہاں اپنے ہاتھوں اپنے پیروں پر آپ کھھاڑی ضرور مار لے گا۔

### ✽ مظاہر پرستی کی بھرمار:

یہ عرض کئے جانے کے بعد کہ عرب کے مشرکین بھی باری تعالیٰ کی شانِ ربوبیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یہ انکشاف کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ آج مسلمانوں میں لاتعداد قسم کی پرستشوں کی بھرمار ہے۔ لیکن امت کے مختلف طبقوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد تعجب آپ سے آپ رفع ہو جاتا ہے، اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب اگر شرک کی ایک قسم یعنی بت پرستی میں مبتلا تھے، تو آج بہت سارے مسلم گھرانوں اور خاندانوں میں شرک کا بازار گرم ہے، اور مسلمان توحید کے نام پر شرک میں ملوث ہیں۔

ذیل میں بے حد اختصار سے اس تلخ حقیقت کو محض اس لئے بیان کیا جاتا ہے، تاکہ مسلمان شرک کی گندگی اور اس کے بدتر نتائج سے آگاہ ہو جائیں، اور اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ ان کے دین کا سارا کرفر جس عقیدہ توحید کی بدولت تھا، اور جس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر قائم ہے، اس دین میں کسی قسم کے شرک کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے:

۱۔ بہت سارے جاہل مسلمانوں کے دلوں میں عقیدہ کی طرح اس تخیل کو جمادیا گیا ہے کہ ”خدائی نظام کی طرح اس دنیا میں اس کے متوازی ایک اور نظام قائم ہے، جس کی باگ ڈور بہت سارے غوث، قطب، ابدال، صالحین، اور پیروں فقیروں کے ہاتھوں میں ہے۔ زندگی اور موت، عزت و ذلت، نفع نقصان اور اس قسم کی تمام چیزوں کا دینا لینا سب ان کے دائرہ اختیار میں ہے۔ بارگاہِ خداوندی کی طرح ان کا بھی دربار لگتا ہے، جہاں سے مختلف قسم کے فرمان اور فیصلے صادر ہوتے ہیں۔“

اسی فاسد عقیدہ کا یہ نتیجہ ہے کہ عوام کا بڑا طبقہ توحیدِ خالص سے منحرف ہو کر پیر پرستی، رسول پرستی، اور مظاہر پرستی میں ملوث ہے۔ مصیبت ڈور کرنے اور مرادوں کو پوری

کرنے کے لئے ان سے دعائیں کی جاتی ہیں۔ ان کے نام کی نذرین، نیازیں اور چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ روزی، نوکری، اولاد، مقدمہ بازی اور وہ سب طلب کرنے کے لئے ان کے سامنے آہ و زاری اور فریاد کی جاتی ہے جو اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے کون نہیں جانتا کہ یہ سب خدا کی شان ربوبیت کے ساتھ بھیانک قسم کا مذاق اور دل لگی ہے اور کھلم کھلا شرک ہے!

۲۔ گمراہ صوفیوں، بدعتیوں اور قبوری مولویوں کا یہ عقیدہ ہے، اور وہ مسلسل اس کا پرچار کرتے ہیں کہ ”اولیاء اور صالحین، جس طرح زندگی میں عالم کا نظام چلاتے ہیں، مرنے کے بعد بھی بدستور ان کا فیض جاری رہتا ہے، اور وہ نظام عالم میں دخیل، اور خدا کے شریک کار ہوتے ہیں۔“ (نعوذ باللہ)

اسی پروپیگنڈہ کا یہ نتیجہ ہے کہ آج عالم اسلام میں جگہ جگہ روضوں اور مزاروں کی چوکھٹیں کعبہ کا دروازہ بنی ہوئی ہیں۔ درگاہوں اور مقبروں کی رونق نے مسجدوں کو دیران کر دیا ہے۔ زیارت گاہوں اور خانقاہوں نے شفاخانوں اور حفاظت گاہوں کی اہمیت کم کر دی ہے۔ اور آج ہر خاص و عام کا یہ ذہن بنا ہوا ہے کہ ناگمانی اُفتاد، موذی مرض، یا کوئی صدمہ یا پریشانی لاحق ہونے کی صورت میں وہ جوق در جوق انہیں آستانوں اور مزاروں کی طرف دوڑتے ہیں۔ غلاف کعبہ کی طرح ان روضوں کی چلیوں سے لپٹ کر آہ و زاری کرتے ہیں۔ کھلے بندوں قبروں کا طواف اور سجدہ کرتے ہیں۔ چلہ کشی اور جاروب کشی کے لئے مدتوں وہیں پڑے رہتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کی دیرینہ تمنائیں پوری ہوں گی، حالانکہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، بلکہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ قبریں اور مزاریں محض آڑ ہیں، جن کے پیچھے ایک ایسی تجارت کا بازار گرم ہے جس میں کہیں نقصان کا اندیشہ یا خسارے کا ڈر نہیں۔ جہاں عقیدہ توحید اور ایمان و یقین کا سودا ہوتا ہے، اور عزت و عصمت، شرم و حیا اور اخلاقی قدروں کا سرمایہ دار نیلام ہوتا ہے۔

اور یہ وہی نام نہاد علم کے دعویدار، اور تاریکی و ضلالت کے بیوپاری ہیں، جو ان شرکانہ رسوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، جو بزرگوں کی بوسیدہ ہڈیوں پر اپنے شیش محلوں کی تعمیر کرتے ہیں، اور محض اپنے مفاد کے لئے اس قسم کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ: ”ان کا دربار خدا

کا دربار ہے، جہاں ہر پریشانی کا علاج اور ہر درد کی دوا موجود ہے!“

ہم عرض کریں گے کہ ہر بندہ مومن کو، جسے خدا نے اپنی معرفت سے نوازا ہے، یہ باور کرانے کی قطعی ضرورت نہیں کہ ان مزاروں اور آستانوں کی آڑ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ خدا پرستی نہیں، کھلی ہوئی قبر پرستی اور بدترین قسم کا شرک ہے۔ جس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ پرستش کے لائق کوئی اور نہیں، نہ ہی نفع نقصان پہنچانا، یا عزت و ذلت دینا خدا کے سوا کسی کے اختیار میں ہے۔ اور یہی عقیدہ توحید کی روح، اور شانِ ربوبیت کے شایان ہے۔

۳۔ بہت سارے جاہل مسلمان خدا سے اتنا نہیں ڈرتے، جتنا کہ جنوں، شیطانوں، اور خبیث رُوحوں سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے برے اثرات سے بچنے کے لئے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کے نام کی بھیٹ دی جاتی ہے۔ نئے گھر کی چوکھٹ پر، یا نئے پل یا کنویں کی کھدائی کے وقت قربانی کی جاتی ہے۔ متعددی امراض اور وباؤں سے حفاظت کے لئے بکرے کاٹے جاتے ہیں۔ اور ان مشرکانہ عقائد کی باقاعدہ نشرو اشاعت ایک شیطانی مشین کے تحت ہوتی ہے، جس کے کل پرزے عام انسان ہوتے ہیں جو مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مشیت ایزدی اور کارگاہِ خداوندی میں خبیث رُوحیں اور شیاطین داخل ہیں۔ اور اس طرح محض علم سے ذوری اور دینِ خالص سے لاپرواہی کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان اتنا بڑا ظلم کرتے ہیں کہ بھوت پریت اور شیطانوں کو اپنے مالک و مولیٰ کا ساجھی اور ہمسرنا ڈالتے ہیں۔ (خدا کی پناہ)

۴۔ عوام کے اندر ایک رجحان یہ ہے کہ مشائخ طریقت، گمراہ صوفیا، خرق عادت کشف و کرامات کے مدعی پیروں اور فقیروں کی غیر معمولی تعظیم اور ان کے حکموں کی تعمیل کرتے ہیں۔ صاف و صریح آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی پیروی کی بجائے خود ساختہ اُردو و غائف کو روز مرہ کا معمول بناتے ہیں اٹھتے بیٹھتے شرکیہ فقرے اور کفر کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ حواس باختہ مجذوبوں اور نام نہاد بزرگوں کی طرف ایسی جھوٹی کمائیاں اور خرق عادت کرامات گھڑتے ہیں جن کو صحت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو خدا کا اوتار، دیوانے فقیروں کو روشن ضمیر، اور درویشوں کو دل کے بھیدوں کا واقف کار سمجھتے ہیں۔ اور ستم بلائے ستم یہ کہ ان سے فریاد اور دعا کے لئے ایسے قصیدے اور اشعار موزوں کرتے ہیں جو



صرف اللہ رب العزت کے شایان شان ہیں۔ ان سے عقیدت اور محبت کے اظہار میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ ظالم خدا کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا کہ ان گم گشتہ رہ انسانوں کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں، اور اپنا تن، من، دھن ان پر قربان کرتے ہیں۔ یہ سب کھلا ہوا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح بڑی طاقتوں اور غیر مسلم حکمرانوں کی چالپوسی اور جی حضوری کا رجحان تشویشناک حد تک مسلمانوں کے اندر عام ہوتا جا رہا ہے۔ یہ مرض دین و ایمان کے لئے اس وقت اور بھی خطرناک ہو جاتا ہے، جب دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے فرضی آقاؤں اور مجازی خداؤں کو خوش کرنے کے لئے حلال کو حرام، اور حرام کو حلال ٹھہرا دیتا ہے! اور اس کی غیرت و حیثیت اس حد تک مردہ ہو جاتی ہے کہ بازار کے مال کی طرح اس کی قسمت کا سودا ہوتا ہے، اور ہر کوئی اسے اپنی جھولی اور مٹھی میں بندھا ہوا سمجھتا ہے۔

ہماری نظر میں یہ غلامانہ ذنیت باری تعالیٰ کی شانِ ربوبیت میں شریک ٹھہرانے کا نتیجہ ہے اس لئے کہ مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے، لیکن اپنے خالق و مالک کے حق میں جھوٹا اور مشرک نہیں بن سکتا، چہ جائیکہ آغیار چاہیں یا نہ چاہیں، یہ اس حد تک گر کر ان کی اطاعت کے لئے آمادہ ہو کر خدا کی اطاعت کو بھی پس پشت ڈال دے۔ حالانکہ شریعت کا فیصلہ ہے کہ ”اضطرار اور مجبوری کے بغیر غیروں کی تابعداری اور فرماں برداری کرنا خدا کی ساتھ شرک اور کفر کرنے کے مترادف ہے۔“ اس کی تائید اور تصدیق حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔

حضرت عدی کی زندگی کا یہ قصہ مشہور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں آپ نے مسیحی مذہب اختیار کیا۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کے بعد اپنی عزیز بہن کے اشارہ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اسلام لانے کے بعد جب انہوں نے حضور ﷺ کی مجلس میں قرآن پاک کی یہ آیت سنی جس میں یہودیوں اور عیسائیوں پر اپنے علماء و مشائخ اور حضرت مسیح کو خدا بنا لینے کی صریح فرد جرم عائد کی گئی تھی:

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُءُفَاءَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ بَنَ مَرْيَمَ

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ (توبہ: ۳۱)

”ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح بن مریم کو خدا بنایا ہے، حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ (صرف) ایک معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔“

تو حضرت عدیؓ نے عرض کیا: ”ہم اپنے علماء اور مشائخ کو پوجتے نہیں تھے“ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ”بھلا بتلاؤ! کیا صورت حال یہ نہ تھی کہ ربی اور پادری جس چیز کو حرام کر دیتے، تم لوگ اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے؟ اور جس چیز کو وہ جلال کہہ دیتے، تم لوگ اس کو حلال نہیں سمجھتے تھے؟“ حضرت عدیؓ نے عرض کیا: ”ہاں، بے شک!“ آپ نے فرمایا: ”یہی ان کی عبادت کرنی ہے۔“ (احمد، ترمذی)

اخیر میں ہم عرض کریں گے کہ عالم اسلام اور ملت اسلامیہ کے اندر مظاہر پرستی اور مشرکانہ رسوم کی جو بھرمار ہے اس کی یہ ایک جھلک ہے!۔ اس خدا پرست امت کو جسے بارگاہ خداوندی سے ”خیر امت“ کا لقب ملا، اور جسے توحید خالص کی تبلیغ اور کفر و شرک کے مٹانے کے لئے برپا کیا گیا۔ خود اس امت کے اندر اس کے جراثیم سرايت کرنے کی وجہ ہمارے نزدیک صرف یہ ہے کہ یہ امت کتب و سنت کی صاف و صریح تعلیمات سے دن بدن دور ہوتی جا رہی ہے۔ جمالت اور برائیاں اس کے اندر عام ہوتی جا رہی ہیں۔ کتاب و سنت اور سلف صالحین کا اسوہ سیکھنے، اور عملی زندگی میں انہیں برتنے کے جذبات سرد پڑتے جا رہے ہیں۔ اور ان کے باقاعدہ دشمنان اسلام جو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین اور مذہب سے دور کر دیں۔ خدا پر ایمان و یقین کا عقیدہ، جو ان کی طاقت و قوت کا اصل سرچشمہ ہے، اسے بگاڑ کر اس چشمہ صافی سے ہلکیہ انہیں محروم کر دیں۔ ان کی یہ تمام سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہیں، اور مسلمان ہیں کہ منکرین اور مخالفین کے ان جھکندوں اور ان کی سازشوں سے بے پرواہ غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔

دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ بکدے میں برہمن کی پختہ زنادی بھی دیکھ!

سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ!

### ● توحید الوہیت:

توحید الوہیت کو ”توحید عبادت“ بھی کہا جاتا ہے۔ ربوبیت اور اسماء و صفات کی توحید کا اہم جز ہونے کی بنا پر بندہ مومن کی زندگی میں اس عقیدہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات لا حاصل اور بے نود ہے۔

”توحید ربوبیت“ کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کو خدا کی معرفت اور اس کی شان ربوبیت سے گہری واقفیت ہو۔ اور اس صفت میں وہ کسی کو خدا کا ثانی اور ہمسرنہ سمجھے۔

”توحید اسماء و صفات“ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے اسماء و صفات کے بارے میں کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے جو کچھ ثابت ہے اس کو کسی تمثیل، تاویل، یا تعطیل کے بغیر صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص سمجھے۔ اور اس کی کسی خوبی اور صفت میں کسی اور کو اس کا شریک کار اور مساوی نہ سمجھے۔

”توحید الوہیت“ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کی عبادت میں اکیلا اور فرد ماننے اور دل کی گہرائی سے اس کا اقرار کرے اور اعضاء سے اس کا اظہار کرے کہ عبادت اور بندگی کا مستحق بس وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔ توحید کامل کا بلند مقام یہ ہے کہ بندہ عملی طور پر یہ دکھا دے کہ اس کی بندگی کی تمام صورتیں اور اس کا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ وہ کامل طور پر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے اور بس پھر سب کچھ کرتے ہوئے بھی اس کی رحمت کا امیدوار اور اس کی ناراہنگی سے ڈرتا رہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ  
لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (انعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

● ”(اے پیغمبر یہ بھی) کہہ دو کہ بے شک میری نماز اور میری تمام عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں اللہ کے فرماں برداروں میں پہلا فرماں بردار ہوں۔“

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جس طریقہ پر گامزن ہیں، بعینہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے:

يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ  
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (انعام: ۷۸، ۷۹)

**ترجمہ** ”اے لوگو! جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ میں نے تو ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“

توحید الوہیت کے اسی عقیدے پر جسے اللہ نے اپنے لئے بیان کیا، جو قرآن کہیم اور احادیث صحیحہ سے کسی تمثیل، تکیف اور تعطیل کے بغیر ثابت ہے۔ اسی عقیدے پر خدا کے تمام انبیاء اور رسول قائم تھے، اور اسی کی شان یہ ہے کہ ہر نبی اپنے عہد مبارک میں اپنی قوم کو بس ایک دعوت دیتے تھے:

يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۝ (اعراف: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵)

(ہود: ۵۰، ۶۱، ۸۳)۔

**ترجمہ** ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

اسی مضمون کا عقیدہ کلمہ طیبہ ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کے اندر موجود ہے، جس کی تبلیغ و اشاعت گذشتہ نبیوں اور رسولوں کا اہم ترین مشن تھا۔ اسی کلمہ کی سر بلندی کے لئے ہر نبی مارے اور ستائے گئے ان سے دشمنی کی گئی، ان سے طویل جنگیں لڑی گئیں۔ اسی کی دعوت کو لوگوں میں عام کرنے کے لئے نبی آخر الزمان ﷺ کو سب سے زیادہ اذیت پہنچائی گئی۔ اور بعثت کے بعد سے ماحیات کسی دم نہ آپ کو چین لینے دیا گیا، نہ ہی آپ کے اصحاب کرام کو سکھ کی گھڑی گزارنے کی مہلت دی گئی۔ اس کلمہ کا زبان سے اقرار کرنا شہادتِ حسنہ اُلفت میں قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ یہ کلمہ درحقیقت باطل خداؤں کے خلاف کھلا ہوا اعلانِ جنگ ہے۔ اس کلمہ کو دل سے ماننا، اس عزم کا اظہار کرنا ہے کہ اب وہ ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف ایک ہستی کی طرف، اور تمام مذاہب سے رخ پھیر کر صرف ایک دین یعنی

’دین اسلام‘ کی طرف رخ کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت جب کہ سارے نبی اور رسول دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اور ان کے پیرو کار بھی پیوند خاک بن چکے ہیں، صرف یہی وہ دین ہے جو تاقیامت قائم و دائم اور زندہ و تابندہ رہے گا صرف اسی کے کلمہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ رنگ و نسل، ملک و زبان اور حسب و نسب سے بالاتر ہو کر ہر زمانے اور ہر ملک میں بسنے والے انسانوں کے اندر یکساں مساوات، عدل و انصاف، اور سچی بھائی چارگی کا پرچار کرتا ہے۔ اس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد گورا، کالے کا ہم پلہ بن جاتا ہے، غریب، امیر کا ہم مرتبہ ہو جاتا ہے۔ غلام اپنے آقا کے برابر میں آ جاتا ہے۔ اور شاہ و گدا کے درمیان، اور حاکم و رعیت کے مابین کوئی بھید بھاؤ، یا کسی قسم کا فرق مراتب باقی نہیں رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قیصر روم ”ہرقل“ کے نام حضور اکرم ﷺ نے جو مکتوب ارسال فرمایا، اس کا مرکزی مضمون یہ تھا:

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلاۃ کے بعد! اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر (مسلم) ہے، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا (اپنا) کارساز نہ بنائے۔“ (آل عمران: ۶۳۔ بخاری: ۹۰۷/۱، ۵۳/۳، ۵۷۰)

اسی ”توحید الوہیت“ یا ”توحید عبادت“ کا اثر تھا کہ ہر نبی جب اس کا کلمہ بلند کرتا، اور غیر اللہ کے مقابلہ میں عبادت اور بندگی کا صحیح حقدار صرف باری تعالیٰ کی ذات کو بتاتا تھا تو قوم ان کے خون کی پیاسی بن جاتی تھی، اور پھر دشمنی اور عداوت کی وہ آگ بھڑک اٹھتی جس کے تیز شعلوں میں رشتہ داری اور قرابت جل کر خاکستر ہو جاتی تھی۔ ماں باپ، اپنی اولاد کو، بھائی اپنے بھائی کو، اور خویش و اقارب، اپنے والوں کو چھوڑ دیتے، اور ان کی فطری محبت کو دل سے نکال پھیلتے تھے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ  
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ○

(پاجولہ: ۲۲)

”جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہوں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے طرز عمل کو پیش کرتے ہوئے دوسری جگہ یہ نصیحت فرمائی کہ دیکھو ان سمجھوں نے اپنی قوم اور اپنی برادری سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہیں۔ تمہارے ان مشرکانہ طریقوں کو ہم نہیں مانتے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ وَآ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَهُ

○ (ممتد: ۳)

”مسلمانو! ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، بیزار ہیں۔ ہم تم کو نہیں مانتے۔ اور جب تک تم خدا کے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی۔“

تاریخ گواہ ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے، جن کی دعوت کا محور یہی کلمہ طیبہ تھا کہ صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کرو۔ اور بتوں اور شیطان کی پرستش سے بچو، جو تمہیں ہدایت اور حق و صداقت کے راستے سے بے راہ کرنے کی سر توڑ کوشش میں لگے ہوئے ہیں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

○ (نحل: ۳۶)

”اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر (اس بات کے

سمجھانے کے لئے) بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے بچو۔“

”طاغوت“ طغیان سے بنا ہے، جس کے معنی آگے بڑھ جانے کے ہیں۔ اس کی جامع تعریف یہ ہے کہ طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائے۔ خواہ اسے معبود بنا کر اس کی بندگی کرے، یا اسے مقتدا سمجھ کر اس کی پیروی کرے۔ لہذا ہر قوم کا طاغوت وہ ہوگا جسے اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں لوگ اپنی اطاعت کا مرکز بنالیں۔ خدا کو چھوڑ کر اس کی بندگی کریں۔ یا اللہ کی طرف سے بصیرت کے بغیر اس کی پیروی کریں۔ یا ان باتوں میں اس کی اتباع کریں جن کے بارے میں ان کو علم نہ ہو کہ خدا کی مرضی یہی ہے، یا یہ اس کی مرضی کے خلاف ہے۔

”توحید الوہیت“ کی قدر و منزلت اور اسلام میں اس کے مقام سے کامل واقفیت کے لئے اس بحث کے اہم نکتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے۔ توحید الوہیت، یا توحید عبادت کی تعریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو سرے اور ایک رابطہ ہے، جو دونوں سروں میں جوڑ پیدا کرتا ہے۔

پہلے سرے پر ایک نحیف و ناتواں اور حقیر و نازک مخلوق یعنی خود حضرت انسان ہے، جو سراپا نیاز، اور ہر چیز کا محتاج ہے، جو تاحیات اپنے سے طاقت ور کی پشت پناہی اور اعانت کا خواستگار ہوتا ہے۔ جس کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی اسے نفع پہنچائے، یا کم از کم مضرت اور نقصان سے اسے نجات دلائے۔

دوسری طرف باری تعالیٰ کی ذات گرامی ہے، جو طاقت و قوت میں یکتا، حکمت اور بے نیازی میں فرد، اور سننے جاننے اور فوری گرفت کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔

درمیانی رابطہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہو، اور جس سے وہ راضی ہو۔ خواہ وہ اقوال و اعمال ہوں، یا افعال ظاہری یا باطنی ہوں، اور جنہیں بندہ اپنے دل کی گمراہی، اور نیت کی سچائی کے ساتھ صرف اپنے رب کے لئے کرے۔ اور انہیں اس طریقہ پر انجام دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے پیش کیا۔ اس تعریف کی زو سے ذیل کے نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے انسان کسی نہ کسی کا تابع فرمان، اور حکم کا پابند رہا

ہے۔ اس لئے کہ فطری طور پر وہ کمزور اور ناتواں ہے، اور بندگی، چاکری، اور تابعداری کے دائرے سے ایک لمحہ کے لئے باہر آنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسرے یہ عبادت اور بندگی اس نے یا تو خاص ذات باری تعالیٰ کے لئے کی ہے۔ مگر یہ اس وقت جب کہ انسان کو اس کا صحیح علم، اور اس کی سچی معرفت نصیب ہوئی ورنہ بصورت دیگر انسانوں نے ہر اس طاقت کے آگے جبین نیاز جھکائی ہے جسے انہوں نے اپنے سے بالاتر، اور نفع و ضرر کا موجب سمجھا ہے۔

۲۔ عقل و نقل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبادت خواہ ملی ہو یا بدنی، یا اس کا تعلق دل، زبان، یا دیگر اعضاء سے ہو، ان میں سے کوئی چیز اللہ کے سوا کسی اور کے لئے کرنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔ اس لئے کہ کائنات میں سب سے افضل اور بالاتر انسان کی ذات ہے، اور انسان کا سارا فضل و کمال اس کا ذاتی نہیں، بلکہ خدا داد ہے۔ وہ خود نحیف و ناتواں پیدا ہوتا ہے۔ پھر زندگی کی ساری بہاریں دیکھنے کے بعد اسی ضعف اور ناتوانی کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ لہذا اسے جو کچھ حاصل ہے سب عطیہ خداوندی اور فضل ربانی ہے۔ اس کے بالقابل باری تعالیٰ کی ذاتِ مجمع صفات، اور اس کی ہستی ہر عیب سے پاک و صاف ہے۔ طاقت و شوکت، معرفت اور علم و حکمت، بے نیازی اور قدرت، اور خلق و تکوین کی ہر ہر صلاحیت میں وہ یکتا اور بے ہمتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اور موجودات کا ہر اونٹ اور اعلیٰ اس کا محتاج ہے، اور خود وہ کسی کا محتاج نہیں، اس لئے عبادت اور بندگی کا مستحق صرف وہ ہے۔ اس کا ساجھی اور شریک کوئی اور نہیں۔

۳۔ عبادت قرب الہی کا سبب اور رابطہ اسی صورت بن سکتی ہے جب کہ اس کی ضروری معلومات حاصل ہو، اور مخصوص کیفیت اور جذبہ اخلاص سے دل اور نگاہیں سرشار ہوں۔ ورنہ اس کے بغیر کوئی عبادت نہ ظہور پذیر ہو سکتی ہے، نہ ہی سود مند یا کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔ جملہ عبادات کا طریقہ اور اس کی مخصوص معرفت حاصل کرنے کے لئے خدا پر، اس کے پیغمبروں پر، اور ان کی لائی ہوئی کتابوں پر ایمان لانے کے بعد یہ ضروری ہے کہ بندہ اپنے اوقات کو فارغ کرے اور پیغمبر کی لائی ہوئی کتاب اور اس کے بتائے ہوئے صاف تھمرے اور خالص طریقے کو براہ راست اس کے اصل سرچشمہ سے حاصل کرے، اور پھر اس کی کما حقہ



پیروی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بچہ ضروری ہے کہ شرک کے تمام مظاہر اور عبادات کے رایگاں جانے کی تمام صورتوں سے پرہیز کرے۔ تاکہ محنت اکارت نہ جائے۔ باری تعالیٰ کی شان ربوبیت میں شرک کرنا جتنا مضر ہے، اس کی بندگی میں شرک کرنے سے بھی حد درجہ نقصان پہنچتا ہے۔

چونکہ شرک کی جملہ اقسام کی وضاحت اور ان کی بیخ کنی اس کتاب کی تالیف کی اصل غرض ہے اس لئے ہم عبادت میں شرک کے عنوان سے ان مظاہر اور صورتوں کو علیحدہ بیان کرتے ہیں جو ملت اسلامیہ میں آج قدم قدم پر نگاہوں کے سامنے آرہی ہیں۔ خدا ہمیں نیک توفیق دے۔

### ● عبادت میں شرک اور اس کی شکلیں:

لفظ ”شرک“ شرک سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی ذات یا اس کی کسی صفت کا اقرار کرتے ہوئے، اوروں کو کم یا زیادہ کسی درجہ بھی اس میں شریک مانا جائے۔ شرک، توحید کی ضد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت، یا اس کے اسماء و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے، اور اس طرح اللہ کی عبادت میں غیروں کو حصہ دار سمجھنا کافروں کا شیوہ ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ سب کرنے والا جان بوجھ کر کرتا ہے، اور اس پر اصرار بھی کرتا ہے۔

شرک سب سے بڑا گناہ اور کفر کا مرادف اس لئے ہے کہ مشرک درحقیقت خدا کو جھٹلاتا ہے، اور اس کے ناموں اور صفتوں میں غیروں کو شامل کرنے کی زبردست نادانی کرتا ہے۔ نیز اس ایک شرک سے خواہ وہ کسی قسم کا ہو، ایک سے زائد خداؤں کا ماننا لازم آتا ہے۔ اور یہ کھلا ہوا جھوٹ اور کفر ہے۔ اس لئے کہ:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (آل عمران: ۱۸)

”اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔“

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (محمد: ۱۹)

”تو اسے پیغمبر! یقین رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

شرک کی دو قسم ہے۔ شرک اکبر، شرک اصغر (۱) سے شرک خفی بھی کہا جاتا ہے۔)

شرکِ اکبر کھلا ہوا کفر ہے۔ اور جو شخص اس پر مرا اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ لیکن جو شخص اس سے محفوظ رہا، مگر شرکِ اصغر کا اتنا مرتکب ہوا کہ گناہوں کا پلہ بھاری ہو گیا، تو وہ جہنم میں داخل ہوگا اور اگر کم ہوا، اور ساتھ ہی نیک عمل زیادہ رہا تو ایسی صورت میں مواخذہ نہ ہوگا۔ اور اسی وجہ سے یہ کفر کے مساوی بھی نہ ہوگا۔ چنانچہ صحیح حدیثوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:) حضور ﷺ نے فرمایا، تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر سب سے (سج و جال سے بھی) زیادہ ہے؟ وہ شرکِ اصغر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: حضور! شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریاکاری (کہ کوئی اللہ کے لئے نماز پڑھے، مگر کسی کو دکھانے کے واسطے اسے ڈر اور خوف سے پڑھے) (احمد)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کہا:

”جو اللہ چاہے، اور تم چاہو“ آپ نے فرمایا: کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ اس طرح کہا کرو، جو اکیلا اللہ چاہے“ (احمد)

نیز جس وقت صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے شکایت کی:

(آپ کے زمانہ میں ایک منافق تھا، جو مسلمانوں کو ستاتا تھا، کچھ لوگوں نے کہا: چلو ہم اس منافق کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے فریاد کریں۔ تو آپ نے فرمایا: ”مجھ سے نہیں، اللہ سے فریاد کی جاتی ہے۔“ (احمد، طبرانی)

نیز آپ نے فرمایا:

”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے (کفر یا) شرک کیا۔ (ترمذی، حاکم)

حضور ﷺ نے فرمایا:

”لوگو! اس شرک (اصغر، چھوٹے شرک) سے بچو۔ اس لئے کہ یہ چیونٹی کے ریگنے سے بھی زیادہ ہلکا ہے“ کہا گیا: حضور! جب یہ اتنا ہلکا ہے تو ہم اس سے کیسے بچیں؟ آپ نے فرمایا: ”تم یوں کہا کرو! اے اللہ! ہم اس شرک سے تیری پناہ چاہتے ہیں، جس کو ہم جانتے ہیں، اور اس شرک سے بھی تیری مغفرت چاہتے ہیں، جس کو ہم محسوس تک نہیں کرتے۔“ (احمد، طبرانی)

مذکورہ بالا صورتوں میں حضور ﷺ نے اس شرک کی مذمت تو فرمائی، لیکن اسے کفر یا اس کے مرتکب کو مرتد نہیں فرمایا۔ اسی لئے ہم نے اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک بنانے والے کو کافر اسی وقت گردانا، جب کہ اس کا کرنے والا جان بوجھ کر ایسا کرے۔ اور کسی

عداوت، دشمنی، تکبر، حب جاہ، حب مال، یا منصب کی خواہش پر، یا بلا کسی وجہ کے شرک کرنے پر آزار ہے۔

شرکِ اصغر ایک نازک موضوع ہے۔ لہذا مزید وضاحت کے لئے باری تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء اس کی صفات، اور اس کے افعال کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان کی توحید، اور ان کے کفر اور شرک کا فرق دونوں نمایاں ہو جائے۔

### ● (الف) ذاتِ باری:

خدائے تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کائنات کی ایک ایک چیز پر غور کرنا شریعت کی رو سے ثابت ہے، لیکن ذاتِ باری پر غور و فکر کرنے سے شریعت نے منع بھی کیا ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کی ذات مخلوقات کی ذات کے مشابہ نہیں۔ دوسرے انسان کی بصیرت اور اس کی عقل اس قدر نارسا اور خام ہے کہ ذاتِ باری کا ادراک اور اس کی حقیقت و ماہیت کا شعور اس کے بس کی چیز نہیں انسان سراسر مادہ سے بنا ہے۔ اس لئے اس کی نظر اور اس کی عقل مادی چیزوں کو دیکھ کر ان کی ماہیت کو سمجھ سکتی ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات مادہ اور اشیاء سب سے مادراء ہے۔ اس لئے کہ مادہ مخلوق ہے۔ اور ذاتِ باری اس کا پیدا کرنے اور بنانے والا ہے۔ یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر سلف کا یہ عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات مقدس میں کلام کرنے سے کامل پرہیز کرنا ضروری ہے، اور اس قسم کا سوال کرنا بدعت ہے۔ البتہ اس نے اپنی کتاب میں اپنے بہت سارے اسماءِ حسنیٰ اور اوصافِ عالیہ کا ذکر کیا ہے، اور بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اس کو ان ناموں اور صفوں سے پکاریں، اور ان کے ذریعہ وسیلہ تلاش کریں، اور ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۝ (اعراف: ۱۸)

”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، تو اس کو ان ہی ناموں سے پکارو۔“

اور اگر اس کے باوجود کوئی اس کی ذات کو مخلوقات سے تشبیہ دیتا ہے، یا کسی قسم کی تکلیف، تعطیل، یا تاویل کی کوشش کرتا ہے، یا اس کی حقیقت و ماہیت سے متعلق ایسا کوئی عقیدہ رکھتا ہے، جو اللہ کی کتاب اور اس کے آتارے ہوئے احکام سے ثابت نہیں، جس کے بارے میں کوئی صحیح علم نہیں، نہ ہی صحیح احادیث ان کے بارے میں وارد ہیں، تو اہل سلف اور جمہورِ امت کے نزدیک یہ سب کفر و شرک اور کھلی ہوئی گمراہی اور بدعت ہے۔

### ● (ب) اسماء و صفات:

سلف کا معمول تھا کہ اللہ کی ذات کی طرح اس کے ان اسماء و صفات پر بھی وہ ایمان لاتے تھے، جن کو اللہ نے خود اپنے لئے بیان کیا، اور اپنی کتاب اور رسول کی زبانی انہیں ناموں سے خود کو موسوم کیا، چنانچہ سلف انہیں کے ذریعہ اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرتے تھے۔ لہذا ہو، ہوان پر ایمان لانا ضروری ہے نہ ان کی من مانی تاویل کرنا جائز ہے، جو ظاہر کے خلاف ہو نہ ہی اس کی صفات کو مخلوقات سے مشابہت دینا جائز ہے۔ اگلوں نے اس علم کو یوں ہی سیکھا، اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ بعد والوں نے بھی اس کی پیروی کی، اور شرک، کفر اور بدعت کی پیروی سے منع کیا، جو سراسر ظلم اور بڑا گناہ ہے۔

اور اگر کوئی شخص تقدیس اور تنزیہ کے ارادے سے بھی صفات کی بیجا تاویل کرے تو یہ سلف کے معمول کی خلاف ورزی اور جہالت ہوگی۔ اس لئے کہ نہ خدا نے اپنے بندوں کو اس کا پابند کیا، اور نہ کہیں اس قسم کا کوئی حکم وارد ہے۔ مثال کے طور پر باری تعالیٰ کے یہ 'مجی'، 'استواء'، 'وجہ'، 'ساق' وغیرہ کے بارے میں سلف کا عقیدہ ہے کہ یہ صفات معلوم ہیں، لیکن ان کی کیفیت مجہول ہے۔ اور یہی بات تمام صفات کے بارے میں کہی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی یہ سے مراد قدرت الہی، 'مجی' سے مراد قضا و قدر یا نزول ملائکہ، 'استواء' سے مراد قبضہ قدرت، اور علو سے مراد قر خداوندی لے، تو یہ بدعت اور عقیدہ سلف کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس لئے کہ اگر اس قسم کی کوئی تاویل ہوتی تو ہم تک ضرور پہنچتی۔

### ● اس امر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ:

- — تشابہات میں پڑنا اور ان کی بے جا تاویل کرنا کوئی پسندیدہ بات نہیں۔ اس لئے کہ تلاش و جستجو اگر کسی درجہ مفید ہوتی، تو حضور ﷺ اس گوشہ کو تشنہ نہ رکھتے۔ کیونکہ امت کے لئے خیر کی جستجو اور بھلائی کا طالب آپ سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔
- — ذاتِ باری کی کنہ اور اس کی ماہیت کی جستجو بندے کے لئے مضر ہے۔ اس لئے کہ تلاش و جستجو اگر کسی درجہ مفید ہوتی تو باری تعالیٰ اپنی کتاب میں دیگر ضروری امور کی

طرح اس گوشہ کو بھی اُجاگر کرتا کیونکہ اپنی ذات سے جتنا باخبر وہ ہے، کسی اور کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس کے باوجود اس کی ماہیت کی جستجو کرنا باری تعالیٰ پر الزام دھرنے کے مترادف ہوگا۔

○ — باری تعالیٰ کی صفات کا جو مفہوم سلف کے نزدیک متعین ہے، اس کے خلاف کسی نیک نیتی ہی سے سہی، مثلاً تشبیہ وغیرہ سے بچنے کے لئے بھی اگر کوئی ان صفات کا دوسرا مفہوم مراد لیتا ہے، جیسے ”ید“ سے سلف نے صفت ید مراد لیا ہے۔ اگر کوئی اس سے قدرت الہی مراد لے، یا اس سے بھی نیچے اتر کر اگر کوئی انسانی ہاتھ سے اس کے ہاتھ کا، انسان کی آمد کی طرح اس کی آمد کا، اور بادشاہوں کی تخت نشینی کی طرح اس کی ”عرش نشینی“ کا تصور کرے، تو یہ انتہا درجہ کی جہالت، دروغ گوئی، اور کھلا ہوا شرک ہوگا۔ اور اس آیت سے کفر اور انکار لازم آئے گا، جس میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

”اس کے مثل کوئی چیز نہیں، نہ اس کے ہمسر کوئی ہے“ (شوریٰ: ۱۱)

○ — تشبیہ وغیرہ سے بچنے کے لئے، جو لوگ باری تعالیٰ کی صفات میں بیجا تادیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ جو الفاظ باری تعالیٰ کی صفات و افعال بیان کرنے کے لئے اختیار کئے گئے ان میں اکثر وہ ہیں جن کا استعمال مخلوق کی صفات کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً خدا کو ”حی“ ”سمیع“ ”بصیر“ ”متکلم“ وغیرہ کہا گیا۔ اور انسان کے لئے بھی یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں لیکن ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع و بصیر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوں گی۔ ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں، اور جو دیکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرے اس کا نتیجہ اور غرض و غایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو زویت بصری سے حاصل ہوتا ہے۔ مخلوق کو جب ”بصیر“ کہا گیا، تو یہ آلہ اور غرض دونوں چیزیں معتبر ہوں گی، اور دونوں کی کیفیت بھی معلوم ہوئی۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال ہوا، تو یقیناً وہ آلہ اور جسمانی کیفیت مراد نہیں ہو سکتی، جو مخلوق کے خواص میں سے ہے، اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے۔ البتہ ہمیں عقیدہ رکھنا ہوگا کہ ”دیکھنا“ اس کی ذات اقدس میں موجود ہے۔ اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے، اس کو بدرجہ کمال

حاصل ہے۔ آگے یہ کہ قدرت کے وہ ذرائع کیا ہیں؟ اور دیکھنے کی کیفیت کیسی ہے؟ تو سوائے اس کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہے، ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ جو اس نکتے کو نہیں سمجھتے وہ صفات میں بیجا تاویل کرتے ہیں، اور اس طرح ماوراء و عقل حقائق میں غور کر کے پریشان ہوتے ہیں جب کہ تاویل نہ کرنے والے خدا کی صفات کو بندوں کی صفات پر قیاس نہیں کرتے اور کفر و شرک اور جہالت سے محفوظ رہتے ہیں۔

### ● (ج) عباداتِ الہی:

توحید عبادت اور عبادات کی اقسام بیان کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ باری تعالیٰ نے ساری کائنات کو انسانوں کے لئے اور انسان کو اپنی عبادت اور اپنا ذکر و شکر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونِ ○ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ ○

(ذاریات: ۵۶-۵۸)

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ اور میں ان سے رزق کا طالب نہیں ہوں، اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا، قوت والا اور توانا ہے۔“

عبادت کا طریقہ اور اس کی اقسام کا جاننا وحی الہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے یہ علم تو قیفی ہے، اور اسی وجہ سے کتاب و سنت کا بڑا حصہ عبادات کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس علم کے مطابق خدا کی پرستش کرنے والا مقبول بارگاہ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی عبادت کرتا ہے، لیکن اپنی خواہشات کو اس میں شامل کرتا ہے، یا شیطان کے بمکادے میں آکر خدا کی پرستش میں مخلوق کو شریک کرتا ہے، تو یہ خدا کی بندگی نہیں ہوگی، نفس اور شیطان کی بندگی ہوگی، اور باری تعالیٰ اس قسم کی بندگی کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کا خالص اور مشروع طریقہ کیا ہے؟۔ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک اور صحیح احادیث میں عبادات کا طریقہ مفصل مذکور ہے۔ اور طالب با آسانی ہر دو چشموں سے استفادہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں توحید

عبادت اور مشرکانہ عبادت کی مختلف صورتوں کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ جملہ عبادت کا احاطہ کرنے کے لئے ابتداء میں ”قلب کے اعمال و عبادت“ کا ذکر ہوگا اور ”اعضاء و جوارح کی عبادت“ پر یہ بحث ختم ہوگی۔

### ● (الف) قلب کے اعمال و عبادت:

یعنی وہ عبادت جن کا تعلق براہ راست دل سے ہے۔ جیسے، ایمان و یقین، محبت، خوف و خشیت، رجاء و رغبت، توبہ و انابت، اور توکل وغیرہ

۱۔ ایمان و یقین: باری تعالیٰ کے وجود اور اس کی شان ربوبیت کو دل سے ماننا اور اس پر یقین کرنا ایمان کی بنیاد ہے۔ نیز یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ وہی تمام انسانوں کا خالق اور پروردگار ہے۔ اس کے تمام احکام برحق ہیں۔ فرشتے، تمام آسمانی کتابیں، صحیفے (جو پیغمبروں پر اتارے گئے) نبی اور رسول، قیامت، حشر و نشر، جزا و سزا، جنت اور جہنم، اور اچھی بری تقدیر تمام چیزیں برحق ہیں ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ  
رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ، وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ  
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا لَئِيْبَعِيدًا ۝ (نساء: ۱۳۶)

”اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر

نازل کی ہے، اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں، سب پر ایمان لاؤ۔ اور جو شخص

اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے

انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھگ کر ڈور جا پڑا۔“

اور جو کوئی ان میں شک کرتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا پالنہار سمجھتا ہے، یا

بندگی میں غیروں کو شریک کرتا ہے، وہ کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔

۲۔ محبت: عبادت کے لئے بے انتہا خوف و خشیت کے ساتھ دل میں غایت و رجا

محبت کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ بغیر اس کے معرفت الہی اور قرب نصیب نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ یہ ضروری ہے کہ بندہ اللہ سے 'اس کے دین سے' اور اس کے محبوب بندوں سے محبت کرے، اور جو شخص اللہ کو محبوب رکھے گا لازمی طور پر وہ اس کے نیک بندوں کے عقائد اور ان کے اقوال و اعمال سے بھی محبت کرے گا۔ اور جس کو اللہ سے محبت نہ ہوگی، اسے دین سے 'اس کے نیک بندوں سے اور ان کے اقوال و اعمال سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی'۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۝ (بقرہ: ۱۶۵)

”لیکن جو لوگ ایمان والے ہیں ان کو اللہ کی محبت سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔“

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ  
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (آل عمران: ۳۱)

”اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم (واقعی) اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”خدا یا! مجھے اپنی محبت نصیب فرما، اور جن کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے، ان کی محبت دل میں پیدا فرما۔ خدا یا! جن سے مجھے محبت ہو، اپنی چاہت کے کاموں میں ان کی محبت کو میرے دل میں مضبوط فرما۔ خدا یا! جن کی محبت کو تو نے میرے دل سے نکال دیا، ان سے مجھے بے نیاز کر دے اور اپنے پسندیدہ کاموں کی محبت کو میرے دل میں پیدا فرما۔“ (ترمذی، ۴۳)

اس محبت سے — جو ریا اور شرک کی آمیزش سے پاک ہو — نفع کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور اگر کسی نے وہ محبت کی جو خدا کو ناپسند ہے، جیسے باطل معبودوں کی محبت، دنیا اور دنیا داروں کی محبت وغیرہ، تو یہ توحیدِ عملوت اور توحیدِ محبت کے منافی اور اس عقیدے کے لئے مضر ہے۔ اس لئے کہ اس محبت کے دل میں پھوسٹ ہو جانے کے بعد بندہ خدا اور رسول کی معصیت پر دلیر ہو جاتا ہے۔ خدا کی بزرگی اور عظمت دل سے نکل جاتی ہے، اور اس کی جگہ غیروں کی محبت اور دل میں ان سے خوف اور دہشت پیدا ہو جاتی ہے۔

۳۔ خوف و خشیت: ”خوف و خشیت“ خدا کے نیک بندوں کا شعار ہے۔ اس



لئے کہ باری تعالیٰ نے اپنے سے ڈرنے اور غیروں سے نہ ڈرنے کی بار بار تاکید فرمائی:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاحْشَوْنِ ۝ (مائدہ: ۴۴)

” (حق کی پیروی میں) لوگوں سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ ہی سے ڈرو۔“

کہیں یہی حکم ”خوف“ کے لفظ سے مذکور ہے:

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُواهُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران: ۱۷۵)

” تو تم ان سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ ہی سے ڈرو۔“

جو لوگ بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کا صلہ یہ ہے کہ:

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ (ملک: ۴)

” بے شک جو لوگ بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ان کے لئے مغفرت

اور بڑا اجر مقرر ہے۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ خوف و خشیت بھی خدا کی عبادت ہے، جس کا تعلق دل سے ہے۔ اور دیگر عبادات کی طرح اس عبادت میں بھی توحید کی رعایت کرنا بے حد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص غیر اللہ کو بڑا مان کر اس سے ڈرتا ہے، یا کسی اضطراب یا مجبوری کے بغیر خدا کی نافرمانی کرتا ہے، ایسا شخص عبادت میں شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

۴۔ رجاء و رغبت: جس ذات کے دست قدرت میں خیر ہے، اور جو اسے عطا کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اس سے خیر کی تمنا اور اس کے حصول کا انتظار کرنا ”رجاء“ کہلاتا ہے۔ اور یہی ”رغبت“ کی تعریف ہے۔ خدا کے نیک بندوں نے ہر طرح سے اپنے رب کی بندگی کی ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لے لغت کی رو سے ان دونوں کے درمیان ہلکا سا فرق ہے ”خوف“ جس کا ڈر ہو، اگر اس کی عظمت اور بڑائی کا دل میں احساس نہ ہو تو اس ڈر کو خوف کہا جاتا ہے۔ ”خشیت“ اور اگر اس کی عظمت بھی دل میں جاگزیں ہو تو یہ خشیت کہلاتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ

رَبِّهِ أَحَدًا ۝ (کاف: ۱۱۰)

”تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔“  
نیز ارشاد ہے:

لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۝ (آب: ۲۱)

”اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہے۔“  
نیز فرمایا:

وَيَذَّعُنَا رَعْبًا وَرَهْبًا وَكَانُوا لَنَا خُشِعِينَ ۝ (انبیاء: ۹۰)

”اور ہم کو امید اور خوف سے پکارا کرتے تھے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔“

حضور ﷺ کو تعلیم دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

فَإِذَا فَرَعْتَ فَأَنْصَبْ وَالْمَى رَيْكَ فَارْغَبْ ۝ (اشراخ: ۷)

”تو جب تم (تلخ کے کاموں سے) فارغ ہوا کرو تو (عبادت میں) محنت کیا کرو اور اپنے پروردگار کی طرف (پورے طور پر) توجہ کیا کرو۔“

چونکہ عزت و ذلت، ملک و حکومت اور خیر و برکت سب باری تعالیٰ کے دست قدرت

میں ہے:

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءَ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءَ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (آل عمران: ۲۶)

”اے پیغمبر! تم یوں) کہو کہ اے اللہ سارے ملک کے مالک، تو جس کو چاہے سلطنت عطا کرے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے“

اور جسے چاہے ذلت دے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

اس لئے غیر اللہ سے خیر کا طلب کرنا یا اس کی امید رکھنا حد درجہ گمراہی اور باطل ہے، اور اس کا مرتکب مشرک ہے۔

۵۔ توبہ اور انابت: کسی گناہ کے بعد احساسِ ندامت کے ساتھ باری تعالیٰ کی طرف اس عزم و ارادے سے متوجہ ہونا سچی توبہ کہلاتا ہے کہ اب وہ پلٹ کر کبھی گناہ نہیں کرے گا۔ (جیسے تھن سے دودھ نکالے جانے کے بعد دوبارہ اسے تھن میں لوٹانا ممکن نہیں۔) توبہ ایک عبادت ہے۔ ارشاد ہے۔

وَأَيُّبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ ۗ (زمر: ۵۴)

”اور تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ۔“

باری تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کو وہ ہدایت دیتا ہے۔

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ۗ (شوری: ۱۳)

”اور جو اس کی طرف رجوع کرے، اسے اپنے تک رسالی دیتا ہے۔“

اور عام مسلمانوں کو انہیں کی پیروی کرنی چاہئے:

وَاتَّبِعْ مَسْجِدَ مَنْ آتَابَ إِلَيْ ۗ (لقمن: ۱۵)

”اور جو میری طرف رجوع کرے، اس کے راستے پر چلنا۔“

جب یہ حقیقت مسلم ہے کہ عزت و ذلت، نفع و ضرر، اور ہر قسم کی داد و دہش صرف باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ اس لئے غیروں سے اس کی توقع رکھنا جہالت، اور اس قسم کی حرکت کرنے والا مشرک ہے۔

۶۔ توکل: اسباب کو کام میں لاتے ہوئے نتیجہ کو باری تعالیٰ کے حوالہ کر دینا، اور ساتھ ہی یہ ایمان و یقین رکھنا کہ کاسمیابی کا مدار اللہ کی توفیق اور اس کی رحمت پر ہے، توکل کہلاتا ہے۔ باری تعالیٰ نے جا بجا اسی توکل کی تاکید فرمائی ہے، اور اسے اصل ایمان اور عظیم عبادت قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ○ (احزاب: ۴۸)

”اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ کافی کارساز ہے۔“

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ (مائدہ: ۲۳)

”اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔“

اس کا وعدہ ہے کہ جو اپنی مہارت اور عمل پر نہیں، اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کیلئے کافی ہوتا ہے، اور غیب سے اس کے لئے راہ کھول دیتا ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ○ (طلاق: ۳)

”اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔“

توکل، اس کے خاص بندوں کا شعار ہے:

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ○ (ابراہیم: ۱۲)

”اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ توکل خالص دل کا فعل ہے۔ اس لئے کہ بندہ دل سے یہ یقین کرتا ہے۔ کہ اس کا خدا اس کے لئے کافی ہے۔ اپنے دل میں اسی یقین کو جما کر وہ بس بھر کوشش کرتا ہے، لیکن اپنی کوشش پر بھروسہ کرنے کی بجائے خدا کی ذات پر اعتماد کرتا ہے، اور پھر مطمئن ہو جاتا ہے کہ جو ہو گا اس کی مرضی کے مطابق ہو گا۔ وہ نہ چاہے گا تو کچھ نہ ہو گا۔ اس لئے کہ وہی قادر مطلق، دانا و مینا، اور اپنے بندوں کے لئے کافی و کافی ہے۔ بس یہی اعتماد و یقین ایمان کامل کی نشانی ہے۔ لیکن جس شخص کے اندر یہ نعمت نہیں، اور جو خدا پر اعتماد کرنے کی بجائے غیروں پر اعتماد کرے، یا خدا پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی عقل و دانش پر بھروسہ کرے، وہ مشرک اور بے دین ہو گا۔

### ● (ب) اعضاء و جوارح کی عبادت:

اکثر عبادت اور اعمال، اعضاء و جوارح سے ادا ہوتے ہیں۔ اقلہ عام کے لئے بطریق اختصار چند مخصوص عبادتوں کو درج کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جن عبادتوں کو مسلمانوں نے شرک سے دانہ دار بنا رکھا ہے:

۱۔ خدا سے کوئی حاجت یا دل کی مراد مانگنا یا مصیبت سے حفاظت چاہنا ”دعا“ کہلاتا ہے۔ دعا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، بلکہ حدیث میں ہے کہ:

”دعا عبادت کا مغز ہے“ — ”دعا بھی عبادت ہے“

(ترمذی، ۳۰۱۶-۳۰۱۷، ابوداؤد، ۳۴۱/۱)

اور جس طرح مغز نہ ہو تو چھلکا ہی چھلکا رہ جاتا ہے، اسی طرح بغیر دعا کے عبادت بے وقعت ہوتی ہے۔ دعا کے اندر عبادت کی تمام صورتیں جیسے، فروتنی، انکساری، عاجزی، خشوع و خضوع اور خدائے تعالیٰ سے پانے کی امید اور غیروں سے نہ ملنے کا یقین، سب ہی مکمل طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کے اچھے ناموں کا تصور پیدا ہوتا ہے، اور ان کے توسل سے بندہ اپنی درخواست خدا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ سجدہ کی حالت میں دعا کے اندر فروتنی اور انکساری مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے عبودیت کا اظہار زیادہ ہوتا ہے کہ دو عبادت ایک ساتھ جمع ہوتی ہے۔ اسی لئے سجدہ میں کی گئی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

دعا کے اندر بندے کا تصور یہ ہوتا ہے کہ جس کے سامنے وہ اپنی مرادیں پیش کر رہا ہے، وہ اس کی سنتا ہے، اس کے دل کے بھیدوں کو جانتا ہے، اور ان کے پورا کرنے پر بخوبی قدرت رکھتا ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ یہ اوصاف صرف باری تعالیٰ کے اندر موجود ہیں۔ کسی دوسرے کے اندر ان کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس لئے عقل و نقل کا تقاضہ ہے کہ دعا صرف باری تعالیٰ سے کی جائے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ○ (جن: ۱۸)

”اور یہ کہ مسجدیں تو اللہ ہی کے لئے ہیں، تو تم اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔“

اب اگر کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی نبی یا رسول کو پکارتا ہے، اولیاء صالحین، یا پیروں اور فقہیروں سے فریاد کرتا ہے، ان کے سامنے عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرتا ہے، تو یہ فعل حرام اور شرک ہوگا، اور ایسا کرنے والا ظالم، جاہل اور مشرک مانا جائے گا۔

۲۔ استغاثہ: یعنی مدد مانگنا۔ پریشانیوں، بھوکے، پیاسے کی حاجت روائی اور امداد کرنا۔ استغاثہ، دعا کی قبیل سے ہے۔ دعا کی طرح حاجت بھی اسی ذات واحد کے سامنے پیش

کرتی چاہئے، جو بندے کی حالت اور اس کی حاجت سے باخبر ہے، اس کی سنتا ہے، اور اس کی حاجت روائی کر سکتا ہے۔

بتائیں خدائے تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق سے مدد طلب کرنا، اسے حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔ خواہ وہ مخلوق نبی، رسول، صدیقین، شہداء، یا صالحین ہوں، یا کوئی زندہ مردہ ہو، غیر اللہ سے وہ چیزیں مانگنا بھی شرک ہے، جو صرف باری تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ مثلاً اولاد یا روزی مانگنا، گمشدہ کی واپسی کا سوال کرنا، تکلیف اور مصیبت دور کرنے کی درخواست کرنا، اور ہر وہ چیز مانگنا جو کسی مخلوق کی قدرت و امکان سے بعید ہے۔ ان تمام افعال، یا ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرنے والا باری تعالیٰ کے ساتھ شرک کا مرتکب ہوگا، جس کی بخشش اللہ سے توبہ کے بغیر ممکن نہیں۔

البتہ جو چیز کسی زندہ مخلوق کے امکان میں ہو، اور وہ فریاد بطریق عبادت اللہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو، اور جس سے فریاد کی جائے وہ پکار کو سنتا ہو، تو اس کو اس سے مانگنے میں مضائقہ نہیں۔ جیسے اپنی کسی ضرورت میں دوسرے سے مدد چاہنا یا ڈبے، یا آگ سے بچنے کے لئے مدد طلب کرنا برا نہیں ہے۔

۳۔ استعانت: یہ استغاثہ کا ہم معنی ہے۔ یعنی مدد طلب کرنا، یا مشکلات سے گلو خلاصی چاہنا، خدائے تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے نفع نقصان، عزت ذلت، یا مصائب میں مدد طلب کرنا، شرک ہے۔ یوں ہی کسی زندہ مردہ یا غائب کو پکارنا اور اس کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی شرک ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے رب سے مدد مانگیں، اور اسی سے فریاد کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ○ (فاتحہ: ۵)

”ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں، اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اسی کی تلقین کرتے ہوئے حضور ﷺ نے

فرمایا:

”جب مانگو تو اللہ سے مانگو، اور جب مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔“ (ترمذی: ۵۹)

بتائیں کسی زندہ عاجز، یا غائب مردہ سے مانگنا بر خود غلط، باطل اور عبادت میں شرک

کے مترادف ہو گا۔

۴۔ نذر: ”پیشکش“ وہ چیز جو خدا کے حضور پیش کی جائے۔ کوئی عبادت جسے بندہ اپنے اوپر لازم کر لے، اور تقرب کی نیت سے خدا کے سامنے پیش کرے۔ کبھی مشکل یا پریشانی کے وقت، یا دل کی مراد کو پورا کرنے کی غرض سے منت مانی جاتی ہے۔ مثلاً اگر بیمار کو صحت حاصل ہوئی، یا گمشدہ واپس آیا، یا فلاں ضرورت پوری ہوئی، تو جانور قربان کرے گا، یا اس قدر مال خدا کی راہ میں خیرات کرے گا، یا اس قدر روزہ رکھے گا، یا اتنی نمازیں پڑھے گا، یہ سب نذر کہلاتا ہے۔ نذر ایک مخصوص عبادت ہے، اور جو لوگ نذر ماننے کے بعد اس کو پورا کرنے کا التزام کرتے ہیں، باری تعالیٰ ان کی ستائش کرتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

يُؤْفُونَ بِالنَّذْرِ ○ (الانسان: ۷)

”یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔“

ایک اور موقع پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ○ (بقرہ: ۲۷۰)

”اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، یا کسی طرح کی نذر مانو، تو اللہ کو

سب معلوم ہے۔“

شریعت کی نظر میں کسی شرط کے بغیر خالص اللہ کے لئے نذر ماننا سب سے بہتر عمل ہے۔ اس لئے کہ مشروط نذر کو حضور ﷺ نے یہ کہہ کر ناپسند فرمایا ہے کہ:

”اس قسم کی نذر پوری کرنا کوئی بہت اونچا عمل نہیں۔ یہ تو بخیل کو خرچ کی ترغیب دینے کا

ایک ذریعہ ہے۔“ (القول والمرجان ۱۶۸/۲)

نذر سے متعلق مذکورہ بالا ضابطوں کی بنیاد پر یہ جان لینا چاہئے کہ خدا کے سوا کسی اور کے لئے نذر ماننا شرک ہے۔ اولیاء صالحین، یا کسی بھی زندہ مردہ کے لئے نذر ماننا کھلا ہوا شرک ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ نذر ایک قلبی عبادت ہے، نذر ماننے والا خیر کی جستجو میں اپنے دل کی چاہت اور رغبت کا نذرانہ اس ذات کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ جس کی قدرت اور بے نیازی کو وہ دل سے مانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ خود وہ اس کے سامنے عاجز اور درماندہ ہے۔

جاہل بدعتی ایک فریب یہ کرتے ہیں کہ کہتے ہیں: ”نذر تو اللہ کے لئے ہے اور ثواب اولیاء صالحین کے لئے۔“ یہ جہالت اور گمراہی ہے۔ اول تو کسی کو ولی کہنا ”دعوئی بلا دلیل“ ہے۔ اس لئے کہ کون جانے کہ وہ ولی ہے، یا شیطان؟ دوسرے اس قسم کی نذر سے خدا بے نیاز ہے۔ اس لئے یہ نذر درحقیقت ولی اور پیر فقیر کے لئے ہے۔ اور یہ جہالت اور کھلا ہوا شرک ہے۔

۵۔ قربانی کرنا: قربانی کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، جس سے خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ قربانی میں یہ ذبح شامل ہیں۔ عید الاضحیٰ کی قربانیاں، ہدی کے جانور جو حج میں خانہ کعبہ کے پاس ذبح کئے جاتے ہیں۔ عقیقہ یعنی بچہ پیدا ہونے کے ساتویں دن کی قربانی۔ ولیمہ کا ذبیحہ، فقیروں اور مسکینوں کو خیرات دینے کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے۔ یہ تمام ذبیحے کتاب و سنت کی رو سے مشروع ہیں۔ اور اگر کرنے والے کے اندر اخلاص نیت اور لہیت ہے تو اسے ثواب اور خدا کا تقرب یقیناً نصیب ہوگا۔ لیکن کوئی شخص اگر غیر اللہ کے لئے جانوروں کو ذبح کرے، خدا کے سوا کسی سے نفع کی توقع اور نقصان کے دفعیہ کی امید رکھے، یا انہیں خوش کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی کرے، تو یہ خدا کی عبادت میں کھلا ہوا شرک ہوگا، جس سے توبہ کرنا لازم ہے۔

اس موقع پر ان تمام جاہل بدعتیوں کو تنبیہ کرنا ہم دینی فریضہ سمجھتے ہیں جو عرس اور ولادت و وفات کے موقعوں پر قبروں، مزاروں اور درگاہوں کے گرد جانوروں کی قربانی کرنے میں کثیر مال خرچ کرتے ہیں، اور اس کو اس قدر افضل سمجھتے ہیں کہ اس کے آگے تقویٰ طہارت، فرائض و واجبات کی ادائیگی، اور سنتوں کی پابندی کو ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ اور اگر کوئی ان کی اصلاح کے لئے انہیں منع کرتا ہے، تو جاہل یہ کہتے ہیں کہ ہم انہیں خوش کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں، تاکہ ان کے جاہ و مرتبہ کا ہمیں سہارا حاصل ہو، اور یہ ہماری دنگیری کریں۔ اس لئے کہ نجات کی کنجی اور شفاء و برکت کا خزانہ انہیں کے ہاتھوں میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ کے بغیر نہ دعائیں سنتا ہے، نہ عبادت قبول کرتا ہے! (حالات کہ یہ محض فریب ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا نہ کوئی شریک ہے، نہ کوئی اس کا ساجھی ہے۔ لیکن خانقاہوں اور درگاہوں کے ان خضر صورت بیوپاریوں نے ایک خدا کا دربار چھوڑ کر ہزاروں چھوٹے چھوٹے



دربار پیدا کر دیئے، اور جو آداب، مراسم اور قربانیاں دربار خداوندی کے سزاوار تھیں، وہ سب ان جھوٹے درباروں کے لئے بھی مخصوص کر دیں۔

اسی قسم کا مشرکانہ ذبیحہ وہ ہے جو جادو ٹونے یا آسیب کو دفع کرنے کے لئے مختلف استخوانوں اور آستانوں پر عمل میں آتا ہے۔ جنوں اور شیطانوں سے حفاظت، اور انہیں خوش کرنے کے لئے نئے گھر کی چوکھٹ پر بکرا ذبح کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ذبح کرنا صریح شرک اور کفر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ تَعَالَى مِنْ ذَلِكَ۔

۶۔ رکوع سجدہ: (نماز کی ہر رکعت میں قرأت ختم ہونے کے بعد ”رکوع“ اور رکوع سے اٹھ کر ”سجدہ“ کیا جاتا ہے۔ ہر مسلمان روز مرہ کی فرض اور سنت نمازوں میں بیسیوں رکوع اور سجدے کرتا ہے۔ اسلام کی اس اہم ترین عبادت کے اندر ان دونوں کی حیثیت رکن کی ہے۔ ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہو سکتی۔ رکوع اور سجدہ بندگی اور عبادت کا کامل ترین مظہر ہے۔ اس لئے باری تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو بطور خاص اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا مَا كُفَرْتُمْ وَأَسْجُدُوا وَعَبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (ج: ۷۷)

”اے ایمان والو! (اللہ کی جناب میں) رکوع اور سجدہ کرو، اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو، اور نیکی کرتے رہو، تاکہ کامیاب رہو۔“  
حضرت مریم کو حکم ہوا کہ:

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ○ (آل عمران: ۴۳)

”اے مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرتی رہو، اور (اس کی جناب میں) سجدہ کیا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔“  
اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لئے نبی آخر الزماں کو حکم ہوا کہ:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○ (ملق: ۱۹)

”اور نماز پڑھتے رہو، اور قرب حاصل کرتے رہو۔“

رکوع جس میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھ کر سر کو نیچے جھکا دیا جاتا ہے۔ اور سجدہ جس میں زمین پر دونوں ہاتھ رکھے جاتے ہیں، اور پیشانی کو دونوں ہاتھوں کے درمیان زمین پر رکھا جاتا ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں حالتیں حد سے زیادہ تذلّل اور عاجزی و انکساری کی علامت ہیں۔ اور صرف باری تعالیٰ کی ذات اس کی حقیقی مستحق ہے۔ لہذا جو لوگ قبروں، مزاروں، یا زندہ انسانوں کو سجدہ کرتے ہیں، وہ گناہ کبیرہ اور شرک اکبر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے تنبیہ کی ہے کہ وہ سب کچھ معاف کر سکتا ہے، لیکن شرک کو معاف نہیں کرے گا، ہاں مرنے سے پہلے اگر صدقِ دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ○ (نساء: ۴۶)

”بلاشبہ اللہ اس گناہ کو نہیں بخشنے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے، اور اس کے سوا (دوسرے گناہ) جس کے لئے چاہے گا، بخش دے گا۔ اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا وہ (سیدھے راستے سے) بھٹک کر دور جا پڑا۔“

۷۔ طواف اور حجر اسود کا بوسہ: خانہ کعبہ کا طواف اور اس کے گرد پھیرا لگانے کو باری تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے، اور اس کا حکم دیا ہے کہ:

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○ (ج: ۲۹)

”اور اس قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔“

اور حجر اسود کا بوسہ لینا صحیح حدیث کی رو سے ثابت ہے۔ اس لئے صرف خانہ کعبہ کا طواف اور حجر اسود کا بوسہ لینا شروع ہے۔ اب اگر کوئی کسی آستانے، درگاہ، زیارت گاہ، مزار، یا کسی قبر، یا صاحبِ قبر کی عظمت کا تصور کر کے اس کے گرد چکر لگائے گا، یا ان کا بوسہ لے گا، یا کسی دیوار، کونے، زاویے، تابوت، صندوق، چوکھٹ، دروازے، یا اس کی کڑیوں کو چومے گا، تو یہ جہالت اور بدعت ہوگی، اور اگر نفع نقصان کی توقع رکھ کر اس قسم کی کرمہ حرکت کرے گا، تو یہ کھلا ہوا شرک ہوگا، جسے توبہ کے بغیر باری تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔

۸۔ دیگر عبادات: ان کے علاوہ وہ تمام عبادتیں جنہیں باری تعالیٰ نے تقرب کے حصول کے لئے فرض فرمایا، یا جنہیں حضور ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے مشروع فرمایا۔ جیسے نماز، روزہ، حج، عمرہ، زکوٰۃ، قربانی، نذر، خیرات، اعتکاف، جہاد سرحدوں کی پرمیاری، ہر قسم کی نیکی اور صلہ رحمی، ذکر، دعا، خیر کی دعوت، برائیوں سے ممانعت، علم سیکھنا، اور سکھانا، اور تمام عبادتیں جن کا ثبوت کتاب و سنت سے ملتا ہے، ان کی ادائیگی کے وقت صرف رضاء الہی اور اس کی خوشنودی کا خیال دل میں رکھنا چاہئے۔ ریاکاری، بدنیتی، اور نمائش سے بالکل پرہیز کرنا چاہئے۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ کے سوا غیروں کے لئے کی، تو یہ شرک ہوگا۔

کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی بنیاد جس اخلاص نیت اور توحید خالص پر قائم ہے، اس عقیدے میں اس قسم کے فعل بد کی کوئی گنجائش نہیں ہے (نہ ہی فتنہ شرک کی طرح مخلوقات میں کوئی فتنہ پایا جاتا ہے۔ اور اگر شرک کا مرتکب اسی حال میں مرا تو اس کے لئے جہنم ناگزیر ہے۔)

۹۔ لالچ یا ڈر کی وجہ سے عبادت چھوڑ دینا: باری تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ

○ (محمد: ۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو، اور

اپنے اعمال کو ضائع نہ ہونے دو۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اہم عبادت ہے، اور خلاق میں سے کسی کے کہنے سننے میں آکر، یا کسی لالچ یا ڈر کی وجہ سے عبادت چھوڑ دینا شرک اکبر اور بہت بڑی معصیت ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کی اطاعت صرف نیک کاموں میں ہونی چاہئے۔ اگر کوئی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خدا کو ناراض کرے تو یہ خدا کی معصیت اور سخت بے حیائی شمار ہوگی۔

۱۰۔ قسم کھانا: خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کی بزرگی کا دھیان دل میں

جما کر اس کے نام کی قسم کھانا بھی ایک عبادت ہے۔ اس لئے قسم صرف باری تعالیٰ کی کھانی چاہئے۔ جو کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی قسم کھاتا ہے، شرک کرتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”سنو! باری تعالیٰ تمہیں تمہارے آباء و اجداد کی قسم کھانے سے روکتا ہے، اس لئے جو قسم کھانا چاہے، خدا کی قسم کھائے، ورنہ چپ رہے۔“

(المؤلوٰۃ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان ۱۷۰/۲) نیز فرمایا:

”جو شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے، شرک کرتا ہے۔“ (دوسری روایت میں ہے کہ) ”وہ خدا کا انکار کرتا ہے۔“ (ترمذی، احمد، حاکم)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”جس نے قسم کھانے میں یوں کہہ دیا: ”لات وعزیٰ کی قسم!“ تو (بعد میں)

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کہہ دے“ (المؤلوٰۃ والمرجان ۱۷۰/۳۔ مسلم: ۸۱/۵)

شرک کے ان مظاہر کے علاوہ اُمت میں ”وسیلہ“ ”شفاعت“ ”توسل“ اور ”تبرک“ کے نام سے جگہ جگہ شرک کی بڑی بڑی ذکائیں بھی ہیں، جہاں استثنائی وسیع پیمانے پر واسطہ، وسیلہ، اور سفارش کا بیوپار ہو رہا ہے (اور خالق و مخلوق کے درمیان بڑی بڑی دیواریں حائل کر کے اللہ کو اس کی خدائی میں اس قدر محصور کر دیا گیا ہے کہ وہ ”تجّ فلاں“ اور ”بحرمت فلاں“ کی صداؤں کے بغیر کسی کی سن ہی نہیں سکتا! خدا کی بناہ!) اس لئے بحث کے ختم سے پیشتر ضروری ہے کہ اس اہم موضوع کے مخفی گوشوں کو اجاگر کیا جائے، تاکہ وسیلہ اور اس کی حقیقت سے ہر خاص و عام واقف ہو جائے، اور حجت تمام ہو۔



## وسیلہ اور اس کی حقیقت

### ● وسیلہ کیا ہے؟

لغوی معنی: وسیلہ عربی لفظ ہے۔ اس سے مراد وہ عمل ہے جس کے ذریعہ رغبت کے ساتھ کسی کا تقرب حاصل کیا جائے، اور اس تک پہنچا جائے۔

”وَاسِلٌ“ یعنی راعب، مائل نیز کہا جاتا ہے۔ تَوَسَّلَ إِلَيْهِ بِكَذَا تَوَسَّلًا وَ تَوَسِيلًا إِذَا عَمِلَ عَمَلًا تَقَرَّبَ إِلَيْهِ (یعنی، فلاں عمل کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کیا۔) ”وَسَّلَ“ اس وقت کہتے ہیں جب آدمی کسی کی طرف راعب ہو۔ اور ”وَاسِلٌ“ اور ”مُتَوَسِّلٌ“ کہتے ہیں اللہ کی طرف رغبت کرنے والے کو۔

ابوطالب شاعر اپنے ”قصیدہ لامیہ“ میں کہتا ہے:۔

أَزَى النَّاسِ لَا يَنْدُرُونَ مَا قَدَّرَ أَمْرِهِمْ بَلَى كُلُّ ذِي دِينٍ إِلَى اللَّهِ وَاسِلٌ  
”میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو اپنے کاموں کی قدر نہیں ہے ہاں جو دیندار ہیں وہ ضرور اللہ کا تقرب چاہتے ہیں“  
”وسیلہ“ کی جمع ”وسائل“ ہے لہذا کہتا ہے:۔

وَلَمَّا زَانَتْ الْقَوْمَ لَا وَدَّ فِيهِمْوُ وَقَدْ قَطَعُوا كُلَّ الْعُرَى وَالْوَسَائِلِ  
”جب میں جان گیا کہ قوم کے اندر وہ محبت نہ رہی اور انہوں نے جملہ روابط اور وسائل توڑ دیئے ہیں“  
وسیلہ کا ایک معنی اور ہے، یعنی بادشاہ کے پاس درجہ، مرتبہ، منصب اور اس کا قرب چاہنا۔ جنت کے سب سے اونچے مقام کو بھی وسیلہ کہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”پھر میرے لئے وسیلہ ملنے کی خدا سے دعا کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے، جو دنیا میں کسی ایک ہی بندہ کو ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ لہذا جو شخص میرے لئے وسیلہ ملنے کی دعا کرے گا۔ اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگی۔“ (مسلم، ۴/۱۱)

شرعی معنی: شریعت کی زبان میں وسیلہ کہتے ہیں اللہ کا تقرب حاصل کرنا، اس کی عبادت اور بندگی کر کے، اور ہر اس عمل کے ذریعہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے، اور اس سے خوش ہو۔ وسیلہ الی اللہ، جس کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت، مکارم شریعت، اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اس کی بارگاہ میں طاعت و بندگی پیش کر کے اور اس کی رضا کی تمام راہوں پر چل کر دنیا اور آخرت کی کامیابی اور اس کا تقرب حاصل کیا جائے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ (اعمالِ صالحہ وغیرہ مشروع طریقہ) وہ سبب ہے جس سے واسل یا متوسل (محتاج و ناتواں بندہ) مطلوب و مرغوب (باری تعالیٰ) تک پہنچتا ہے، اور مقبولِ بارگاہ ہوتا ہے۔ اس قبولیت کے لئے ذیل کی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

● اول یہ کہ عمل کرنے اور وسیلہ چاہنے والا اخلاص اور صداقت کے ساتھ توحید و رسالت کی شہادت دیتا ہو، اور مومن صالح ہو۔

● دوم یہ کہ وسیلہ اس طریقہ کے مطابق ہو جو اللہ نے اپنی کتاب میں مقرر فرمایا ہے، اور جسے حق تعالیٰ نے وسیلہ قرار دیا ہے۔

● سوم یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اقوال و افعال سے اس کو واضح فرمایا ہے اور وسیلہ کے طور پر اسے اختیار فرمایا ہے، ان وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے جس وقت اور موقع پر جس طرح ان وسائل کو استعمال کیا، اُمت اس کی پوری رعایت کرے، اور اس میں کسی قسم کی کمی زیادتی یا تقدیم و تاخیر نہ کرے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ سے استفادہ صرف ایمان والوں کے لئے مخصوص ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور سنتوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اس لئے غیر مسلم کتنی بھی نیکی کریں گے آخرت میں اس کا صلہ ہرگز نہ پائیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان بدعت اور ضلالت کے راستہ سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے، تو یہ اس کی زبردست بھول اور جمل و دجل کی انتہا ہوگی۔ اس لئے کہ بدعت اور خرافات خدا سے قریب نہیں کوسوں دور کرتی ہے، اور اللہ کی ناراضگی، غصہ، لعنت، اور آخرت میں دردناک عذاب کا باعث بنتی ہے۔ ہاں، مشروع وسیلہ زندگی کی اہم ترین ضرورت اور تقرب الہی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ اور بندہ مومن جب اور جہاں چاہے ان وسائل کو صحیح طور پر استعمال کر کے اپنے

رب سے تعلق جوڑ سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ وسائل اور ان سے استفادہ زمان و مکان کی قید سے قطعی آزاد ہے، اور ان پر کسی کا اجارہ نہیں ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (آئدہ: ۳۵)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

سورہ اسراء میں فرمایا:

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ○ (بنی اسرائیل: ۵۷)

”وہ لوگ جن کو یہ مشرک (حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب کے پاس تقرب کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اللہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔“

پہلی آیت میں ایمان والوں کو یہ تاکید کی گئی کہ وہ فرائض اور واجبات کو تو ادا کریں، لیکن اس کے دائرے سے آگے بڑھ کر خدا کو راضی کرنے والے دوسرے بے شمار فلاحی کاموں سے خدا کے حضور تقرب حاصل کریں۔ اس لئے کہ اوامر کی تعمیل اور نواہی سے احتراز، تقویٰ کی روح اور اس کی جان ہے۔ اور اگر یہ دولت حاصل ہوئی تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس کی رضا بندے کے شامل حال رہے گی، اور آخرت کے عذاب سے حفاظت اسے نصیب ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ جب بھی اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہیں اس کی جناب میں نیک اعمال کو وسیلہ بنائیں، جن سے باری تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ کوئی عمل، صالح اس وقت ہوتا ہے، جب وہ سنت کے موافق ہو، اور کرنے والے کے اندر اخلاص و پلہیت ہو، اس کے سوا کسی اور کی چاہت نہ ہو۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ مقبول عمل کی بنیادی شرطیں یہی ہیں۔ ان وسائل میں نقلی عبادات، جیسے: تمام نفل نمازیں،

روزے، حج، عمرہ، اور دوسرے رفتی اور فلاحی نقلی اعمال شامل ہیں، جو شریعت اور سنت مطہرہ سے ثابت ہیں۔

دوسری آیت کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ قدیم زمانے میں عربوں کے اندر کچھ جنوں کی پرستش کا رواج تھا۔ خوش قسمتی سے وہ جن مشرف بہ اسلام ہوئے، اور انہوں نے اپنی زندگی کا زرخ موڑ لیا، اور خدا کی بندگی اور اس کی بارگاہ میں تقرب کے لئے انہوں نے نیکی کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ ان کی پرستش کرنے والے انسانوں کو اس کی خبر نہ ہوئی، اور وہ حسب سابق ان کی پرستش کرتے رہے۔ ادھر سورہ اسراء کی ان دو آیتوں کے ذریعہ باری تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ اطلاع دی کہ ان مشرکین کو آگاہ کر دیجئے کہ جن کے ذریعہ یہ خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ خود احکام الہی کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ جو خود دوسرے کے محتاج ہیں، وہ کسی کی دستگیری بھلا کیونکر کر سکتے ہیں؟

### ● مشروع اور ممنوع وسیلہ:

وسیلہ کا لفظ جائز اور ناجائز، اور مشروع اور ممنوع دونوں وسائل پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے یہ جاننا چاہئے کہ کتب و سنت کی روشنی میں کون سا وسیلہ مشروع ہے اور کون سا ممنوع؟ تاکہ ہر دو کا فرق بخوبی ذہن نشین ہو جائے، اور مسلمان خصوصاً عوام غیر شرعی وسیلہ سے بچ کر شرعی وسیلہ کو اپنائیں۔

مشروع وسیلہ: شرعی وسیلہ وہ ہے جس کا باری تعالیٰ نے اپنی کتب میں حکم فرمایا، اور حضور ﷺ نے جس کی صراحت فرمائی، اور بیشتر مستحب یا مباح کاموں کی نشاندہی بھی فرمادی کہ اللہ کے بندے ان اعمال کو اپنائیں، اور باری تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں۔

ممنوع وسیلہ: ممنوع وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ وسیلہ کبھی کر وہ اعمال اختیار کئے جائیں، جو کتب و سنت اور ان کی زور کے خلاف واقع ہیں۔ بلکہ شریعت کی نظر میں ان کی حیثیت حرام یا مکروہ کی ہے۔

مذکورہ بلا شرعی وسیلہ کے علاوہ وسیلہ کی ایک قسم وہ ہے، جسے ہم ”دنیاوی وسیلہ“ کہہ



سکتے ہیں۔

برکیف! وسیلہ کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وسیلہ دنیاوی امور کا ہو، یا دینی و اخروی امور کا۔ یہ وسائل سود مند اسی وقت ہوں گے جبکہ وہ شرع سے ثابت ہوں۔ ورنہ وہ وسائل ناقابل اعتبار ہی نہیں، کفر اور وبال جان ہوں گے۔ ذیل میں ایسے چند دنیاوی وسائل ذکر کئے جاتے ہیں جو شریعت کی رو سے حرام ہیں۔

۱۔ دو بھائیوں میں سے ایک نادار ہے، دوسرا مالدار، نادار بھائی مالدار بننا چاہتا ہے۔ اب اگر وہ اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے مالدار بھائی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے، جبکہ یہی نادار بھائی اس کا تمنا وارث ہے۔ تو کیا اس کی ہوس کی تکمیل کے لئے یہ وسیلہ سود مند ہوگا؟ جواب یہ کہ ہرگز نہیں اس لئے کہ یہ اقدام شرعاً حرام اور عقلاً باطل ہے۔

۲۔ ایک شخص اپنی پسند کی کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے پیغام دیا۔ لیکن اُدھر سے رشتہ منظور نہیں ہوا۔ اس شخص نے تہیہ کر لیا کہ کسی جاوگر، یا جھاڑ پھونک کرنے والے کے پاس جا کر کوئی ایسی تدبیر کرے گا، جس سے لڑکی از خود مائل ہو کر اس کے دام میں گرفتار ہو جائے! کیا یہ وسیلہ درست ہوگا؟ ہرگز نہیں، شریعت کی نظر میں یہ حرام کاری اور کھلی ہوئی مکاری ہے۔

۳۔ کسی کامل چوری چلا گیا۔ چور لاپتہ ہے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ فلاں عامل کے پاس جاؤ، اس کے قبضہ میں کوئی جن ہے اُس کے ذریعہ چور کا پتہ چل جائے گا۔ کیا اس سلسلے میں جن وغیرہ سے مدد لینا شرعاً درست ہوگا؟ جواب یہ کہ نہیں۔ اس لئے کہ غیب کی خبر کوئی نہیں جانتا، اور یہ کوئی مشروع وسیلہ نہیں۔

۴۔ ایک شخص بیمار ہوا۔ اُس نے خاطر خواہ علاج کیا، مگر صحت نہ ملی۔ کسی نے اس کے بھائی کے کنان میں یہ بھر دیا کہ وہ مریض کو لے کر فلاں آستانے یا درگاہ پر حاضر ہو۔ قبر کی آہنی جلی کو چوسے، یا مزار کے پتھر پر ہاتھ پھیرے، درخواست کا کافز، یا کپڑے کی گرہ جالیوں سے لٹکائے، قبر والے کو پکارے، اور اس سے فریاد کرے۔ اس کا بھائی ضرور شقیاب ہوگا۔ کیا یہ بھائی یہ سب کچھ کر گذرے؟ جواب یہ کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہیں، بلکہ شرک اکبر ہے، جو توبہ کے بغیر ہرگز معاف نہ ہوگا۔

۵۔ ایک اور مریض ہے۔ شفا یابی کے لئے اسے کسی نے یہ جھانسہ دیا کہ وہ کچھ دن شراب کا استعمال کرے، اسے کمال شفا نصیب ہوگی! کیا بیمار دوا سمجھ کر شراب پی لے؟ جواب یہ کہ نہیں۔ اس لئے کہ حرام اور نجس چیز میں شفا نہیں ہے۔

۶۔ اسلامی حکومت کے اندر، اسلامی کورٹوں کے سامنے شرانغ رساں کتوں کے استعمال کی تجویز آئی، تاکہ جرائم کی تفتیش اور مجرم کی گرفتاری میں سہولت ہو۔ کیا شریعت کی نظر میں یہ تجویز مناسب رہے گی؟ جواب یہ کہ یہ صورت نامناسب اور حرام ہوگی۔ اس لئے کہ جرم کے اثبات، یا وقوعہ کی تصدیق کے لئے ملزم کا اقبال جرم، یا دو عادل مسلمان گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی جانور، اور وہ بھی کتے سے شہادت کی توقع محال ہے۔!

۷۔ ایک عورت کسی جیوتشی، غیبی خبر دینے والے، یا کسی فال کھولنے والے کے پاس جا کر مستقبل میں اپنی شادی کی کامیابی یا ناکامی کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے، یا مشورہ لینا چاہتی ہے فال کھولنے والا اپنے کسی ہمزاد، یا دوست جن، یا ارواح کے وسیلہ سے معلومات حاصل کر کے اسے اطلاع دے گا۔ یہ اور اسی قسم کے امور میں ان وسائل کا استعمال آخر کہاں تک درست ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب وسائل ممنوع اور حرام ہیں۔ اور شریعت نے کسی صورت ان کے استعمال کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس لئے کہ کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور اس کی کسی ہوئی بات کی تصدیق کرنا شریعت محمدی سے نکل جانے اور علیحدہ ہونے کی علامت ہے۔

ذیادہ وسائل اور ذرائع، اسباب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے حصولِ رزق کیلئے خرید و فروخت، تجارت و زراعت، اور ملازمت اور اجرت وغیرہ، شریعت کی نظر میں یہ وسائل مشروع اور جائز ہیں۔ لیکن رزق ہی کے حصول کے لئے اگر کوئی سودی کاروبار، چوری، نقب زنی، جوا، سہ، شراب، ذخیرہ اندوزی، خیانت اور جھلسازی وغیرہ کو ذریعہ بنائے، تو شریعت کی نظر میں یہ ممنوع، ناجائز اور حرام ہوگا۔

امراض کا علاج پاکیزہ اور حلال دواؤں سے تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زہریلی، نپاک اور حرام دواؤں سے علاج کرنا حرام ہے۔ جو کسی صورت جائز نہیں۔ چوروں اور مجرموں کی تلاش

ضروری ہے، لیکن اس کے لئے راست اور درست وسائل کا استعمال ضروری ہے۔ کتوں یا غلط وسائل کو کام میں لانا صحیح نہیں۔ صاحب رائے سے مشورہ لینا برا نہیں، لیکن نجومی، پامسٹ (Palmist) کاہن اور عاتلوں کے چکر میں پڑنا، اپنا دین، ایمان، اور اپنی عاقبت تباہ کرنا ہے۔

شرعی امور میں وسیلہ لینے میں ذیل کی کوئی ایک غرض ضرور ہوتی ہے:

● پہلی غرض جو انتہائی اشرف و اعلیٰ ہے، یہ کہ باری تعالیٰ کی رضا، خوشنودی، اور اس کی بارگاہ میں مقام پیدا کرنے کے لئے تقرب چاہنا، اور اس کی ذات کا وسیلہ لینا۔

● دُنيا اور آخرت کے کسی نفع کے حصول، یا ضرر سے حفاظت کے لئے، یا اپنی ولی مراد، یا مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی بلند ذات کا وسیلہ چاہنا۔

وسیلہ بے حد نازک طریق عبادت ہے۔ جو اسے صحیح طریقہ سے اپنائے گا، یہ اس کے لئے پل ثابت ہوگا، اور رضاء الہی کے ذریعہ اس کی جنت میں پہنچائے گا۔ اور کسی نے ٹھوکر کھائی، اور غلط راہ اپنائی، اسے نفع کی بجائے سخت نقصان اور جان کی ہلاکت ہوگی۔

(دور جمالت کی ابتداء سے وسیلہ کے موضوع اور اس کے طریق کار میں عام طور پر ایک قسم کا انتشار اور تصادم رہا ہے۔ کوئی اسے جائز بتاتا ہے، کوئی اسے ناجائز سمجھتا ہے۔ کچھ لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، اور کچھ ہیں کہ ہر جاوید طریقہ کو اپنانے پر مصر ہیں) اس لئے وسیلہ اور توسل کے لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق کے بعد اس کی ہر دو قسم شروع اور ممنوع کو تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔ شروع وسیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام ذکر کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اپنی رضا اور خوشنودی کے لئے باری تعالیٰ نے بے شمار صورتیں اور طریقے بیان کئے ہیں۔ جیسے: ایمان، یعنی اخلاص اور فہم کے ساتھ توحید و رسالت کی شہادت دینا۔ یہ وسیلہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے علاوہ اعمالِ صالحہ جیسے فرائض و واجبات، اور نوافل، نیز خیر اور نیکی کے وہ تمام اعمال جن کی شریعت نے اجازت دی ہے، اور جن پر باری تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حرام اور ناجائز کاموں سے کٹی احراز، جن سے شریعت نے منع کیا ہے، اور باری تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہوتا ہے۔

اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”میرا بندہ جتنا میرے فرائض ادا کرنے سے مجھ سے قربت حاصل کر لیتا ہے، اتنا کسی چیز سے

نہیں کر سکتا۔ میرا بندہ میرا قرب نوافل سے بھی حاصل کرتا ہے، اور نقلی کاموں کو ادا کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جس سے میں محبت کرتا ہوں اس کا کان بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔“

”میری ذات کی قسم اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے بخش دوں۔ وہ چاہے تو میں اس کو پناہ دوں۔“ - بخاری: ۱۳۱/۸

### مشروع وسائل:

ایمانِ خالص کا وسیلہ: (ایمان کا لفظ بولنے اور سننے میں بے حد مختصر سا لفظ ہے لیکن اس کی قدر و قیمت اور اس کے وزن کے آگے ساری کائنات اور پوری دنیا بیچ ہے) ایمان ایک وسیع لفظ ہے، جو اللہ کو، اس کے پیغمبروں کو، اس کے فرشتوں کو، اس کی کتابوں کو، آخرت کے دن کو، جنت اور جہنم کو، اور اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے کو شامل ہے۔ ایمان سب سے بلند عمل صالح اور عظیم ترین وسیلہ ہے۔ اس سے اونچا کوئی عمل نہیں۔ اس لئے کہ عمل خواہ کتنا ہی صالح اور نیک کیوں نہ ہو، جب تک عمل کرنے والے کے اندر مضبوط ایمان نہ ہوگا، اس کا عمل بیکار اور لغو ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان خدا کے نزدیک مقبول ترین وسیلہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔ متوسلین کے حق میں فرمایا۔

رَبَّنَا إِنَّا أَمْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَفِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران: ۱۵)

”اے پروردگار! ہم ایمان لائے۔ تو ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا۔“

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ○ (آل عمران: ۱۴۳)

”اے پروردگار! ہم نے ایک منادی دینے والے کو سنا جو ایمان لانے کے لئے اعلان کر رہا تھا، کہ لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لائے۔ اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما۔ ہم سے برائیاں دور کر دے، اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔“

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے ایمان کے وسیلہ سے دُعا کی اور یوں کہا:

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کے وسیلہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو اکیلا ہے، بے نیاز ہے، تیری کوئی اولاد نہیں، اور نہ تو کسی کی اولاد ہے، اور نہ تیرے برابر کوئی ہے۔ حضور ﷺ یہ سن رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس شخص نے اللہ سے اس کے اسمِ اعظم کے وسیلہ سے دُعا کی۔ جو شخص اس وسیلہ سے دُعا کرے گا۔ اللہ قبول کرے گا“ اور جو مانگے گا، اللہ ضرور دے گا۔“ (ترمذی)

کتاب و سنت کی تعلیمات پر مشتمل یہ ایمان جب دل میں سرایت کرتا ہے، تو زبان اور اعضاء سے ایمان کی علامتوں اور اس کی برکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اور بندہ وہ اعمال کرتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ ایمانِ کامل کی اسی محبوبیت کا نتیجہ ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اور اپنی ولی مُرادوں کے حصول کے لئے مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ اپنی دعاؤں میں ایمان کو وسیلہ بنائیں۔ اور یوں دعائیں مانگیں:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِإِيمَانِي بِكَ وَ بِوَسْوَكَ أَوْ بِإِنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ  
أَنْتَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُولُكَ أَنْ  
تَغْفِرَ لِي وَ تَرْحَمَنِي أَوْ تَقْضِيَ حَاجَتِي فِي كَذَا (وَيُسَمَّى حَاجَتَهُ)

”اے اللہ! ہم تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائے، اب تو اسی ایمان کے وسیلہ سے، یا یوں کہے۔ اے اللہ، میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں، بس اسی ایمان کے وسیلہ سے تو مجھے معاف کر دے، مجھ پر اپنی رحمت نازل فرما، اور میری حاجت کو پوری فرما۔ (یہاں اپنی حاجت کا تصور کرے۔)“

۳۔ نماز کا وسیلہ: نماز دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ نماز خواہ فرض ہو، یا نفل، خدا کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔ صحابہ کرام بھی ﷺ جن سے بڑھ کر اُمت میں خیر کے اعمال کی جستجو کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ:

”خدا کو سب سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: ”نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا، خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔“ (مسلم)

جو مومن مرد اور عورت خدا کا تقرب اور اس کی بارگاہ میں قدر و منزلت کا خواستگار ہو، اُسے چاہئے کہ پانچ وقت کی نمازیں پابندی سے پڑھے، خدا کی خوشنودی اسے حاصل ہوگی۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

”جس مومن مرد یا عورت کو کوئی حاجت پیش آئے، اسے چاہئے کہ اچھی طرح وضو کرے، اور نماز پڑھ کر اپنے رب سے دعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا۔“

ترمذی کی روایت ہے کہ ”ایک نابینا صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ حضور ﷺ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے انہیں اچھی طرح وضو کرنے اور نماز پڑھ کر دعا مانگنے کے لئے کہا۔ انہوں نے دعا کی، اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اصرار پر خود بھی دعا فرمائی۔ اللہ نے دعا قبول کی اور صحابی اسی مجلس میں بینا ہو گئے، اور انہیں نظر آنے لگا۔“ (۱۱۷/۹، ۱۱۸، احمد ۱۳۸/۴ ابن ماجہ، امامہ ۱۸۹/)

”اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز اعلیٰ ترین وسیلہ ہے، اور یہ کہ مومن کی دعا یا ایک مومن کے لئے دوسرے مومن کی دعا، مشروع وسیلہ ہے، مذکورہ بالا حدیث کا ہر لفظ دعا کو ثابت کرتا ہے۔ جو لوگ کسی چھوٹے بڑے کی شخصیت، اس کی ذات، جاہ، حق، یا حرمت کو وسیلہ بنانے کے لئے اس حدیث کا سہارا لیتے ہیں، اور اپنی خانقاہوں اور زیارت گاہوں میں اسی کا بیوپار کرتے ہیں، وہ حدیث کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور غلط کرتے ہیں۔“

۳۔ روزہ کا وسیلہ: روزہ کا اصل مقصد تزکیہ نفس اور رضاء اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ روزہ رکھ کر غریبوں اور بیکسوں کے ذمہ درد خصوصاً فاقہ کشی اور محتاجی کا صحیح اندازہ ہو، اور ان کی بروقت مدد کی جاسکے۔ روزہ خیر اور نیکی کی بہترین صورت ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا:

● — ”اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے کوئی ایسا کام بتائیے کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم روزے رکھا کرو۔ اس لئے کہ اس جیسی کوئی عبادت نہیں۔“ (نسائی)

● — آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”جو بندہ اللہ کے لئے روزہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ

اس روزہ کے عوض ستر سال کی مسافت کے برابر دوزخ سے اُسے دُور کر دیتا ہے۔“ (اللؤلؤ والمرجان ۲۰/۲)

● نیز فرمایا: ”روزہ دار کے منہ کی بو، خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے۔“ (اللؤلؤ والمرجان ۱۹/۲)

ان احادیث کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں قرب اور نزدیکی کے حصول کے لئے، اور دُعاؤں کی قبولیت اور حاجتوں کی تکمیل کی خاطر روزہ تیرہمہدف اور کامیاب وسیلہ ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تین آدمیوں کی دُعاؤں رد نہیں کی جاتیں: ۱۔ روزہ دار کی دُعا جب تک کہ وہ انظار نہ کرے، ۲۔ امام عادل، ۳۔ اور مظلوم۔“

۴۔ صدقہ کا وسیلہ: اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے، تکلیف یا مصیبت میں مبتلا کسی مفلس، مستحق، غریب یا یتیم کو کچھ نقد، جنس، یا ضرورت کی کوئی چیز دے دینا صدقہ کہلاتا ہے، رضاءِ الہی کے خالص ارادے، اور خوشدلی کے ساتھ پاکیزہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بیش بہا عمل اور بہتر وسیلہ ہے۔ صدقہ سے سچی خوشی نصیب ہوتی ہے، اور دنیا میں رنج اور مصیبت سے نجات، اور آخرت میں عذاب سے چھٹکارا ملتا ہے۔ احادیث میں بہ کثرت اس کی فضیلت وارو ہے۔ چنانچہ صحاح میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

”اگ سے بچ، اگرچہ کھجور کے ٹکڑے سے ہو۔“ (بخاری، مسلم)

نیز فرمایا:

”جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے، اسی طرح صدقہ گناہوں کو دھو دیتا ہے۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ”نیکی کرنے والا بدترین انجام سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جو کوئی چھپا کر صدقہ کرتا ہے، اللہ کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈی کرتا ہے۔ نیز رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔“ (ابن ماجہ، ترمذی)

۵۔ حج کا وسیلہ: حجِ اسلام کا پانچواں اہم رکن، اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بہترین وسیلہ ہے۔ اس کی فضیلت بکثرت وارد ہے:

”حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: نیکیوں والے حج کی جزا جس جنت ہے۔“ نیز فرمایا: جس شخص نے حج کیا، اور کوئی فحش بات نہ کی، اور نہ کوئی گناہ کیا، تو وہاں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس

آئے گا، جیسا پیدائش کے دن تھا۔“ (بخاری، مسلم)

۶۔ عمرہ کا وسیلہ: حج اجتماعی عبادت ہے، اور عمرہ انفرادی عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے لئے بھی حج کی طرح احرام باندھا جاتا ہے، اور اسی طرح طواف و سعی اور حلق یا قصر کیا جاتا ہے۔ عمرہ کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ اس سے گناہ زائل ہوتا ہے اور درجہ بڑھتا ہے۔ دعا کی قبولیت اور خدا کا تقرب حاصل کرنے کا یہ بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”حج اور عمرہ میں متابعت کرنا (پہلے حج کیا تو بعد میں عمرہ کرنا، یا پہلے عمرہ کیا تو بعد میں حج کرنا) مفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے، جیسے آگ کی بجھنی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دور کرتی ہے۔“ (ترمذی، نسائی)

۷۔ جہاد کا وسیلہ: خدا کی راہ میں جہاد اور پاسبانی انتہائی مقدس فریضہ اور افضل وسیلہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے خدا کا تقرب اور اس کے نزدیک اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”جنت میں سو درجے ہیں۔ ان کو خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو اس کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر دو درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے، جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔“

(بخاری ۱۵۳/۹، مسلم ۳۷۶/۶۶)

نیز فرمایا: ”خدا کی راہ میں جہاد کے لئے صف میں کھڑے رہنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔“ (دارمی: ۷/۱-۱۰۱، احمد: ۳۳۶/۲)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”ایک مجاہد دوسرے حاجی، تیسرے عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد ہیں۔ اگر وہ لوگ دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے، اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔“ (نسائی: ۱۵۱۳/۴-۱۵، ابن ماجہ: ۵۱)

نیز فرمایا: ”لشکر کی حفاظت کے لئے سرحدوں پر پاسبانی کرنا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس سے بہتر ہے۔ جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ ساری کائنات سے بہتر ہے۔ دوپہر سے کسی وقت ایک بار، یا دوپہر کے بعد سے شام تک کسی وقت ایک بار جہاد کے لئے چلنا ان تمام سے بہتر ہے، جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔“ (بخاری: ۳۳/۳)

یہ بھی فرمایا کہ: ”اللہ کے راستے میں جاگنے والی اور خوفِ خدا سے رونے والی آنکھوں پر جنم



کی آگ حرام ہے۔“ (اللؤلؤ والمرجان: ۲۵۷/۲)

”ان ارشاداتِ عالیہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا اور دین کی سربلندی کے لئے صبر و استقامت کا ثبوت دینا عظیم نیکی ہے، جس کو وسیلہ بنا کر لغزشوں سے معافی اور فتح و کامرانی کے لئے دُعا کی جاسکتی ہے۔“

۸۔ ذکر و تسبیح کا وسیلہ: خدا کو یاد کرنا بیش بہا عبادت اور تقرب الہی کا موثر وسیلہ ہے۔ حضور ﷺ تمام انسانوں میں سب سے بڑے خطیب اور فصیح و بلیغ انسان تھے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعائیں، اوب اور بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ ذیل میں آپ ﷺ کی چند دعائیں درج ہیں، جو اُمت کے لئے بہترین وسیلہ ہیں:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (بخاری)

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے ملک ہے، اور اسی کیلئے تریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ ○ (بخاری)

”تمہری پاکی بیان کرتے ہیں، اے اللہ! اور حمد کرتے ہیں۔ تمہری پاکی بیان کرتے ہیں اے اللہ! اور تو بڑی عظمت والا ہے۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ○ (مسلم، ابوداؤد)

”پاک ہے اللہ تعالیٰ اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور طاقت اور زور کسی کو نہیں سوائے اللہ کے، وہ سب سے بڑا سب سے اعلیٰ ہے۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں۔ جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس

کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔“ (اللؤلؤ والمرجان: ۲۱۹/۳)

● ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) احکام تو بہت سارے ہیں، مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں اسی کو زیادہ کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی یاد سے اپنی زبان کو ترک کرو۔“ نیز فرمایا: ”خدا کی یاد سے بڑھ کر کوئی عمل ابن آدم کو جہنم کے عذاب سے نجات دلانے والا نہیں۔“

(ترمذی: ۳۱/۱۸۸/۳، طبرانی، ابن ماجہ: ۵۲/۱-۵۲/۵، احمد: ۲۳۹/۵)

نیز فرمایا: ”اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد کرتا ہے، اور جو نہیں کرتا، ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔“ (بخاری: ۱۰۷/۸)

(ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مومن کی زندگی کا حاصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ سے بھری پری اس کی پوری زندگی پر ذکر تسبیح اور یاد الہی کے وسیلہ کی آخری مہر لگنی چاہئے۔)

۹۔ درود شریف کا وسیلہ: حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سارے عالم کے لئے

رحمت ہے۔ دنیا والوں پر آپ ﷺ کے جس قدر احسانات ہیں، کسی اور کے نہیں۔ نہ ہی کسی اور کی ذات سے دنیا کو اتنا نفع پہنچا، جتنا آپ ﷺ سے پہنچا۔ اس لئے خدا کی اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنا، اور آپ ﷺ پر درود پڑھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ دعا مانگنے سے پہلے اور بعد میں آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا دعا کی قبولیت کے لئے ممدو معاون ہے۔ اس سے درجہ بڑھتا ہے، اور تقرب الہی نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

● — ”جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا، خدا اس پر دس مرتبہ اپنی رحمت بھیجتا ہے۔“

● — ”ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا: میرا اکثر وقت آپ ﷺ پر درود پڑھنے میں گذرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تب خدا تمہیں غم سے نجات دے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے کافی ہے۔“ (احمد، ترمذی: ۲۳۱/۱)

● — حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور ﷺ کی تلاش میں نکلا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے پیچھے اندر پہنچا۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ سجدہ میں ہیں، اور بڑی دیر تک سجدہ کی حالت میں رہے۔ میں ڈرا کہ خدا نخواستہ کہیں آپ

ﷺ کو کچھ ہو نہ گیا ہو! میں قریب پہنچ کر آپ ﷺ کو حسرت سے دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ مجھے قریب دیکھ کر فرمایا: عبدالرحمن! کو کیا بات ہے؟ میں نے سرگذشت سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابھی ابھی جبرائیل نے آکر مجھ سے کہا تھا کہ کیا میں آپ کو ایک خوش خبری نہ سناؤں؟ باری تعالیٰ نے کہا ہے کہ جس نے تم پر ذرود پڑھا، میں اُس پر اپنی رحمت نازل کرتا ہوں۔ اور جو کوئی آپ پر سلام بھیجتا ہے، میں اُس پر سلامتی نازل کرتا ہوں۔“ میں اسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے سجدہ کر رہا تھا۔“ (احمد، حاکم)

(اس سے معلوم ہوا کہ ذرود شریف بارگاہِ الہی میں تقرب کے حصول کا اہم ترین

ذریعہ ہے۔)

۱۰۔ استغفار کا وسیلہ: کوتاہی اور گناہ ہر کسی سے سرزد ہوتا ہے۔ سب سے بہتر انسان وہ ہے جو اپنے گناہوں اور غفلت کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے، اور پھر گناہ نہ کرے۔ یہی استغفار ہے۔ توبہ اور استغفار سے بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے گناہوں سے حفاظت کا یہ بھی ایک اہم قلعہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝ (آل عمران: ۱۷)

”اور پچھلی رات میں توبہ و استغفار کرنے والے ہیں۔“

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝ (ذاریات: ۱۸)

”اور سحر کے وقت وہ استغفار کرتے تھے۔“

نیز فرمایا:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاجِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا

لذُنُوبِهِمْ ۝ (آل عمران: ۱۳۵)

”اور وہ لوگ کہ جب کوئی سخت گناہ کر بیٹھے ہیں، یا (کوئی نازیبا حرکت کر کے) اپنے

نفس پر ظلم کرتے ہیں، تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے یوں کہا“

اسْتَغْفِرِ اللَّهُ الذِّمِّيَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَ اتَّوْبُ إِلَيْهِ ۝

”میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ جاوید ہے۔“

ساری کائنات کا تمنا اور پاساں ہے، میں اُس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔“

اُس کے سارے گناہ معاف ہوں گے، خواہ اس نے جہاد میں پشت پھیر کر بھاگے گا گناہ

کیوں نہ کیا ہو۔ (ابوداؤد)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَزِمَ الْإِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَمِنْ كُلِّ ضَلِيلٍ

مَخْرَجًا وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ○ (ابوداؤد: ۳۳۸/۱) (احمد: ۱۳۸/۱)

(۳۳۸/۱) (ترمذی (دعوات ۱۱۷/۱))

”جو شخص اپنے رب سے معافی مانگتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات دیتا

ہے۔ ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں کا اس کو

گمان بھی نہیں ہوتا۔“

۱۱۔ دُعا کا وسیلہ: خدا سے مانگنا، اور دعا کرنا عبادت ہے۔ اگر صدقِ دل سے دعا مانگی

جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ اور اسی لئے بارگاہِ خداوندی میں یہ ایک بہتر وسیلہ ہے۔ مشکلات

اور پریشانیوں میں دعا سے بہتر کوئی وسیلہ نہ ہونے کی وجہ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ○ (عاف: ۶۰)

”تم مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔“

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ○ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا

دَعَانِ ○ (بقرہ: ۱۸۶)

”اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو

ان سے کہدو کہ میں قریب ہی ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی

دعا قبول کرتا ہوں۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: ”دعا عبادت ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ، إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنِّي

عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○ (عافر: ۶۰)

”اور تمہارے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو‘ میں تمہاری درخواست قبول کروں گا‘ بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔“ (احمد)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

● — ”زمین پر آباد کوئی بھی مسلمان خدا سے جو دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرور سنتا ہے۔ پھر یا تو اسے وہی دیتا ہے، جو وہ مانگتا ہے، یا کسی ناگمانی افتاد کو اس پر سے ٹال دیتا ہے۔ بشرطیکہ یہ دعا کسی گناہ کے لئے، یا رشتہ کو توڑنے کے لئے نہ ہو۔“ (ترمذی: ۱۱۵/۱)

نیز فرمایا:

● — ”کوئی مسلمان جب درومندی کے ساتھ اپنے رب سے دعا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے۔ پھر یا تو دنیا میں اس کا فوری صلہ دیتا ہے، یا اسے روک لیتا ہے، اور اس کی دعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتا ہے، یا کسی آفت کو جو اس پر آنے والی ہوتی ہے، ٹال دیتا ہے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: تب تو ہم بہت بہت دعائیں مانگا کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم جتنا مانگو گے، اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ دینے والا ہے۔“ (مسند احمد: ۱۸/۳)

حضور ﷺ نے فرمایا:

● — ”اللہ بڑا سخی اور زندہ جاوید ہے۔ جب کوئی بندہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو ان ہاتھوں کو خالی اور ناکام لوٹاتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔“ (ابوداؤد: ۳۴۲/۲)

۱۴۔ اپنے مومن بھائی کی دعا کا وسیلہ: کبھی ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی سے کہتا ہے کہ وہ اپنی دعا کے وسیلہ سے اللہ سے اس کی حاجت کی تکمیل کی لئے درخواست کرے۔ مثلاً یوں کہے:

”تم میرے لئے اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے صحت دے۔ یا میری فلاں حاجت پوری کر دے۔“

اور کبھی ایک مومن دوسرے مومن کے لئے اس کی درخواست کے بغیر بھی خدا سے دعا کرتا ہے۔ مثلاً اسے مصیبت میں مبتلا دیکھ کر اس کی حاضری میں، یا پیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرتا ہے، یا نماز جنازہ پڑھتے ہوئے میت کے لئے دعا کرتا ہے۔ یہ دعا نہ صرف مشروع ہے، بلکہ

خدا نے چاہا تو مقبول بھی ہوگی۔

جب حضور ﷺ زندہ تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ حضور ﷺ دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی دعائیں قبول فرماتا تھا۔ کبھی پانی مانگنے کے مواقع پر آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ بنا کر اللہ سے فریاد کی جاتی تھی۔ خود حضور ﷺ بھی دعا فرماتے، نتیجہ میں بارانِ رحمت کا نزول ہوتا تھا، اور کل خلائق فیضیاب ہوتی تھی۔ (بخاری، مسلم)

نیز نابینا صحابی کی روایت بیچے گذر چکی ہے، جس میں آخر میں حضرت عثمان بن حنیف راوی کا بیان ہے کہ:

”ابھی ہم وہیں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اندھا ہمارے پاس اس حالت میں آیا کہ گویا کبھی اندھا ہی نہ تھا۔“ (ترمذی: ۱۱۸/۱، احمد: ۱۳۸/۳، ابن ماجہ: ۱۸۹/۱)

کبھی حضور ﷺ دوسروں سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جبکہ وہ عمرہ ادا کرنے کے لئے جا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

”بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا“ دوسری روایت میں یوں ہے:

”بھائی! اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک رکھنا۔“ (ابوداؤد: ۳۳۳/۱، ترمذی: ۱۰۹/۱)

حضور ﷺ جب تک بقید حیات رہے، صحابہ کرام استسقاء اور دیگر مواقع پر آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے، اور آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ وفات پا گئے اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے، تو اس حال میں آپ ﷺ سے دعا کی درخواست ممکن نہ تھی۔ اس لئے آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی آفت کے موقع پر صحابہ کسی متقی پر ہیز گاری کی دعا کا، یا خاندانِ نبوت سے وابستہ کسی فرد کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے۔ چنانچہ عہدِ فاروقی میں جب ایک مرتبہ قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی، اور ابھی لوگوں کے ہاتھ دعا سے جھکے بھی نہ تھے کہ موسلا دھار بارش ہوئی۔ غرض سلفِ صالحین کا یہی طریقہ تھا کہ مشکل یا پریشانی کے دنوں میں وہ شر سے باہر نکل کر اپنے صلحِ ترین آدمی کے ذریعہ دعا کراتے تھے۔ حضور ﷺ سے بھی منقول ہے کہ:

”جو مسلمان بندہ اپنے بھائی کے لئے اس کی پیٹھ بیچے دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ کتا ہے، خدایا

قول فرما! اور اس دعا کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثبات فرما! (مسلم: ۸۶/۸)

(مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں اور اپنے مومن بھائیوں کی دعاؤں کا وسیلہ لینا درست ہے۔ لیکن کسی اعلیٰ یا ادنیٰ شخصیت یا اس کی ذات کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا نہ تو درست ہے نہ ہی روایتوں سے اس قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔“

۳۳۔ قرآن پاک کا وسیلہ: قرآن پاک کی تلاوت اعلیٰ و اشرف ترین وسیلہ ہے۔

اس کے وسیلہ سے دعا کرنا قبولیت کی ضمانت ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کے ایک حرف پر دس نیکیوں کا وعدہ فرمایا ہے (ترمذی بروایت ابن مسعود) اس کی تلاوت کی محفلوں اور اس کے پڑھنے پڑھانے والوں کی مجلسوں پر خدا کی رحمت اور طمانیت کا نزول ہوتا ہے۔ فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں۔ اور ان پر اپنے پروں کا سایہ کئے ہوتے ہیں۔ اس کے محفل پر نور و فکر اور اس کے درس تدریس میں ایشاک ایسی زبردست نیکی ہے جس کے ہم پلہ نہ کوئی نیکی ہے۔ اور نہ اس سے افضل کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآن مجید خود سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔“ (بخاری)

نیز ان کا شمار نیکوکار اور مقرب بندوں میں ہو گا۔ ارشاد ہے۔

”قرآن پاک کا ماہر اللہ کے ان معزز اور بزرگ نورانی فرشتوں کے ساتھ ہو گا جو آسمانوں میں لوح محفوظ سے قرآن پاک کو نقل کرتے ہیں۔“ (مسلم ۱۹۵/۲)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:

”قرآن پاک پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ وہ قرآن پڑھتا جائے اور خیر کے اعلیٰ مدارج پر

چڑھتا جائے۔ اور جس طرح دنیا میں نمبر نمبر کر پڑھتا تھا یہاں بھی اسی طرح پڑھے۔ یہاں تک

کہ جس درجہ پر اس کا پڑھنا ختم ہو گا۔ جنت میں وہی اس کا مقام ہو گا۔ ترمذی ۱۱/۳۲، ۱۳/۳۳، احمد:

(۳۰/۳)

۳۴۔ آسماءِ حسنیٰ کا وسیلہ: یہ وسیلہ اپنی نوعیت اور قبولیت کے لحاظ سے سب سے

اعلیٰ اور مقبول ترین وسیلہ ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے سامنے دعا سے پہلے اس

کی حمد و ثنا کی جائے۔ اس کی بزرگی و عظمت اور اس کی عزت و جلال کے حامل آسماءِ حسنیٰ اور

صفاتِ عالیہ کو پیش کیا جائے۔ پھر جو حاجت درپیش ہو اس کی دعا کی جائے۔ تاکہ آسماءِ الہی اور

اس کا ذکر اور تسبیح، سب بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بن جائیں اور دعائیں قبول ہوں۔ اس میں

شک نہیں کہ اسماءِ حسنیٰ کا وسیلہ مؤثر ترین وسیلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے وسیلہ سے دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کا خواستگار کسبِ حلال اور صدقِ مقال کے معیار پر پورا اترتا ہو، اور اس کی دعا قطعِ رحمی یا کسی گناہ کے لئے نہ ہو۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ مقدسہ میں جا بجا اس وسیلہ کی اہمیت اور فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۝ (آعراف: ۱۸۰)

”اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، تم اللہ کو انہیں ناموں سے پکارو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے اچھے اچھے ناموں سے اسے پکاریں، تاکہ ان کی دعائیں قبول ہوں۔

اللہ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات سے وسیلہ لینے کے بیشتر طریقے احادیث میں بھی مذکور ہیں۔ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ اپنی دعاؤں سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ اس کے بعد عرضِ دعا کرتے تھے۔ مثلاً:

(۱) يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ: حضور ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص تین بار یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ: کہتا ہے ایک فرشتہ جو اس کلمہ پر مقرر ہے، کہتا ہے: اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ: کی ذات تمہاری جانب متوجہ ہے، اس لئے تم مانگو، کیا مانگتے ہو؟“ (حاکم)

(۲) يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ: حضور ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ: (اے عزت و جلال والے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری

فریاد قبول ہوئی، لہذا مانگو، کیا مانگتے ہو؟“ (ترمذی)

(۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا حَنَّانُ يَا

مَنَّانُ يَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَسْبِيَ يَا

قَيُّوْمُ —

”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بیشک تیرے ہی لئے

سب تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی احسان کرنے والا اور بڑی شفقت کرنے



والا ہے۔ تو ہی آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسے بزرگی اور جلال والے زندہ رہنے والے، اسے بندوبست کرنے والے۔“

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو عیاش رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے یوں دعا مانگی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَلْکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدُ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی، جو شخص بھی اس کے وسیلہ سے دعا مانگے گا، اللہ قبول کرے گا۔ اور جب بھی اس کے ذریعہ سوال کیا جائے گا، اللہ دے گا۔“ (مسند احمد: ۱۵۸/۳)

(۳) یَا رَبِّ! یَا رَبِّ! یَا رَبِّ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ”جب بندہ یَا رَبِّ! یَا رَبِّ! یَا رَبِّ! کہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں، میرے بندے میں حاضر ہوں، مانگو! تمہیں ملے گا۔“ (الترغیب والترہیب: ۳۸۸/۲)

(۵) لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ (انبیاء: ۸۷)

”(اے پروردگار!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بے شک میں قصور وار ہوں۔“

”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں ہی کلمات ادا کرتے تھے۔ جو شخص ان کلمات کے وسیلہ سے خدا سے دعا کرے گا، اللہ اس کی دعا قبول کرے گا۔“ (ترمذی: ۸۱۷)

بطور مثال ہم نے اللہ کے چند اسماء حسنیٰ پیش کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، اور ہر نام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے وسیلہ سے جب بھی دعا مانگی جائے گی، اللہ قبول کرے گا۔ اس لئے کہ وہ بڑا سخی، بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے، دعا کرنے اور مانگنے کا مسنون طریقہ یہی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اور اپنی امت کے لئے اسی طریقہ کو پسند فرمایا تھا۔ اس لئے امت کو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِیْلِهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ○ (اعراف: ۱۸۰)

”اور اللہ کے اچھے نام ہیں۔ تم اللہ کو انہیں ناموں سے پکارو۔“

● ۱۵۔ نیک کاموں کا وسیلہ:

خیر اور بھلائی کا کوئی ساعلم ایمان اور اخلاص نیت کے ساتھ کرنے پر جہاں اجر ملتا

ہے، وہیں اس کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے اور حوادث سے حفاظت ہوتی ہے۔

● غار میں چھپے ہوئے تین شخصوں کا واقعہ اس کی بہترین دلیل ہے انہوں نے ایک رات ایک غار میں پناہ لی۔ اتفاق سے ایک چٹان سرک کر غار کے منہ پر آپی۔ اور راستہ بند ہو گیا ان میں سے دو نے خالص اللہ کیلئے نیک عمل کرنے کے وسیلہ سے حق تعالیٰ سے دعا کی تیسرے نے خوفِ خدا کے سبب برائی سے رُک جانے کا وسیلہ لیا۔ اللہ نے ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔ چٹان ایک طرف ہو گئی اور یہ تینوں غار سے نکل کر چلے گئے۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

● بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اس نے راہ چلتے ایک کانٹے دار شئی کو اس خیال سے ایک طرف ڈال دیا کہ کسی راہ گیر کو اذیت نہ پہنچے۔ حق تعالیٰ نے اس کی نیکی قبول فرمائی۔ اور بظاہر معمولی نظر آنے والی اس نیکی پر اس کی مغفرت فرمائی اور اسے جنت میں داخل فرمایا۔ (القولوتو ۳۱/۳۱)

● بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کا واقعہ مشہور ہے کہ اس نے پیاس سے بے تاب ایک کتے کو پانی پلایا۔ یہ کتا پیاس کی شدت سے گیلی مٹی بار بار منہ میں لے رہا تھا۔ اس عورت نے اس درجہِ اخلاص اور لُہبیت سے اس عمل کو کیا کہ اللہ نے اس کو قبولت کا شرف بخشا اور اسے بھی جنت میں داخل فرمایا۔

(القولوتو ۷۵/۳، بخاری ۳۱/۳، مسلم ۳۴/۷)

۱۶۔ گناہوں سے پرہیز کا وسیلہ: نیکی اور بھلائی کا کرنا جہاں عبودت ہے، وہیں برائی

خصوصاً بڑے گناہوں سے احتراز اور پرہیز بھی مومن صلوٰۃ اور مخلص مسلمانوں کی زبردست نیکی ہے۔ جس کا وسیلہ لے کر باری تعالیٰ سے اپنی مرادوں کے حصول اور اپنی تمنائوں کی بجا آوری کے لئے دعا کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ غار والوں کے واقعہ میں گذرا کہ ان میں سے دو شخصوں نے اپنی نیکیوں کا وسیلہ لیا، اور ایک شخص نے برائی نہ کرنے کے وسیلہ سے دعا کی۔ اس شخص نے کہا تھا:

”اے اللہ! میری ایک بچھا زاد بہن تھی، جو مجھے بہت زیادہ محبوب تھی۔ میں نے اس سے اپنی بری نیت کا اظہار کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ قحطِ سالی کے ہاتھوں وہ مجبور ہو کر میرے پاس آئی۔ میں نے اسے ایک سو میں دتار اس شرط پر دیئے کہ وہ مجھے غلوت کا موقع دے وہ اس پر راضی ہو گئی۔ اور جب میں نے اس پر پوری طرح قابو پا لیا، تو وہ کہنے لگی“

معصیت کی اس مر کو ناحق مت توڑو۔ یہ سن کر میں اس کے پاس سے ہٹ گیا اور اگرچہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی، پھر بھی میں اس کے ساتھ اپنے برے خیال سے باز آیا اور وہ اشرفیاں بھی معاف کر دیں جو میں نے اسے دی تھیں۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس چٹان کی معصیت سے نجات دے، چنانچہ چٹان سرک گئی۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۲۳۶/۳)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی امت پچھلی امتوں کے حلات سے سبق سیکھ سکتی ہے اور غار والوں کی طرح آپ کی امت بھی مصائب اور مشکلات کے وقت اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر اللہ سے دعا کر سکتی ہے، پھر مومن کا خیر نیکوں سے بنا ہے۔ معصیت سے پرہیز اور دل میں خدا کا خوف رکھنا صرف بندہ مومن کی شان ہے۔

باری تعالیٰ کی کامل اطاعت بھی اسی میں ہے کہ یا تو مومن گناہ نہ کرے، یا کم از کم دل میں گناہ کا دوسوہ پیدا ہو تو اسے شرم آئے، اور وہ گناہ کرنے سے باز آجائے۔ اس لئے معصیت سے پرہیز بھی عمل صالح کی طرح ایک زبردست نیکی ہے۔ اور اس کو وسیلہ بنا کر مومن نہ صرف خدا کی رضا حاصل کر سکتا ہے بلکہ اپنی مشکلات کا ازالہ، اور خدا کا تقرب بھی تلاش کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس عمل کو بطور وسیلہ اپنی امت کے لئے مشروع فرمایا۔

### ● ممنوع اور حرام وسائل:

مشروع وسائل تفصیل سے بیان کئے جانے کے بعد آئندہ سطروں میں ممنوع اور باطل وسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

افسوس ان حرام اور ممنوع وسائل نے امت کی بڑی اکثریت اور عام مسلمانوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ عوام کا بڑا طبقہ آج حرام اور ناجائز ویلیوں میں بری طرح گرفتار ہو کر جائز اور مشروع ویلیوں سے بالکل محروم ہوتا جا رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ امت کی موجودہ چلبلی اور زلت و پسماندگی کا ایک سبب ان حرام وسائل کا آندھاؤند استعمال بھی ہے جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

چونکہ ہمارے پیش نظر ساری امت کی خیر خواہی ہے۔ صحیح اور خالص دین اسلام کی

تبلیغ و اشاعت ہمارا مقصد ہے۔ ہم دل سے یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اس دین کا صحیح نقشہ آجائے۔ اس کا — ٹھیک ٹھیک تعارف ہو جائے۔  
 بنا بریں: —

ذیل میں چند ممنوع وسیلے ان کی ضروری تشریح کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- اولیاء اور صالحین سے فریاد کرنا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ لینا، اولیاء اللہ سے شفاعت مانگنا اور فریاد کرنا سب شریعت کے خلاف ہے، اس لئے قطعاً حرام ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ بلکہ شریعت نے اس قسم کے وسیلے کی مذمت کی ہے۔ مذموم اور حرام وسیلہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا لینے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور بغیر توبہ کے مرگیا تو جہنمی ہو گا۔ (خدا کی پناہ)

جاہل اور عام مسلمانوں میں وسیلہ کا جو یہ رواج چل پڑا ہے کہ مثلاً کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر کہتے ہیں: ”اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں کو اپنا سفارشی بنا کر پیش کرتا ہوں کہ اس کے وسیلے سے تو میری حاجت پوری کر دے۔ اور کبھی تو یہ ظالم انہیں فلاں کا نام لے کر اور انہیں پکار کر ان سے فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: اے سیدی فلاں! اے خواجہ فلاں! اے غوث پاک دہلیگیر! میری مدد کر، میری مراد پوری کر، میرے لئے خدا سے دعا کر! مجھے اپنی پناہ میں رکھ! میں تیری اور اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، میں بس تیری طرف منسوب ہوں۔“ یہ اور اس قسم کے بے شمار شرک اور کفر کے کلمات بے تحاشہ کئے چلے جاتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اسلام اس قسم کے وسیلے سے بری ہے۔ قرآن پاک اور احادیث مقدسہ میں کہیں اس وسیلے کی یا اس طرح غیر اللہ سے فریاد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بلکہ کتاب و سنت کی رو سے یہ سب ممنوع اور حرام اور کھلا ہوا شرک ہے، جس کے متعلق باری تعالیٰ نے سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ○ (مائدہ: ۷۲)

ترجمہ: ”بلاشبہ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

### ۲- غیر اللہ کے لئے نذر ماننا

اکثر جاہل اور بدعتی، اولیاء و صالحین کے لئے نذر مانتے ہیں مُردوں کے لئے نذر مان کر اپنی مُردوں اور حاجتوں کی تکمیل کے لئے ان کی ذات کا وسیلہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ کھلا ہوا شرک اور کتاب و سنت سے ذوری کا نتیجہ ہے۔

بعض جاہل ایسے بھی ہوتے ہیں جو نذر مانتے ہیں کہ اگر ان کی دلی مُراد پوری ہوئی یا انہیں روزی مل گئی تو وہ فلاں ولی کے نام پر، یا ان کی قبر پر کوئی جانور یا جائیداد وقف کریں گے۔ یہ بدترین قسم کا شرک اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسلام اس سے بری ہے۔ اسلام نے کہیں اس طرح کی تعلیم نہیں دی، اور نہ ہی مسلمانوں کا کبھی یہ عقیدہ رہا ہے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے فریاد کو جائز سمجھا ہو، خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ قبروں پر جانوروں کو ذبح کرنا قبۃ تعمیر کرنا، چادر چڑھانا ان پر پردہ لٹکانا، چراغاں کرنا، قبروں کو چھوٹا، اس کے گرد طواف کرنا، مُردوں اور صاحب مزار سے نفع پہنچانے، یا نقصان سے بچانے کی دعا کرنا، یہ سب سلف کے نزدیک حد درجہ ممنوع اور حرام ہے۔ اگر کسی نے اس قسم کی کوئی نذر مانی تو اس کو پوری کرنا کسی درجہ میں ضروری نہیں۔ بلکہ نذر ماننے والے کو توبہ کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا کوئی سا بھی اقدام عقیدہ توحید سے ٹکراتا ہے، اور کلمہ طیبہ کی اس روح کے خلاف جاتا ہے، جس میں بندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ بندگی اور عبادت صرف اللہ کی کرے گا۔ کسی اور کی نہیں۔

۳- قبروں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھانا: قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا منجملہ اور رسوم کے اہل جاہلیت کی قدیم رسم ہے۔ آج عالم اسلام میں جگہ جگہ قبروں پر جو تھوڑے اور میلہ لگتا ہے، عرس کے موقع پر ذور دراز سے کثیر مال اور جانور لائے جاتے ہیں، اور مزاروں پر ان

کی بھیئت چڑھائی جاتی ہے، یہ سب ضلالت اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مشروع نہیں قرار دیا، نہ ان کا وسیلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ البتہ اہل جاہلیت اس پر عامل تھے۔ اسی لئے قرآن پاک نے سختی سے اس باطل عقیدے پر تنبیہ کی ہے، اور فرمایا ہے:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ (نساء: ۳۶)

”اور اللہ ہی کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔“

نیز فرمایا:

فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (بقرہ: ۲۲)

”پس کسی کو اللہ کا ہمسرا (اور شریک) نہ بناؤ۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو (کہ اس جیسا کوئی بھی نہیں)۔“

۳- قبروں پر چلہ کشی: قبروں کی زیارت اور ان کا طواف کرنا، مزاروں کی چوکھٹ، اور ان کے پتھروں کو چومنا، اولیاء اور صالحین سے شفاعت مانگنا، بیماروں کی شفا یابی کے لئے آستانوں اور درگاہوں پر چلہ کشی کرنا، اور عرس اور میلاد کی محفلیں سجانا، کسی زندہ یا مردہ کو پکارنا، اور اس سے شفاعت وغیرہ کی درخواست کرنا، یہ سب ممنوع اور قطعاً حرام ہیں۔ اور یہ سب وہی لوگ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ناواقف اور عقیدہ توحید سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ فی الحقیقت ان سب باتوں کی قدرت، اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ اور جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرے گا، یا اس پر اصرار کرے گا، اہل شرع کے نزدیک کافر اور مشرک ہوگا۔

۵- کسی کے جاہ کا وسیلہ لینا: اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کے جاہ و مرتبہ کا وسیلہ لینا، غیر شرعی طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر یوں کہتا: ”اے اللہ! میں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ یا تیرے فلاں بندے کے جاہ کے وسیلہ لے کر تجھ سے سوال کرتا ہوں۔“ اللہ کی بارگاہ میں یہ وسیلہ غیر مشروع اور مردود ہے۔ نیز یہ اسلامی تعلیمات اور حکم الہی کی صریح خلاف ورزی ہے۔ جب کہ ان لفظوں سے دعا کرنی چاہئے۔ یا اللہ، یا رحم الراحمین، یا ذا الجلال والاكرام یا حی یا قیوم۔ جیسا کہ ارشاد ہے

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۝ (اعراف: ۱۸)

کتاب و سنت کی رو سے جو وسیلہ مشروع ہے، اس کی کسی قدر تفصیل گذشتہ صفحات میں درج ہے۔ اس پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لینا چاہئے کہ کیا کسی نبی اور رسول نے کسی ولی کامل اور بزرگ نے کبھی اپنے جاہ یا مرتبہ کے وسیلہ سے بھی دعا کی ہے؟ یا یہ من گھڑت اور نری بدعت اور جہالت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ اور ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کے سامنے جائز اور مشروع چیزوں کا وسیلہ لینا چاہئے، جس کو وسیلہ کے طور پر خود اس ذات واحد نے مقرر کیا ہے، بھلا وہ چیز کیونکر وسیلہ بن سکتی ہے جو بدعت اور ضلالت ہے، اور خدا کو سخت ناپسند ہے؟!

۶۔ کسی کے حق کا وسیلہ لینا: جاہ و مرتبہ کی طرح حق و حرمت کا وسیلہ لینا بھی قطعی غیر شرعی بلکہ ممنوع عمل ہے۔ اگر یہ وسیلہ کسی صورت مشروع ہوتا تو کتاب اللہ میں کہیں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ جب کہ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا قَرَّبْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۝ (انعام: ۳۸)

”ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کسی چیز کے لکھنے میں کوئی نامی نہیں کی۔“  
یا پھر حدیث پاک میں کہیں نہ کہیں اس کا تذکرہ ہوتا۔ اس لئے کہ بقول حضرت

ابو ہریرہ:

”حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ، آپ نے ہمیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے۔ یہاں تک کہ رفع حاجت کے لئے بیٹھنے کی ہیئت بھی بتا دی ہے۔“

(مسلم، ۱/۱۵۳)

مذکورہ بالا وسیلہ کتاب و سنت کے صریح خلاف اور بدعت ہے، جس سے پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے بعد اسلاف صالحین سخت بیزار ہیں۔

امام ابو حنیفہ یا ان کے صاحبین کا قول ہے کہ ”دعا کرنے والے کے لئے یہ حرام ہے کہ یوں دعا کرے: ”اے اللہ! میں فلاں کے حق کے واسطے سے، یا تیرے نبی اور رسول کے حق کے وسیلہ سے، یا بیت اللہ، یا مشعر حرام کے واسطے سے تجھ سے دعا کرتا ہوں۔“ اس طرح دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس کی سزا جہنم ہے“

حق کے وسیلہ سے دعا کرنا اس لئے 'منوع' ہے کہ کسی مخلوق کا اللہ پر کوئی حق نہیں۔ حق تو اللہ کا اس کی مخلوق پر ہے۔ اور جب مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں تو اس حق کے واسطے سے دعا کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ ہاں، یہ خدا کی عنایت اور مہربانی ہے کہ وہ جسے چاہے گا اپنے لطف و کرم سے بخش دے گا۔ اس لئے اس کے فضل اور اس کے اسماء و صفات کا واسطہ دینا چاہئے، نہ کہ غیر اللہ کے واسطے سے دعا کرنی چاہئے، چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (نساء: ۳۲)

”اور ہر وقت اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔“

غرض مذکورہ بالا ممنوع وسیلوں کے ذریعے دعا کرنا اہل بدعت کا طریقہ ہے۔ اور جب دعا افضل ترین عبادت ہے، تو اس عبادت کی ادائیگی کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اسوہ کے مطابق ہونی چاہئے۔ اہل بدعت اور اہل شرک کے طریقہ پر نہیں۔ باری تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے غیر مشروع وسیلوں سے بے نیاز ہے۔ ہاں، اس کا وعدہ ہے کہ مشروع وسیلہ کے ساتھ اس سے دعا کی جائے، وہ اس کو ضرور سنے گا۔ مثالیوں کے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِإِيمَانِي بِكَ، أَوْ نَيْتِكَ، أَوْ بِكِتَابِكَ، أَوْ بِمَحَبَّتِي لَكَ، أَوْ لِفَلَانٍ نَيْتِكَ، أَوْ عَبْدِكَ أَنْ تَقْضِيَ حَاجَتِي أَوْ تَفْرِجَ كُرْبِي أَوْ تُخَلِّصَنِي مِنْ مِحْنِي ○ أَوْ يَقُولُ: اللَّهُمَّ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمَحَبَّتِي وَاتِّبَاعِي لِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَكْشِفَ ضُرِّي، أَوْ تَقْضِيَ حَاجَتِي أَوْ تُعْطِنِي كَذَا أَوْ كَذَا

( : ) -۱

”اے اللہ! میں تجھ پر، تیرے نبی پر، اور تیری کتابوں پر ایمان لایا۔ اب میں اسی ایمان کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ یا (یوں کہے) اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ میں تجھ سے، تیرے پیغمبر سے، یا تیرے بندے سے محبت کرتا ہوں، اب تو میری فلاں حاجت کو پوری فرما، یا مجھے غم سے نجات دے، یا مشکل سے رہائی



دے۔ یا یوں کہے، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، تیرے نبی حضرت محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں، ان کی پیروی کرتا ہوں، اور انہیں کے وسیلہ سے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے تکلیف سے نجات دے، یا میری فلاں حاجت پوری فرما، یا فلاں چیز مجھے عنایت فرما۔“

یہ مشروع وسیلہ ہے جس سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور اس سے وسیلہ لینا مقبول ہے۔ اور ایمان و یقین پیدا ہونے پر خدا نے چاہا تو اجابت و مقبولیت کی اہلیت نصیب ہوگی۔ نیز یہ جائز وسائل بندہ مومن کو ان وسائل سے بے نیاز کرتے ہیں جو کتب و سنت سے ثابت نہیں۔ ضروری تنبیہ:- آئندہ سطروں میں تین شہادت اور ان کے معقول جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔ یہ شہادت بالخصوص وسائل اور ان پر بحث کے دوران مسلمانوں کو درپیش ہوتے ہیں۔

۱- نابینا کا واقعہ: حدیث کا متن۔ جس کی سند میں مضائقہ نہیں۔ یہ ہے۔ ایک نابینا شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ اور کہا۔ اللہ سے میرے لئے عافیت کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تم چاہو تو دعا کروں لیکن بہتر ہے کہ صبر کرو۔ نابینا نے کہا دعا ہی فرمائیے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا پڑھو:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ  
يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي لِتَقْضَى لِي اللَّهُمَّ  
شَفَعَةً فِيَّ ○ (احمد: ۴/۱۳۸)

”اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی رحمت حضرت محمد کے ذریعہ۔ اے محمد متوجہ کرتا ہوں آپ کو اپنے رب کی طرف، اپنی حاجت کے لئے کہ آپ پوری کرائیں۔ اے اللہ میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما۔“

راوی کہتے ہیں اس نے یہی کیا۔ اور شفا یاب ہوا۔ سوال:- اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے جب نابینا کو یہ دعا سکھائی کہ کہو اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ

وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ — تو آج مشکلات اور پریشانیوں میں ہم کیوں نہ مقصد براری کے لئے ایسا ہی کہیں؟

جواب ہے: ہم کہتے ہیں کہ یہ وسیلہ لینا چند شرائط کے ساتھ ہوا ہے۔ اور یہ شرطیں بحد ضروری ہیں۔ چنانچہ اس کا جزو اعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ اور اب جب کہ آپ وفات پا گئے، آپ کا دعا کرنا یا کسی کے لئے شفاعت چاہنا کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اگر کوئی اٹھ کر یہ دعا کرے کہ اے اللہ کے رسول میری حاجت براری کے لئے دعا کیجئے۔ تو یہ انتہائی بے معنی لغو اور غلط ہوگا۔ اس لئے کہ حضور نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ کسی کیلئے خدا سے دعا کرتے ہیں۔ لہذا آج یہ دعا کرنا (اللَّهُمَّ اِنِّیْ...) — بر خود غلط اور فریب ہوگا۔ اس لئے کہ اس سے پہلے حضور کی دعا کہاں پائی گئی؟ جو یوں کہا جائے کہ ”اے محمد متوجہ کرتا ہوں آپ کو اپنے رب کی طرف اے اللہ میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما۔ فی الواقعہ اس طرح تو وہی کہہ سکتا ہے جو نابینا کی طرح حضور ﷺ کے سامنے موجود رہا ہو۔

بتا بریں اس کیفیت کے ساتھ وسیلہ لینا نہ تو جائز ہوگا نہ مفید ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا بڑا اور اہم رکن یعنی حضور ﷺ کی دعا کرنا نہیں پایا گیا۔

ممنوع وسیلہ کے قائل کبھی اعداد و شمار کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اتنے لوگوں نے فلاں بزرگ، فلاں خواجہ، یا فلاں درگاہ اور آستانے کے وسیلہ سے دعا کی اور ان کی مرادیں پوری ہوئیں۔ یہ جاہل اتنا نہیں جانتے کہ کسی کی مراد اگر پوری ہوئی تو اس میں کسی بزرگ، یا درگاہ، یا آستانہ کا کیا دخل؟ مراد پوری کرنا، نہ کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے، اور اس نے قسمت میں لکھ دیا تھا کہ فلاں شخص کا فلاں کام، فلاں دن پورا ہوگا۔ اب یہ اس شخص کی نامعاقبت اندیشی ہے کہ اس نے غلط وسیلہ سے دعا کی۔ اگر وہ صحیح وسیلہ سے دعا کرتا تو اسے دوہرا فائدہ حاصل ہوتا! اس کی ولی مراد بھی پوری ہوتی اور اس کا صحیح وسیلہ لینا عبادت میں شمار ہوتا۔ جس پر اسے اجر ملتا، لیکن اس نے حرام وسیلہ اختیار کیا، لہذا فضل بد کا گناہ تو اسے مل کے رہے گا۔

کاش! مسلمانوں کو ممنوع وسیلہ کے گناہ اس کی گندگی اور اس کے مسلک اثرات کا احساس ہوتا، اور بے جا وسیلہ لینے کی بجائے خدا کے سامنے اپنی حاجت پیش کرتے، جس کا

آسان طریقہ یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے، اور خدا سے دعا کرے  
**اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَلُكَ** (حاجت کی جگہ اپنی ضرورت کا تصور کرے)۔

تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کو سنتا ہے، اور مقصد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ  
 شکرانِ نعمت کے طور پر میں اپنی زندگی کا ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں۔ ”یہ اس وقت کا ذکر ہے  
 جب میں اسی بحث کا مسودہ صاف کر رہا تھا۔ ان دنوں میں مراکش میں ”دار بیضاء“ میں قیام پذیر  
 تھا۔ ختمِ رمضان کے دن تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ ان مبارک ایام میں عمرہ کی سعادت  
 پاؤں۔ میں نے فوری طور پر ہوائی جہاز میں سیٹ ریزرو کرانی چاہی۔ بنگلہ آفس سے جواب ملا کہ  
 ریزرویشن ختم ہو چکا ہے۔ مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ اگر فوری سیٹ نہ ملی تو رمضان میں عمرہ کی  
 سعادت سے محروم رہوں گا۔ بہر کیف میں نے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور حسب سابق دعا  
 مانگی، اور اخیر میں یوں کہا، ”خدا یا فلاں دن، فلاں جہاز سے میرے لئے سفر کرنا آسان فرما، تاکہ  
 رمضان کی مقدس ساعتوں میں عمرہ کی سعادت پاؤں۔ دعا مانگ کر میں دوبارہ کہنی کے دفتر گیا۔  
 آفس پہنچ کر بخدا میں ابھی اپنی جگہ ٹھیک سے بیٹھ بھی نہیں سکا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ سیٹ  
 ریزرو ہو چکی ہے۔ اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے دلی مراد بر آنے پر میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر  
 ادا کیا۔ یہ انعام اسی مشروع وسیلہ کی برکت تھی۔“

۲۔ حضرت عباس سے دُعا استفتاء کی درخواست: بخاری کی روایت کے مطابق  
 اس حدیث کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا، جب لوگ قحط سالی میں  
 مبتلا ہوتے تھے، تو آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے استفتاء کے لئے دعا کی درخواست  
 کرتے اور اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِبَيْتِنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ  
 نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ: فَيَسْقُونَ ○ (بخاری: ۴۲/۴۳)

”اے اللہ! ہم اپنے نبی کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے، تو ہمیں سیراب کرتا تھا۔ اب  
 ہم تیرے نبی کے چچا کی دعا کے وسیلہ سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں، تو ہمیں بارش عطا فرما۔  
 تو بارش ہوا کرتی تھی۔“

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضور کی ذات سے وسیلہ لینے کا اقرار کر رہے ہیں۔ اس لئے آج ہم بھی کیوں نہ اس پر عمل کریں اور آپ کی ذات کے وسیلہ سے دعا کریں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضور سے وسیلہ لینے کا مطلب یہی ہے کہ صحابہ آپ سے بارش کے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے آپ دعا فرماتے تھے اور مقصد حاصل ہوتا تھا۔ ایسا بار بار ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ درخواست گزار حضور کی ذات یا آپ کی وجاہت کا وسیلہ لے کر یوں کہتے تھے۔ (اے اللہ ہم اپنے نبی کی ذات یا ان کے جاہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے۔) نہ یہ ہوتا تھا کہ حضور موجود نہ ہوتے تھے۔ نہ دعائیں شرکت فرماتے تھے۔ اور اگر ذات پاک کا وسیلہ لینا ہی مقصود ہوتا تھا تو حضرت عباس کی دعا کا وسیلہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی۔ حضرت عمر براہ راست یوں کہتے کہ: اے اللہ تیرے نبی کی ذات یا ان کے جاہ کے وسیلہ سے ہم دعا کرتے ہیں۔! حضرت عمر نے یہ اس لئے نہیں کیا کہ حضور کی ذات کا وسیلہ کوئی چیز نہیں۔ حقیقی وسیلہ آپ کی دعائیں تھیں۔ اور اب جب کہ آپ وفات پا گئے آپ دعائیں نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے استسقاء اور دعا کے لئے حضرت عباس کو مقرر کیا۔ اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ خدا نے دعائیں لی۔ اور بارش آئی۔

اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ مشروع ہے۔ اور مسلمانوں میں اس پر عمل ہوتا ہے کہ لوگ جب استسقاء کے لئے نکلتے ہیں تو شہر کے مروجہ صالح کو نماز و دعا کے لئے آگے بڑھاتے ہیں۔ وہ ان کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا، نہ ایسا کرنا جائز ہے کہ کسی کو لانے کی بجائے کسی زندہ یا مردہ کسی غائب یا حاضر کی ذات کے وسیلہ سے دعائیں کی جائیں۔ اور یوں کہا جائے کہ اے اللہ! ہم فلاں کی ذات یا اس کے جاہ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ بیشک یہ جھوٹ باطل اور فریب ہے۔ غائب یا مردہ کا وسیلہ اسلئے بھی بے سود ہے کہ وہ نہ سن سکتے ہیں۔ نہ کسی کے حال کی کچھ خبر رکھ سکتے ہیں۔ اور جب دعائیں کر سکتے تو قبولیت یا عدم قبولیت کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ کِی رِوَایَتِ

جب حضور ﷺ اس طرح دعا فرماتے تھے کہ

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَنْشَأِي ۝ (۱۱)

(۲۱/۳: ابن ماجہ/۱۱۳)

”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں، تجھ پر سائلین کے حق سے، اور میرے اس چلنے کے حق سے۔“

تو امت کیلئے بحق فلاں، اور بجاہ فلاں کہہ کر دعا مانگنے میں کیا قباحت ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان الفاظ پر مشتمل روایت ضعیف ہے۔ اور ضعیف روایتوں سے مسائل اخذ نہیں کئے جاتے۔ جن کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ لیکن یابیں ہمہ اگر روایت بالفرض صحیح بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ بحق فلاں کا جواز اس سے نہیں نکلتا۔ اس کا سیدھا مطلب دعا کرنا ہے۔ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ مجھ سے مانگو! میں تمہیں دوں گا۔ باری تعالیٰ دعا کا حکم دیتا ہے۔ اور قبولیت کا وعدہ فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۝ (مومن: ۶۰)

”اور تمہارے رب نے کہہ دیا ہے کہ تم مجھ کو پکارو میں تمہاری سنوں گا۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بندہ مومن خدا سے دعا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی دعا کو اور پکار کو سنے گا۔ بنا بریں حضور ﷺ گھر سے نماز کیلئے مسجد تشریف لاتے تو اسی قبولیت اور اجابت کی امید رکھتے ہوئے دعائیں فرماتے تھے۔ اور کہتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَنْشَأِي هَذَا

”اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں سائلین کے حق سے اور میرے اس چلنے کے حق سے۔“

اس دعا کا ایک ایک لفظ بتاتا ہے کہ حضور ﷺ حق تعالیٰ کی صفت اجابت اور صفت قبولیت کے ذریعہ دعا فرماتے ہیں۔ وہ صفت جس کے تحت حق تعالیٰ دعا کرنے والوں کی سنتا ہے۔ اطاعت گزاروں کو ان کا اجر مرحمت فرماتا ہے۔ اس کی بندگی کیلئے مسجد تک چل کر آئیوں کو نیک بدلہ عنایت فرماتا ہے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ یہ توجیہ حدیث فرض مان کر علی سبیل التزلزل کی گئی۔ ورنہ بصورت دیگر اگر حدیث ضعیف ہو تو ہمیں اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ روایت اسی طرح موضوع اور باطل ہوگی جیسے وہ روایت ہے جس میں ہے کہ جنت میں آدم ﷺ سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا: (اے میرے رب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے)

اسی قسم کی موضوع روایت حضرت فاطمہ بنت اسد کی حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت علی بن ابی طالب کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کا انتقال ہوا، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی تھی تو آپ ان کے پاس گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا: ”یا امی! میری والدہ کے بعد اللہ آپ پر رحم فرمائے“ اور جب ان کو قبر میں اتارا تو فرمایا:

اللَّهُ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، إغْفِرْ لَأُمَّتِي فَاطِمَةَ بِنْتَ  
 أَسَدٍ، وَلَقِنَهَا حُجَّتَهَا وَوَسَّعَ عَلَيْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ  
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِي فَإِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ○ (حاکم، ابن حبان)

”اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کبھی مرے گا نہیں۔ اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور انہیں ان کی حجت کی تلقین فرما۔ اور ان کی قبر کو وسیع کرو۔ اپنے نبی اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کے حق کے واسطے سے۔ تو بے شک ارحم الراحمین ہے۔“

یہ روایتیں علماء سلف اور محدثین کے نزدیک فہم و درایت اصول شریعت اور تعلیمات نبوی کی رو سے موضوع اور ناقابل حجت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عقیدہ جیسی بنیادی چیز جو ایمان کا جز ہے اور جس پر نجات کا مدار ہے، اس کے اثبات کے لئے قطعی اور یقینی دلائل کا ہونا ضروری ہے۔ مگر اور موضوع حدیثوں کو عقیدہ اور ایمان کے لئے دلیل اور حجت بنانا کسی صورت جائز نہیں۔ اس لئے وسیلہ کی ان غلط شکلوں میں پڑنے کی بجائے ان پاک و صاف صورتوں کو اختیار کرنا چاہئے جو حضور ﷺ سے صحت کے ساتھ منقول ہیں۔ وہی روایتیں ہمارے لئے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حق و ناحق میں تمیز کی قوت عطا فرمائے، اور حق کو قبول

کرنے اور ناحق کو رد کرنے کی توفیق دے۔

### ● شفاعت اور اس کی حقیقت:

وسیلہ کی طرح شفاعت کے لفظ سے بھی عوام میں بڑی گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ چنانچہ آج بھاری اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو غیر اللہ سے فریاد کرتے ہیں۔ ان سے شفاعت کی اُمید رکھتے ہیں، اور نیک عمل کرنے کی بجائے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم کچھ کریں، یا نہ کریں، فلاں بزرگ کے دامن سے لپٹ کر، یا ان کی شفاعت پا کر ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ اول تو وہ اس کو شریک اور گناہ نہیں سمجھتے۔ دوسرے جو لوگ انہیں سمجھاتے ہیں، اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ اُلٹے ان کی اہانت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نہ غیر اللہ کو پکارتے ہیں، نہ ان سے فریاد کرتے ہیں۔ ہم تو صرف ان کی شفاعت چاہتے ہیں، اور بس!

عوام میں پھیلی ہوئی اس گمراہی اور غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اس موضوع کو قدرے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ لوگوں کو شفاعت کی حقیقت معلوم ہو۔

### ● شفاعت کے معنی:

”شَفَعٌ شَفَاعَةٌ اور اِسْتِشْفَاعٌ تین الفاظ ہیں۔ لفظ شَفَعٌ ان کا مصدر ہے، جس کے معنی کسی چیز کو اس کے جیسے کے ساتھ ملانے اور جوڑنے کے ہیں۔ سفارش کے عمل میں سفارشی بھی حاجت مند کا شریک اور اس کا جوڑ بن جاتا ہے۔ اسی لئے سفارشی کو ”شفیع“ کہتے ہیں۔ ”شفاعة“ کے معنی ہیں: ”کسی کم درجہ والے کی مدد کے لئے یا اس کے گناہوں کی معافی کے لئے کسی حاکم یا اقتدارِ اعلیٰ کے پاس سفارش کے لئے جانا۔“

### ● سفارش کا حکم:

کسی ملدار، صاحبِ اقتدار، یا بادشاہِ وقت کے یہاں کسی حاجت مند کی سفارش کرنا کوئی برا کام نہیں۔ بلکہ نیک کام کے لئے سعی اور سفارش کرنی چاہئے کہ یہ بذاتِ خود ایک نیک کام ہے۔ البتہ برے کام میں سعی و سفارش نہ کرنی چاہئے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً

سَبِيَّةٌ يَكُنُّ لَهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا، وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْبِلًا ۝

(نساء: ۸۵)

ترجمہ: ”جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے تو اس (کے ثواب) میں سے اس کو حصہ ملے گا۔ اور جو شخص بری بات کی سفارش کرے تو اس (کے عذاب) میں سے اس کا حصہ ہوگا اور اللہ ہر چیز کا نگران ہے۔“

اور اگر نیک کام کے لئے کسی نے سعی و سفارش کی، لیکن کام نہ ہوا تب بھی سفارش کرنے والے کو اجر ملے گا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس جب کوئی ضرورت مند آتا تو حضور ﷺ پاس بیٹھنے والوں سے فرماتے: ”(اس کی) سفارش کرو۔ تم کو ثواب ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے وہی نکلواتا ہے“ (اللؤلؤ والمرجان: ۳/۲۰۲، ۲۰۳)

سفارش کے جواز کی شرط یہ ہے کہ جب ضرورت مند کا حق ضائع ہو رہا ہو، یا ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، یا کسی سے استفادہ چاہتا ہو، تو اس کے لئے اہل بیت سفارش کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی کا حق مارنے یا برباد کرنے، یا خدا کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کے لئے سفارش کی گئی تو یہ سفارش باطل اور بے سود ہوگی۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَا وَنُؤَا عَلَىٰ الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَىٰ الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ  
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (مائدہ: ۲)

ترجمہ: ”اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔“

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب حد کا مقدمہ کسی شرعی عدالت کے سامنے پیش ہو (اور کوئی سفارش کو آئے) تو سفارشی اور جس کے لئے سفارش کی جائے، دونوں پر خدا کی لعنت ہو۔“ (موطا: ۳۹، ۵۰)

● قیاس کی خرابی:

عقیدہ توحید اور ذات الہی کی کما حقہ معرفت نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے جاہل



مسلمانوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انبیاء اور صالحین سفارش کرنے اور معافی دلانے کے منصب پر فائز ہیں۔ اور جس طرح انسانوں میں وزیر کی سفارش کے بغیر بادشاہ کے یہاں کوئی کام نہیں بنتا، اسی طرح ان فلاں اور فلاں کے بغیر اللہ تعالیٰ نہ دعائیں سنتا ہے، نہ عبادت قبول کرتا ہے۔ اور جب اللہ اور بندوں کے درمیان سفارش کا واسطہ حائل ہے، تو کتنے مسلمان ہیں جو اس سفارش پر بھروسہ کر کے دنیا ہی میں ان انبیاء اور صالحین سے گناہ کی بخشش اور سفارش چاہتے ہیں۔ چنانچہ اٹھتے بیٹھتے خالق کی بجائے مخلوق کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں: ”یا رسول اللہ! میری سفارش کیجئے، میرے گناہ معاف کیجئے۔ جس نے مجھ پر ظلم کیا اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔“ ”اے شیخ فلاں! اے خواجہ فلاں! خدا کے پاس میری سفارش کیجئے، اے غوث پاک! میں خدا کے حضور میں تمہارا وسیلہ چاہتا ہوں، خدا سے دعا کرو کہ میرا فلاں کام بن جائے۔“ (خدا کی پناہ)

اس فاسد عقیدے کے اندر دو خرابیاں نمایاں ہیں۔ اول غیر اللہ کو پکارنا اور اس سے فریاد کرنا، جو گناہ کبیرہ اور سب سے بڑا شرک ہے۔ دوسرے خالق و مخلوق کو ایک سطح پر رکھنا اور یہ سمجھنا کہ پیغمبروں، فرشتوں، پیروں اور فقیروں کی سفارش کے بغیر خدا کے یہاں بھی کوئی کام نہیں بن سکتا، جیسے دنیاوی بادشاہ لشکر و سپاہ کے بغیر نہ حکومت کر سکتا ہے، اور نہ ہی کوئی شخص وزراء اور شاہی کارندوں کا وسیلہ لئے بغیر اس کے دربار میں باریاب ہو سکتا ہے۔

ہم نے پیشتر عرض کیا تھا کہ یہ ذہنیت تمام ترجمان کی پیداوار ہے۔ اہل جاہلیت بھی بتوں کی پرستش یہ سمجھ کر کرتے تھے کہ قیامت کے دن وہ اللہ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے۔ جبکہ اس کے بالمقابل اسلام نے روزِ اول سے ان دیواروں کو ہمیشہ گرایا ہے، جسے مذاہب عالم نے اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حائل کیا ہے۔ اور یہ امتیاز صرف دینِ اسلام کو حاصل ہے جس نے یہ اعلان کیا کہ باری تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں کسی وسیلہ کے بغیر سنتا ہے اور قبول بھی کرتا ہے۔ اس کو کسی سفارشی اور واسطہ کی حاجت نہیں۔ کوئی معمولی انسان بھی اس کو جب اور جہاں چاہے، یا اللہ! کہہ کر پکارے تو وہ اس کی بھی ضرور سنے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ، أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا

دَعَانِ، فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○ (بقرہ: ۱۸۶)

”اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں قریب ہی ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، تو ان کو چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ سیدھا راستہ پائیں۔“

نیز فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَن

عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○ (عاف: ۲۰)

”اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔“

### ● ایک شبہ کا ازالہ:

اگر کوئی یہ کہے کہ تم ایک طرف اولیاء اور صالحین کی شفاعت کا انکار کرتے ہو، اور دوسرے طرف مومن کی دعا کو وسیلہ مانتے ہو، اور اس کو جائز سمجھتے ہو۔ جب کہ دعا بھی ایک قسم کی سفارش ہے۔ پھر ایک جائز اور ایک ناجائز کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سفارش اور دعا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک فرق تو یہ ہے کہ وسیلہ کی بحث میں تفصیل سے گذرا کہ دعا کرنا اور دعا کا وسیلہ لینا کتب و سنت سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ

سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ ○ (شورہ: ۱۰)

”اور جو ان مہاجرین کے بعد آئے، دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے

اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے، گناہ معاف فرما۔“

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عمرہ کی اجازت مانگی۔ آپ نے

اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

”میرے بھائی! اپنی دعائیں مجھے نہ بھولنا“ — ایک دوسری روایت یوں ہے کہ ”اے بھائی! اپنی دعائیں مجھے بھی شریک رکھنا“ (ترمذی / ۱۰۹)

اور یہ حقیقت ہے کہ دین کے بارے میں حضور ﷺ کا ہر قول و عمل، دستور اور قانون ہے۔ لہذا آپ نے اپنے اس ارشاد سے امت کو یہ تعلیم دی کہ وہ اسی طرح اپنے لئے اپنے مومن بھائیوں سے دعا کی درخواست کریں۔ تاکہ اہل ایمان کی دعائیں ایک دوسرے کے لئے وسیلہ بنیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک دوسرے سے دعا کی درخواست کا رواج آج بھی بدستور موجود ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ کسی مومن سے دعا کی درخواست اس کی زندگی میں کی جاتی ہے اور دعا کی درخواست کرنا ایسا ہے، جیسے روپیے پیسے یا کھانے پینے کی درخواست کی جاتی ہے۔ اور یہ بات نہ خلاف عقل ہے، نہ شرعاً منع ہے۔ لیکن کسی مردہ سے دعا کی درخواست کرنا اولیاء اور صالحین کو پکارنا، ان سے فریاد کرنا، ان سے سفارش اور شفاعت چاہنا نہ صرف حرام ہے بلکہ عقل کے خلاف بھی ہے، اور اس کا کرنے والا کافر و مشرک ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شرک و بدعت سے محفوظ رکھے اور رسوم و خرافات سے پاک رکھے۔

### ● آخرت کی شفاعت کا حکم:

اب تک یہ عرض کیا گیا کہ اہل بدعت و ضلالت کی یہ خام خیالی اور جمالت ہے کہ وہ انبیاء اور صالحین کی شفاعت کو بمانہ بنا کر عمل سے فارغ ہو چکے ہیں، لیکن جاننا چاہئے کہ شفاعت کا یہ حکم دنیا سے متعلق ہے۔ رہی آخرت کی شفاعت تو اس میں شک نہیں کہ دنیا اور آخرت کی شفاعت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ آدنیٰ درجہ کا مسلمان بھی جانتا ہے کہ حکم اور اقتدار اس روز صرف باری تعالیٰ کا ہوگا۔ اس لئے وہاں شفاعت صرف اللہ کے حکم سے ہوگی، اور خالص موحدوں کے لئے ہوگی، مشرکوں کو اس شفاعت سے ذرہ برابر فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ اس روز کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَا أَذْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ، ثُمَّ مَّا أَذْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ، يَوْمَ لَا تَنْفَعُكَ

نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ۝ (انفطار: ۱۹۷)

”اور تم کو کچھ معلوم ہے کہ وہ روز جزا کیا ہے؟ ہم پھر کہتے ہیں کہ تم کو کچھ معلوم ہے کہ وہ روز جزا کیا ہے؟ وہ ایسا دن ہے کہ اس دن کوئی شخص کسی کے معاملہ میں کچھ اختیار نہیں رکھے گا، اور اس دن حکومت (تمام تر اللہ کی ہوگی۔“

قیامت کے روز تمام دنیاوی وسائل جیسے، خرید و فروخت، دوستانہ تعلقات اور سفارشات سب منقطع ہوں گے، اور کل امور صرف اللہ کی اجازت اور مرضی کے تابع ہوں گے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کی اجازت سے متعدد قسم کی شفاعت بھی ہوگی۔ لیکن اس کی صورت اور نوعیت دنیا سے مختلف ہوگی۔ آسانی اور سہولت کے لئے ہم آخرت سے متعلق اس شفاعت کو دو قسم میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۱) منفی شفاعت، جو بے سود اور لا حاصل ہوگی۔ (۲) مثبت شفاعت، جو مفید اور سود مند ہوگی۔

### ● منفی شفاعت کی صورتیں:

۱۔ اہل جاہلیت جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن بتوں کی وہ پرستش کرتے ہیں، قیامت کے دن وہ اللہ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے۔ اسی طرح اہل بدعت اور ضلالت جو یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتے، نبی، رسول، اولیاء اور صالحین یا کسی اور کی شفاعت ان کو حاصل ہوگی۔ ان ہردو شفاعتوں کا آخرت میں کوئی وجود نہ ہوگا۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ، قُلْ أَوْلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ، قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ۝ (زمر: ۳۳، ۳۴)

”کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لئے ہیں۔ (ان سے) کہو کہ اگرچہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہوں (اور ان سے) کہہ دو کہ سفارش تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے۔“

نیز جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر فرضی معبودوں، دیوی دیوتاؤں اور شجر و حجر کو پوجتے ہیں، وہ کھلا ہوا کفر اور شرک کرتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ۝ (م: ۳۸)

”اور اگر بالفرض کوئی سفارش کرے گا تو یہ ان کو کچھ نفع نہ دے گی۔“

باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْرِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ  
وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ○ (بقرہ: ۱۲۳)

”اور اس دن سے ڈرو، جس دن کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے گا، اور نہ کسی

کے حق میں کوئی سفارش سنی جائے گی، اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا،

اور نہ لوگوں کو کسی طرح کی مدد پہنچ سکے گی۔“

۲- اس روز اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا یہ حال ہو گا کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس

کی اجازت کے بغیر شفاعت کے لئے اس کے سامنے زبان کھولے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ○ (بقرہ: ۲۵۵)

”کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کرے۔“

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى ○ (انبیاء: ۲۸)

”اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے، مگر ہاں اس شخص کی جس سے اللہ خوش

ہو۔“

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ

يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى ○ (نجم: ۲۶)

”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی، مگر

بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور سفارش پسند کرے۔“

۲- مثبت سفارش: اس شفاعت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) پیغمبر علیہ السلام کی

سفارشات، (۲) آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء، اولیاء اور صالحین کی سفارشات۔

حضور اکرم ﷺ کو قیامت کے دن متعدد قسم کی سفارشات کا حق حاصل ہو گا۔ ان میں

سب سے بڑی سفارش اس وقت ہو گی جب آپ ﷺ مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے، اور لوگوں

کو میدانِ حشر میں کھڑے رہنے کی تکلیف سے بچائیں گے۔ یہ شفاعت عظمیٰ، تمنا رسالتاب

ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدُ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَنِّي أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا  
مَّحْمُودًا ○ (اسراء: ۷۹)

”اور کچھ رات رہے تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ یہ تمہارے لئے مزید عمل ہے۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم کو مقام محمود میں پہنچائے گا۔“

صحیحین میں اس سفارش کا ذکر بڑی تفصیل سے ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا:

”حضور ﷺ کی خدمت میں ایک روز گوشت لایا گیا۔ حضورؐ کو چونکہ دست کا گوشت پسند تھا اس لئے پورا دست پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر کھانا شروع کیا۔ پھر فرمایا: میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تم کو علم ہے کس وجہ سے ایسا ہوگا (صورت یہ ہوگی کہ) خدائے تعالیٰ قیامت کے دن سب اگلے پچھلوں کو ایک ہموار میدان میں جمع کرے گا۔ مٹائی کی آواز سب کو سنائی دے گی اور ہر شخص کی نگاہ (یا خدائے تعالیٰ کی نظر) سب کے پار جائے گی۔ (یعنی میدان بالکل ہموار ہوگا) اُس وقت لوگوں کو ناقابل برداشت غم و اضطراب ہوگا اس لئے ایک دوسرے سے کہیں گے، کیا تم کو نہیں معلوم کہ تمہاری کیا حالت ہے؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ تمہارا غم و اضطراب کس حد تک پہنچ گیا ہے؟ لہذا ایسا کوئی شخص دیکھو جو تمہاری سفارش کرے۔“

مشورہ کے بعد طے ہوگا کہ چلو آدم ﷺ کے پاس چلیں۔ سب آدم ﷺ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ آپ کو خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور اپنی روح آپ کے اندر پھونکی ہے، اور فرشتوں کو حکم دے کر آپ کو سجدہ کرایا ہے۔ پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں اور ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ گئی ہے۔ حضرت آدم ﷺ فرمائیں گے، آج میرا پروردگار اتنا غضبناک ہے کہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا، اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ مجھے اُس نے درخت سے منع کر دیا تھا۔ مگر میں نے اس کی نافرمانی کی۔ (آہ) نفسی! نفسی! تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ نوح ﷺ کے پاس جاؤ۔ لوگ نوح ﷺ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ آپ زمین میں خدا کے سب سے پہلے رسول ہیں۔ آپ کا نام خدا نے شکر گزار بندہ رکھا ہے۔ (آج) پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حال میں ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ

ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ گئی ہے؟ حضرت نوح ﷺ فرمائیں گے، 'آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا، نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ میں نے اپنی قوم کے لئے بد ذمہ کی تھی۔ (جس سے وہ تباہ ہوگئی) (آہ) نفسی! نفسی! تم ابراہیم ﷺ کے پاس جاؤ۔ لوگ ابراہیم ﷺ کے پاس جا کر عرض کریں گے، 'آپ خدا کے نبی ہیں، اور زمین والوں میں سے خدا کے خلیل بھی ہیں۔ پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حالت میں ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ حضرت ابراہیم ﷺ فرمائیں گے، 'آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا، اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ حضرت ابراہیم ﷺ اپنی خطا اور لغزش کو یاد کر کے فرمائیں گے، (آہ) نفسی! نفسی! تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ (اچھا) تم موسیٰ ﷺ کے پاس جاؤ۔ لوگ موسیٰ ﷺ کے پاس جا کر عرض کریں گے، 'آپ خدا کے رسول ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے (زبانی) پیغام اور ہمکلامی کے سبب آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز فرمایا۔ (آج) پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ حضرت موسیٰ ﷺ فرمائیں گے، 'آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا، اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ میں نے بلا حکم ایک شخص کو قتل کر دیا تھا (آہ) نفسی! نفسی! تم لوگ عیسیٰ ﷺ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ ﷺ کے پاس جا کر عرض کریں گے، 'آپ رسول اللہ ہیں کلمتہ اللہ ہیں، 'روح اللہ ہیں۔ آپ نے (شیر خورگی ہی میں) جبکہ آپ جھولے میں تھے، بات چیت (بطور معجزہ کے) کی ہے۔ آج پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حالت میں ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ حضرت عیسیٰ ﷺ فرمائیں گے، 'آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا، اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ حضرت عیسیٰ ﷺ اپنے قصور کا ذکر نہیں کریں گے، 'اور فرمائیں گے، (آہ) نفسی! نفسی! تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ تم محمد کے پاس جاؤ!۔ لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے، 'محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ رسول خدا ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے قصور معاف فرمادئے ہیں۔ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حالت میں ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ گئی ہے؟۔

میں جا کر عرش کے نیچے پہنچوں گا، اور پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر خدائے تعالیٰ (میرے سینے میں) کشائش پیدا کرے گا، اور اپنی ایسی بہترین حمد و ثنا میرے دل میں اِلْقَاء کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے دل میں اِلْقَاء نہ کی گئی ہوگی۔ اس کے بعد ارشاد فرمائے گا: "محمد! سر

انہاں سوال کرو، پورا کیا جائے گا۔ شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔“ میں سر اٹھا کر عرض کروں گا، یارب! امتی امتی! حکم ہوگا، تمہاری امت میں سے جن لوگوں پر حساب نہیں ہے، ان کو جنت کے دائیں طرف والے دروازہ سے داخل کرو۔“ یہی نہیں، بلکہ جنت کے باقی دروازوں میں وہ اور لوگوں کے ساتھ شریک بھی رہیں گے۔ (حضور ﷺ نے) فرمایا: ”قسم ہے اُس خدا کی جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے، جنت کے دروازہ کے دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجرو کے درمیان یا مکہ اور بصری کے درمیان فاصلہ ہے۔“

(اللوٹو والمرجان: ۱/۳۹: ۵۱)

● شفاعت کبریٰ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سفارش پر آپ ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوگی۔

● علاوہ ازیں حضور ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی امت میں سے ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ جنم سے نجات دے گا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”ہر نبی کی ایک ذمہ خصوصی طور پر قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے اس ذمہ میں جلدی کر لی ہے۔ مگر میں نے قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لئے اس ذمہ کو بچا رکھا ہے۔ میری امت میں سے جو شخص غیر مشرک مرے گا، خدا نے چاہا تو اس ذمہ کا فائدہ اس کو پہنچے گا۔“

(اللوٹو والمرجان: ۱/۵۱)

مثبت سفارشات کی دوسری قسم وہ ہے جو ملائکہ، حضور ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء علماء، شہداء اور صالحین کی طرف سے باری تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

فرشتوں کی شفاعت کا ثبوت یہ آیت ہے:

وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِّنْ بَعْدِ اَنْ يَّادْنَ اللّٰهَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ۝ (نجم: ۲۶)

● ”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی، مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور سفارش پسند کرے۔“

”وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو۔ اور وہ اسکی بیعت سے ڈرتے ہیں۔ (انبیاء: ۲۹)



انبیاء، علماء اور شہداء کی سفارش کا ثبوت قرآن پاک کے عموم اور پیغمبر علیہ السلام کے خصوصی ارشادات سے ہوتا ہے۔ آیات یہ ہیں۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ○ (مدثر: ۴۸)

”تو اس حال میں سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کو کچھ نفع نہ دے گی۔“

○ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ○

(مریم: ۸۷)

”اس دن لوگ کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے، مگر ہاں وہی جس نے

(خدا سے عہد لیا ہو۔“

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ○ (بقرہ: ۲۵۵)

”کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر (کسی کی سفارش کر سکے؟“

ان آیتوں کے سیاق و سباق سے انبیاء کرام، علماء اور شہداء کی شفاعت کا ثبوت ملتا ہے۔ جبکہ احادیث مقدسہ میں ان سے متعلق پوری صراحت ملتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے دن انبیاء، علماء اور شہداء (خدا کے حکم سے) شفاعت کریں گے۔“ (ابن

ماجہ: ۳۷/۱)

شہداء سے متعلق آپ ﷺ نے قدرے تفصیل سے فرمایا:

”شہید اپنے گھر کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔“ (ابوداؤد: ۱۷۲/۲)

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک بھی اپنے پڑھنے والے کے حق میں شفاعت کرے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہو، اس لئے کہ قیامت کے روز یہ بھی ان کی سفارش کرے گا

جو اس کی تلاوت کرتے تھے۔“ (مسلم: ۱۹۷/۲)

لیکن جملہ سفارشات سے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سفارشات تب ہی مفید ہوں

گی جبکہ:

۱- سفارش کرنے والے کو باری تعالیٰ کی طرف سے اجازت حاصل ہوگی۔ باری تعالیٰ

کی اجازت کے بغیر کوئی نبی اور رسول بھی سفارش نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے۔“ (بقرہ: ۲۵۵)

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے بارے میں خبر دی کہ آپ ﷺ قیامت کے روز خدا کے حضور میں پہلے سجدہ میں گر کر اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کریں گے، نہ کہ پہلے سے شفاعت کریں گے۔ چنانچہ سجدہ اور حمد و ثناء کے بعد آپ ﷺ سے کہا جائے گا: ”اپنا سر اٹھاؤ اور کہو، سنا جائے گا۔ سوال کرو، دیا جائے گا“ شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔“ (اللؤلؤ والمرجان ۵۱/۲۹۹)

۲۔ جس شخص کے قول اور عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا، اسی سے متعلق شفاعت قبول بھی ہوگی۔ چنانچہ فرمایا: ”وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکیں گے، مگر ہاں، اس شخص کی جس سے اللہ راضی ہو۔“ (تشم: ۳۶)

۳۔ مشرک اور کافر، جو شرک اور کفر کی حالت میں مر گئے، ان کے متعلق کسی قیمت پر شفاعت قابلِ ساعت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ  
خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ (بینہ: ۶)

”اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر ہیں، وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں۔“

اس لئے بندے پر لازم ہے کہ کسی اور سے شفاعت کا طالب نہ ہو، صرف باری تعالیٰ سے اس کا طلبگار بنے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ جس سے راضی ہوگا، اور جس کی سفارش قبول فرمائے گا، شفاعت اسی کے لئے سود مند ہوگی۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ○ (زمر: ۳۳)

”(ان سے) کہدو کہ سفارش تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے۔“

جو شخص یہ چاہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت اسے بھی نصیب ہو، اسے چاہئے کہ خدا سے یوں دُعا میں کرتا رہے:

اللَّهُمَّ شَفِّعْ فِيَّ نَبِيَّكَ

”اے اللہ! اپنے پیغمبر کی شفاعت کی سعادت مجھے نصیب فرما۔!“

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَفَاعَةَ نَبِيِّكَ

”خدا یا! اپنے پیغمبر کی شفاعت مجھے بھی عنایت فرما۔“

يَا رَبِّ اجْعَلْنِي مِمَّنْ تُشَفِّعُ فِيهِمْ نَبِيَّكَ

”خدا یا! جن سعادت مندوں کو تیرے نبی کی شفاعت نصیب ہوگی۔ مجھے بھی ان میں شامل فرما۔!“

نیز یہ ضروری ہے کہ خدا سے دعا کے ساتھ ساتھ ان اعمال کی شدت سے پابندی کرے جن کے سبب شفاعت نصیب ہوگی۔ خصوصیت کے ساتھ ان تین اعمال کا کرنا ضروری ہے:

۱- توحید ربوبیت، توحید الوہیت، اور اسماء و صفات کی توحید کا اقرار، شرک سے کامل پرہیز، اور جذبہ اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت اور بندگی۔

اس لئے کہ ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ (ﷺ) سے عرض کیا، آپ کی شفاعت کی سعادت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خالص دل سے کہا ہو۔“ (بخاری: ۳۵/۱)

۲- نمازوں کی پابندی اور کثرت

اس لئے کہ ”ایک صحابی نے عرض کیا، حضور ﷺ! میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سجدہ کی کثرت سے تم میری مدد کرو، تمہیں میری رفاقت نصیب ہوگی۔“ (مسلم: ۵۲/۲)

۳- ذرود شریف کی کثرت، اور حضور ﷺ کے لئے وسیلہ کی دعا مانگنا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

”جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو تم بھی ویسے ہی کہو، جیسے مؤذن کہتا ہے۔ اس کے بعد مجھ پر ذرود بھیجو، اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ ذرود بھیجے گا، اللہ اس پر دس مرتبہ ذرود

بھیجے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو۔ اس لئے کہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے جو صرف ایک ہی بندے کو ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ ایک بندہ میں ہوں گا۔ پس جو شخص میرے لئے (اللہ سے) وسیلہ مانگے گا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔" (مسلم: ۴/۲)

### ● آثار اور تبرکات:

وسیلہ اور شفاعت کی طرح جس چیز نے مسلمانوں کے دین و ایمان کو تباہ اور ان کی سرگرم زندگی کو معطل کر رکھا ہے، عرف عام میں اسے بزرگوں کے آثار اور تبرکات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعض اسلامی اور مسلم ملکوں کو چھوڑ کر جہاں علماء کرام کی کامیاب مساعی نے شرک و بدعت کی دبا پر قابو پایا ہے۔ عالم اسلام میں قدم قدم پر یہ حال ہے کہ تبرکات، بزرگوں کے آثار، منوئے مبارک، جبہ مبارک کے نام سے درختوں، پتھروں، عاروں، مزاروں، بالوں اور کپڑوں کو پوجا جا رہا ہے، ان کا وسیلہ لیا جاتا ہے، ان سے شفاعت کی امید کی جاتی ہے، خدا کی بجائے ان سے فریاد کی جاتی ہے، اور ان کا اس حد تک احترام کیا جاتا ہے کہ فرائض و واجبات بھی ان کے آگے ماند پڑ جاتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اب تک ہم نے وسیلہ اور شفاعت سے متعلق عوام میں پھیلے ہوئے غلط عقائد اور فاسد خیالات کی اصلاح کے لئے بساط بھر کوشش کی۔ آئندہ سطروں میں "تبرکات" کے نام سے امت کے اندر پھیلی ہوئی بدعات و خرافات کو مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ مسلمانوں کے اندر سے بد عقیدگی کا قلع قمع ہو، اور نیک اور صالح عقائد اس کی جگہ پیدا ہوں۔

### ● لغوی معنی:

تبرک کے معنی ہیں۔ "کسی سے برکت حاصل کرنا۔ فال اور ٹھکون لینا، افزائش اور نیک بختی چاہنا۔ لفظ "تَبْرُكٌ" کا مادہ "بُرُوكٌ" ہے، جو بُرُوكٌ البَعِيْر سے ماخوذ ہے۔ یعنی اونٹ کا بیٹھنا، اونٹ کسی جگہ جم کر اور ایک خاص بیت کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ تبرکات کے اندر عزت اور برکت کی صفت نمایاں ہوتی ہے، اس لئے ان کو تبرک کہا جاتا ہے۔

### ● شرعی معنی:

بعض چیزوں کے اندر باری تعالیٰ دائمی طور پر خیر و برکت ودیعت فرماتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام برکت ہے۔ جیسے: ابتدائے آفرینش سے شام کے خطہ میں اللہ نے خیر و برکت پیدا فرمائی، حضرت عیسیٰ مسیحؑ کو بابرکت، اور قرآن پاکؑ کو بڑی خوبیوں والا بنایا۔

قنوت کی دعائے ماثورہ میں یہ الفاظ ہیں:

وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ۔ ○ (ترمذی)

”اور جو نعمت تو نے مجھے دی ہے، اس میں برکت عطا فرما۔“

۱۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَجِّنَاهُ وَلَوْظًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ○ (انبیاء: ۷۸)

”اور ابراہیم کو اور (انگے ساتھ انکے بھتیجے) لوط کو دشمنوں سے نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جس میں ہم نے لوگوں کیلئے برکتیں رکھی تھیں۔“

۲۔ وَجَعَلْنِي مِمَّا مَبَارَكَا أَيْمًا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا  
وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ○ (مریم: ۳۱، ۳۲)

”اور اس نے مجھے بابرکت بنایا، خواہ میں کیسی ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا (کہ) جب تک زندہ رہوں (یہ کام کرتا رہوں) اور اس نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا، اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔“

۳۔ كَسْبُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكًا ○ (ص: ۲۹)

”یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا کہ.....“

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر و برکت طلب کرنا ایک مستحسن فعل ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں منجانب اللہ ہوتی ہیں۔ اور کون بندہ ایسا ہوگا، جو نعمت خداوندی کا محتاج نہیں؟

لیکن سوال یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں بابرکت چیزیں کیا ہیں؟ اور ان سے برکت کیونکر لی جاسکتی ہے؟

### ● بابرکت چیزیں:

برکت ان چیزوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ جنہیں شریعت نے بابرکت ٹھہرایا ہے اور شارع نے ان سے برکت لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ جیسے: خانہ کعبہ، آب زمزم۔ جن کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

”زمزم مبارک ہے۔ سیر کر دینے والی غذا بھی ہے، اور شفا بخش دوا بھی۔“ (مسلم: ۱۵۲/۷)

(۱۵۳)

تین مسجدیں: (مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) جن کی طرف سفر کی اجازت ہے۔ ان کے علاوہ ان تمام مسجدوں کی زیارت بھی مستحب اور باعث برکت ہے جنہیں خدا کی یاد اور اس کی بندگی کے لئے تعمیر کیا گیا۔ حجاز اور شام کی سرزمین تلاوت اور ذکر کے حلقے علم کی مجلسیں، سفر و حضر میں صالحین کی رفاقت، اور ان سے دعا کی درخواست۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ نے برکت ودیعت فرمائی ہے۔

### ● حصول برکت کی صورتیں:

- خانہ کعبہ: اس کا حج و عمرہ اور طواف کرنا، حجر اسود اور رکن یمانی کا بوسہ لینا، اس کے جوار میں بیٹھنا، دعائیں کرنا۔
- آب زمزم: اس کو پینا، سر پر بہانا، پی کر دینا۔
- تین مساجد: ان کی زیارت کرنا، وہاں نمازیں ادا کرنا، اعتکاف اور ذکر و تلاوت کرنا۔
- دیگر مساجد: ان مسجدوں میں بار بار آنا، نمازیں پڑھنا، تسبیح و تلاوت میں

مشغول ہونا، تعلیم کے حلقے آباد رکھنا۔

○ - آراضی مقدسہ: حسن اخلاق اور نیک کردار کے ساتھ ان کی سرزمین پر

سکونت اختیار کرنا اور مرکروہیں پیوند خاک ہونا۔

○ - مجالس صالحین: اہل علم اور صاحب دل بزرگوں کی مجلسوں میں بیٹھنا، ان

سے ایمان و یقین، دعوت و ارشاد، اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی تعلیم لینا، ان کی پسند و نصیحت سننا، اور اس پر عمل کرنا، ان سے دعاؤں کی درخواست کرنا۔

حصولِ برکت کی یہ صورتیں مشروع ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں ذیل کی ہدایات کو ملحوظ

رکھنا بے حد ضروری ہے:

۱- مشروع ہونے کے باوجود اس عمل کی حیثیت مستحب کی سی ہے۔ اس سے زیادہ اس

کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۲- حصولِ برکت کی نیت سے کسی مکروہ یا حرام فعل کا ارتکاب کسی صورت جائز

نہیں، بلکہ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نفع کے حصول سے زیادہ مضرت کو دفع

کرنا اہم ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیفہ، راشد، امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، جن کی پیروی

ازدوئے شرع ہر مسلمان پر لازم ہے۔ آپ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ عقیدہ توحید کی حفاظت کے

لئے آپ نے مکہ کے راستے پر واقع حدیبیہ کے اُس درخت کو کٹوا دیا جس کے نیچے بیعت

رضوان ہوئی تھی۔ آپ کی دُور رس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ اگر یہ درخت موجود رہا تو لوگ

نہ صرف برکت کے حصول کے لئے ہمیشہ اسے گھیرے رہیں گے، بلکہ جس طرح نوح کے زمانے

سے آج تک ہر دور اور ہر ملک میں شجر و حجر کی پرستش کی گئی، وہ دن دُور نہیں کہ اس درخت

کی بھی باقاعدہ پرستش ہوگی۔

۳- آج کل کے جاہلیت پسند مسلمانوں میں مزاروں کی زیارت، عرس، اور میلوں

ٹھیلوں میں شرکت کا جو زحمان عام ہے، اور جس کی بدولت درگاہیں تجارتی منڈیاں بنتی جا رہی

ہیں، فردوں سے مُرادیں مانگی جاتی ہیں، اور درگاہوں کی چوکھٹ پر جانوروں کے ریوڑ کے ریوڑ

ذبح کئے جاتے ہیں، دیکھا جائے تو اس سب کی تمہ میں درحقیقت اسی تمبرک، شفاعت اور وسیلہ

کا نام نہاد عقیدہ کار فرما ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا، جس چیز پر شرک اور کفر کا سایہ ہوگا،

اسلام میں اس کی حیثیت باطل اور خردود ہوگی۔

۳۔ ابھی ابھی گذرا کہ بزرگانِ دین کی مجلسیں بھی بابرکت ہوتی ہیں، اور ان سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے مراد وہ بزرگ ہیں جن کے اندر علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری کے اوصاف نمایاں ہیں۔ ورنہ جس کے اندر یہ اوصاف نہ ہوں گے، اس کی ذات نہ تو بابرکت ہوگی، نہ ہی بزرگ کہلانے کا وہ مستحق ہوگا۔

۵۔ جو شخص خود ولی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور لوگوں سے اس کا اعتراف کراتا ہے، اور اس ولایت کی آڑ میں محض دنیاوی جاہ و منصب، مال و دولت، اور شخصی منفعت کا حصول چاہتا ہے۔ ایسا شخص ولی کامل نہیں، ذجال ہے۔ اس کی ہم نشینی اور اس کا احترام تو درکنار، اس سے کسی قسم کی برکت کی توقع رکھنا بھی حماقت اور گناہ ہے۔ اس لئے کہ ولایت کی ہوا بھی ایسوں کو چھو کر نہیں گذرتی۔

### ● ولایت و کرامت:

ولایت و کرامت منجملہ ان چیزوں سے ہے جن کا عقائد سے براہ راست تعلق ہے۔ ولایت اچھی اور بری دونوں قسم کی ہوتی ہے۔ آسانی اور سہولت کے لئے پہلی قسم کو ”رحمانی ولایت“ اور دوسری قسم کو ”شیطانی ولایت“ کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کرامت ایک اعزاز ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور پرہیزگار بندوں کو نوازتا ہے، تو شعبدہ بازی، جادوگری اور کمانت سخت قسم کی ابتلاء اور آزمائش ہے۔ جو اس میں پڑتا ہے ناکام ہوتا ہے، اور اس کے لئے دائمی عذاب یقینی ہے۔

ولایت و کرامت اور ان کی اقسام سے ناواقفیت نے امت کے اندر فساد اور گمراہی کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ بنا بریں ہر دو موضوع پر تفصیلی بحث ضروری ہے۔ یہ اس لئے بھی کہ پاکیزہ عقائد مومن کی سب سے بڑی دولت اور اس کی کل پونجی ہے۔ جسے یہ دولت میسر ہوگی، وہ دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوگا، ورنہ ناکامی اس کا مقدر ہوگی۔

### ● ولایت کیا ہے:

وَلَيْٰ يَلْبِغُ، وَوَلِيًّا، وَوَلِيَّةٌ کے معنی ”قرب و نزدیکی“ ہیں۔ یہ قرب مقام



نسب، دین، اعتقاد، محبت اور نصرت غرض ہر اعتبار سے ہو سکتا ہے۔  
وَالْيَ، مَوْلَاةٌ کے معنی بھائی چارگی اور معاونت کے ہیں۔ اس کی ضد عداوت ہے  
یعنی دشمنی۔

تَوَلَّى، تَوَلَّى کے معنی حفاظت، نگرانی اور حکومت کے ہیں۔ "وَلَّى" کے معنی  
"دوست" کے ہیں۔ "عَدُوٌّ" اس کی ضد ہے۔ ولایت کا شرعی معنی بھی یہی ہے۔ یعنی دوست،  
محبوب، محب، عزیز، محافظ، مددگار، اور حاکم۔ ولایت کی نسبت باری تعالیٰ اور اس کے بندوں، ہر  
دو طرف ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں ولایت کا مفہوم یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ جس طرح بندوں کی  
جسمانی پرورش کرتا ہے، اسی طرح ان کی روحانی تربیت بھی فرماتا ہے۔ انہیں کفر اور گناہوں کی  
اندھیروں سے نکال کر اسلام اور نیکیوں کے اجالے میں لاتا ہے، اور دین دنیا کی کامرانی کی  
راہیں ان پر کھولتا ہے۔ بندوں میں جو سعید روحیں ہوتی ہیں وہ اپنے پروردگار کی ان نعمتوں کی  
قدر کرتی ہیں، اور ایمان و تقویٰ کی زندگی کو اپنا کر خدا کا تقرب اور اس کی ولایت کو پالیتی ہیں۔  
اس دولت کے حصول کے بعد بندہ کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہو جاتا ہے، اور وہ بندہ کا دوست  
اور مددگار بن جاتا ہے۔ اس کے برخلاف کافروں کا یہ حال ہے کہ شیطان ان کا مددگار ہوتا ہے۔  
وہ ان کو کفر اور گناہوں کی اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے، اور اس کے نتیجے میں دوزخ ان کا  
واضح ٹھکانا قرار پاتا ہے۔

باری تعالیٰ فرماتا ہے:

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ  
كَفَرُوا أَوْلِيَانَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ  
أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ (بقرہ: ۲۵۷)

● "اللہ ایمان والوں کا دوست (اور مددگار ہے) وہ انہیں (کفر کی) تاریکیوں سے نکال  
کر اسلام کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں۔ وہ انہیں  
(ہدایت کی) روشنی سے نکال کر (گمراہی کی) تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ  
والے ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

بندوں کی ولایت یہ ہے کہ جس طرح اس نے اپنی رحمتوں کی ان پر بارش برسائی، یہ اس پر ایمان لائیں۔ ضروری عقائد کی تصحیح کر کے فرائض و واجبات کی مکمل پابندی کریں۔ ہر وقت اللہ کے ذکر اور اس کی خوشنودی کے حصول کی فکر میں منہمک رہیں۔ خدا کے دوست کے دوست، ان کے دوست، اور خدا کے دشمن، ان کے دشمن رہیں، اور ان کی پوری زندگی اس انداز سے گزرے کہ جب ان کی صورت پر نظر پڑے تو بس اللہ یاد آئے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، الَّذِينَ آمَنُوا  
وَكَانُوا يَتَّقُونَ، لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ  
لِكَلِمَاتِ اللَّهِ، ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (یونس: ۶۳-۶۴)

ترجمہ: ”یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت (کی زندگی) میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔“

### ● جامع صورت حال:

خدا اور بندگان خدا کے درمیان جامع ترین — صورت حال یہ ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ جو مولائے کل اور لائق ستائش ہے۔ اور بندہ جو وفا شعار اور اپنے رب پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ یکساں طور پر اپنے رب کے لئے دوستی اور دشمنی کرے۔ باہم ربط، تعاون، جدائی اور عداوت صرف اس کے لئے کرے۔

ایمان اور تقویٰ بندوں کی ولایت کی شان ہے۔ اس لئے جس درجہ کا ایمان ہوگا، اسی مرتبہ کی ولایت نصیب ہوگی۔ بنا بریں معمولی درجہ کا ایمان جو ضروری عقائد کی ذرستی اور بنیادی اعمال کی بجا آوری کا نام ہے، یہ جسے میسر ہو اسے اونٹنی اور جگر کی ولایت ملتی ہے، اور یہ ہر مومن کو حاصل ہونی چاہئے۔ اور اگر اعلیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجہ کی ولایت ملتی ہے۔ اس کو ”ولایت خاصہ“ کہتے ہیں، اور جو اس سے موصوف ہو، اس کو ”ولایت کامل“ کہتے ہیں۔ اس ولایت کی خصوصیت ہے کہ یہ جسے حاصل ہوتی ہے اس کی زندگی اللہ کے لئے دوستی

اور اللہ کے لئے دشمنی کا نمونہ ہوتی ہے۔ عقائد، عبادات، سیرت و اخلاق، غرض، ہر موڑ پر اس کی زندگی خدا اور اس کے رسول کے فرمان کے تابع ہوتی ہے، اور سچی ولایت اور خدا اور اس کے رسول سے محبت کا یہی وہ معیار ہے جس سے کھرے کھوٹے کی پرکھ ہوتی ہے چنانچہ جو شخص آنحضرت ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہے، آپ سے محبت رکھتا ہے، اور دل و جان سے آپ کی پیروی کرتا ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے، اور جو ایسا نہیں وہ جھوٹا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ  
ذُنُوبَكُمْ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: ”(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔“

خدا اور رسول کی پیروی، محبوبیت اور جسم و روح کی پاکیزگی کا موثر ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے جو شخص ایمان اور عمل صالح کے بلند درجہ پر فائز ہوگا، اور شرک اور معصیت سے کلی پرہیز کرے گا خاصاً خدا اور آہل اللہ میں اس کا شمار ہوگا۔

### ● ولایت کا فرق:

جیسا کہ عرض کیا گیا، ولی بمعنی دوست کا لفظ اللہ اور اس کے بندوں دونوں کے لئے یکساں مستعمل ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: اللہ اپنے خاص بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ یا یہ کہ مخصوص بندے اللہ کے دوست ہیں لیکن جس طرح صفات کی بحث میں گذرا کہ باری تعالیٰ کی ہر صفت بندوں کی صفت سے مختلف ہوتی ہے، اسی طرح اس کی صفت ولایت بھی بندوں کی صفت کے مشابہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں، جب کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہی کائنات کی ساری چھوٹی بڑی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے۔

سورۃ اخلاص میں خالص اور کامل توحید کے ضمن میں جن چار صفات کا ذکر ہے، ان

میں ایک صفت ”صمدیت“ (یعنی شان بے نیازی) بھی ہے، جس کا مفہوم یہی ہے، اور اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے، جس میں ارشاد ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ وَكَبِّرُهُ تَكْبِيرًا ۝ (اسراء: ۱۱۱)

”اور کہہ دو کہ (لوگو) ہر طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں شریک ہے، اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز اور ناتواں ہے، کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی بڑائیاں خوب بیان کرو۔“

اس کے بالمثل بندے جملہ خلائق کی طرح ازل سے اپنے رب کے محتاج ہیں۔ ان کی زندگی اور زندگی کا ہر آرام اس کی رحمت کا صدقہ ہے۔ اس لئے کسی بندے کو باری تعالیٰ اگر دوست رکھتا ہے تو یہ بندے کا کمال اور احسان نہیں، کمال اس رب کا ہے جس نے دوستی کے لئے اس کو قبول کیا۔ رہی عبادت اور بندگی تو اس میں شک نہیں کہ بندہ اس کا محتاج ہے۔ خدا کو عبادت اور بندگی کی بھی حاجت نہیں۔ کوئی شخص اطاعت خداوندی میں ساری عمر کھپا دے اور اس فکر کے سوا اس کے دل میں تاحیات کوئی فکر نہ ہو، تب بھی اسے خدا کے سامنے اپنی بندگی جتانے کا کوئی حق نہیں۔ ولایت کی بحث میں اس فرق کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔

### ● ولی:

ولایت کا مفہوم متعین ہو جانے کے بعد یہ جاننا آسان ہے کہ ولی کسے کہتے ہیں۔ ولی کی جمع ”اولیاء“ ہے۔ یہ لفظ فاعل اور مفعول دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں اس سے مراد باری تعالیٰ کی احکم الحاکمین ذات ہے۔ جس سے زیادہ لائق ستائش اور قابل تعریف کوئی ذات نہیں۔ بصورت دیگر اس سے وہ ماتحت مراد ہے جس کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے۔ یعنی بندہ مومن جو ضروری عقائد اور اعمال کی بجا آوری کے بعد باری تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس لئے کہ اس کا حافظہ ناصر خود باری تعالیٰ ہے جس نے اس کی اور سارے ہی نیک لوگوں کی کارسازی اور حفاظت کا وعدہ کیا ہے:

إِنَّ وَلِيِّ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ○ (آعراف)

(۱۹۶)

”بلاشبہ میرا کارساز اللہ ہے، جس نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو اتارا ہے، اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔“

ان اللہ والوں کا دنیا میں یہ حال ہوتا ہے کہ راہِ حق میں ان کو جو تکالیف پیش آتی ہیں، ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، اور ان کو اپنے حق میں ترقی درجات کا سبب سمجھتے ہیں۔ حق و صداقت کے بڑے بڑے دشمنوں سے ٹکر لیتے ہوئے ان کے پائے ثابت میں لغزش نہیں ہوتی۔ ان کا اعتماد خالق کائنات کی نصرت پر ہوتا ہے، اس لئے بے تکلف پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ ان کے لئے دنیوی زندگی میں خوشیاں اور خوش خبریاں ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت کے وعدے ہیں۔ اللہ کے ولیوں کے یہ فضائل ہیں، اور ہر دور اور ہر زمانے میں قرآن کریم کے اس آئینہ میں ان کے جمالِ جہاں آرا کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ، ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (یونس: ۶۳-۶۴)

”یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کچھ خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت (کی زندگی) میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔“

چونکہ خدا کے ان بندوں کا یہ شعار ہوتا ہے کہ جن سے خدا ناخوش ہوتا ہے، یہ ان کے دشمن بن جاتے ہیں اور جن سے خدا راضی ہوتا ہے، یہ ان کے دوست ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ ان کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتے ہیں۔ ان کا پیر بن جاتا ہے جس سے وہ چلتے ہیں۔ اور جب یہ اس کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں تو حق تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو ہمیشہ شاد کام اور بائرا دلوثاتے ہیں۔

## کرامت

### ● کرامت کیا ہے؟

اعزاز و اکرام اور عزت و شرافت کو ”کرامت“ کہتے ہیں۔ ولایت کی طرح کرامت کے بھی دو درجے ہیں۔ ۱- کرامت عامہ۔ ۲- کرامت خاصہ۔

۱- کرامت عامہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبھی انسانوں کو حسن صورت حسن قامت، قوتِ گویائی، عقل و تدبیر اور دولتِ احساس سے نوازا ہے۔ ظاہری اور باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں۔ ہر انسان اگر ان خوبیوں سے کام لے تو دنیوی اور اخروی منفعت و معززت کو سمجھ سکتا ہے۔ اچھے بڑے کے درمیان تفریق کر سکتا ہے۔ ترقی کے زینے طے کر سکتا ہے، اور جب بندہ ان خدا داد صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے تو دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر ان کو اپنے کام میں لگاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں اور گاڑیوں پر، اور سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں سے سفر کرتا ہے۔ بے تکلف ہوا میں اڑتا پھرتا ہے، انواع و اقسام کے لذیذ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیوی آسائش و رہائش کے اسباب سے مستفیض ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً ○ (اسراء: ۷۰)

● ”اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں“

اور روزی دی ہم نے ان کو سمیری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بتوں سے جن کو پیدا کیا

ہم نے بڑائی دے کر۔“

۲- کرامت خاصہ: پہلی کرامت سے افضل ترین ہے۔ اس کرامت کے اہل وہ

خوش نصیب افراد ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لا کر اس پر قائم رہتے ہیں۔ اخلاص اور صداقت کے ساتھ احکامِ الہی اور اس کے نواہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر عام مومنین کے زمرہ

سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان اور اس کی راہ میں حاصل ہونے والی ساری مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے زندگی بھر اس پر جے رہنا اعلیٰ درجہ کی کرامت ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن جب کہ تمام لوگ تین جماعتوں میں بٹے ہوں گے۔ یہ حضرات مقربین سے کمتر لیکن عام مومنین سے بہت آگے عرش الہی کے داہنی طرف بلند مقام اور قرب الہی سے سرفراز ہوں گے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ○ (واقعہ: ۲۷)

ترجمہ: ”اور داہنی طرف والے (سبحان اللہ) داہنی طرف والے کیا ہی اچھے ہیں۔“  
نیز فرمایا:

أَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ فَسَلِّمْ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ○  
(واقعہ: ۹۱، ۹۰)

ترجمہ: ”اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے تو (کما جائے گا) کہ تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام۔“

اصحابِ یمیں عمل کے لحاظ سے میانہ رو اور متوسط ہیں، نہ اعلیٰ درجہ کے اور نہ بہت

خراب۔

ثُمَّ أَوْزَنَّا الْكَيْبَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ  
وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ ○ (فاطر: ۳۲)

ترجمہ: ”پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ تو ان میں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ متوسط درجہ کے ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔“

خدا کا وعدہ ہے کہ ان کے پاس رحمت کے فرشتے آکر انہیں تسلی اور جنت کی

خوشخبری دیں گے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ  
يَحْزَنُونَ ○ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ ○ (آخاف: ۱۳)

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اس کا بدلہ (ہوگا) جو وہ لوگ (دنیا میں) کرتے تھے۔“

ایمان و استقامت پر جہنمی اعلیٰ اور سب سے مخصوص درجہ کی کرامت وہ ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندوں کو بیش از بیش ایمان و تقویٰ سے نوازتا ہے۔

یہ ان کا گروہ — ہے جو صدقہ، خیرات، نوافل کی پابندی، جہاد و پاسبانی، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں پیش پیش ہوتا ہے۔ اس گروہ کے افراد اعلیٰ درجہ کے متقی پرہیزگار اور مباحات کے استعمال میں بھی انتہائی محتاط ہوتے ہیں، اور اللہ کے فضل اور اس کی مدد سے بڑھ بڑھ کر نیکیاں کرتے ہیں قرآن پاک کی زبان میں یہی لوگ ”سابقین اور مقررین“ ہیں۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ثَلَاثَةٌ مِنَ  
الْأُولَٰئِينَ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ○ (واقعہ: ۱۳ تا ۱۵)

”اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں۔ یہی لوگ (اللہ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور اگلے لوگوں میں بہت سے ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں تھوڑے سے ہوں گے۔“

نیز فرمایا:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُأْتِي  
اللَّهَ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ○ (فاطر: ۳۲)

”تو کچھ تو ان میں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، اور کچھ متوسط درجے کے ہیں، اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی بڑی بزرگی ہے۔“

اسی بزرگیزہ گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث قدسی میں فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے دوست سے دشمنی پر کرباندھی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ بندہ جتنا میرے فرائض ادا کرنے سے میری قیمت حاصل کر لیتا ہے، اتنا کسی اور



عمل سے نہیں۔ پھر وہ ان فرائض کو پابندی سے ادا کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور دوں۔ اگر وہ پناہ چاہے تو میں اس کو پناہ دوں اور مجھ کو کسی چیز سے جس کا میں کرنے والا ہوں، اتنا تردد نہیں ہوتا، جتنا کہ نفس مومن (کے معاملے) میں ہوتا ہے۔ کہ وہ موت کو برا سمجھتا ہے، اور خود میں بھی اس کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ لیکن موت تو بہر صورت آنے والی ہے۔“ (بخاری: ۱۱۳۱/۲)

”لیکن موت تو بہر صورت آنے والی ہے۔“ صرف یہ ٹکڑا بخاری میں درج نہیں ہے۔

مقربین کا یہی وہ گروہ ہے جو ولایت اور کرامت خاصہ کے منصب پر فائز ہے۔ یہ اگرچہ پر آگندہ بال اور مفلوک الحال دکھائی دیتے ہیں، لیکن اگر یہ خدا سے گڑگڑا کر دعا کریں کہ زمین پھٹ جائے یا فلاں پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو باری تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ محض اپنی شانِ کبریٰ سے ان کی سنے گا۔ خدا کے یہ وہ خاص الخاص بندے ہوتے ہیں جن کے دستِ حق پرست پر باری تعالیٰ خرقِ عادت واقعات کو ظاہر فرماتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑی چیزیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ زندگی سے مایوس بیمار کو شفا نصیب ہوتی ہے، گمشدہ شے دستیاب ہوتی ہے، اور مرگِ ناگہانی بھی قریب آکر وہ قدموں گزر جاتی ہے۔

### ● اولیاء کے مرتبے:

مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اولیاء کے چار مراتب ہیں۔

۱۔ اعلیٰ ۲۔ عالی ۳۔ وسطیٰ ۴۔ ادنیٰ۔

۱۔ اعلیٰ: جیسا کہ عرض کیا گیا، گروہِ مقربین سے بالا تر ایک گروہ ہے جو درحقیقت صدیقین، شہداء اور صالحین سے زیادہ لائق و فائق اور سب کا پیش رو ہے۔ یہ انبیاء اور مرسلین کی جماعت ہے جو سب سے بلند و بالا اور افضل ترین ہے چونکہ یہ گروہ اس دنیا میں تشریف لا کر عالم سے ماوراء ایک اور عالم سے دنیا والوں کو روشناس کراتا ہے، اس لئے باری تعالیٰ ان کے ہاتھوں خارقِ عادت واقعات ظاہر فرماتا ہے جن سے انسانی فطرت مطمئن ہوتی ہے، اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت تمام ہوتی ہے۔

۲- عالی: ان سے فردرتر ایک گروہ ان مقرب بندوں کا ہے جنہوں نے حضرات انبیاء کی پیروی کو اپنا شعار بنایا، اور زندگی کے کسی شعبے میں جاہِ مستقیم سے سرمو تجاوز نہ کیا۔ اس گروہ میں چونکہ مختلف انبیاء اور فرسٹلین کے پیروکار شامل ہیں، اس لئے ایک خاص قسم کا فرق مراتب ان کے درمیان بھی قائم ہے۔ ۳- : وسطی اس گروہ میں وہ باسعادت بندے ہیں۔ جنہوں نے ایمان لانے کے بعد تقویٰ کی راہ اختیار کی۔ اور اس پر اٹل رہ گئے۔ یہ وہ خوش نصیب ہیں جنہیں بارگاہ الہی سے اصحابِ یمن۔ یعنی عرشِ الہی کے داہنی طرف والے) کا خطاب ملا ہے۔

۳- : ادنیٰ: نیز سب سے ادنیٰ درجہ جیسا کہ قرآن پاک نے کہا ہے۔ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ (اپنے اوپر ظلم کرنے والوں) کا ہے۔ جو اگرچہ ایمان رکھتے ہیں لیکن کبھی کبھی گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

”پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا۔ جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ ان میں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ متوسط درجہ کے ہیں۔ اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی بڑی بزرگی ہے۔ (ان لوگوں کے لئے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ لوگ داخل ہوں گے۔ وہاں ان کو سونے کے ننگن اور موتی پسنائے جائیں گے۔ وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ اور (اس وقت) وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا (اور) قدر دان ہے۔ جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے گھر میں لایا۔ جہاں ہم کو نہ رنج پہنچے گا۔ اور نہ ہمیں ٹکانا ہی ہوگی۔“ (فاطر: ۳۲، ۳۵)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے درجہ بدرجہ لوگوں کے تین مراتب کا ذکر کیا ہے۔ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے، میانہ رو، اور نیکی میں پیش قدمی کرنے والے، اور یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ سب جنت میں جائیں گے جہاں ان کو سونے کے ننگن، موتی اور ریشم کا لباس پہنایا جائے گا۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کم پرہیزگار اور ضعیف ایمان والے بھی اللہ کے ولی ہیں۔ خواہ ان سے قصور یا حرام کام سرزد ہوا۔ لیکن سابقین اور میانہ رو طبقہ سے ان کا درجہ کم ہوگا۔ اس لئے کہ وہ کم پرہیزگار اور کمزور ایمان والے ہیں۔ اولیاء اللہ کے فرق مراتب کے ساتھ ساتھ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعداد و شمار کے لحاظ سے ہر گروہ قدرے

مختلف ہوگا۔ پہلا گروہ دوسرے گروہ سے، اور دوسرا گروہ سب سے آخر والے گروہ سے تعداد میں کم ہوگا۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔

### ● خلاصہ:

- ۱- ولایت کے حصول، اور اولیاء اللہ کے گروہ میں شامل ہونے کیلئے ایمان خالص اور عمل صالح کی جس قدر ضرورت ہے، خدا کے تمام حکموں کی بجا آوری اور نواہی سے پرہیز بھی اتنا ہی ضروری ہے۔
- ۲- ولایت کے مختلف مراتب ہیں۔ اس لئے جس کے دل میں جس قدر ایمان و یقین اور رضائے الہی کی جستجو ہوگی، اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور مکرہات سے نفرت، اس کے احکام کی تعمیل اور تقویٰ و پرہیزگاری کی صفات نمایاں ہوں گی، اسی درجہ کا قرب انہیں حاصل ہوگا۔
- ۳- خرق عادت کرامات جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہیں، ولایت کا دار و مدار ان پر نہیں۔ نہ ہی شان نبوت اور منصب رسالت سے کسی معنی میں ان کا تصادم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر بزرگانِ دین یہ سمجھ کر اپنی کرامتوں کے چھپانے کو ترجیح دیتے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے کئے کا دنیا ہی میں انہیں بدلہ مل جائے۔ اور بعض اللہ والے تو ایسے بھی گذرے ہیں جو کرامتوں کو اپنے حق میں اس حد تک مضر سمجھتے تھے کہ ان کے ظہور پر خدا سے توبہ و استغفار کرتے تھے۔
- ۴- انبیاء اور مُرسلین معصوم ہیں، لیکن اولیاء اور مقررین معصوم نہیں۔ اس لئے ان سے قصور سرزد ہو سکتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ ان کا ضمیر اتنا روشن اور بیدار ہوتا ہے کہ انہیں فوراً خنبہ ہوتا ہے، اور وہ کسی معمولی سی بھی کوتاہی پر اس شدت سے توبہ کرتے ہیں کہ پچھلا گناہ زُھل جاتا ہے، اور پہلے سے کہیں زیادہ انہیں خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔
- ۵- جیسا کہ عرض کیا گیا، اولیاء اللہ کے احوال مخفی ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی متقی اور پرہیزگار صاحبِ ایمان کو خدا کا ولی اور اس کا مقرب بندہ کہا جاسکتا ہے، اور اسی حیثیت سے

ان کا اِکرام کرنا چاہئے۔ اور انہیں اَزیت پہنچانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ نیز اس کے خلاف کرنے والے کی طرف اِلتفات بھی نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ابھی ابھی گذرا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

” (جس نے میرے دوست سے دشمنی پر کرباندھی۔ الخ“ بخاری)

۶۔ مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے۔ جو حقیقت وِلایت سے نا آشنا اور مُردہ پرستی اور کرامت پندی میں شدت سے مبتلا ہے۔ یہ طے کر رکھا ہے کہ کوئی زندہ مسلمان خواہ کتنا ہی متقی اور پرہیز گار کیوں نہ ہو، اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گی، تا آنکہ اس کی کسی کرامت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کر لے، یا یہ کہ وہ مُرکرموں مٹی میں نہ مل جائے، اور اس کی قبر پر شاندار مقبرہ یا بلند و بالا قبہ نہ بن جائے۔ امت کی گمراہی کا یہ حال ہے کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ایک زندہ ولی انہیں دستیاب نہیں۔ اور جو پوچھیں تو سینکڑوں ایسے ولیوں کی نشاندہی کرتے ہیں، جو مُرمریں مزاروں اور شاندار قبوں میں آسودۂ خاک ہیں۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ ان کی سیرت اور مفصل تاریخ تو درکنار ان کا نام و پتہ بھی انہیں نہیں معلوم۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ قبر والے حقیقتہً "ولی تھے یا شیطان نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟

۷۔ مشرکین جو اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا پروردگار ہے باری تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ تم ان کو اپنا سرپرست اور پروردگار بتائے بیٹھے ہو جو اپنی جان کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے؟!

قُلْ أَمَا تَتَذَكَّرُونَ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا

○ (آئہ: ۱۶)

”ان سے کہو کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو کیوں کارساز بنایا ہے، جو خود اپنے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔“

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ کوئی مرد یا عورت اللہ کے نیک بندوں نبیوں اور ولیوں کی پرستش نہ کرے، ان کی شفاعت اور سفارش پر بھروسہ کر کے عمل سے پہلو تہی نہ کرے،

مصائب دور کرنے اور حاجات کو پوری کرنے کے لئے ان سے فریاد نہ کرے، نہ ہی ان بدعات پر ٹوکنے والوں سے جھگڑا منولے۔ اس لئے کہ غیر اللہ کی پرستش شرک ہے، اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ خدا کی پناہ!

● شیطانی گروہ اور ان سے دوستی:

دنیا میں حق و باطل اور خیر و شرکی طاقتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل رہی ہیں۔ قرآن پاک بتاتا ہے کہ جب کسی پیغمبر نے حق کی آواز بلند کی، سرکش جنوں اور انسانوں نے ایک محاذ بنایا اور پیغمبروں کے کاموں میں رخنہ اندازی کی چنانچہ قیامت کے دن باری تعالیٰ فرمائے گا:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْفَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ○ (انعام: ۱۲۸)

”اے جنوں کی جماعت تم نے (ہرکا ہرکاکر) انسانوں میں سے بت سے لوگوں کو اپنا تابع بنالیا۔“

شَاطِطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُؤْحَمِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفِ الْقَوْلِ  
عُرُورًا ○ (انعام: ۱۱۳)

”شیطان صفت انسان اور جن دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں طمع کی ہوئی باتیں ڈال کرتے تھے۔“

إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّاطِطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ  
مُهْتَدُونَ ○ (آعراف: ۳۰)

”ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنالیا، اور پھر بھی سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں۔“

لیکن سوال یہ ہے جنوں اور انسانوں میں ذوری اور منافرت کے باوجود ان میں باہم دوستی کیونکر ہو جاتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ جنس کا جنس سے اور یکساں طبائع کا ایک دوسرے سے میل ہوتا ہے، اسی طرح بد باطن اور فاسق و فاجر انسان جنہیں اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کا پاس و لحاظ نہیں، وہ شیطان سیرت جنوں سے دوستی گاتھ لیتے ہیں۔ اور اس طرح باہم مل کر انسان کو

گمراہ کرنے اور زمین پر فساد پھیلانے کی تپاک کوشش کرتے ہیں۔ اور شیطان جو اس قسم کے مواقع کی تاک میں رہتا ہے، اپنے دوست انسانوں اور جنوں کی مدد اس طرح کرتا ہے کہ انہیں آسرا اور پوشیدہ رازوں سے باخبر کرتا ہے، آقصائے عالم کی جھوٹی سچی خبریں ان تک پہنچاتا ہے، اپنے مشن کی کامیابی کے لئے ان کے اشارے پر میاں بیوی، اور بھائی بھائی میں تفریق ڈالتا ہے۔ اجنبی، اجنبی میں یگانگت اور میل جول پیدا کرتا ہے۔ کبھی ان کے سامنے ظاہر ہو کر اور کبھی پوشیدہ طور پر ان سے کلام کرتا ہے، اور کبھی ان کے ہاتھوں شعبدے اور کرب و کھار ساہ لوح انسانوں کو ان کے پھندے میں گرفتار کراتا ہے، جو ساوگی اور جمالت میں اس تمام بازگیری کو کرامت اور ان شیطانوں کو ”ولی کامل“ سمجھ بیٹھتے ہیں۔



## اسلامی عقیدہ کا دوسرا رکن

### فرشتوں پر ایمان

اسلامی عقائد کے اس رکن پر غور و فکر سے پیشتر ذیل کے تین حقائق کو ذہن نشین کرنا مفید ہوگا۔ کائنات دو قسم کی ہے۔ ۱- غیبی ۲- ظاہری

۱- غیبی: وہ خلائق جو نظروں سے اوجھل ہوں۔ عقل و شعور ان کو اس طرح مانتا ہو جیسے وہ اس کے سامنے موجود ہیں۔ جیسے کل کائنات ارضی و سماوی۔

۲- ظاہری: غیبی کی ضد ہے۔ یعنی وہ خلائق جو انسانی نظروں کے سامنے اس کے مشاہدے میں ہو۔ یا آنکھ، ناک، کان یا دیگر حواس سے اس کا احساس ممکن ہو۔

۳- زندگی کے روز مرہ حقائق کی روشنی میں ہر انسان غیب اور غیبی امور کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ جس سے کسی صورت گلو خلاصی ممکن نہیں۔ البتہ اس سے وہی مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ جو حماقت اور جہالت پر اتر آئے۔ انسانی عزت و شرافت کو بلائے طاق رکھ دے۔ جانوروں کی حد تک گراؤ کا شکار ہو جائے۔ یا کوئی فاضل اور بے حس و حرکت پرزہ بن جائے۔

نیز اس لئے کہ ہر انسان ایک مادی وجود رکھتا ہے۔ اور یہ طے ہے کہ مادی وجود بیک وقت دو جگہ موجود نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اس کی نظروں سے اوجھل مقامات کو شہود نہیں غیب سے تعبیر کیا جائے گا۔ اور ٹھوس ثبوت، اور صحیح اطلاعات فراہم ہونے کی صورت میں غیبی اور دور کے مقامات کی ایک ایک چیز اور اس کے احوال کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا۔

پھر انسانی حواس اور قوتی ایک مقررہ اندازے اور حد تک احساس اور ادراک کی

لیاقت رکھتے ہیں۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ چنانچہ کان تیز آواز کو سن سکتا ہے۔ آنکھ بڑی چیز کو دیکھ سکتی ہے لیکن ہلکی آوازوں اور ادا سے زیادہ مہین چیزوں کے ادراک سے کان اور آنکھ دونوں عاجز ہیں۔ ہاتھ بڑی اور ٹھوس شے کو چھو سکتا ہے۔ لیکن حد سے زیادہ باریک شے کا اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ رہی عقل انسانی تو یہ اتنی عاجز اور درماندہ ہے کہ معقول اشیا کا ادراک اور ان کا صحیح تصور بھی اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

بنابریں غیر مرئی اور غیر محسوس (مگر یقینی) چیزوں کو ماننا اور ان کی تصدیق کرنا ناگزیر ہے۔ خواہ کسی صورت ان کا احساس نہ ہو۔ یا عقل میں ان کا تصور دشوار ہو۔ یہی حق و شرافت اور انسانیت و آدمیت کا تقاضہ ہے۔

(۱)۔ اس حقیقت کا اس لئے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کتنے انسانوں کو دیکھا جاتا ہے جنہوں نے اپنے ملک سے باہر قدم بھی نہیں نکالا لیکن بیسیوں ملکوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر تسلیم کرتے ہیں۔

(۲) عام آدمی تاحیات ہاتھی جیسا جانور نہ دیکھ کر بھی اس کے وجود کا قائل ہے۔ (۳) زمین کی قوت کشش کوئی دیکھ نہیں سکتا لیکن پڑھا لکھا طبقہ آنکھیں بند کر کے اس پر ایمان لاتا ہے۔ (۴) یہاں تک کہ وہ یتیم بچہ جس نے اپنے باپ کی صورت نہیں دیکھی اسے بھی یقین ہے کہ اس کا باپ تھا۔ اور وہ اس سے انکار بھی کیوں کر کرے گا۔ ان حقائق کی روشنی میں غیب پر ایمان نہ لانا۔ یا اس عقیدہ کے خلاف زندگی گزارنے کا تہیہ کرنا، جہالت حماقت اور نہایت مضحکہ خیز حرکت ہوگی۔

(۳) جیسا کہ عرض کیا گیا عقل اور حواس سے موجود اشیا اور حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔ بدیہی نظریے اور پیچیدہ گھٹیاں سلجھائی جاتی ہیں حواس کی مدد سے جملہ مادی حسی اور خوردنی اشیا اور قابل سماعت امور کا ادراک ہوتا ہے۔ عقل کے ذریعے سچائی کی برتری اور جھوٹ کے بے فروغ ہونے کا یقین دل میں پیدا ہوتا ہے عقل کسی امر سے متعلق ناممکن اور محال ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ جیسے جو شے جہاں پائی گئی، دوسری جگہ اس کا وجود ممکن نہیں۔ کسی چیز سے متعلق لازم اور یقینی ہونے کا حکم عائد کرتی ہے۔ جیسے ہر جسم کے لئے اس کی جگہ کا ہونا۔ اور مصنوع کے لئے صانع کا ہونا ضروری ہے۔ کچھ چیزیں جائز الوجود اور ممکن ہوتی ہیں۔ جیسے بیمار



شفا یاب ہو سکتا ہے۔ اور نہیں بھی ہو سکتا۔ غائب اور لاپتہ لوٹ کر آسکتا ہے نہیں بھی آسکتا۔ قوتِ باصرہ کی مدد سے عرئی چیزیں کا طول عرض اور ان کے دیگر اوصاف کا علم ہوتا ہے۔ کان سے آوازیں سنی جاتی ہیں۔ اور ان میں باہم فرق کیا جاتا ہے۔ خیریں سن کر ان کے مصداق اور مدعا کو سمجھا جاتا ہے۔ خوردنی چیزوں کو چکھ کر تلخ و شیریں، ترشی اور نمکینی کا علم ہوتا ہے ناک کے ذریعے سونگھ کر خوشبو اور بدبو میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ ہاتھ سے چھو کر جسم اور اشیاء کا کھردرا پن اور چکناہٹ اسی طرح حرارت اور برودت کا احساس ہوتا ہے۔

کسی فرد بشر کے لئے، علوم و معارف کے حصول کا بنیادی ذریعہ اس کی عقل اور اس کے یہی حواس ہیں۔ انہیں ذرائع سے آدمی نت نئی معلومات فراہم کرتا ہے۔ کسی چیز کو سمجھ کر اس سے متعلق مثبت یا منفی ہونے کا حکم عائد کرتا ہے۔ لازم، ناممکن یا ممکن ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ کسی چیز کو دیکھ کر اس کے پست یا بلند قامت ہونے، یا سیاہ و سفید ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ آواز سن کر آواز دینے والے کا تعین یا اس کی تشخیص کرتا ہے۔

غرض ظاہری اور غیبی کل امور کے اور اک کے لئے انسان کے اپنے وسائل، اس کی عقل اور اس کے یہی حواس ہیں البتہ سراسر غیبی اور اوجھل چیزوں کو جاننے اور دل سے انہیں ماننے کے لئے ان کی سماعت یا ان کے آثار و نقوش کا مشاہدہ کافی ہو جاتا ہے۔ جن کی مدد سے اصل شی کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ فلاں مر گیا، یا کہیں چلا گیا۔ یا سفر سے واپس آ گیا۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ وہ شخص یا تو سامنے نہیں تھا۔ یا اتنی مسافت پر تھا کہ اس کی رویت ممکن نہ تھی جس سے نہ اس کی موت و حیات کا پتہ چلتا تھا نہ ہی سفر کے لئے آنے جانے کی کچھ خبر ملتی تھی۔ ظاہر ہے اس صورت میں مخبر صادق اور معتمد آدمی کے خبر دینے سے ہی سننے والے کو صحیح اطلاع اور علم ہو سکتا تھا۔ کبھی انسان کا گذر کسی ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں ندی نالے لبریز ہوتے ہیں۔ پہاڑی سلسلے اور داوایاں جل تھل اور شاداب ہوتی ہیں۔ یہ دیکھ کر اسے یقین ہو جاتا ہے کہ بارش ابھی ابھی رکی ہے۔ حالانکہ اس نے پچشم خود نہ بارش کا مشاہدہ کیا۔ نہ کسی نے اس کی اطلاع پہنچائی۔ لامحالہ یہ علم، سیلاب اور اس کے اثرات کو دیکھ کر حاصل ہوا۔ کبھی وہ ایسی جگہ سے گزرتا ہے۔ جہاں سے خوشبو آ رہی ہو۔ اسے بغیر دیکھے اور

نے یہ احساس ہوتا ہے کہ قریب کوئی عطر فروش یا پھولوں سے لدا ہوا کوئی باغ ہے۔ اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیبی امور سے متعلق واقفیت بھی انسان کو بعینہ اسی طرح ہوتی ہے کہ کوئی معتبر کہنے والا اس کی اطلاع دیتا ہے۔ اور دل میں پختہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی اشیاء کے آثار اور ان کے نقوش سے دل کے اندر کامل یقین پیدا ہوتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کا وجود عقل و قیاس کے عین مطابق ہے۔ اور ان کو تسلیم کرنا آسان ہے۔ نیز ہر چند کہ ملائکہ غیبی مخلوق ہیں۔ لیکن ثقہ راویوں کی سچی خبروں یا اثرات کے مشاہدے سے جنہاں دیگر چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ فرشتوں سے متعلق بھی بخوبی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ:

کیا یہ امر واقعی نہیں کہ باہوش آدمی کسی باکپاز انسان کی زبانی کسی کسی وقوعہ کی خبر سن کر خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس کو سچ سمجھتا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سمجھ دار آدمی دور کی آواز تو سن کر آنکھوں سے دیکھے بغیر آواز دینے والے کے وجود کا قائل ہوتا ہے۔ اور اس حد تک یقین کر بیٹھتا ہے گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے؟۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کوئی مردانا کمرے میں رکھی ہوئی کرسی کو دیکھ کر یہ یقین کر لیتا ہے کہ کسی نے بیٹھنے کے لئے یہاں یہ کرسی رکھ دی ہے۔ جب کہ کرسی رکھنے والے کو اس نے نہیں دیکھا؟۔ نیز کیا یہ صحیح نہیں کہ عقلمند اور سمجھ دار آدمی کسی کتاب کو دیکھ کر یہ یقین کر لیتا ہے کہ اس کا کوئی مصنف ہے یا کسی مطبع میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔ جب کہ اس نے نہ مصنف کو دیکھا۔ نہ مطبع سے کسی درجہ واقف ہے۔

دیکھا جائے تو اس درجہ یقین کا سرچشمہ یہی اخبار و روایات اور آثار و مشاہدات ہیں۔ اور غیب پر یقین بھی انہیں عقلی دلائل سے بخوبی ہوتا ہے۔ اس لئے ان حقائق کی روشنی میں فرشتوں کے موضوع پر ہم پوری قوت اور طاقت کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ اور یہ ثابت کریں گے کہ فرشتوں کا نہ صرف وجود ہے۔ بلکہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہیں۔ اور کوئی باہوش آدمی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے خدا کا انکار کیا۔ ان کی عقلیں ماری گئیں۔ اور وہ شرفِ آدمیت سے گر کر قعرِ ندامت میں جا پڑے۔ ایسے لوگ اور چیزوں کی طرح فرشتوں کے

وجود اور ان کی حقیقت سے انکار کریں گے۔ لیکن یہ مانیں یا نہ مانیں۔ سچ سمجھیں یا جھٹلائیں۔ ایمان والوں کی نظر میں ان کا کوئی وزن نہیں۔

فرشتوں کے وجود اور ان کے ثبوت کی یہ ایک دلیل ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا۔ ہر باہوش آدمی محض اس دلیل کی مدد سے فرشتوں کے علاوہ کسی بھی غیر نبی امر کو بخوبی تسلیم کر سکتا ہے۔ اور جیسا کہ گذرا اس دلیل کے بنیادی عناصر یہی ہیں۔ (خدا اور خاصانِ خدا کے اقوال اور ان کی روایات اور مشاہدات۔

### ● منقول روایات:

فرشتوں کے وجود کی نمایاں دلیل باری تعالیٰ کے ارشادات ہیں جس نے اس مخلوق کو وجود بخشا۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ مخلوق کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے اس کے خالق کا قول سب سے بڑی دلیل ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْۤا اَنْتَ جَعَلُ  
فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ و  
نُقَدِّسُ لَكَ ۝ (بقرہ: ۳۰)

”اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا ایک) خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو فرشتوں نے عرض کیا۔ اے پروردگار! کیا تو زمین میں ایسی ہستی کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے۔ اور خونریزی کرے۔ حالانکہ ہم (ہر وقت) تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔“

فرشتوں کا وجود ہے اس لئے ان سے خطاب کیا گیا۔ اس نام کی مخلوق نہ ہوتی تو کیوں انہیں مخاطب کیا جاتا؟

— حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور ان کے متحق خلافت ہونے کے فرشتے قائل ہوئے تو اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں فرشتوں کا سجدہ کرنا فرشتوں کے ساتھ ہی وجود آدم کی بھی دلیل ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوْۤا لِآدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّا اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاَسْتَكْبَرَ

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ: ۳۴)

ترجمہ ”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب سجدہ میں گر پڑے۔ اس نے (حکم الہی) نہ مانا اور تکبر کیا۔ اور کافروں میں سے ہو گیا۔“  
— ادنیٰ یا اعلیٰ کسی بھی مخلوق بالخصوص فرشتوں کی اس میں توہین ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں، نہ ہی اس کی بندگی کرنے میں کسی کو عار ہے۔

لَنْ يَسْتَنْبِحَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝  
(نساء: ۱۴۲)

ترجمہ ”مسح ہرگز اس بات سے عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (اس سے عار رکھتے ہیں۔“  
ظاہر ہے فرشتے نہ ہوتے تو انہیں بندگی کا حکم بھی نہ ہوتا، نہ ہی عار سمجھنے کا سوال پیدا ہوتا۔

● — اہل جاہلیت کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں! باری تعالیٰ نے ان کی اس خام خیالی کی تردید کی اور بتایا کہ یہ مخلوق ان اوصاف سے بالاتر ہے۔ کیا یہ فرشتوں کے وجود کی دلیل نہیں؟

وَجَعَلُوْا الْمَلٰٓئِكَةَ الذِّنِّۙنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَّاۙنَاۙ اَشْهَدُوْا خَلْقَهُمْ ۝  
(زخرف: ۱۹)

ترجمہ ”اور ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں، عورتیں قرار دے رکھا ہے، کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟۔“  
● — قرآن پاک بر ملا اس کا اظہار کرتا ہے کہ شفاعت اور سفارش کی قبولیت مرضی مولیٰ پر منحصر ہے۔ اس کی مرضی نہ ہوگی تو مقرب فرشتوں کی سفارش بھی چنداں مفید نہ ہوگی۔ اس انتباہ سے بھی فرشتوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے کہ وہ نہ ہوتے تو کسی کو ان کی سفارش کی توقع بھی نہ ہوتی، اور نہ باری تعالیٰ کی طرف سے اس پر تنبیہ کی جاتی، جب کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِّنْ بَعْدِ اَنْ  
يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ (نجم: ۲۶)

”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی، مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے، اور سفارش کو پسند کرے۔“

مذکورہ بالا آیات جن سے فرشتوں کا وجود، ان کی کثرت، ان کے اوصاف و کمالات، اور ان کے فرائض کا علم ہوتا ہے، ان آیات سے یہ یقین بھی دل میں پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے خدا کی اہم ترین مخلوق ہیں۔

۲- انبیاء سابقین بالخصوص نبی آخر الزمان (ﷺ) کے اقوال و إرشادات میں جا بجا فرشتوں کی تخلیق، اور ان کے مختلف احوال کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”جس گھر میں کتابیا تصویر ہو، فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے۔“

(مسلم ۱۵۷/۱۶، بخاری ۱۳۸/۳۰)

”نبی نوع انسان کو جس چیز سے اذیت پہنچتی ہے، فرشتوں کو بھی اس سے اذیت ہوتی ہے۔“  
(مسلم ۸۰/۲)

”باری تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتوں کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ زمین میں گشت کیا کرتے ہیں، اور درود و سلام پڑھنے والوں کا ہدیہ مجھ تک پہنچاتے ہیں۔“

(احمد نسائی)

”جب امام آمین کے توئم بھی آمین کو، فرشتے بھی آسمانوں میں آمین کہتے ہیں۔ اب اگر کسی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“  
(مسلم ۱۷۲/۲، بخاری ۱۸۷/۱)

کبھی آپ یوں دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِئِلَ وَمِيكَائِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ “ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فَيَمَّا كَانُوْا فِيْهِ  
يَخْتَلِفُوْنَ“ اِهْدِنِيْ لِمَا اُخْتَلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ

تَشَاءَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○ (مسلم: ۱۵۸/۴)

”اے اللہ! اے جبرائیل، میکائیل، اسرائیل کے پروردگار! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، اے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے! جن امور کے بارے میں تیرے بندے جھگڑ رہے ہیں ان کے بارے میں تو ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ خدایا! محض اپنے فضل سے حق کے اس راستے کی طرف میری رہنمائی فرما۔ جس کے بارے میں تیرے بندوں میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ تو ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔“

علاوہ ازیں حضور اکرم ﷺ نے ملک الموت اور اس کے معاون فرشتوں، قبر کے فرشتوں، نگرانی کرنے والے اور نیکی بدی کا اندراج کرنے والے فرشتوں، جنت اور جہنم کے داروغہ فرشتوں کا متواتر اور مشہور حدیثوں میں ذکر فرمایا ہے۔ کیا کوئی انسان خصوصاً مسلمان ان آیات و احادیث کی موجودگی میں فرشتوں کا انکار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

### مشاہدات:

قرآن پاک جو بے شمار علوم و معارف کا گنجینہ اور عبرت و نصیحت کا دفتر ہے، سوال یہ ہے کہ آیا یہ براہ راست پیغمبر علیہ السلام پر نازل ہوا؟ — نہیں! بلکہ جہاں اس کی آیتیں اور سورتیں اپنے اندر بے شمار اعجاز رکھتی ہیں، اس کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ ایک معتبر اور امانت دار فرشتہ یعنی جبریل باری تعالیٰ کی طرف سے اسے لے کر آپ کے پاس آتے تھے، اور بسا اوقات صحابہ ان کا مشاہدہ کرتے تھے۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنَّهُ لَشَرِيفٌ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ

لِتَكُونُ مِنَ الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ○ (شعراء: ۱۹۲ تا ۱۹۵)

”اور اے پیغمبر! یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا ہے، اس کو تمہارے دل پر

روح الامین نے صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے کہ تم ڈرانے والوں میں سے ہو جاؤ۔“

موت! — ہاں، زندگی کی سب سے تلخ مگر نازیر حقیقت، جو ہر چند کہ کسی کو نظر نہیں آتی، لیکن کیا کوئی اس کی دست برد سے بچا ہے؟ یا کسی فرد بشر کو اس سے انکار کی مجال ہے۔

(موت سے کس کو رستگاری ہے۔ آج ان کی 'کل اپنی باری ہے!)  
 آخر وہ کوئی تو ہے جو بے قدموں آکر جیتے جاگتے انسانوں، اور تمام جانداروں کو  
 یلکھت موت کی پڑھوں وادی میں سلا دیتا ہے، اور پھر بھی کہیں نظر نہیں آتا! اور جو کوئی بندہ  
 اپنے رب سے یہی سوال کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ:

قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ، ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ

○ (سجده: ۱۱)

”(اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تمہاری  
 رو میں قبض کر لیتا ہے، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

پھر جبرئیل علیہ السلام اور موت کے فرشتے (حضرت عزرائیل) علیہ السلام جن کا شمار  
 خدا کے عظیم فرشتوں میں ہوتا ہے۔ بارہا ایسا ہوا کہ انہیں کھلے بندوں نظروں سے دیکھا گیا۔  
 اور محسوس کیا گیا۔

چنانچہ بخاری اور مسلم کی روایات شہد ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ  
 مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ مسجد میں بیسیوں مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔

”آپ۔ حضور ﷺ کے پاس پہنچے، حضور ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی  
 بیٹھ گئے زانو سے زانو ملائے۔ اور اپنے دونوں ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو پر رکھ  
 دیئے اسی حالت میں آپ سے متعدد سوالات کئے۔ اور حضور ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت  
 فرمائے۔ چنانچہ آپ نے ایمان۔ اسلام۔ احسان۔ قیامت اور آثار قیامت۔ سے متعلق  
 دریافت فرمایا۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام عام انسانی صورت میں جلوہ گر تھے“ (ملخصاً۔۔  
 بخاری اور مسلم میں یہ روایت اجملاً مذکور ہے۔ مسلم ۲۸/۲۹، بخاری معنہ: ۱۳۳/۶)

موت کے فرشتہ سے متعلق متعدد روایات موجود ہیں جن میں اس کی روایت ثابت  
 ہے۔ نیز یہ کہ فرشتہ بیماروں اور مریضوں کے قریب آکر ان کی رو میں قبض کرتا ہے۔ کتنے ایسے  
 مریض ہیں جنہوں نے اس طرح اپنی سرگزشت سنائی۔ اور مرنے سے ذرا پہلے کیفیت بیان کی۔  
 پھر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

### ● فرشتوں پر ایمان کی ضرورت:

قصہ کو تاہ۔! وجود ملائکہ سے متعلق مزید دلائل ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔ اس لئے مزید دلائل پیش کرنے کی بجائے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ ملائکہ پر ایمان لانا اسلامی عقائد کا لازمی جز ہے۔

حق تعالیٰ نے اسلامی عقیدہ کو متعدد آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ منجملہ ان عقائد کے فرشتوں پر ایمان کا عقیدہ بھی ان کے اندر شامل ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ○ (بقرہ: ۱۷۷)

● ”نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، اور فرشتوں پر، اور اللہ کی سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔“

نیز فرمایا:

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ  
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَأَنْفَرُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ○ (بقرہ: ۲۵۸)

● ”(یہ) پیغمبر (محمدؐ) اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، اور (اسی طرح) ایمان والے بھی۔ یہ سب کے سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں، اور اس کی کتابوں، اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔“

یہ بھی ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ  
ضَلَالًا بَعِيدًا ○ (نساء: ۱۳۶)

● ”اور جو شخص اللہ کا، اور اس کے فرشتوں، اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا، اور قیامت کے دن کا انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔“



حدیث جبرئیل! — جو ابھی گذری — اس کے آخر میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔  
 ”عمر! تم کو معلوم ہے سوال کرنے والا کون تھا؟ جب حضرت عمر نے عرض کیا، خدا اور خدا کے  
 رسول ہی خوب واقف ہیں، تو آپ نے فرمایا: وہ جبرئیل تھے تم کو دین سکھانے آئے تھے۔“  
 الغرض ان آیات و احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے خداوند عالم کی عظیم  
 الشان سلطنت کے غیبی کارکن ہیں، اور اس کے بے حد فرمانبردار خادم بھی، لہذا ان کے وجود کو  
 اسی حیثیت سے تسلیم کرنا، خداوند قدوس کی بیکراں غیبی قوتوں پر ایمان لانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ  
 اللہ کے ان فرشتوں پر ایمان لانا بھی ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص  
 فرشتوں پر ایمان نہ لائے، انہیں قوائے انسانی، یا کوئی افسانوی مخلوق تصور کرے، یا ان کی اس  
 حیثیت کو تسلیم نہ کرے، جو قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں پیش کی گئی ہے، تو اس کا شمار  
 اسلام کے دائرے میں نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس لئے کہ فرشتوں کے وجود، یا ان کی اس حیثیت کو  
 نہ ماننے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ایسا شخص قرآن کو غلط سمجھتا ہے، اور حضور  
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف (خدا کی پناہ!) جھوٹ کی نسبت کرتا ہے۔

### ● ملائکہ کی تخلیق:

تعریف: ملائکہ کا واحد مَلَكٌ جو اصل میں مَلَائِكَةٌ ہے۔ لفظ مَلَكٌ، اَلْمَلَكُ سے ماخوذ  
 ہے۔ یعنی پیغام پہنچانا۔ مَلَائِكَةٌ اور مَلَائِكَةٌ اس کی جمع ہے۔

مادہ تخلیق: فرشتے باری تعالیٰ کی سب سے طاقتور اور معصوم مخلوق ہیں۔ ان کی  
 تعداد صرف باری تعالیٰ کے علم میں ہے، جس نے ان کو پیدا کیا۔ اس کے سوا ان کی صحیح تعداد  
 کوئی نہیں جان سکتا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا، ان کا بدن نور کا بنایا، اور ان کو اپنی قدرت اور  
 ارادے سے کائنات کے انتظام و انصرام کے لئے مقرر فرمایا۔ ان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کی فرماں  
 برداری اور حکم کی تعمیل ہے۔ ان میں تافرمانی اور سرکشی کا مادہ پایا ہی نہیں جاتا۔ بعض کا کام یہ

عملی زبان کے ایک قاعدے کی زد سے امر کی حرکت ماقبل (لام ساکن) کو دے کر الف کو گمراہ دیا گیا، تاکہ  
 ادائیگی میں سورت ہو۔ اب یہ مَلَكٌ ہو گیا۔

ہے کہ وہ رات دن ذکر و اذکار، دعا تسبیح اور یادِ الہی میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس کام سے ذرہ برابر نہیں اُتاتے۔ نہ ان میں کسی قسم کا فخر یا گھمنڈ پیدا ہوتا ہے۔

ان کے مادہ تخلیق سے متعلق حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”فرشتے نور سے، جنات آگ کے شعلے سے، اور حضرت آدم ﷺ کو جیسا کہ ارشادِ باری ہے، (کھنکھاتی ہوئی) مٹی سے (جو سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوتی تھی) بنایا گیا۔“ (حجر: ۲۶ - مسلم،

۱۲۷/۸)

### ● فرشتوں کے مراتب:

بنی نوع انسان کی طرح فرشتوں میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض فرشتوں کو دوسروں کی بہ نسبت خدائے تعالیٰ کا کہیں زیادہ تقرب حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ○

(نساء: ۱۷۲)

”مسیح ہرگز اس بات سے عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب

فرشتے (اس سے عار رکھتے ہیں)۔“

بعض فرشتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ قیامت کے دن وہ عرشِ الہی کو تھامے ہوں

گے:

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ○ (حادثہ: ۱۷)

”اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔“

بعض مقرب ترین فرشتوں میں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اور عزرائیل نامی فرشتے

ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ برگزیدہ حضرت جبرائیل ہیں، جن کا لقب ”روح القدس“ ہے۔

### ● فرشتوں کے کام:

جیسا کہ عرض کیا گیا، قدرت کے اس بہت بڑے کارخانے میں (جسمیں چاند، سورج،

زمین، آسمان، سمندر اور پہاڑ مشین کے پرزوں کی طرح کام کر رہے ہیں) بے شمار فرشتے مختلف

ڈیوٹیوں پر لگے ہوئے ہیں۔ کتاب و سنت کی روشنی میں بعض بڑے فرشتوں کے نام اور ان کے

اہم کام ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- حضرت جبرئیل علیہ السلام: آپ کو روح القدس (پاکیزہ روح) بھی کہا جاتا ہے۔ باری تعالیٰ نے ان کی قوت و امانت کی توصیف فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثَمَّ

أَمِينٍ ○ (تکویر: ۱۹، ۲۱)

”بے شک یہ قرآن ایک باعزت فرشتہ کا (لایا ہوا) کلام ہے۔ (وہ) قوت والا اور

عرش والے کے پاس بڑے مرتبہ والا ہے۔ وہاں وہ سردار (اور) امانت دار ہے۔“

نبی اور رسول اور خدا کے دیگر برگزیدہ بندوں کا اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے، حضرت جبرئیل اس میں واسطہ ہوتے ہیں، اور آسمانی سفارت کو بندوں تک بلا کم و کاست پہنچانے کا عظیم المرتبت فریضہ انجام دیتے ہیں چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ○ (شعراء: ۱۹۳، ۱۹۴)

”اور اے پیغمبر! یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل کیا ہوا ہے، اس کو تمہارے دل پر

روح الامین نے صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم ڈرانے والوں میں سے ہو جاؤ۔“

واقعہ معراج کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کے اس عظیم ترین سفر میں جو مکہ مکرمہ میں مسجد حرام سے شروع ہوا، اور جس کی آخری منزل ملا اعلیٰ میں سدرۃ المنتہیٰ تھی، اس سفر کے بڑے حصہ میں حضور اکرم ﷺ کی رفاقت کا شرف جس فرشتے کو حاصل ہوا، وہ یہی حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔

۲- حضرت میکائیل علیہ السلام: بارش اور روزی پہنچانے کا کام آپ کے سپرد

ہے۔

۳- حضرت اسرافیل علیہ السلام: قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔

۴- حضرت عزرائیل علیہ السلام: موت، یعنی روح قبض کرنے کا کام ان کے

پہرہ ہے۔

۵- فرشتہ موت کے معاونین: ان کی دو قسم ہے، (۱) فرشتہ رحمت (۲) فرشتہ عذاب اور یہ دونوں قسم کے فرشتے فرشتہ اجل کے خصوصی معاونین ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّقَهُ رُسُلُنَا لَهُمْ لَّا يَفْرَطُونَ ۝

(انعام: ۶۱)

ترجمہ: ”یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔“ (انعام: ۶۱)

۶- حاملین عرش: یہ تعداد میں چار ہیں۔ قیامت کے دن ان میں مزید چار کا اضافہ ہوگا اور ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا ۝ (غافر: ۱۷)

ترجمہ: ”(دیکھو) جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گردا گرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان لانے والوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔“

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ۝ (حاقہ: ۱۷)

ترجمہ: ”اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔“

۷- رضوانِ جنت: یہ جنت کے دربان ہیں۔ حور و غلمان اور جنت کے جملہ خدام فرشتوں کی نگرانی بھی انہیں کے ذمہ ہے۔

۸- خدامِ جنت: ان کی گنتی اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں چنانچہ ارشاد ہے:

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ، سَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَبِعَمِّ عَقْسَى الدَّارِ ۝ (زمر: ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: ”اور رحمت کے فرشتے ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو، کیونکہ تم نے صبر کیا تو کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے۔“

بعض روایتوں میں ہے کہ ایک جنتی کو اسی ہزار خدامِ حرامت ہوں گے۔ وہ بس جنتیوں کی خدمت کریں گے۔

۹- فرشتے ووزخ: ووزخ کے انتظام کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں۔ ان پر انیس

داروغہ یا سردار ہیں، باری تعالیٰ کی طرف سے یہ دوزخیوں کو عذاب دینے پر مامور ہیں:

سَأْضِلُّهُ سَقَرٌ، وَمَا أَذْرَكَ مَا سَقَرٌ، لَا تَبْقَىٰ وَلَا تَنْزُرُ لَوْاحَةً لِّلْبَشَرِ،  
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ، وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا  
عِدَّتَهُمُ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۝ (مدثر: ۲۶-۳۱)

ترجمہ: ”میں غمگین اسے دوزخ میں داخل کروں گا۔ اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ

کیا چیز ہے؟ وہ آگ ہے جو نہ باقی رکھے گی، نہ چھوڑے گی، اور بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ اور ہم نے دوزخ کے تمسبان فرشتے ہی بنائے ہیں، اور ان کی گنتی کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے۔“

جنم کے ان انیس داروغوں کے سب سے بڑے سردار کا نام ”مالک“ ہے دوزخیوں کی باہم چیخ و پکار نقل کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَا دُؤَا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَكْفُونُونَ لَقَدْ جِئْتُمْكُم بِالْحَقِّ، وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُونَ ۝ (زخرف: ۷۷-۷۸)

ترجمہ: ”اور وہ (دوزخ کے داروغہ کو) پکاریں گے کہ اے مالک تیرا پروردگار ہم کو موت

دے کر ہمارا کام تمام کر دے۔ وہ جواب دے گا کہ بیشک تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ (لوگو) ہم نے دین حق تمہارے پاس پہنچایا، لیکن تم میں سے اکثر اس دین حق سے نفرت کرتے ہیں۔“

۱۰- کرانا کا تین : ان برگزیدہ فرشتوں کا کام یہ ہے انسان جو کچھ کرتا رہے، یہ اس کو لکھتے رہیں۔ دائیں کاندھے پر نیکی کا اور بائیں کاندھے پر بدی کا اندراج کرنے والے فرشتے مقرر ہیں، اور وہ ہر آدمی کے اعمال کی مسلسل نگرانی کرتے رہتے ہیں، اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔

(۱) اس مضمون کی روایت ترقی میں ہے۔ البتہ اس کی سند میں کلام ہے۔

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ○

(انفطار: ۹ تا ۱۲)

ترجمہ: ”(حالانکہ) تم پر مگسبان فرشتے مقرر ہیں جو باعزت ہیں اور تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔“

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”نماز کے اندر بندہ چونکہ خدا سے مناجات کرتا ہے اس لئے سامنے کی طرف یا دائیں جانب نہ تھو کے۔ بلکہ بائیں طرف قدموں کے نیچے تھو کے۔ اس لئے کہ دائیں طرف نیکی کا فرشتہ نیکیاں درج کرتا ہے۔“

(اللوگو والرحمان: ۱/۱۱۱)

۱۱- پھر یہاں فرشتے: اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو اپنی اپنی ڈیوٹی پر دن رات انسانوں کی اور ان کے اعمال کی حفاظت و نگرانی کے لئے مقرر ہیں اور بحکم الہی ان کو بہت سی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ○ (زمرہ: ۱۱)

ترجمہ: ”ہر شخص کے آگے اور پیچھے اللہ کے فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اللہ نے ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور جب حکم الہی ہوتا ہے، حفاظت سے ہاتھ اٹھالیتے ہیں۔“ (ابن کثیر: ۲/۵۰۳)

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں:

”خدا کے یہ فرشتے سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، شریر انسانوں اور کبیرے کھوڑوں سے انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔“ (ابن کثیر: ۲/۵۰۳)

۱۲- فرشتہ تقدیر: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”خدا نے تعالیٰ نے رحم پر جس فرشتہ کو مقرر کر رکھا ہے، وہ عرض کرتا ہے: پروردگار! نطفہ (بناؤں؟) پروردگار! بستہ خون (بناؤں؟) پروردگار! لوتھڑا (بناؤں؟) اس کے بعد جب باری تعالیٰ

اس کی بناوٹ مکمل کرنی چاہتا ہے، تو فرشتہ عرض کرتا ہے: پروردگار! یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ یہ نیک بخت ہے یا بد بخت؟ رزق کیا ہے؟ عمر کیا ہے؟ اسی طرح (یہ سب باتیں) ماں کے پیٹ کے اندر لکھ دی جاتی ہیں۔“ (اللؤلؤ والمرجان: ۲۰۸/۳)

۱۳۔ پہاڑوں کا نگران: اس فرشتے کے ذمہ پہاڑوں کی نگرانی سپرد ہے۔ حضور اکرم

ﷺ کا ارشاد ہے:

”پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ارشاد ہو تو پہاڑوں کی چوٹیوں کو ملا کر اس گستاخوں کو چکنا چور کر دوں۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۲۲۷/۲)

۱۴۔ گشت کرنے والے فرشتے: بعض فرشتوں کا کام یہ ہے کہ وہ زمین میں گشت

کیا کرتے ہیں، اور جو کوئی دنیا کے کسی گوشے میں درود و سلام پڑھتا ہے اس کا ہدیہ دربار رسالت ﷺ میں پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

خداوند عالم کے کچھ فرشتے زمین میں گشت کیا کرتے ہیں، اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔“

(ابن حبان، نسائی، بحوالہ فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ صفحہ ۳۶)

۱۵۔ دعا کرنے والے فرشتے: کچھ فرشتوں کی ذیوٹی یہ ہے کہ ایک مومن جب

کسی دوسرے مومن کے لئے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: خدایا! قبول فرما! اور دعا کرنے والے کو بھی وہی مرحمت فرما:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مسلمانوں کی دعا اپنے بھائی کے لئے اس کے پس پشت قبول ہوتی ہے۔ جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے دعائے خیر کرتا ہے تو وہ موکل فرشتہ جو اس کے سر کے پاس کھڑا ہوتا ہے، آمین کہتا ہے، اور کہتا ہے، تیرے لئے بھی اتنا ہی ہے۔“ (مسلم: ۸۶/۸)

۱۶۔ روح لے کر چڑھنے والے فرشتے: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مومن کی روح جب نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔ آسمان والے کہتے ہیں، کیسی پاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ خدا تجھ پر اور اس بدن پر رحمت نازل کرے جس کو تو آباد رکھتی تھی اس کے بعد پروردگار کے سامنے اس کو لے جایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اس کو آخر وقت تک کے واسطے۔ سدرۃ المنتہیٰ میں لے جاؤ۔ اور کافر کی

روح جس وقت نکلتی ہے، اور آسمان کی طرف جاتی ہے، تو آسمان والے کہتے ہیں۔ کیسی خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ اخیر وقت تک کے واسطے اس کو جہنم میں لے جاؤ۔“ (مسلم: ۱۶۲/۸)

۱۷۔ منکر نکیر: جب آدمی مر جاتا ہے تو دو فرشتے آکر اس سے ذیل کے تین سوال

کرتے ہیں: ۱- تیرا رب کون ہے؟ ۲- تیرا دین کیا ہے؟ ۳- تیرے نبی کون ہیں؟

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب مردے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اوپر سے مٹی ڈال کر لوگ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، تو مردے کے پاس دو سیاہ قام نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ سوال کریں گے ”اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟“ مومن جواب دے گا ”میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“ وہ دونوں کہیں گے ”ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہو گے۔ پھر اس کی قبر ہر طرف سے ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے، اور قیامت تک کے لئے اس کی قبر کو راحتوں اور روشنی سے بھر دیا جاتا ہے تب مردہ کہے گا ”مجھے میرے گھر والوں کے پاس جانے دو تاکہ میں ان کو اپنی سرگذشت سناؤں! وہ دونوں کہیں گے، جس طرح ایک ذلیم سوتی ہے، جسے اس کا خاوند ہی جگا سکتا ہے، اسی طرح تم بھی قیامت تک آرام کرو۔ اور اگر مرنے والا منافق ہوتا ہے تو وہ ہر سوال پر شور مچاتا ہے، اور کہتا ہے، لوگ جو کچھ کہتے تھے میں بھی وہی کہا کرتا تھا۔ ہائے مجھے نہیں معلوم! فرشتے کہیں گے، ہمیں علم تھا کہ تو یہی کہے گا۔ پھر زمین سے کہا جائے گا ”مل جا۔ زمین باہم مل جائے گی“ اور اس کے سبب اس کی دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں پسلیاں دائیں میں چوست ہو جائیں گی اور قیامت اسے یونہی عذاب ہوتا رہے گا۔“

(ترمذی: ۵۰، ابوداؤد: ۵۳۰/۲، ابن ماجہ: ۶۵، ترمذی: ۲۸۸/۳، ۳۲۶/۳)

مذکورہ بالا روایات کے علاوہ قرآن کریم کے ان الفاظ پر جب ہم غور کرتے ہیں جن

میں فرشتوں اور ان کی کارکردگی کا ذکر ہے، جیسے:

”صَافَّاتٌ“ (اپنے مقام پر صف بستہ کھڑے ہونے والے) ”زَاجِرَاتٌ“ (ڈانٹنے

والے) ”تَالِيَاتٌ“ (ذکر کرنے والے) ”فَازِعَاتٌ“ (سختی سے جان نکالنے والے) ”فَاشِطَاتٌ“

(آسانی سے جان نکالنے والے) ”مُفَسِّمَاتٌ“ (تقسیم کرنے والے) ”مُذَبِّحَاتٌ“ (انتظام کرنے

والے)



ان فرشتوں اور ان کے نوع بہ نوع کاموں کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ کائنات علوی اور کائنات سفلی غرض ہر جگہ کا نظم فرشتوں کے سپرد ہے۔ نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”زمین انی ہوئی ہے اور یہ ہونا ہی چاہئے۔ اس لئے کہ زمین میں چار انگشت کے برابر جگہ بھی باقی نہیں رہی ہے جہاں ایک نہ ایک فرشتہ زمین پر سر رکھے خدا کا سجدہ نہ کر رہا ہو۔“

(احمد ۱۷۳/۵ ترمذی زہد ۹/ ابن ماجہ زہد ۱۹/ حاکم جتاید ذہبی)

### ● فرشتوں کی بعض صفات:

فرشتے اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے سراسر غیبی مخلوق ہیں عقل و نقل پر مشتمل دلائل سے ان کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ ان پر ایمان لانا ان کے کوائف اور ان کے کاموں کی تصدیق کرنا ضروری ہوتا ہے۔ عقلی اور نقلی دلائل سے مراد جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا۔ سچی اور منقول روایات اور ناطق آثار و مشاہدات ہیں۔ یہ صاف و صریح روایات (جو بلاشبہ شرعی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں ان) کی روشنی میں فرشتوں کے بے شمار اوصاف و خواص کا ہمیں علم ہوتا ہے۔ اس لئے بندۂ مومن کے اس عقیدے سے متعلقہ بحث کے ختم پر مزید تاکید اور وضاحت کے لئے ان کے معدودے چند اوصاف و خواص بیان کئے جاتے ہیں۔

۱- حیاء: شرم و حیاء اس مخلوق کا امتیاز ہے۔ فرشتے اس کا اظہار اسی طرح کرتے ہیں۔ جس طرح اظہار کی اللہ نے انہیں توفیق بخشی ہے۔ خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اندر حیاء کا بے پناہ مادہ تھا۔ آپ کے اس وصف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”میں ایسے شخص سے کیوں نہ شرم کروں جس سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔“

(مسلم، ۷/۱۱۷)

۲- احساسِ اذیت: جن چیزوں سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

”کوئی شخص پیاز، لسن اور گدنا (ایک بدبو دار ترکاری) کھا کر ہماری مسجد میں نہ آئے۔ کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے۔“

(مسلم، ۹۰/۲)

نیز فرمایا:

”جس گھر میں کتابیا تصویر ہو فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔“ (اللوگو: ۳۹/۳)

فرشتوں کا گھروں میں نہ جانا، ان مکروہ چیزوں سے انہیں کراہت اور اذیت پہنچنے کی

دلیل ہے۔

۳- : فرشتے نور سے بنے ہوتے ہیں۔ اس لئے بشری حوائج جن سے ہر انسان دوچار ہوتا ہے، فرشتے ان سے مبرا ہیں۔ اور نہ وہ مرد ہوتے ہیں، نہ عورت، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ سوتے ہیں نہ ان کے اندر گناہ کی طاقت ہوتی ہے۔ اللہ کا ذکر ان کی غذا ہوتی ہے۔ اس کی بندگی ان کا مشغلہ ہے، اور اس کی حمد و ثنائ کا ہر گھڑی کا وظیفہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ○ (انبیاء: ۲۰)

ترجمہ ”وہ رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کسی وقت موقوف نہیں کرتے۔“

۴- : اپنی لطافت، طاقت و قوت اور عبادت میں ایشاک کے باوجود خدا کی اس برگزیدہ مخلوق کے اندر گھمنڈ اور تکبر نام کو نہیں۔ لے یہ خدا سے ڈرتے رہتے ہیں:

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلٰئِكَةِ  
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ، يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ  
○ (نحل: ۴۹، ۵۰)

ترجمہ ”اور آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، سب اسی کو سجدہ کرتے ہیں، اور

فرشتے بھی، اور وہ ذرا تکبر نہیں کرتے، اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، جو ان کے اوپر (غالب) ہے۔ اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔“

نیز فرمایا:

وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنْ اِزْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ حَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ ○

(انبیاء: ۲۸)

ترجمہ ”اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے، مگر ہاں اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو،“

اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔“

۵- خدا کی بندگی: خدا کی اطاعت اور بندگی فرشتوں کی تخلیق کی اصل غرض ہے۔ اس لئے لمحہ بھر کے لئے وہ اس سے غافل نہیں ہوتے، نہ ہی کبھی خدا کی نافرمانی کرتے ہیں:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ○ (تحريم: ۶)

ترجمہ: ”اللہ نے ان کو بوجہ حکم دیا اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔“

نیز فرمایا:

عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ○

(انبیاء: ۲۶، ۲۷)

ترجمہ: ”وہ اس کے معزز بندے ہیں۔ وہ اس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرتے اور اس کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔“

۶- خاصانِ خدا سے محبت: جس طرح بھی ممکن ہو بہر کیف! فرشتے محبت بھی

کرتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرماتے ہیں:

”جب باری تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل کو حکم ہوتا ہے، میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرئیل آسمانوں پر پکار کر کہتے ہیں، ”باری تعالیٰ فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے، لہذا تم بھی اس سے محبت کرو۔“ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آسمانوں میں اس بندے کی محبت عام ہو جاتی ہے، اور جو کوئی آسمانوں میں محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے، زمین والے بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۳/۲۰۵، ۲۰۶)

۷- دعا اور بددعا کرنا: فرشتے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، اور نیک بندوں کے

لئے مغفرت طلب کرتے ہیں:

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ  
بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا

فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْحَجِيمِ ○ (عافری: ۲۷)

”دیکھو جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد (طلق) باندھے ہوئے ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے۔“

اور جن پر خدا کی لعنت برستی ہے، فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ○ (بقرہ: ۱۶۹-۱۷۳)

”بے شک جن لوگوں نے دین حق سے انکار کیا اور انکار ہی کی حالت میں مر گئے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں کچھ سہولت دی جائے گی۔“

### ● عظیم ترین مخلوق اور باہمی فرقہ

فرشتے خدا کی عظیم ترین مخلوق ہیں اور درجہ بدرجہ ان کی تخلیق میں باری تعالیٰ نے نمایاں فرق بھی ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل کے چھ سو بازو ہیں، جب کہ بعض فرشتوں کے صرف دو بازو ہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي  
أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ  
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (طہ: ۲۰)

”ہر طرح تعریف اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ (اور)

فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین اور چار چار پر ہیں۔ وہ پیدا کنش میں جس قدر چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

امام ابو داؤد اس کے راوی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”عرش الہی کو تھانے والے ایک فرشتے سے جن تعالیٰ نے گفتگو کی مجھے اجازت دی۔ اس فرشتے کے دونوں پیر زمین کے نچلے حصے کو چھوتے ہیں اور عرش اعظم اس کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ اس کی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اگر کوئی پرندہ پرواز کرے تو ستر ہزار سال کی مدت درکار ہوگی۔ وہ فرشتہ بھی یہی کہتا ہے۔ خدایا! میں ہر جگہ بس تیری حمد و ثنا کرتا ہوں“

(ابوداؤد)

حاکم اس کے راوی ہیں اور امام ذہبی نے اس کی تائید کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے

فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ایک مرغ (نما فرشتے) سے بات چیت کا مجھے موقع دیا۔ اس کے پیر زمین میں اندر تک چلے گئے ہیں اور وہ عرش کے نیچے گردن موڑے ہوئے کہتا ہے: ”خدایا! پاک ہے تیری ذات! تو کتنا عظیم اور بزرگ و برتر ہے۔“ باری تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب ملتا ہے: ”جھوٹی قسم کھانے والا یہ نہیں جانتا“!

اے صاحب ”المجاہد“ نے اس کو ذکر کیا اور اسے ابو داؤد کی روایت بتائی ہے جب کہ میں نے ابو داؤد میں یہ روایت پائی، ”(اللہ تعالیٰ) نے عرش کو تھانے والے ایک فرشتے سے بات چیت کی مجھے اجازت بخشی اس کے کان کی لو سے اس کے مونڈھے تک کی مسافت سات سو سال ہے۔“

(علاؤ) مرغ سے مرغ نما فرشتہ مراد ہے۔ (ابوداؤد: ۲/۵۳۴)

## جنات اور شیاطین

مومن کے عقیدے کا دوسرا رکن ”فرشتوں پر ایمان“ کی مناسبت سے جن اور شیاطین سے متعلق کچھ تفصیل ذکر کی جا رہی ہے۔ ان پر ایمان لانا مومن کے عقیدے کا جز ہے۔ جن اور شیاطین کا تعلق چونکہ غیب سے ہے، اس لئے غیب پر ایمان کی تکمیل کے لئے ان کا ماننا بھی ضروری ہے۔ نیز ان کی حیثیت کو تسلیم کرنا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرنا ہے اس لئے کہ قرآن پاک اور آنحضرت ﷺ کی احادیث میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

ایمان کی بحث کی تکمیل سردست ہمارے پیش نظر نہ ہوتی تو اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا ہر دو مخلوق کا علیحدہ ذکر چنداں ضروری نہ تھا۔ نیز اس لئے کہ:

۱۔ ہر ادنیٰ مسلمان — جو خدا پر، اس کی قدرتِ کاملہ پر، اس کے رسولوں پر، اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان رکھتا ہے — وہ جنوں اور شیطانوں کے وجود کو بھی لامحالہ تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن پاک نے ہر دو کا نہایت صراحت کے ساتھ جگہ جگہ ذکر کیا ہے۔

۲۔ وجود ملائکہ کی بحث میں پیش کی گئی جملہ عقلی اور نقلی دلیلیں، جنوں اور شیطانوں کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کل کائنات دو قسم کی ہے۔ (۱) غیبی، (۲) ظاہری۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کبھی انسان کسی موقع پر یکہ و تما ایسی جگہ ہوتا ہے کہ اپنی آنکھ، ناک، یا کان غرض کسی طرح سے دور کی اشیاء کا احساس نہیں کر پاتا۔ لیکن اس کے باوجود زیادہ نہیں، کسی ایک مگر معتبر آدمی کی زبانی ان

کے متعلق سن کر یا ان کے آثار کو دیکھ کر انہیں تسلیم کر لیتا ہے۔ اور اس درجہ یقین کر لیتا ہے کہ اب اگر کوئی اس کے سامنے اس چیز کو جھٹلاتا ہے تو یہ اس سے الجھ پڑتا ہے، اور خود اس جھٹلانے والے کو جھٹلا دیتا ہے، یا اسے کم عقل، جاہل، یا ناقابل اعتماد سمجھ لیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فرشتوں پر ایمان کے سلسلے کی ان دونوں دلیلوں کو مان لینے کے بعد۔ نیز اس لئے کہ فرشتے بھی غیبی مخلوق ہیں۔ کسی بندہ مومن کے لئے جنوں اور شیطانوں کا وجود تسلیم کرنا کسی طرح دشوار نہیں، جب کہ فرشتوں جیسی غیبی مخلوق کے مقابلہ میں جن اور شیطان (انسانوں سے) زیادہ قریب ہیں۔

### ● جن اور شیطان موجود ہیں:

فرشتوں کے وجود پر جس طرح دلائل پیش کئے گئے، کتاب و سنت کی روشنی میں جنوں اور شیطانوں کی موجودگی کا ثبوت بھی بکثرت ملتا ہے۔ ان میں سے چند کو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

مشاہدات: ۱۔ صرع: (آسیب زدگی) ایک تو وہ ہے جسے عرف عام میں ”مرگی“ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک زبردست اعصابی بیماری ہے۔ مرگی کا مرض معمولی بھی ہوتا ہے۔ جس میں دوا کارگر ہو جاتی ہے۔ لیکن بسا اوقات مرض لاعلاج ہو جاتا ہے۔ ہر چند کہ یہ بھی صرع ہے، لیکن — سردست ”صرع“ سے ہماری مراد عام انسانوں پر طاری ہونے والی وہ کیفیت ہے جو شیطانی اثرات اور ارواح خبیثہ کے تسلط کا نتیجہ ہوتی ہے، اور جس کو سحر اور آسیب کہتے ہیں۔ اگرچہ کہ طب جدید اور میڈیکل سائنس نے بے انتہا ترقی کی، لیکن اس ناگمانی افتاد کا اس کے پاس بھی کوئی علاج نہیں ہے، اور کیسے ہو؟ جب کہ یہ کوئی مرض نہیں جس کی دوا یا علاج کیا جائے۔ دراصل یہ شیطانوں کی شرارت کا نتیجہ، اور ان کے وجود کا زبردست ثبوت ہے۔

۲۔ آسیبی اثرات بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن اور شیاطین جنہیں پلٹ جاتے ہیں، ان کی حرکات و سکنات پر حاوی ہو جاتے ہیں، انہیں دور دراز کی خبریں سناتے ہیں، اور ان کی زبان سے کلام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آسیب زدہ کبھی کوئی اجنبی یا ایسی نامائوس

زبان بولتا ہے جس سے وہ پہلے سے قطعی نا آشنا ہو تو ہے۔

۳۔ جن اور شیطان: جس طرح ناگمانی طور پر کسی سے چٹ جاتے ہیں، اسی طرح دیکھتے دیکھتے اتر بھی جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرد خدا کی ڈانٹ ڈپٹ سے ڈر کر، یا خدا سے ان کی دعاؤں کے نتیجے میں اپنے شکار کو اپنی دست برد سے آزاد بھی کر دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ہمارے بعض ناظرین کے لئے یہ کوئی انسونی کہانی ہو! لیکن بیشتر واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور ان کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔

۴۔ مشہور ہے: کہ بعض جنوں کی بعض انسانوں سے دوستی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ گاہے گاہے وہ ان سے ملتے ہیں اور ان سے بات چیت کرتے ہیں!۔ اس قسم کے واقعات بھی چونکہ بکثرت پیش آتے رہے ہیں، اس لئے بلاوجہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ جرائم جن کا انسان ارتکاب کرتا ہے۔ جیسے اغلام بازی، زنا کاری، قتل و عارت گری چوری شراب نوشی، کفر و نافرمانی جھوٹ، بے وفائی، اور وعدہ خلافی، یہ تمام جرائم انسانی فطرت، آسمانی شریعت اور ملکی قوانین کے عین مخالف اور کھلم کھلا شیطانی اثرات کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے کہ ان کاموں کو شیطان انسانی نظروں میں خوش نما بناتا ہے۔ انہیں آراستہ کرتا ہے۔ اور ان کا ارتکاب کرنے کے لئے انسان کو ورغلا تا ہے۔ ان کی روحوں کو فریب اور فتنہ و فساد میں مبتلا کرتا ہے۔ جب کہ انسان کی سعادت اور دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اسی روح کی — پاکیزگی پر ہے۔ اس لئے کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شیطانی روحوں کو بگاڑ کے راستے پر بالکل اسی طرح ڈالتا ہے جیسے جراثیم انسانی بدن کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

مزید برآں کوئی معالج جب یہ کتا ہے کہ فلاں جراثیم سے فلاں بیماری ہوتی ہے، اور فلاں دوا اور پرہیز سے اس کا ازالہ ہوتا ہے، تو ہر مریض نہ صرف اس کو تسلیم کرتا ہے، بلکہ فوراً عمل کے لئے خود کو تیار پاتا ہے۔ جب کہ نہ اس نے بذات خود جراثیم کو کیس دیکھا ہے، نہ ان کے نام و نشان سے کسی صورت بھی آشنا ہے۔ کیا یہ اس لئے نہیں کہ بیماری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تکلیف اور کمزوری اسے معالج کی ایک ایک بات پر اعتماد کے لئے مجبور کرتی ہے؟۔ اور جو کوئی یوں کہے کہ شیطان کے زیر اثر ہونے کی بنا پر تمہارا اندرون بگڑ چکا ہے، اسی لئے تمہارا دل جھوٹ پر مائل ہے، اور تمہارے اندر مکرو فریب، خود غرضی اور خدا



فراموشی جیسی برائیاں جڑ پکڑ رہی ہیں۔ اور اگر تم اس سے گلو خلاصی چاہتے ہو تو فلاں تدبیر تمہارے لئے ناگزیر ہے۔ سبحان اللہ! کیسی عجیب بات ہے کہ بیماری کے جراثیم کو دل و جان سے تسلیم کر لینے والا برائی کے جراثیم کا قاتل نہیں! جب کہ دونوں کی صورت حال، اور ان کا طریق کار قطعی ایک جیسا ہے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ انسان کو جس طرح جسمانی مرض لاحق ہوتا ہے، اسی طرح اس کی روح بھی اندرونی امراض کا شکار ہوتی ہے۔ اس لئے بلا تکلف کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مدتوں نیکی کرنے والا جو رفتہ رفتہ نیکی سے بیزار، اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو دراصل یہی شیطان کے وجود اور اس کے اثرات کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

### ● روایات:

قرآن پاک اور مستند احادیث میں جا بجا جنوں اور شیطانوں سے متعلق اجمالی اور تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ ذیل میں اس مضمون کی چند آیات ذکر کی جاتی ہیں:

### ● ارشاداتِ ربانی:

بعض آیات میں نہایت صراحت کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ خدا کی اس حیرت انگیز مخلوق کا مادہ تخلیق کیا ہے؟۔ ارشاد ہوتا ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ تَارٍ ○ (رحمن: ۱۵، ۱۶)

”اس نے انسان کو ٹھیکے کی طرح کھٹکھٹائی مٹی سے بنایا۔ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔“

کیسے بطورِ خاص یہ واضح کیا گیا کہ ان کی پیدائش اور تخلیق کا مقصد آخر کیا ہے؟

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ، مَا أَرِنُهُمْ مِّنْ رَّزْقٍ وَمَا أَرِنُهُمْ أَنْ يُطْعَمُونَ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ○ (ذاریات: ۵۸، ۵۹)

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ میں ان سے رزق کا طلبگار نہیں اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا وغیرہ) کھلائیں۔“

بلاشبہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا اور توانا ہے۔“

آدم کی تخلیق کے بعد فرشتوں نے خدا کے حکم سے آدم کو سجدہ کیا۔ شیطان نے نہیں کیا۔ تب سے شیطان نے انسانوں کے خلاف جنگ و جدل کا ایک محاذ کھول رکھا ہے۔ قرآن حکیم نے ایک سے زائد موقع پر اس کی تاکید کی ہے کہ شیطان اور اس کی ذریت کو ہرگز ہرگز دوست نہ بنایا جائے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِنِ  
وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ (کاف: ۵۰)

”اور وہ وقت یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنوں میں سے تھا تو اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔“

حضرت آدم کی تخلیق، ان کی صورت گری، فرشتوں کو انہیں سجدہ کا حکم، ابلیس کا انکار پھر باری تعالیٰ کی اس کو زجر و توبیح، ابلیس کا گناہ سے بدتر عذر گناہ، رحمت خداوندی سے اس کی دوری اور مہجوری، پھر جنت سے اس کا نکلا جانا، اور اس کو اور اس کی ذریت کو دوزخ کے عذاب کی سزا، ان تمام جزئیات کو قرآن کریم نے نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ قَالَ مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ قَالَ أَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ

لَا يَتَّبِعُهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمَنْ خَلْفَهُمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْذُورًا وَمَا مَذْذُورًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمَلْنَا جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ○  
(آعراف: ۱۸۲)

”اور ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (اللہ نے اس سے) پوچھا میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ سے روکا۔ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔ کیونکہ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا (اس پر اللہ نے) فرمایا کہ بہشت سے اتر جا۔ تو اس لائق نہیں کہ یہاں رہ کر تکبر کرے۔ پس نکل جا بلاشبہ تو ذیلیوں میں سے ہے۔ (ابلیس نے) کہا کہ مجھے اس دن تک مصلحت عطا فرما جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا (اچھا) تجھے مصلحت دی جاتی ہے (ابلیس نے) کہا چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا (اس لئے) میں بھی تیرے سیدھے راستے پر بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ضرور بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) ان کے پاس آؤں گا (اور جس طرف سے بن پڑے ان کو بھگاتا رہوں گا) اور تو اکثر بنی آدم کو شکر گزار نہ پائے گا۔ (اللہ نے) فرمایا یہاں سے نکل جا (تو) ذلیل اور رائدہ ہوا بنی آدم سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں (ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔“

نیز یہ بھی بتایا کہ شیطان فصلت انسان اور جنین ایک دوسرے کو دروغ گوئی اور باطل کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ پھر دونوں مل کر نسل آدم کو گمراہ کرتے اور انہیں فتنہ و شر میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

شَیَاطِينِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِيْنَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفِ الْقَوْلِ  
عُرْوَرًا ○ (آعراف: ۱۸۳)

”اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں طمع کی ہوئی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔“

اپنے برگزیدہ بندے اور پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام پر اپنی نوازشوں کا باری تعالیٰ بطور خاص ذکر فرماتا ہے، جنہیں یہ امتیاز حاصل تھا کہ جن ان کے لئے عظیم الشان عمارتیں، بڑے بڑے لگن، اور بھاری بھاری دیکھیں تیار کرتے تھے:

وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَمَنْ يَنْزِعُ مِنْهُمِ عَن  
أَمْرِنَا نُذِقُهُ مِنَ عَذَابِ السَّعِيرِ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَ  
تَمَاثِيلٍ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ ۝ (سبا: ۱۲-۱۳)

”اور جنوں میں بعض ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا، اس کو ہم دوزخ کے عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔ وہ (جن) سلیمان کے لئے وہ چیزیں بناتے تھے جو وہ چاہتے تھے۔ یعنی بڑی بڑی عمارتیں، اور جتنے اور لگن (ایسے بڑے) جیسے تالاب اور دیکھیں جو ایک ہی جگہ جمی رہتی تھیں۔“

دوسری جگہ فرمایا:

وَالشَّيَاطِينِ كُلِّ بَنَاءٍ وَعَوَاصٍ وَأَخْرَيْنَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ هَذَا  
عِظَاؤُنَا فَأَمْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (ص: ۳۹-۴۰)

”اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا، (یعنی) عمارتیں بنانے والے، اور غوطہ مارنے والے، اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، (ہم نے کہا کہ) یہ ہماری بخشش ہے۔ (چاہو) تو احسان کرو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو۔ (تم سے) کچھ حساب نہیں۔“

نصیبین کے جنوں کا ایک گروہ بطن نخلہ (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) پر سے گذرا، جہاں اس وقت آنحضرت ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔

جنوں کا یہ گروہ وہاں ٹھہر گیا۔ انہوں نے خاموش ہو کر بہت غور سے قرآن مجید سنا، اور اس سے بے حد متاثر ہوئے۔ پھر وہ اپنی قوم میں واپس ہوئے۔ ان کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور اسلام کا پیغام سنایا۔ قرآن پاک ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ  
قَالُوا أَنصَبْنَا لَكَ قُصِيًّا وَلَوْ أَنَّا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِينَ قَالُوا يَقَوْمَنَا إِنَّا  
سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى  
الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ يَقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ  
يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِزْكُمْ مِّنْ عَذَابِ آلِيمٍ ○ (آخاف: ۳۱-۳۹)

”اور وہ وقت یاد کرو) جب کہ ہم نے بہت سے جنوں کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سننے لگے تھے۔ تو جب وہ وہاں حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ پھر جب قرآن (کا پڑھنا) ختم ہو چکا تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے (کہ عذاب الہی سے) ان کو ڈرائیں وہ کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی۔ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے۔ (اور اپنے) حق اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف جانے والے کی بات قبول کرو۔ اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔“

خود جنوں کی زبانی ان کی وحی الہی کی سماعت پھر اپنی قوم میں جا کر اس کی تفصیلی روداد سناتا، ان کے گونا گوں عقائد، احوال اور کارگزاریوں کی تفصیل قرآن پاک اس طرح پیش کرتا ہے:

قُلْ أُوْحِي إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا  
عَجَبًا ○ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ○  
(جن: ۳۱)

”اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں میں سے ایک

جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ہم پروردگار کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔“

سرکش جن اور شیطان وسوسہ ڈالنے اور گمراہ کرنے کی اپنی جبلت سے باز نہیں آتے۔ اس لئے باری تعالیٰ کا حکم ہے:

۱۔ وَإِنَّمَا يَنْزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ (اعراف: ۲۰۰)

”اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو، تو اللہ کی پناہ مانگو۔ بلاشبہ وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔“

۲۔ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ○ (صل: ۱۰۰-۹۸)

”(اور اے پیغمبر) جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو شیطان مردود (کے وسوسوں سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر شیطان کا کچھ زور نہیں چلتا۔ اس کا زور تو انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا رفیق بناتے ہیں، اور اس کے (وسوسوں کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔“

۳۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ، إِلَهِ النَّاسِ، مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ، الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ، مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○ (سورۃ ناس)

”(اے پیغمبر) کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی لوگوں کے پلوشاہ (اور) لوگوں کے معبود کی پناہ مانگتا ہوں۔ (اس) وسوسہ ڈالنے والے، (اور) پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے جو لوگوں کے دلوں میں دوسرے ڈالتا ہے۔ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے۔“

### ● فرمودات نبوی:

آیات کی طرح اس مضمون کی احادیث بھی بکثرت وارد ہیں۔ چنانچہ ایک روایت وہ ہے جس میں ہر آدمی کے ساتھ ایک ہمزاد ہونے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے:

”تم میں سے ہر ایک پر خدائے تعالیٰ نے اس کا ہمزاد جن موکل کر دیا ہے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ﷺ) آپ پر بھی؟ فرمایا: مجھ پر بھی، مگر خدائے تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی، اس لئے وہ تابعدار ہو گیا ہے۔ اب سوائے نیکی کے اور کسی بات کا مجھے مشورہ نہیں دیتا۔“ (مسلم ۱۳۹/۸)

اسی ساتھ داری کا نتیجہ ہے کہ انسان کے ہر کام میں شیطان بھی ٹانگ اڑاتا ہے اور اپنا حصہ لے اڑتا ہے۔ لیکن بندۂ مومن کے مقابلہ میں اس کی ایک نہیں چلتی۔ اس لئے کہ اس کا دل اور اس کی زبان خدا کی یاد سے تر ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جب آدمی اپنے گھر میں آئے اور گھر میں داخل ہوتے وقت نیز کھانا کھاتے وقت خدا کا نام لے لے، تو شیطان اپنی ذریات سے (کتا ہے آج اس گھر میں) تمہارے لئے نہ شب باشی کا مقام ہے، نہ شام کا کھانا اور اگر گھر میں داخل ہوتے وقت خدا کا نام نہیں لیتا، تو شیطان (اپنی ذریات سے) کتا ہے، (آج اس گھر میں) تم کو شب باشی کا مقام مل گیا اور وہ آدمی کھانا کھاتے وقت بھی خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان کتا ہے۔ (آج یہاں) تم کو شب باشی کا مقام بھی مل گیا، اور رات کا کھانا بھی۔“

(مسلم: ۱۰۸/۶)

کھانے پینے کے آداب میں یہ چیز داخل ہے کہ انسان خصوصاً مسلمان کھانا کھائے، یا پانی پئے تو بائیں ہاتھ کو ہرگز استعمال نہ کرے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے اگر کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے، اور پئے تو دائیں ہاتھ سے پئے۔ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھانا پیتا ہے۔“

(مسلم ۱۰۹/۶ مالک ابو داؤد)

کھانا کھانے کے بعد، خاص طور پر رات کا کھانا کھانے کے بعد، ہاتھ دھوئے بغیر سو رہنا نہ صرف ادب کے خلاف ہے، بلکہ اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

”شیطان بہت زیادہ چونکا اور حساس ہوتا ہے۔ اس سے بچتے رہا کرو۔ اور جو اس طرح رات بسر کرے کہ اس کے ہاتھ میں گوشت وغیرہ کی چکنائی کی بو ہو، اور اس کی وجہ سے کسی جانور کا نشاندہ بن جائے۔ (یعنی کوئی جانور اسے کاٹ کھائے) تو اسے اپنے سوا کسی کو برا بھلا نہ کہنا چاہئے۔“

(ترمذی: ۳۸/۱، ابوداؤد: ۳۰/۱، ابن حبان)

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے پاس جنات کے ایک وفد نے آکر اپنے توشہ اور کھانے سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

”ہر وہ بڑی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، تمہارے ہاتھ میں پڑ کر اس طرح گوشت سے بھر جائے گی، جس طرح فریبہ جانور کا گوشت ہو، اور ہر بیعتی اور لید تمہارے چوپایوں کے لئے ہے۔“

(بخاری: ۵۹/۷)

یہی وجہ ہے کہ گوبر اور بڑی سے استنجاء جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے فرمایا:

”یہ تمہارے بھائی جنوں کا توشہ ہے۔“

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

ایک رات نماز پڑھتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ اگلے روز آپ نے اس کی تفصیل سناتے ہوئے فرمایا:

”رات! ایک غیبی سرکش جن دھوکہ دے کر میری نماز تروانا چاہتا تھا۔ مگر خدا نے اس کو میرے قابو میں کر دیا۔ میرا ارادہ ہوا کہ مسجد کے کسی ستون سے اس کو ہاندھ دوں کہ صبح کو تم سب دیکھو، مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کا قول یاد آیا۔ (انہوں نے دعا کی تھی کہ) ”اے پروردگار! میری بخشش فرما، اور مجھ کو ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میرا نہ ہو۔“ (ص: ۳۵) اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا اور خدا نے اس کو ناکام واپس کیا۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۱۰۹/۱)

روزِ مہ کے آداب سکھاتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

”جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو، کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر آواز دیتا ہے۔ اور گدھے کی آواز سنا کر تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگا کر کہ وہ شیطان کو دیکھ کر چلاتا ہے۔“



(اللؤلؤ والمرجان: ۳/۲۳۳)

جہائی کیا ہے؟ اور جب یہ آئے تو کیا کیا جائے؟ ارشاد ہوتا ہے:

”جہائی شیطان (کی طرف) سے ہے، لہذا جب کسی کو جہائی آئے تو اسے روک دے۔ اس لئے کہ جب تم میں سے کسی کو جہائی آتی ہے تو شیطان ہنستا ہے۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۳/۳۲۷)

شیطان سب سے بڑا مکار اور فریبی ہے۔ اسی لئے وہ بندوں کو ان کے حسب مراتب گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور بسا اوقات اس میں کامیاب ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے متعدد مواقع پر شیطان اور اس کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا ہے، اور اس سے بچنے کی موثر تدابیر سے آگاہ فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا:

— ”تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آکر کتا ہے: اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ پوچھتا ہے، کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک (خیال کا سلسلہ) پہنچ جائے تو آدمی کو خدا کی پناہ مانگنی چاہئے، اور (سلسلہ خیال کو) ختم کر دینا چاہئے۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۱/۳۶۱)

نیز فرمایا:

”سرشام — یا فرمایا: — جب رات ہو جائے تو اپنے بچوں کو باہر نہ نکلنے دو۔ اس لئے کہ شیطانوں کے جا بجا پھیلنے کا یہی وقت ہوتا ہے۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۳/۱۶)

### ● جنوں اور شیطانوں پر یقین ضروری:

مذکورہ بالا عقلی و نقلی ہر دو دلائل کی روشنی میں بندہ مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دیگر خلائق کی طرح جنوں اور شیطانوں کی بھی ایک دنیا آباوہ ہے۔ جہاں وہ سرگرم کار ہیں، اور چونکہ ان کا وجود عقل و نقل سے ثابت ہے، اس لئے ان کا انکار کرنا صریح کفر اور کتاب و سنت کو نہ ماننا، اور ان کو جھٹلانا ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر عقیدہ رکھنے والا اس

قسم کی بیجا جسارت نہیں کر سکتا جو اسے دائرۃ اسلام سے نکال باہر کرے۔

### ● سرسری جائزہ:

جن اور شیطان، تاریک دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر لوگ ان سے متعلق طرح طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ قرآن پاک اور احادیث نبوی کی روشنی سے محروم ہیں، انہیں اور بھی نہیں معلوم کہ ان کی اصلیت اور خصوصیت کیا ہے؟ اس لئے ان کے بارے میں چند حقائق ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

### ● مادہ تخلیق:

۱۔ جان: سب سے بڑا جن اسے ”بلّے جن“ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے پیدا کیا۔ قرآن پاک کی ایک صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں سے پہلے اس کی پیدائش عمل میں آئی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلِ مِنْ نَارٍ لَسْمُومٍ ○ (حجر: ۲۶)

● ”اور بلاشبہ ہم نے انسانوں کو مٹکنائی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، جو سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوئی تھی۔ اور جنوں کو اس سے پہلے لو کی آگ سے پیدا کیا۔“

البتہ یہ امر واضح نہ ہو سکا کہ آدم اور اولاد آدم کی طرح جنوں کی پیدائش بھی عمل میں آئی؟ کہ اولین جن آگ سے پیدا ہوا، پھر تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ اس کی نسل بڑھی، یا کوئی دوسری صورت اختیار کی گئی؟ اصل بعید تو صرف اللہ کے علم میں ہے، ہاں اغلب یہ ہے کہ پہلی صورت عمل میں لائی گئی۔

۲۔ نام کی وجہ: یہ مخلوق انسانوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ ”جنّ“ کے معنی ”ڈھانپنا اور پوشیدہ کرنا ہیں۔ لہذا اس مادہ سے جو لفظ آتا ہے۔ سب میں پوشیدگی کا معنی پلایا جاتا ہے۔ چنانچہ ”جَنَّةٌ“ ڈھال، اور اس خود کو کہتے ہیں جسے سپاہی میدان جنگ میں سر پر اوڑھے ہوتا ہے۔ ”جَنَّةٌ“ گئے بلوغ کو کہتے ہیں، جو زمین کو ڈھانکے ہوتا ہے۔ دارِ آخرت کے باغوں کو بھی ”جنت“ کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اسے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، تاکہ

غیب پر ایمان کا منشا پورا ہو۔ ”جَنِينٌ“ اس بچہ کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں ہو، وغیرہ۔

شرر اور سرکش جنوں کے بارے میں باری تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۚ (اعراف: ۲۷)

”(دیکھو) وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے۔“

۳۔ کھانے پینے کی حاجت: جانوروں اور پودوں کی طرح جنوں کو بھی کھانے پینے

کی حاجت ہوتی ہے، جیسا کہ پہلے گذرا کہ:

”جنات کے ایک وفد نے آکر اپنے توشے اور کھانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، ہر

وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، تمہارے ہاتھ میں پڑ کر اسی طرح گوشت سے بھر جائے

گی، جس طرح فریہ جانور کا گوشت ہو۔“ (بخاری ۵۹/۷)

نیز آپ نے گوبر اور ہڈی کو ’سُتَجَا‘ میں برتنے سے منع فرمایا، اس لئے کہ:

”یہ تمہارے بھائی جنوں کا توشہ ہے!“ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

کھانے پینے میں بائیں ہاتھ کو استعمال کرنے سے منع کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔“

(مسلم ۱۰۹/۶، مالک، ابوداؤد)

صحیحین کی ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر عام خلائق کی طرح

اس مخلوق کی افتاد طبع بھی ایسے نوج پر بنا رکھی ہے جس کی بنا پر انہیں بھی بھوک پیاس لاحق

ہوتی ہے، اور کھانے پینے کی ضرورت پڑتی ہے۔

۴۔ تولد و تناسل: عام حیوانات اور انسانوں کی طرح۔ اس میں شک نہیں کہ

جنوں اور شیطانوں میں بھی نسل کی افزائش ہوتی ہے، اور اسی طرح ہوتی ہے جس طرح

کل جانداروں میں ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہ تکبیر اور اس کے برے انجام سے خبردار کرتے

ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفْتَحْجُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أُولِيَاءَ مِنْ ذُنُوبِهِ وَهُمْ لَكُمْ عَنُودٌ، بِنَسْلِ لِلظَّالِمِينَ

بَدَلًا ۝ (کاف: ۵۵)

”تو کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، اور یہ ظالموں کے لئے برابر ہے۔“

اس فقرے میں ابلیس اور اس کی اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ جب کہ اسی آیت کی ابتداء میں ہر دو کا ذکر بہ صراحت موجود ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ — ○ (کف: ۵۰)

”اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنوں میں سے تھا، تو اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو۔“

نیز مسلم کی روایت میں ابھی گذرا کہ جو بندہ خدا کا نام لئے بغیر گھر میں چلا آئے اور کھاپی لے تو۔

”شیطان کتا ہے (آج یہاں) تم کو رات گزارنے کا مقام بھی مل گیا اور شام کا کھانا بھی۔“  
(مسلم: ۱۰۸/۶)

اسی لئے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جماع کی نیت سے آئے تو یہ دعا پڑھے۔ اگر ان کے ملاپ سے کوئی اولاد نصیب ہوئی تو ہمیشہ شیطان سے محفوظ رہے گی۔

بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ○  
(اللؤلؤ والمرجان: ۱۰۰/۲)

”اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہم کو شیطان سے بچا، اور شیطان کو ہماری اولاد سے دور رکھ۔“

۵۔ جن اور شیطان دو ہیں یا ایک: جانا چاہئے کہ جن اور شیطان کے درمیان نمایاں فرق ہے۔ اس فرق کو ذہن نشین کرنے کے لئے علماء نے روحانی مخلوق کی چار قسمیں کی ہیں۔

(۱) فرشتے (۲) انسان (۳) جن (۴) شیطان

۱۔ فرشتے: ان سے مراد وہ مستقل نورانی مخلوق ہے، جسے اللہ نے مخصوص اوصاف و کمالات کے ساتھ پیدا فرمایا، اور بے شمار انتظامی اختیارات عطا فرمائے۔ اس برگزیدہ نبی مخلوق کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ پچھلے صفحات پر کیا جا چکا ہے۔

۳۔ جن: آگ سے پیدا کی گئی اس مخلوق کی دو قسمیں ہیں: (۱) جن (۲) شیطان وہ جو نیک بھی ہیں اور بد بھی، جن کہلاتے ہیں۔ یہ انسانوں کی طرح اچھے برے، فرمانبردار اور نافرمان، ایمان والے اور بے ایمان دونوں قسم کے ہوتے ہیں، چنانچہ سورہ جن کی تفصیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۴۔ شیطان: وہ جو بد ہی بد ہیں، اور ہر قسم کے خیر سے دور رہتے ہیں ”شَبِيْطًا“ کے معنی جلنے کے بھی آتے ہیں۔ چونکہ یہ آگ سے بنے ہیں، اور آگ میں جائیں گے، اسی لئے ان کو ”شیطان“ کہا جاتا ہے۔ ”ابلیس“ اسی گروہ کا سرغنہ اور ان کا پیش رو ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

إِلَّا ابْلِيسَ، كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۝ (کف: ۵۰)

”مگر ابلیس! (نے سجدہ نہ کیا) وہ جنوں میں سے تھا، تو اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔“

آگ، ابلیس کا مادہ تخلیق ہے۔ اسی لئے اس کے اندر بغض، حسد، کینہ، غصہ اور بیجا نفرو نفور زیادہ ہے، اور یہی اوصاف آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکنے کا سبب بنے۔ نیز ان کے اندر بدی سے رغبت اور ہر قسم کے خیر سے دوری پیدا ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابلیس اور اس کی پوری نسل برائی کرتی رہی، اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلائی رہی۔ کیونکہ مثل مشہور ہے: ”سانپ کا بچہ سنبولیہ“ اور ”بھیڑیے کا بچہ بھیڑیا“ ہوتا ہے۔ بھیڑیا بکری کے بچوں کے درمیان پرورش پا کر اپنی سرشت فراموش نہیں کر سکتا، نہ ہی سانپ کے بچہ کو دودھ پلانے والا اس کے زہر سے خود کو بچا سکتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، سرکشی اور شرارت شیطان کا شیوہ ہے، اس لئے ہر شریر اور سرکش جن، انسان اور حیوان کو ”شیطان“ کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ سرکش کو ”مارد“ اور حد درجہ شرارتی کو ”عفریت“ کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک نے یہ صراحت کی ہے کہ شیطان جن میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

شَيَاطِينِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفِ الْقَوْلِ  
غُورًا ○ (أنعام: ۱۱۳)

”ہم نے شیطان سیرت انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا ہے وہ دھوکہ دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں طمع کی ہوئی باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔“

قرآن پاک جنوں کی زبانی ان کا یہ اعتراف بھی نقل کرتا ہے کہ وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی:

وَأَنَا مِنَّا الضَّالُّونَ وَمِنَّا ذُنُوبٌ ذَلِكِ ○ (جن: ۱۱)

”اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے ہیں۔“

جب کہ جن و انس ہر دو مخلوق کو محض بندگی الہی کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا  
أَرِيدُ أَنْ يُطِيعُونِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ ○

(زاریات: ۵۶، ۵۸)

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ میں ان سے رزق کا طالب نہیں ہوں۔ اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔“

بلاشبہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا، قوت والا اور توانا ہے۔“

اس ارشاد و ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن اور انسان کسی حد تک اصلاح پذیر ہوئے، لیکن شیطانوں نے کوئی اثر نہیں لیا، بلکہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِنِّهِ  
وَقَضَاءً ○ (بقرہ: ۲۶۸)

”شیطان تم کو مفلسی اور تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بری بات (یعنی نفل) کی

ترغیب دیتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل (و کرم) کا وعدہ کرتا ہے۔“  
اور شیطان کا حال سب کو معلوم ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو گمراہ کرتا ہے، اور انہیں  
سیدھا دوزخ میں پہنچا دیتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ  
كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ الشَّعِيرِ ○  
(ج: ۳۳)

” (اور دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر جانے بوجھے جھگرتے  
ہیں، اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں، جس کے بارے میں یہ بات لکھ دی گئی ہے۔  
کہ جو کوئی اس کا دوست ہوگا، وہ ضرور اس کو گمراہی میں ڈال دے گا اور دوزخ کے  
عذاب کا راستہ دکھائے گا۔“

جنوں کی یہ صنف عرف عام میں ”شیطان اور ابلیس“ کہلاتی ہے، یہ مخلوق اپنی کرتوتوں  
کی وجہ سے رحمت الہی سے دور اور فضل خداوندی سے محجور ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں اور تمام  
انسانوں کو شیطان لعین کے مکر و فریب سے مامون و محفوظ رکھے۔ آمین!  
۶۔ کیا جن اور شیطان اپنا روپ بدل سکتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ جنوں  
اور شیطانوں کو حق تعالیٰ نے یہ صلاحیت بھی دے رکھی ہے۔ چنانچہ یہ مخلوق موقع محل کے لحاظ  
سے اپنی فضاء کے مطابق طرح طرح کے بہروپ بدل سکتی ہے۔ ذیل کی روایات اور عقلی دلائل  
سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۔ دائر النودہ میں شیطان کی شرکت: قریش نے جب یہ دیکھا کہ اسلام اور پیغمبر  
اسلام کے خلاف ان کی تمام کوششیں بیکار ہو رہی ہیں، اور اسلام گھٹنے کی بجائے بڑھتا جا رہا  
ہے، تو اس سنگین صورت حال سے نمٹنے کے لئے مکہ کی قدیم انجمن میں جس کو ذَا التَّنْذُوه کہا  
جاتا ہے، قریش کے چھوٹے بڑے سرداروں کا عام اجتماع ہوا۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش  
کیں۔ کسی نے کہا ”محمد“ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔  
دوسرے نے کہا، اونٹ پر بٹھا کر ملک سے باہر کر دیا جائے۔! ابھی یہ مشورے ہو رہے تھے کہ

شیطان ایک نجدی رئیس کے بھیس میں آمو جو ہوا۔ اور اس کی تائید اور حمایت سے اس بدترین تجویز پر اتفاق کیا گیا کہ ”ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لیا جائے“ اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے۔“ (خدا کی پناہ)

(الابدایہ والتہایہ: ۳/۱۷۵، ۱۷۶- ابن ہشام: ۲/۱۰۳، ۱۰۵)

تاریخ اسلام کا یہ واقعہ مشہور ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۲- مدینہ منورہ کا سانپ نما جن: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں:

(ابو سائب!) دیکھو، یہ کونسی ہے۔ اس میں ہماری طرح کا ایک نوجوان رہتا تھا، جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ ہم اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق کھودنے کے لئے گئے۔ وہ نوجوان حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے کر دوپہر کو اپنے گھر چلا آتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز جو اجازت مانگی، تو حضور نے فرمایا: اپنے ہتھیار ساتھ لے لو۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں بنو قریظہ تم پر حملہ نہ کر دیں۔ نوجوان ہتھیار لے کر چلا آیا۔ آکر دیکھا کہ اس کی بیوی دونوں کواڑوں کے درمیان کھڑی ہے۔ اس کو غیرت آئی بیوی کو مارنے کے لئے نیزہ لے کر جھکا۔ تو بیوی نے کہا: نیزہ روکو، پہلے گھر میں جا کر دیکھو، میرے باہر نکلنے کا سبب کیا ہے؟ نوجوان اندر گیا۔ دیکھا کہ ایک بڑا سانپ لیٹا ہوا بستر پر بیٹھا ہے۔ جوان نیزہ لے کر سانپ کی طرف بڑھا، اور اس کو نیزہ میں پرو لیا۔ پھر باہر آکر نیزہ کو احاطہ کے اندر گاڑ دیا۔ سانپ ترپنے لگا۔ (ادھر نوجوان بھی ترپنے لگا) اور معلوم نہیں کس کی موت پہلے آئی، سانپ کی یا جوان کی؟!۔“ (مسلم: ۴۰/۷)

۳- صدقہ کی کھجوروں کی چوری: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے

ہیں:

”مجھے رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کی کھجوروں کی نمکبانی پر مقرر کیا تھا۔ ایک شخص آکر اس میں سے لپ بھر کھجوریں لے کر جانے لگا۔ (وہ شیطان تھا) میں نے اسے پکڑ لیا، اور چاہا کہ اچھی طرح قابو میں کر لوں۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ میں پھر نہ آؤں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اسے دوبارہ اور سہ بارہ پکڑا۔ تیسری بار میں نے کہا: اب میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس ضرور لے چلوں گا۔ اس نے کہا: میں نکل دست اور بال بچوں والا ہوں۔ مجھے چھوڑ دو۔ اس کے عوض میں تمہیں قرآن پاک کی آیت بتاتا ہوں، وہ ”آیۃ الکرسی“ ہے۔ تم اپنے گھر میں اسے پڑھو۔ اس کی وجہ سے تمہارے پاس نہ شیطان آئے گا، اور نہ اس کے سوا کوئی اور۔“



حضرت ابو ہریرہ نے اسے چھوڑ دیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو حضور نے پوچھا: تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ حضرت ابو ہریرہ نے رات کا واقعہ کہہ سنایا۔ حضور نے فرمایا: اس نے یہ سچ کہا تھا، حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔ دراصل وہ شیطان تھا۔! (بخاری ۱۲۵/۳)

● تنبیہ:

پہلے عرض کیا گیا ہے، کہ جن اور شیطان، اپنی اپنی شکلیں بدل سکتے ہیں۔ لیکن شکل بدلنے کی کیفیت اور اس کے طریق کار سے متعلق ہمیں کوئی صراحت نہ مل سکی۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ ایسے کلمات سکھا دیئے ہوں۔ جن کا ورد کرتے ہی ان کی صورتیں حسبِ فضا بدل جاتی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رعایت چند مخصوص شکلوں تک محدود ہو۔ اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ شیطان حضور اکرم ﷺ کی صورت ہرگز ہرگز اختیار نہیں کر سکتا چنانچہ حضرت انس کہتے ہیں کہ حضور اکرم نے ﷺ نے فرمایا:

”جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا، اس نے مجھ کو بے شک دیکھ لیا، اس لئے کہ شیطان میرا ہم شکل نہیں بنتا۔“ (بخاری: ۳۲/۹، مسلم: ۵۳/۷)

۷۔ جنوں کا مسکن: جن زیادہ تر کوڑا کرکٹ کی جگہوں، ویرانوں، اور گھنے بانوں میں بسیرا لیتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”پانانے جنوں اور شیطانوں کے اڈے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تم پانخانہ کو جاؤ تو کہو۔“

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ○ (ابو داؤد)

● ”میں پلیدی اور ناپاکیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔“

اسی خوبو کا نتیجہ ہے کہ جھوٹے، بدکار، اور بد چلن لوگوں ہی کی شیطانوں سے دوستی ہوتی ہے وہ ان کی باتوں پر کان لگاتے ہیں، اور ان کے حوالے سے جھوٹی باتیں عام لوگوں کو بتاتے ہیں۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ، تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ  
يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَاذِبُونَ ○ (شعراء: ۲۲۱-۲۲۲)

● ”(اے پیغمبر! لوگوں سے کہو) کیا تم کو بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ (یاد رکھو) ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سنی سنائی بات (اس کے کان میں) لاکر ڈالتے ہیں“

اور وہ اکٹرا جھونے ہوتے ہیں۔“

۸۔ چوری سے ملا اعلیٰ کی خبریں سننا: (حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے، جن خبریں معلوم کرنے کے لئے آسمان کی طرف جاتے تھے۔ جیسے فرشتے چلایا کرتے ہیں، اور گھات میں بیٹھ کر فرشتوں کی زبانی کچھ خبریں سن آتے تھے۔ پھر زمین پر آکر کاہنوں اور نبی خبریں دینے والے اپنے دوست نجومیوں کو یہ اطلاعات فراہم کرتے تھے۔ وہ ان میں اپنی طرف سے کچھ ملا کر متعلقہ افراد کو وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے، اور اس طرح ان پر اپنی غیب دانی کی دھونس جماتے تھے۔!)

قرآن مجید اس حقیقت کو انہیں جنوں کی زبانی بلا کم وکاست بیان کرتا ہے۔ جنوں کی یہ جماعت کہتی ہے:

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا مُلْتَهُ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهَبًا وَأَنَّا كُنَّا  
نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْمَعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ سِيبًا رَصَدًا  
وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا  
(جن: ۱۰۷۸)

”اور یہ کہ ہم نے آسمانوں کو ٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا، اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقاموں میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن اب کوئی سنا چاہے تو اپنے لئے شعلہ تیار پائے گا۔ اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں اس سے زمین والوں کے حق میں برائی مقصود ہے۔ یا ان کے پروردگار نے ان کے حق میں بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔“

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

”اللہ کی جانب سے جو حکم ہوتا ہے ایک آسمان کے فرشتے، دوسرے آسمان کے فرشتوں کو وہ حکم بتا دیتے ہیں۔ (بلاخرہ دنیا کے آسمان تک خبر آتی ہے) اس وقت شیطان اس خبر کو خفیہ طور پر سن کر لے بھاگتے ہیں، اور اپنے دوست کاہنوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں، اور اس میں سو جھوٹ اور ملا دیتے ہیں۔“ (بخاری ۳۵/۳)

۹۔ انسان جنوں سے افضل: ان گوناگوں اوصاف کے باوجود جن، خواہ کتنے ہی

نیک ہوں، ان کا درجہ انسانوں سے بڑھا ہوا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے بہتوں پر انسان کو فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَا هُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَا هُمْ مِنَ  
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَا هُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ○ (بنی  
اسرائیل: ۷۰)

”اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری میں ان کو سواری دی۔ اور پاکیزہ چیزیں انہیں کھانے کو دیں اور جتنی چیزیں ہم نے پیدا کیں، ان میں سے اکثر پر انہیں فضیلت دی۔“

فضیلت اور بزرگی کا یہ تمغہ جو نوع انسان کو نصیب ہوا، کسی آسمانی کتاب یا کسی نبی کی زبانی یہ نہیں سنا گیا کہ انسانوں کے سوا کسی اور مخلوق کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔! نیز جنوں میں کمتری کے احساس کا یوں بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے پیشتر جب کسی قافلے کا گذر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو قافلے والے کہا کرتے تھے کہ ”اس وادی کا جو جن سردار ہے، ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں۔“ ان کچی باتوں کی وجہ سے جن الٹے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے، اور ان کے اندر بے انتہا غرور آ گیا تھا۔ حالانکہ یہ محض جہالت کا نتیجہ تھا۔

قرآن پاک نے اس حقیقت کو واضح کاف کیا، اور ان خیالات کو دنیا والوں کے دل سے نکال کر انہیں خدا کی خالص وحدانیت کا سبق سکھایا:

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ  
رَهَقًا ○ (جن: ۶)

”اور یہ کہ بعض بنی آدم، بعض جنات کی پناہ لیتے تھے، جس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔“

علاوہ ازیں ماضی میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جہالت پرستوں کی پکار یا ان کی آہ وزاری اور فریاد پر جنوں نے لبیک کہا، ان کے حکموں کی تعمیل کی، اور ان کی چھوٹی بڑی ضرورتوں کو بخوشی پورا کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کے مقابلہ میں ابتداء سے یہ مخلوق

عجز و در ماندگی کا شکار رہی ہے۔ بالخصوص جن انسانوں نے اپنے عمل سے اپنی خدا داد فضیلت کو باقی رکھا، ہر حال میں صرف خدا کی بندگی کرتے رہے، اس کی شانِ ربوبیت اور اس کے اسماء و صفات میں کہیں توحید کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، ان کا درجہ نہ صرف جنوں بلکہ جملہ خلایق کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہے، رہے وہ انسان جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس فضیلت کو خاک میں ملایا، اور خدا کے حکموں سے بغاوت کی۔ ان انسان نما شیطانوں، اور کافروں اور مشرکوں سے نکو کار اور صاحبِ ایمان جن کہیں افضل اور برگزیدہ ہیں۔

### ● کیا نیک جن جنت میں جائیں گے؟

گذشتہ صفحات پر قدرے تفصیل سے بتایا گیا کہ جن اور ابلیس میں نمایاں فرق ہے۔ چنانچہ ابلیس اور اس کی ذریت علیحدہ ہے، اور انسانوں کی طرح جنوں کی نسل مستقل ایک مخلوق ہے۔ البتہ جنوں میں اچھے برے، نیک اور بد، صاحبِ ایمان اور بے ایمان دونوں ہوتے ہیں۔ اسی لئے انسانوں کی طرح جس جن کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، تقویٰ پر ہمیزگاری، اور نیک اعمال سے اس کی زندگی معمور ہوگی۔ جنت اس کا ٹھکانا ہوگا، اور جنت کی ابدی راحتیں اس کی منتظر ہوں گے۔ ذیل کی آیتیں اس کا ثبوت ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ○ (بروج: ۱۱)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لئے بہشت کے

باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔“

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ، وَإِنَّا لَهُ

كَاتِبُونَ ○ (انبیاء: ۹۳)

”تو جو نیک کام کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو، اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی، اور

ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔“

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

○ (مائدہ: ۹)

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ (آخرت میں) ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔“

ان آیات کے عموم (لفظ: من) اور ان کے مشروط انداز سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی شرطوں کو پوری کرنے والا خواہ انسان ہو، یا جن۔ اس کی کوشش اِکارت نہ جائے گی۔ اس کی محنت کا پھل اسے مل کر رہے گا۔ اس سے زیادہ صراحت سورہ ”الرَحْمٰن“ کی اس آیت سے ہوتی ہے جس کے پس منظر میں ابتداء سے جنوں اور انسانوں کو بطورِ خاص خطاب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ ۝ (رَحْمٰن: ۴۶)

”اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو باغ ہیں۔“

### ● کیا جن انسانوں کو ستاتے ہیں؟

تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جنات خصوصاً سرکش جن انسانوں کو ستاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جس کسی پر ان کا بس چل جاتا ہے، یہ اس بری طرح اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ اس کا جینا دو بھر کر دیتے ہیں۔ اس امر کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا بطورِ خاص ذکر ہے کہ ”اس نے ہر انسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو خدا کے حکم سے بہت ساری آفتوں اور بلاؤں سے اسے محفوظ رکھتے ہیں۔“ (زمرہ: ۱۱) اور اگر قدرت کا یہ مخفی نظام نہ ہوتا تو اس میں شک نہیں کہ انسانی آبادی کا بڑا حصہ جہاں روزمرہ حوادث کا شکار ہوتا ہے، ان چھپی ہوئی آفتوں سے ان کی اموات کا تناسب کہیں زیادہ ہوتا، اس لئے بھی کہ دیگر حوادث سے یوں بھی حفاظت ممکن ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی احتیاطی تدبیر کے ذریعہ ان سے بچا جاسکتا ہے، لیکن سرکش جنوں اور شیطانوں کی شکل میں درپیش یہ خطرہ چونکہ اندھا اور بہرہ ہوتا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ یہ مخلوق آگ کے لطیف جوہر سے بنی ہے، اس لئے نہ صرف نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔ بلکہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ چشمِ زدن میں لمبی سے لمبی مسافت طے کر سکتی ہے، اس لئے انسان

ان سے بچنے کی کوئی تدبیر بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ آدمی ناوانتقلی میں گرم پانی ایک طرف ڈال دیتا ہے۔ یہ پانی کسی جن کے سر پر پڑ جاتا ہے، کبھی پیشاب کے چھینٹے ان پر اڑ جاتے ہیں، کبھی بھول کر انسان کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالتا ہے جہاں پہلے سے یہ بسیرا کئے ہوتے ہیں اور اس طرح یہ آپے سے باہر ہو کر لڑنے مرنے اور ستانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اور یہ تو ہوتا ہے کہ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کو بلاوجہ ستاتا ہے، اور محض اپنی بدباطنی اور شرارت کی وجہ سے کمزوروں پر اپنی طاقت کا جھوٹا مظاہرہ کرتا ہے۔ جنات، جو انسانوں سے کہیں زیادہ سرکش اور شرارت پر آمادہ ہوتے ہیں، وہ بلا کسی وجہ کے بھی دوسروں کو ستاتے ہیں، اور ان کی ہلاکت کے درپے ہوتے ہیں۔

جنات کی ایذا رسانی کے واقعات بے شمار ہیں، اور عوام و خواص کا بڑا طبقہ اس کا قائل ہے، اس لئے مزید ثبوت کی بجائے ہم صرف دو واقعات اس موقع پر درج کرتے ہیں۔

۱۔ پہلا واقعہ اس انصاری نوجوان کا ہے جسے مدینہ منورہ میں ایک جن نے سانپ بن کر ڈس لیا تھا، اور جن کی موت اتنی سرعت سے ہوئی تھی کہ بقول راوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ: معلوم نہیں کس کی موت پہلے آئی، سانپ کی یا نوجوان کی؟! (مسلم ۷/۳۰۱)

۲۔ دوسرا واقعہ جس کو میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اس کا تعلق جگ جتی سے نہیں۔ آپ جتی سے ہے۔ یہ میری اپنی عزیز بن "سعدیہ" کا دردناک سانحہ ہے، بچپن میں اس المیہ کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور تب سے دل پر اس صدمہ کا داغ اٹھایا ہے:

"قصہ یوں ہے کہ ایک روز ہم چھوٹے چھوٹے بچے کھجور کی خشک لکڑیوں کا گٹھا بنا کر ایک رسی کی مدد سے مکان کی چھت پر اسے چڑھا رہے تھے۔ میری بہن سعدیہ جو عمر میں مجھ سے کچھ ہی بڑی تھی، چھت پر تھی اور اوپر سے رسی کھینچ کر لکڑیاں ایک طرف رکھتی جاتی تھی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ جب سعدیہ نے رسی کھینچی تو گٹھا بھاری ہونے کی وجہ سے اس سے کھینچنا نہ جا سکا۔ چنانچہ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گٹھا نیچے گر گیا۔ سوئے اتفاق کہ گٹھا جہاں پر گرا، وہاں کوئی جن برا جمان تھا، اور یہ گٹھا ٹھیک اس کے اوپر گرا جس سے اس کو تکلیف ہوئی لیکن اس خبیث نے ناوانتقلی کی اس اذیت کا بدلہ اس طرح لینا شروع کیا کہ رات جب بہن محو خواب ہوتی، یہ آکر نیند میں اس کا گلہ دباتا، اور بے چاری بہن انتہائی کرب کے عالم میں ذبح کی گئی بکری کی طرح تڑپ اٹھتی اور زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑتی، اور جب تک اللہ موتی نہ ہو جاتی، یہ ظالم اسے نہ چھوڑتا، اور ہفتہ میں کئی دن یہی کرتا۔ ایک روز بہن کی زبانی اس طعون نے

اس کا افسار بھی کیا کہ فلاں فلاں دن کی اذیت کا وہ اس طرح بدلہ لے رہا ہے۔ بہن سعدیہ اس ایک روز کی معمولی خطا کی پاداش میں دس سال کے طویل عرصہ تک یہ کرناک اذیت سستی رہی، اور ہفتہ عشرہ میں کئی کئی دن ایسا ہوتا کہ موت اس کے قریب آکر لوٹ جاتی۔ آخر ایک روز اس جن نے اس کا گلا اس زور سے دپایا کہ اس کا سانس اکھڑ گیا۔ اس نے آخری بار زمین پر اپنی اڑیاں رگڑیں، اور پھر اس کی روح نفسِ غصری سے پرواز کر گئی۔ اللہ تعالیٰ بال بال اس کی مغفرت فرمائے، اور اپنی رحمت کے سائے میں اسے جگہ دے۔ آمین!

یہ کوئی افسانہ نہیں، ہمارے اپنے سروں پر پڑی ہوئی آفتاد ہے۔ اس کی صداقت کی اس سے بڑی نشانی اور کیا ہوگی کہ ہماری ان آنکھوں نے اسے ہوتا ہوا دیکھا ہے!

● فائدہ:

اس بحث کے ختم پر سات ایسی تدابیر ذکر کی جاتی ہیں، ان میں سے ہر تدبیر بجائے خود ایک حفاظتی قلعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور بندہ مومن انہیں بروئے کار لا کر جنوں، شیطانوں، اور ان کے بد اثرات سے اپنا بچاؤ آپ کر سکتا ہے۔

۱۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ۔ کا پڑھنا: باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنْزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ (حم السجده: ۳۶)

”اور اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ بلاشبہ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔“

صحیحین کی روایت ہے، راوی حضرت سلیمان بن صرد کہتے ہیں کہ:

- ”میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اور دو آدمی باہم گالی گلوچ کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضور کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ کی رگیں پھول گئیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے وہ یہ ہے۔“

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○

(بخاری: ۸/۳۳، ۳۵، مسلم ۸/۳۱)

”میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔“

۲- معوذتین کا پڑھنا: آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ابن عباس! (رضی اللہ عنہ) کیا میں تمہیں وہ بے نظیر کلمات نہ بتاؤں جن کے ذریعہ پناہ ڈھونڈنے والے زیادہ بہتر طریقے پر اپنے رب کی پناہ ڈھونڈ سکتے ہیں؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: وہ یہ سورتیں ہیں، 'قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ' — اور 'قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ' — الخ" اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ (نسائی: ۲۲۰/۸) ۲۲۱

۳- آیتہ الکرسی: اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (بقرہ: ۲۵۵)

حضرت ابو ہریرہ کی صحیح مسلم والی روایت پہلے گزری، جس میں ذکر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے شیطان کو پکڑا تو:

"اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، اس کے عوض میں تمہیں قرآن پاک کی ایک آیت بتاتا ہوں۔ جو کوئی اسے پڑھے گا اس کی وجہ سے اس کے پاس نہ شیطان آئے گا نہ کوئی اور۔ اس کی اس بات کو سن کر حضور نے فرمایا تھا۔ اس نے یہ سچ کہا تھا، حالانکہ وہ جمونا تھا" (بخاری ۳/۱۲۵)

۴- سورہ بقرہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم لوگ اپنے گروں کو قبریں مت بناؤ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے، اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔" (مسلم: ۱۸۸/۲)

۵- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ — كُلُّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ حُضُوْر اَكْرَمِ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص دن میں سو مرتبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهٗ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھتا ہے، اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے، دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سو خطائیں معاف کی جاتی ہیں، اور صبح سے شام تک یہ کلمات اس کے لئے شیطان سے بچنے کا ذریعہ رہتے ہیں۔ اور کوئی شخص اس کے فعل سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ ہاں جو آدمی اس سے زیادہ پڑھتا ہے (اس کا عمل اس سے بڑھ کر ہوتا ہے)" (مسلم: ۱۸۸/۲)

۶- ذکر الہی: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اس کی یاد اپنے دلوں میں قائم رکھو، اس لئے کہ اس کی



یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سے ہے جو تیز بھاگا اور دشمن بھی اس کے پیچھے تیز دوڑے۔ آخر اس کو ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ ملا اور اس نے اس میں پناہ لے کر اپنے دشمنوں سے اپنی جان بچالی۔ اسی طرح بندۂ مومن شیطان سے اللہ کے ذکر کی پناہ میں آکر بچ سکتا ہے۔“ (ترمذی: ادب، ۷۸/۱)

۷۔ غصہ کے وقت وضو کرنا: آدمی غصہ میں ہو تو شیطان کسی نازیبا حرکت یا تلخ کلامی پر اسے اُکساتا ہے، اور بسا اوقات اس میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں آدمی کو فوراً وضو کر لینا چاہئے۔ اس لئے کہ:

”غصہ شیطان کا خاصہ ہے، اور شیطان آگ سے بنا ہے، اور پانی سے آگ بجھ جاتی ہے، اس لئے تم میں سے جس کسی کو غصہ آجائے، اسے چاہئے کہ فوراً وضو کر لے“ (ابوداؤد: ۵۵۰/۲، ۲۲۶/۳)

## اسلامی عقیدے کا تیسرا رکن

### اللہ کی کتابوں پر ایمان

#### ● تعریف:

کتاب جمع کُتُب: لکھا ہوا لکھنا۔ (پہلے معنی میں فعال کے وزن پر مفعول، دوسرے معنی میں مصدر) کسی کتاب کے اجزائے ترکیبی، مختلف حروف اور ان سے مل کر بنے ہوئے وہ الفاظ ہیں جن کی مدد سے مربوط فقروں اور مسلسل عبارتوں پر مشتمل مخصوص موضوع کی کوئی کتاب تیار ہوتی ہے۔

خدا کی کتابوں سے مراد اس کے احکام اور فرمودات کے وہ مجموعے ہیں جو ہر زمانے کے نبی اور رسول پر نازل ہوئے، اور اکٹھا ترتیب پا کر آسمانی کتابوں کے نام سے دنیا کے سامنے آتے رہے، یا یکجا نہ ہوئے اور متفرق صحیفے کی شکل میں مشہور ہوئے۔ صحیفوں کی مثال جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفے، اور کتابوں سے مراد تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم ہے۔

#### ● اہمیت و حقیقت:

آسمانی کتابوں پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام جس طرح تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ ان تمام چھوٹی بڑی کتابوں پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے، جو سارے جہان کے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً اتاری گئیں۔ جو

درست اور مستحکم مضامین کی حامل، پاک اوراق میں درج ہوا کرتی تھیں۔

اتنا ضرور ہے کہ ان کتابوں میں جن کے نام بتادیئے گئے، ان پر بندہ مومن صراحت کے ساتھ ایمان لاتا ہے، اور جن کے نام نہیں بتائے گئے، ان پر اجمالی ایمان رکھتا ہے۔

### ● بعض آسمانی کتابیں:

انسانی تاریخ کو یہ اعتراف ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کے مضامین اور ان کے حقائق کا صحیح سراغ کہیں مل سکتا ہے تو صرف قرآن کریم میں مل سکتا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم آج تک انہیں لفظوں میں محفوظ ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آج سے سینکڑوں سال پہلے تیسس سال کی مدت میں نازل ہوا، یہ بھی تھا اسی کی خصوصیت ہے کہ حکومتی اور عوامی ہر دو سطح پر اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔ امراء اور سلاطین اسے اپنی مملکت کا دستور بناتے ہیں اور مسلم عوام خواہ کہیں آباد ہوں، اپنی زندگی کو اس کے رنگ میں ڈھالنا باعث سعادت اور باعث نجات سمجھتے ہیں۔ روز اول سے آج تک ہزاروں لاکھوں خوش نصیب مرد عورت، بوڑھے بچے لفظ بلفظ اس کو یاد کرتے ہیں اور نسل در نسل یہ سلسلہ یوں ہی دراز ہے۔ دور کیوں جانیے۔ اس دعوے کی صداقت، اور مولائے کریم کے کرم کا اس سے اندازہ کیجئے کہ نہ صرف یہ بے نوا زاتم السطور، بلکہ اس کی ہشتاپشت اس نعمت عظمیٰ سے مالا مال ہے۔ چنانچہ یہ احقر اس کے والد بزرگوار، اس کے دادا اور پڑدادا سب ہی حافظ قرآن تھے۔ (رحمہم اللہ)

آج جو قرآن دنیا کے سامنے موجود ہے، اس کا ایک ایک لفظ اس مصحف کی نقل ہے، جو پیغمبر اسلام کے زمانے میں لکھا اور پڑھا جاتا تھا، اور یہ جو سینکڑوں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں افراد اس کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے کمر بستہ ہیں۔ (کہ کاتب اس کے رسم الخط کی، قاری اس کے تلفظ اور طرز آدا کی، اور حافظ اس کے الفاظ اور عبارت کی ایسی حفاظت کرتے ہیں کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک شوشہ بھی نہ بدل سکا) تو درحقیقت یہ اس کی حفاظت کے قدرتی نظام کی ایک کڑی ہے۔ اس لئے کہ اس کے اتارنے والے نے اس کی نگہداشت کا ذمہ لیا ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ قیامت تک یہ قرآن پاک اسی طرح اپنی اصلی حالت پر باقی رہے گا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (حجر: ۹)

ترجمہ: ”بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے، اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔“  
 إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّ لَهُمْ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لَا يَأْتِيهِ  
 الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ، تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ○ (م  
 السجده: ۳۱-۳۲)

ترجمہ: ”بلاشبہ جو لوگ اس (مجموعہ) نصیحت (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے  
 پاس آیا۔ بلاشبہ یہ (قرآن) بڑی بار نعت کتاب ہے۔ جس میں جھوٹ کا دخل نہ آگے سے  
 ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اس (اللہ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو حکمت والا  
 (اور) خوبیوں والا ہے۔“

چند قدیم آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تفصیل قرآن پاک اس طرح پیش کرتا ہے:

### تورات:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِينًا ○  
 (فرقان: ۳۵)

ترجمہ: ”اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا  
 کر ان کے ساتھ کیا۔“

”کتاب“ سے مراد یہاں تورات ہے جب کہ دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ

وارد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ  
 بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ○ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى  
 وَنُورٌ، يَهْدِيكُمْ بِهَا التَّيْمُونُ الَّذِينَ اسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّيْبِيُّونَ  
 وَالْأَحْبَازُ بِمَا اسْتَحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ، وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ○  
 (مائدہ: ۴۳-۴۴)

ترجمہ: ”اور یہ لوگ کس طرح تم سے فیصلہ کراتے ہیں جب کہ خود ان کے پاس تورات

موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے، پھر اس کے بعد بھی وہ اللہ کے حکم سے پھرے جاتے ہیں اور (بچ تو یہ ہے کہ) یہ ایمان نہیں رکھتے بلکہ ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ انبیاء (بنی اسرائیل) جو اللہ کے فرمانبردار تھے، اس کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے۔ اور مشائخ اور علماء بھی، کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے نمبران مقرر کئے گئے تھے۔ اور وہ اس کی صداقت پر گواہ تھے۔“

● زبور:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۝

(اسراء: ۵۵)

● ”اور یقیناً ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور ہم نے داؤد کو زبور عنایت کی۔“

● انجیل:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ ۝ (حدید: ۲۷)

● ”پھر ان کے پیچھے انہیں کے قدموں پر (اور) پیغمبر عیسیٰ اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی۔“

● بعض صحیفے:

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَىٰ ۝ (آل عمران: ۱۹)

● ”یقیناً یہ (مضمون) اگلی کتابوں میں (بھی) ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں۔“

مذکورہ بالا آیات میں تین آسمانی کتابوں اور دو صحیفوں کا ذکر ہے ذیل میں ان کے بعض مضامین کا اقتباس دیا جاتا ہے۔ تورات میں مذکور ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ — ○  
(مائدہ: ۳۵)

”اور ہم نے یودیوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے میں جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔“

ان آیات میں جان کے بدلے میں جان اور عضو کے بدلے عضو کاٹنے جانے کا ذکر

ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ؛ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ  
تَرَهُمْ زُرْعًا سُحَّدًا يَسْتَفْتُونَ فَوَضَّاءُ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَا هُمْ فِي  
وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْبَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي  
الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ  
يُعْجِبُ الزَّرَّاعَ لِيَغْنِيَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ○ (نوح: ۲۹)

”محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو (صحابہ) ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں، اور آپس میں (ایک دوسرے پر) مہربان ہیں۔ (اسے مخاطب) تو ان کو دیکھتا ہے کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نشان نمایاں ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ ان کی حالت مثل کھیتی کے ہے جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی۔ پھر اس نے اس کو مضبوط کیا، پھر وہ اور موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی ہو گئی، کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کا دل جلائے۔“

اس آیت میں باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تربیت سے جو اوصاف صحابہ میں پیدا ہوئے، اور جو قرآن پاک میں وارد ہیں، ٹھیک یہی اوصاف تورات میں اور یہی اوصاف انجیل میں مذکور ہوئے۔

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى الْأَنْزُرُ

وَاِزْرَةً وِزْرًا أُخْرَىٰ ۗ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۗ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُؤْتَىٰ ۖ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۝ (نجم: ۲۳۶-۲۴۱)

”کیا اس کو ان مضامین کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں اور جو ابراہیم (کے صحیفوں میں ہیں) جو (اللہ کے) وقادار رہے (وہ) یہ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ کوشش کرے، اور اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

قرآن کریم، حضرت ابراہیم عليه السلام اور حضرت موسیٰ عليه السلام کے صحیفوں کی چند ہدایات کا ذکر کرتا ہے۔ ان صحیفوں میں درج تھا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مجرم کے گناہ کوئی دوسرا اپنے سر لے لے، اور مجرم بری ہو جائے، نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے نیک اعمال دوسرا لے اڑے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہئے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ اس نے عمل کیا ہے وہی سب اس کے آگے رکھ دیا جائے گا، اور ہر کسی کے اچھے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

ان کتابوں اور صحیفوں کو ذکر کرنے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ بندۂ مومن ان کتابوں پر اسی تفصیل سے ایمان رکھتا ہے، جس طرح ان کا ذکر مفصل طور پر ہوا، اور جن کتابوں کا ذکر قرآن پاک نے سرسری طور پر کیا، بندۂ مومن بھی اجمالی طور پر ان پر ایمان لاتا ہے، اور ان کی تفصیل کو خدا کے حوالے کرتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ  
النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۝ (حدید: ۲۵)

”بے شک ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔“

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ  
مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۝

(بقرہ: ۲۱۳)

”سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے، تو اللہ نے ایمان والوں کو (رضائے الہی کی) خوشخبری دینے والے اور کافروں کو (عذاب الہی سے) ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل کیں، تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے تھے وہ کتاب ان میں فیصلہ کر دے۔“

مختصر یہ کہ جس قدر نبی اور رسول آئے، کسی تفصیل میں پڑے بغیر بندہ مومن ان سب پر ایمان لانا ہم دینی فرض سمجھتا ہے۔ اس کا طریقہ وہ نہیں جسے یہود و نصاریٰ نے اپنا رکھا ہے کہ رسولوں اور کتابوں میں سے کسی کو مانتے ہیں، اور کسی کو نہیں مانتے۔ خاص طور پر یہود جو برائے نام حضرت ابراہیم، موسیٰ اور داؤد علیہم السلام کو مانتے ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ اسی طرح یہود اور نصاریٰ دونوں آنحضرت ﷺ کو نہیں مانتے۔ نیز یہ دونوں تحریف شدہ توریت اور انجیل کو تو مانتے ہیں لیکن قرآن کریم کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں، جب کہ یہ آج بھی محفوظ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو باطل کو تسلیم کریں، اور حق سے گریز کریں، خدا جانتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا یہی حال ہے۔

### ● آسمانی کتابوں پر ایمان کیوں؟

ایک ایسا شخص جو خدا کے وجود کا قائل ہو، جس کی عقل اس کے غیبی نظام کو کرانا تقلید سے یا آنکھ بند کر کے نہیں، علم و تحقیق اور مشاہدے کی روشنی میں اس درجہ تسلیم کرتی ہو کہ الخادو بے دینی کے گولے، اور شک اور تذبذب کی تیز آندھیاں اس کے آگے بچھ ہوں۔ اس کے سامنے آسمانی کتابوں ہی کو نہیں، اسلام کے کسی عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کے انبار لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کتاب کے آغاز سے ہر دو دلائل پیش کرنے کی جو روش ہم نے اپنا رکھی ہے، اسے باقی رکھتے ہوئے آئندہ سطروں میں ہم منقول روایات اور عینی مشاہدے پر مشتمل ٹھوس دلیلیں پیش کرنے جا رہے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں دلائل ہماری نظر میں اس لئے قابل لحاظ ہیں کہ ہر زمانہ کا دانشمند طبقہ، خصوصاً موجودہ ترقی یافتہ دور کا، اگر تردید نہیں کر سکتا تو صرف ان افکار نظریات کی تردید نہیں کر سکتا جن کی بنیاد سابقہ دلائل پر استوار



ہو۔ ورنہ انسانی خیالات اور اس کے نقطہ نظر کی تبدیلی روزمرہ کا مشاہدہ بن چکی ہے۔

● (محفوظ ترین روایت:)

چونکہ آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کو چھوڑ کر جو آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے، گذرے زمانے کے تمام آثار، اور آسمانی صحیفوں کی شکل میں جو عہد کسن کے سارے زرین نقوش ایک ایک کر کے فنا ہو چکے ہیں، اس لئے کتب سماویہ کی تائید اور اس آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کی صداقت و سچائی کے لئے سب سے پہلے ہم خود اسی قرآن کو پیش کرتے ہیں، جو ایک طرف اپنے بھیجنے والے کی قدرت و سطوت، علم و حکمت جاہ و حشمت اور شان و شوکت کا آئینہ دار ہے۔ تو دوسری طرف کلامِ ربانی، شفقت و انعامِ خداوندی، آمین جہاں بانی، اور دستورِ خدا شناسی کی اپنی مثال آپ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آسمانی کتابوں جیسے، تورات، انجیل، زبور اور آسمانی صحیفوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا بہترین ترجمان اور ان کے حقائق و معارف کا قابلِ اعتماد ماخذ اور امین ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ انبیاء سابقین پر اور بھی کتابیں نازل ہوئیں۔ لیکن سوء اتفاق سے آج وہ لوگوں کے سامنے موجود نہیں ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کریم اپنے اور قدیم آسمانی کتابوں کے بارے میں جس صراحت اور قوت کے ساتھ واضح اعلان کرتا ہے کیا اس کتاب کے علاوہ کوئی کتاب یا دوسرا کوئی ذریعہ ہے جو اتنی خوبی اور صفائی سے اس موضوع پر کچھ کہہ سکے؟ عقل سلیم اور فطرتِ مستقیمہ کا حامل ہر فرد بشر۔ جس کا ضمیر بیدار اور شعور زندہ ہے، جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا اس سے کیا چاہتا ہے؟ وہ کن باتوں سے خوش اور کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے؟ ان افراد کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک و معبودِ حقیقی، دینِ اسلام کو اپنا دستور، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی اور قرآن کریم کو اپنا رہنما بنائیں، اور اپنی پوری زندگی کے لئے اس سے ہدایات حاصل کریں۔ اس لئے کہ فصاحت و بلاغت، معانی و مطالب، علوم و معارف اور اپنی تمام تر خصوصیات میں منفرد یہی ایک کتاب ایسی ہے، جس نے صدیوں پہلے دنیا والوں کو یہ چیلنج دیا کہ اگر تمہیں اپنی طلاق

لسانی اور زباندانی پر بڑا ناز ہے تو اس جیسی کوئی کتاب لا کر دکھا دو، خود نہ کر سکو تو اپنی ساتھ جنوں کو بھی شریک کر لو کتاب نہیں تو اس جیسی ایک آیت ہی لے آؤ۔

قُلْ لَّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ  
لَا يَأْتُونَ تَوْناً بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ (اسراء: ۸۸)

”(اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام بنا لائیں تو ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکیں گے، اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار کیوں نہ ہو۔“

ایک طرف اس کتب کی ان چند خوبیوں کو سامنے رکھا جائے، اور دوسری طرف حضرت محمد ﷺ کی سیرت کے اس پہلو پر غور کیا جائے کہ آپ ابتداء سے ناخواندہ اور اہلی تھے۔ کسی کتب میں کسی استاذ کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذتہ نہیں کیا تھا۔ اپنی حیات طیبہ کے ابتدائی چالیس سال میں آپ نے زبان و بیان کی نہ کوئی مشق بہم پہنچائی تھی۔ نہ کسی قسم کے وحی والہام کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن ٹھیک چالیس سال گزرتے ہی اور مقام نبوت پر سرفراز ہونے کے فوری بعد آپ کی زبان فیض ترجمان سے ہدایت کا وہ سرچشمہ پھوٹا جس نے سننے والوں کو حیران اور ششدر کر دیا۔ دوسرے آپ نے خدا کے کلام کو بندگانِ خدا تک اس احتیاط سے پہنچایا کہ نہ ایک لفظ گھٹایا، نہ بڑھایا، نہ اپنی کسی خواہش یا فکر و احساس کو اس میں شامل کیا۔

قرآن کریم جو ایک طرف باری تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کے علم و حکمت، رافت و رحمت اور طاقت و شوکت کی گواہی دیتا ہے اور دوسری طرف حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ کے فضل و کمال نیز دیگر آسمانی کتابوں کے برحق ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی یہ شہادتیں، اور خود اس کی محفویت ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جو ہر قسم کے شک شبہ سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ انسانی تاریخ میں دوسری ایسی کوئی چیز نہیں پائی جاسکتی جو اس قدر قطعی اور یقینی ہو۔ جو کوئی اس کی صحت میں شک کرتا ہے، وہ تاریخی حقائق اور روزمرہ کے مشاہدات کا انکار کرتا ہے اور گویا اس کا قائل ہے کہ بات ہے، بولنے والا نہیں، علم ہے، علم والا کوئی نہیں، دنیا والوں کو نبوت ہے اور رسالت کی شکل میں

ان کے بتانے والے کا آخری پیغام تو ملا، لیکن درمیان سے رابطہ کی وہ کڑیاں غائب ہیں جنہیں نبی اور رسول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دلالت<sup>۵</sup> (ڈھواں) ہے۔ دلیل (آگ) کا کوسوں پتہ نہیں۔ اترتا ہے موثر کوئی نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کے حقائق کا انکار کرنا علم کی خدمت کرنا ہے؟ یہ علم کی خدمت نہیں، اپنی جہالت اور حماقت کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

### ● عینی مشاہدے:

آسمانی کتابوں اور ان پر ایمان لانے کے ثبوت میں ہم کون کون سی دلیلیں پیش کریں؟ — اس لئے کہ مرد دانا اور ہوشیار کے لئے بدیہی اور واضح امور پر دلیل پیش کرنا سب سے کٹھن اور دشوار گزار کام ہے۔

کوئی شخص بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر زمین، آسمان، چاند اور سورج کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے دلیل پر دلیل دے رہا ہو۔ پیاسے کے لئے پانی، بیمار کے لئے دوا، اور بھوکے کے لئے غذا کی حاجت اور ضرورت پر پر جوش تقریر کر رہا ہو، کیا اس بھرے مجمع میں اس شخص کی حالت قابل رحم نہ ہوگی؟ — سوچنا چاہئے کہ آج جب کہ صدیاں بیت گئیں، نہ جانے کتنی خوش نصیب بہتیاں اور سعید روحمیں آسمانی کتابوں کو پڑھ کر، دل میں ان کا یقین جما کر، اور ان پر عمل پیرا ہو کر اوج کمال کو پہنچ چکی ہیں، ایک ہم ہیں کہ ان کتابوں کی حقانیت اور صداقت کو ابھی ثابت کرنے جا رہے ہیں خدا ہم پر رحم کرے! ناظرین کی نگاہوں میں ہماری حالت کیا اس پہلے شخص سے زیادہ قابل رحم نہ ہوگی؟! وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ۔

ہر چند کہ یہ دعویٰ اپنے ثبوت کے لئے کسی دلیل کا محتاج نہیں، لیکن اس کے باوجود ذیل میں وہ دلیلیں پیش کی جاتی ہیں جن سے زیادہ سچی اور حقیقت پر مبنی دلیلیں انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

وَمَنْ أَضَدَّقُ مِنَ اللَّهِ قَبِيلًا ۝ (نساء: ۱۳۲)

”اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟“

حضور اکرم ﷺ کی رسالت، اور آپ پر قرآن پاک کے نزول کا ایک مقصد انسانوں کے جھگڑوں اور قضیوں کو چکانا بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۝

(نساء: ۱۰۵)

”اے پیغمبر! ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تم کو دکھایا، اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔“

انبیاء اور رسول جو زمین کی کلن کے نمک اور نازشِ خلافت ہیں، ان پر اللہ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ اس نے انہیں وحی سے سرفراز فرمایا، کتاب و حکمت کی تعلیم دی، اور دین معرفت کی وہ باتیں سکھائیں جو وہ پہلے سے نہیں جانتے تھے:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ  
وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (نساء: ۱۱۳)

”اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی، اور تم کو وہ باتیں سکھادی ہیں جو تم پہلے سے نہیں جانتے تھے، اور تم پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔“

مومن کی سب سے بڑی دولت عقیدہ توحید ہے۔ انبیاء کی تشریف آوری اور آسمانی کتابوں کا بنیادی موضوع عقیدہ توحید کے گرد گھومتا ہے، اور یہی نبوتِ محمدی (علیٰ صاحبہا) اَلْفِ تَحِيَّةٍ کا مقصد اور نزولِ قرآن کی بنیادی غرض ہے:

الْمَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ  
وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ (آل عمران: ۲۰۱)

”الم“ اللہ (ایسا ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ اور سب کا تھانے والا ہے۔ اس نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور اس نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی اور اسی نے (حق و باطل میں) تمیز کرنے والی چیز نازل کی۔“

توحید کے اسی پیغام کو لے کر از اول تا آخر تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے پاس آئے، اس لئے کہ اسلامی زندگی کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ اسی پیغام کو حضرت داؤد علیہ السلام زبور

کی شکل میں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کی شکل میں لائے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ (نساء: ۱۷۵-۱۷۳)

”اے پیغمبر! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی، اور جس طرح ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور داؤد کو ہم نے زبور عنایت کی۔ اور ہم نے بعض رسول تو ایسے بھیجے جن کے حالات ہم اس سے پہلے تم سے بیان کر چکے ہیں، اور بت سے پیغمبر ایسے بھی ہیں جن کے حالات تم سے نہیں بیان کئے، اور موسیٰ سے تو اللہ نے کلام کیا، ان سب پیغمبروں کو اللہ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر اس لئے بھیجا تھا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اور اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔“

آسمانی کتابوں کی صداقت کے لئے سردست ہم اسی قدر دلائل پر اکتفا کرتے ہیں مزید کا طالب اپنے ذوق کے مطابق قرآن پاک میں آپ تلاش کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک اہم موضوع ہے اور قرآن پاک نے جا بجا اس کو شرح و بسط کے ساتھ اس قوت سے پیش کیا ہے کہ ان کتابوں اور ان کے لانے والوں کے بارے میں ادنیٰ شک شبہ بھی دلوں میں باقی نہ رہے اور دل بے ساختہ انہیں ماننے، اور ان کی تعلیمات، ان کے آداب اور ان کے اخلاق پر عمل پیرا ہونے کے لئے خود کو آمادہ اور تیار پائے۔

● آسمانی کتابوں پر یقین کرنا ایمان کا اہم رکن اور اس کی وجہ:

اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا دین کا اہم رکن، اور عقل و نقل سے ثابت ہے اس لئے کہ قرآن کریم ہر عقیدے کو بار بار دہرا کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ اس سب کو تسلیم کرنا اطاعت ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا بدترین قسم کی عصیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ  
رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ، وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ  
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ○ (نساء: ۱۳۶)

● ”اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔“

جملہ کتب سماویہ پر عموماً اور قرآن کریم پر خصوصاً ایمان لانا فرض ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لئے تمہاری ایک آیت کافی ہے۔ ساتھ ہی آیت یہ تعلیم بھی دیتی ہے کہ دل و دماغ کے کسی گوشہ میں ان کی کھذیب یا ان سے متعلق کسی قسم کا باطل عقیدہ چپا رہا تو پھر ایمان کی خیر نہیں!

اللہ پر ایمان، اسلامی عقائد کی روح ہے تو اس کی کتابوں پر ایمان لانا اس کی شاخ اور اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ ہے۔ جس کو تسلیم کئے بغیر ایمانیات کا گوشہ تشنہ ہی رہ جاتا ہے کتاب و سنت سے اس کی بخوبی تائید ہوتی ہے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تَوَلَّوْا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ  
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ○  
(بقرہ: ۱۷۷)

● ”نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو، بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، اور فرشتوں پر، اور اللہ کی سب کتابوں

پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔“

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ  
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ ۝ (بقرہ: ۲۸۵)

” (یہ) پیغمبر (محمد) اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی اور (اسی طرح) ایمان والے بھی۔ یہ سب کے سب اللہ پر اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں۔“

مشہور روایت ”حدیث جبرئیل“ میں حضرت جبرئیل کے اس سوال پر کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا تھا:

”ایمان یہ ہے کہ تم خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے پیغمبروں پر یقین رکھو، اور ہر طرح کی (اچھی بری) تقدیر کو دل سے مانو۔“

(مسلم عن عمر بن الخطاب بن الخطاب: ۱۰/۲۸۹)

آسمانی کتابوں کی شکل میں یکجا خدائی قانون کے لئے از روئے عقل یہ امر اشد ضروری تھا کہ وہ: ۱- مرتب اور منضبط ہو نیز اس لئے کہ: ۲- ہر نبی اور رسول اپنی اپنی قوم کے سامنے اسے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے تاکہ قوم کو اسے ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرے، اور: ۳- جب نبی اپنا فرض منصبی پورا کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہو جائے تو یہی دستور قوموں اور ملکوں کے لئے سرچشمہ ہدایت بنے، عوام و خواص اس پر ایمان لائیں، دل سے اسے تسلیم کریں، اور اس پر عمل کریں تاکہ اگلے نبی کی بعثت، اور ان کے ساتھ نئی کتاب کی آمد کا وقت آئے اور پچھلی شریعت منسوخ ہو جائے، جیسا کہ انجیل نے آکر تورات کے بعض احکام کو منسوخ کیا، اور سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن کریم نے انجیل تورات اور دیگر تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کیا۔

اس کے برعکس اگر آسمانی دستور کتابی شکل میں مرتب نہ ہوتا تو نہ صرف دین میں انتشار ہوتا بلکہ لوگوں کے لئے حجت، اور ایک طرح کا عذر ہوتا کہ ”ہم کو کچھ خبر نہیں ہوئی، کسی نے ہم کو نیکی کی دعوت، اور برائی سے بچنے کی تلقین نہیں کی ورنہ ہم نافرمانی نہ کرتے۔“ اس قسم کے عذر و لٹک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ  
الرُّسُلِ، وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (نساء: ۱۶۵)

”ان سب پیغمبروں کو اللہ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر اس  
لئے بھیجا تھا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے  
اور اللہ سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

### ● تین باتیں:

- احکامِ الہی کو کتابی شکل میں اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کرنا ہر نبی کے لئے  
وقت کی اہم ضرورت تھی۔
  - قانونِ الہی کی حفاظت اور اس کی اہمیت کے پیش نظر بھی یہ امر ضروری تھا۔
  - بندگانِ خدا پر، خدا کی حجت تمام کرنے کے لئے بھی عقلاً یہ ضروری تھا کہ  
احکامِ الہی کتابی شکل میں مدون ہوں۔
- یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر جہاں آسمانی کتابوں کا نہ صرف وجود ثابت ہوتا ہے، بلکہ  
یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بندے صدقِ دل سے ان پر ایمان لائیں، اور ان کے مطابق اپنی  
زندگی بسر کریں، تاکہ دنیا اور آخرت کی سعادت انہیں نصیب ہو۔

### ● قرآنِ کریم کا مقام آسمانی کتابوں میں:

قرآنِ کریم، اس کے اسرار و رموز، اس کے حقائق و معارف، اور اس کی قانونی  
نزاکتوں کے ماہر جملہ محققین اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں قرآن  
پاک تماشہ کتاب ہے جو بے شمار نمایاں اوصاف اور منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔ ان میں پانچ  
اوصاف — جو زیادہ اہم ہیں، اور جن کی وجہ سے سابقہ تمام کتابیں یکسر منسوخ اور ان کے اکثر  
احکام و مسائل تحلیل کئے گئے — ذیل میں درج ہیں۔

۱- سابقہ آسمانی کتابوں کے ماہرین اور ان کے ماننے والے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ  
لفظ اور معنی کے اعتبار سے یہ وہی نہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ اس لئے کہ ان میں  
رد و بدل کیا گیا ہے۔

۲- مذہبی کتابوں کے نام سے موجود تمام کتابوں اور ان کی تعلیمات کا جائزہ لینے کے



بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص قوم یا محدود زمانے کے لئے مخصوص تھیں۔ جیسے تورات، زبور، اور انجیل صرف بنی اسرائیل کی اصلاح اور ہدایت کے لئے بھیجی گئیں۔ اس کے برعکس قرآن پاک ہی وہ کتاب ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر زمانے کے لئے اور تمام انسانوں کی رہنمائی اور اصلاح کے لئے ہے۔ قرآن پاک کا یہ دعویٰ عملی طور پر اس وقت صحیح ثابت ہوتا ہے جب پیغمبر علیہ السلام کو یہ حکم ہوتا ہے کہ ہر چند کہ ہم نے تورات اور انجیل کو نازل کیا، لیکن اسی حق و صداقت کے ساتھ ہم نے ”الکتاب“ یعنی قرآن کو پیغمبر آخر زمان ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اسی لئے کل تک جو لوگ کسی بھی کتاب کو مانتے تھے، اب تم ان لوگوں کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اب اللہ نے نازل کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۗ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ ۗ  
وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ  
عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۖ (مائدہ: ۴۸)

”اور اے پیغمبر! ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ (بھی) ہے تو اے پیغمبر! جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق تم ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور جو حق بات تمہارے پاس آجگی ہے اس کو چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔“

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۖ (نساء: ۱۰۵)

”اے پیغمبر! ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تم کو دکھا دیا

**۱۱** ”آن“ یہاں کل کا معنی دے رہا ہے۔ یعنی ”الکتاب“ کسی جانے کی مستحق صرف یہی کتاب ہے جس کے بارے میں حق تعالیٰ نے دین کو مکمل کیا۔ سبقت کتابوں کو یہ مقام اور یہ منصب حاصل نہیں تھا۔ ”بالحقی“ یعنی جو حق ہو اور حق کی تائید کرے۔

**۱۲** ”آن“ جس اور عوم کا ہے۔ یعنی جملہ کتابیں۔ عوم کی وجہ سے تورات، زبور اور انجیل وغیرہ جملہ اہل کتابیں اس میں شامل ہیں۔

ہے، اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔“  
قرآن کریم کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ اور ان کے مضامین کا امین اور گواہ ہے۔ جن مضامین کو یہ درست بتائے گا وہ درست، اور جنہیں یہ غلط قرار دے وہ غلط ہوں گے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ  
وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ ○ (مائدہ: ۴۸)

”اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور ان کی محافظ (بھی) ہے۔“  
اس کا ایک امتیاز یہ ہے کہ انسان کسی دور میں، خواہ کیسے آباد ہو، دستور خداوندی کا مخاطب ہے، اور اس کی بجا آوری اس پر فرض ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ○ (آعراف: ۱۵۸)

”اے محمد! تم کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔“

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ○ (سبا: ۲۸)

”اور (اے محمد!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

جب کہ سابقہ آسمانی کتابیں مخصوص زمانے اور علاقے کے لئے ہوتی تھیں، اور ان میں عمومی شان نہیں پائی جاتی تھی۔  
یہ شرف صرف اسی کتاب کو حاصل ہے، رب دو جہل تا قیامت خود اس کتاب کا محافظ اور نگراں ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (حجر: ۹)

”بلاشبہ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے، اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔“

وَأَنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

تَنْزِيلٌ، مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ○ (فصلت: ۴۲، ۴۱)

”بلاشبہ یہ (قرآن) بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں جموٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے، اور نہ پیچھے سے، یہ اس (اللہ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو حکمت والا (اور) خوبیوں والا ہے۔“

اس کی حفاظت کا الہی نظام یہ ہے کہ حفاظ کا گروہ اسے اپنے سینے میں محفوظ کرتا ہے، اور کاتب اس کے الفاظ و حروف کو اس طرح قلمبند کرتا ہے کہ کسی کی مجال نہیں جو ایک حرف کہیں کم یا زیادہ کر دے، جب کہ سابقہ آہستہ آہستہ کتابیں نہ صرف تحریف اور روو بدل سے دو چار ہوئیں، بلکہ بخت نصر کے ساتھ جنگ میں تورات اس طرح لاپتہ ہوئی کہ اس کے ماننے والے ایک زمانہ تک اس سے محروم رہے، اور طویل عرصہ کے بعد کہیں دستیاب ہوئی۔ اور یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیسے ہاتھ آئی، اور جو ملی وہ تورات کا اصل نسخہ تھا یا کوئی دوسرا مجموعہ تھا۔ لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ اس بازیافت کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ مادہ اور معدہ پرستوں نے اسے دوبارہ غائب کر دیا، اور تحریف کے بعد جو نسخہ دنیا والوں کے سامنے آیا اس میں کلام الہی اور کلام انسانی کو اس درجہ خلط لفظ کیا گیا کہ امتیاز مشکل ہو گیا۔ بطور مثال انجیل کو پیش کیا جا سکتا ہے، جو ابتداء میں ایک تھی، لیکن آج اس کے پانچ نسخے پائے جاتے ہیں۔ **ع**

قرآن کریم کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ انسانی معطلات کی درستی اور دنیا اور آخرت کی فلاح و کامرانی کے لئے جامع نسخہ ہدایت صرف اسی ایک کتب میں درج ہے، بشرطیکہ اسے ٹھیک ٹھیک مانا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يَبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَهْدِيْ بِهٖ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ

**ع** وہ یہ ہیں: حتیٰ مرضی، لوقا، یوحنا، اور برنابا کی انجیل۔ ان میں آخر الذکر نسخہ زیادہ صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ انجیل کا یہ نسخہ چوتھی صدی عیسوی سے سترھویں صدی تک دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔

وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○ (مائدہ: ۱۵)

”اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزماں) آگئے ہیں کہ تم کتاب الہی میں سے جو کچھ چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں صاف صاف بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے طلبگار ہوتے ہیں ان کو اللہ کتاب کے ذریعہ سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو (کفری) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔“

● قرآنی ہدایات اور اس کے فیوض و برکات کا روشن مرقع:

نوعِ انسانی کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو بیش قیمت خزانہ قرآن پاک کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے آج اس کا دسواں حصہ بھی کسی اور کتاب میں دستیاب نہیں۔ ذیل میں ترتیب وار اس کی چند صفات درج ہیں:

۱- ہر قسم کی بھلائی اور خیر سے ہمکنار کرتی ہے۔ ہمہ قسم کی سرہلندی اور فضل و کمال کے حصول میں مدد دیتی ہے۔ دنیا اور آخرت کی سعادت اور کامرانی کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

الْمُ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ○ (بقرہ: ۲)

”الم“ یہ الہی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ پرہیزگاروں کو (کامیابی کی) راہ بتانے والی ہے۔“

۲- سراسر رحمت، سراپا مہربانی، مجسم شفقت و رافت جو مومن و کافر، انسان و حیوان، جنات اور چھوٹی بڑی کل خلائق زندہ و مردہ غرض ساری کائنات کے لئے ہر لمحہ اور ہر گھڑی جاری و ساری ہے۔ اس وصف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

الْمُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ ○

(لقمان: ۳۷)

﴿الم﴾ یہ آیت سے بھری ہوئی کتاب کی آیتیں ہیں جو نیک کام کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت (ہیں)۔“

۳- شفاء: جملہ دواؤں اور امراض جن کا تعلق فکر و نظر، اور رُوح و ضمیر سے ہو، یا وہ اندھیروں جو کفر و شرک، ذہنی خلجان اور حیرت و اضطراب کی وجہ سے طاری ہوں، یا باطنی بیماریاں جیسے حرص و حسد، تکبر اور ہڈیان، عجز و درماندگی، اور ظلم و زیادتی ان سب کا تشفی بخش علاج اس کے اندر موجود ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ (اسراء: ۸۲)

﴿م﴾ اور ہم قرآن کے ذریعہ سے وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں۔“

۴- ایک روشن نور جس سے باطل کی تاریکیاں کافور ہوتی ہیں، دلوں کا زنگ دھل جاتا ہے، جنات کا میل اور باطن کی کمزوریاں ازائل ہو کر اشیاء کے حقائق اور کائنات کے اسرار واضح ہو جاتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (نساء: ۱۱۳)

﴿م﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیل آچکی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور (قرآن) بھیجا ہے۔“

۵- لموعظت اور نصیحت: یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں کے ذریعہ قرآن کریم ہر بری بات سے روکتا ہے۔ اور اچھی باتوں کی ترغیب دیتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۝ (يونس: ۵۷)

﴿م﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایسی کتاب آچکی ہے جو نصیحت ہے، اور دلوں کی تمام بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔“

۶- دنیوی خیر و برکت اور اخروی سعادت کی ضامن ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بَيِّنَاتٍ لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى  
لِّلْمُسْلِمِينَ ○ (محل: ۸۹)

”اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔ اور جو مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے۔“

۷۔ ذات برحق کی طرف سے خود سر یا حق و صداقت کا حامل، اور حق و صداقت کا حامی اور نگراں۔ سچائی اور راستی خواہ کہیں ہو قرآن پاک اس کی تائید کرتا اور اسے برقرار رکھتا ہے:

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ○ (اسراء: ۱۰۵)

”اور (اے پیغمبر!) ہم نے اس قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔“

وَإِنزَّلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ○ (مائدہ: ۳۸)

”اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔“

یعنی قرآن کریم خود راست اور درست ہے، اور راستی کی تائید کرتا ہے۔

۸۔ ذکر الہی جس سے دل زندہ، اور اس کی تلاوت سے روح تروتازہ ہو، جسے اپنانے سے نفس کا تزکیہ ہو، درجے بلند ہوں، خدا کی ہم نشینی نصیب ہو، اور صالحین میں اس کا شمار ہو:

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ○ (م: ۱۰)

”م (اے محمد!) تم ہے قرآن کی جو نصیحت سے بھرا ہوا ہے۔“

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُونَ ○ (زخرف: ۳۳)

”اور بے شک یہ (قرآن) تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور (لوگو!) تم سے عنقریب پرسش ہوگی۔“

۹۔ خیر جاری: جن و انس اور کائنات کی چھوٹی بڑی کل خلائق قرآن پاک کے سرچشمہ خیر و برکت سے، اس کے نزول کے وقت سے تاقیامت مستفید ہوتی رہی ہے۔ یہی جس نے

اپنے کان بند ہی کر لئے، وہ انسان ہو یا جن، از خود راندہ اور بے بہرہ ہوا۔ وہ آپ اپنی  
 حرام نصیبی اور محرومی کا باعث ہے۔ اس چشمہ آفتاب کا کیا تصور؟  
 وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلْ رَبُّكُمْ، قَالُوا خَيْرًا ۝ (نمل: ۳۰)

”اور جب پرہیز گاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا تو  
 وہ کہتے ہیں، بڑی خیر (اور برکت) نازل کی۔“

1۰- تفصیل و وضاحت: وہ تمام اہم اور بنیادی امور جن کی انسان کو ضرورت ہے اور جن  
 کے حصول پر دنیا اور آخرت کی سعادت موقوف ہے قرآن پاک بطور خاص انہیں بیان  
 کرتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ كِتَابًا مُبِينًا لِكُلِّ شَيْءٍ ءِ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ  
 لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (نمل: ۸۹)

”اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔ اور  
 جو مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے۔“

1۱- روح، جس کے بغیر زندگی نہیں۔ قرآن بھی وہ حکم الہی ہے، جس کے دم سے سچی اور  
 پاکیزہ زندگی کی رونق ہے۔ خواہ کوئی انسان ہو، اس کے تن بدن میں جب تک قرآن  
 حکیم کی روح سرایت نہ کی ہوگی، اس کا جسم مردہ ہوگا، اس کا وجود بے سود، اور اس کی  
 مادی زندگی بے معنی ہوگی:

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا  
 الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نُّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ  
 لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (شوریٰ: ۵۲)

”اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف وحی (یعنی قرآن)  
 بھیجا۔ تم کو یہ خبر نہ تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے، اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا استمالی  
 کمال) کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنا دیا ہے۔ اس سے ہم اپنے بندوں  
 میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ تم سیدھا راستہ

دکھاتے ہو۔“

### ● قرآنی ہدایات سے استفادے کی شرطیں:

قرآن حکیم کے نور سے تابندہ یہ مرقع جو درحقیقت انسان کی رہنمائی کا ضامن اور دنیا اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے بجا طور پر کافی ہے، اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اس سرچشمہ ہدایت سے فیضیاب ہونے کے لئے حسب ذیل چار شرطیں بے حد ضروری ہیں:

(۱) ایمان، (۲) اسلام، (۳) احسان، (۴) تقویٰ

نیز یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس کے اندر، جس درجہ میں یہ اوصاف نمایاں ہوں گے، اسی درجہ اس کو فائدہ ہوگا، ورنہ یہ کتاب اس کے لئے بند ہوگی۔

### ● شرائط اور ان کی مختصر وضاحت:

۱- ایمان: یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ پر کامل ایمان لائے، قرآن پاک کی ہدایات اور اس کے ارشاداتِ عالیہ کو خصوصی طور پر اس طرح دل سے تسلیم کرے جس سے اس کی معرفت کا حصول، اور اس (سے مزید) کی جستجو اس کے اندر پیدا ہو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ اس کے مطالعہ اور تحقیق کا التزام رکھے، اور اس میں درج عقائد کو اپنائے، اور اس کے بتائے ہوئے آداب، اخلاق اور طریقے کی کامل پیروی کرے۔

۲- اسلام: یہ ہے کہ آدمی دل و جان سے احکامِ خداوندی کی پیروی کرے۔ چھوٹی بڑی اپنی ہر چیز کو فرمانِ الہی کے تابع سمجھے، اور خود کو اس طرح اللہ کے حوالہ کر دے کہ اس کی فکر، اور اس کے احساس کا محور اللہ اور صرف اللہ ہو۔ اس درجہ خود پہروگی کے بعد اس کی زندگی اس نوج پر گزرے گی کہ اس کے عقیدے اور اس کے کردار و گفتار میں اللہ کی پسند اور اس کی رضا کی طلب نمایاں ہوگی، اور وہ عقائد اور اقوال و اعمال جو خدا کو ناپسندیدہ ہیں، ان سے بالکل پرہیز کرے گا۔



۳- احسان: یہ ہے کہ ایمان لانے اور اسلام کو اپنانے میں حد درجہ عمدگی اور نکو کاری اس کے پیش نظر ہو۔ اوامر کی بجا آوری ہو یا نواہی سے پرہیز، فوری تعمیل ہو یا تاخیر، اطاعت ہو یا قصور سرزد ہو، ہر حال میں یہی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ بلافاظ دیگر رضاع الہی اور اس کی خوشنودی کے کاموں میں جہاں یہ تصور رہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، اور اسے دیکھ رہا ہے، اس کے کاموں میں اخلاص اور عمدگی پیدا ہوگی۔ اور اگر ایسے کاموں میں مبتلا ہو جن سے خدا ناراض ہوتا ہے تو یہ تصور اسے گناہوں سے متنفر کرے گا، اور پھر وہ بالکلہ ان سے پرہیز کرے گا۔

۴- تقویٰ: یہ ہے کہ خدا سے ڈرتے ہوئے کفر اور شرک سے کلی پرہیز کرے، فرائض و واجبات، اور مستحبات میں بھی سستی اور غفلت سے احتراز کرے۔ بالخصوص حرام اور سخت ناپسندیدہ کاموں سے بچتا رہے۔

خلاصہ: یہ کہ مذکورہ بالا اوصاف اور خصائل کا جو شخص حاصل ہوگا، اس میں شک نہیں کہ اسے قرآن پاک کے فیوض و برکات اور اس کی ہدایات سے کامل استفادہ کی توفیق نصیب ہوگی۔ یہ کلام الہی اس کی آنکھوں کے لئے نور اور اس کے دل کا سرور ہوگا۔ اس کی شفاء سے اس کا سینہ معمور ہوگا۔ دل و زبان پر اسی کا ذکر جاری ہوگا۔ اس کی گفتار اور اس کے ارادوں میں بس اسی کی جھلک ہوگی اس کے فیصلے کتاب الہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ اور یہ آسمانی کتاب اس کے لئے زندگی میں مژدہ جانفزاد اور آخرت میں بشارت اور خوشخبری کا پیش خیمہ ہوگی۔

لیکن اگر بد قسمتی سے کسی نے ان اوصاف کو پیدا نہ کیا، تو قرآن پاک کا سرچشمہ اگرچہ جاری رہے گا، لیکن استفادے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ اس سے محروم ہوگا۔ اور اس کی مثال اس مریض کی سی ہوگی جس کے لئے معالج نے بہتر سے بہتر دوا تجویز کی، اور اس کے سامنے رکھ بھی دی، لیکن مریض نے ضد کی، اور دوا لینے کی زحمت تک گوارا نہ کی، اور جب صورت حال یہ ہو کہ دوا سامنے ہو اور بیمار اسے استعمال نہ کرے، اور رنج و کرب میں تڑپتا

رہے، تا آنکہ کوئی زبردستی دوا اس کے حلق میں اُنڈیل دے، اور یہ شفا پاجائے، یا دوا رکھی رہ جائے اور ادھر اس کی تکلیف سوا ہوتی جائے، یا اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔ ظاہر ہے ان تمام صورتوں میں یہاں قصورِ معالج، یا اس کی تجویز کردہ دوا کا نہیں ہوگا، بلکہ سارا قصور خود مریض کا ہوگا، جس نے دوا ہوتے ہوئے اسے استعمال نہ کیا، اور حال یہ بنا رکھا کہ

كَالْعَيْشِ فِي الْبَيْدَاءِ يَنْقُلُهَا الظَّمَا وَالْمَاءُ فَوْقَ ظَهْرِهَا مَحْمُولٌ

ہیابان میں پیاس کے مارے بے چین ہو رہا ہے اور پانی ہے کہ اس کی کمر سے بندھا ہوا ہے



## عقائد کی روشنی میں

### چاروں آسمانی کتابوں پر ایک نظر

۱- قرآن کریم۔ ۲- تورات۔ ۳- زبور۔ ۴- انجیل۔

بندۂ مومن جہاں ان کتابوں پر ایمان لاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر معروف کتابوں کو اجمالی طور سے، اور مشہور و معروف کتابوں کو نام بہ نام تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا ایمان ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام پر چند صحیفے نازل ہوئے۔ نیز تورات، زبور، انجیل اور قرآن ہاں ترتیب حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئیں۔

وہ یہ بھی ایمان رکھتا ہے کہ قرآن پاک کلام الہی اور خدا کی بھیجی ہوئی مکمل ترین کتاب ہے۔ اور چونکہ یہ سب سے آخر میں نازل ہوئی، اس لئے باری تعالیٰ نے پچھلی تمام کتابوں کو اس کے ذریعہ منسوخ کیا۔ اور دستور بھی یہی ہے کہ بعد والی کتاب اپنے سے پہلی کتابوں کو منسوخ کرتی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کی شکل میں دنیا والوں کو جو پیغام ملا، وہ کسی گروہ یا جماعت کے لئے مخصوص نہیں۔ نہ ہی اس کی آواز کسی زمین یا زمان کے ساتھ محدود ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت ابدی اور آفاقی ہے چنانچہ کالے ہوں یا گورے سرخ ہوں یا زرد، غرض کل نوعِ انسانی اس کی مخاطب ہے۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تورات، انجیل، اور زبور جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اہل کتاب کی بے توجہی اور غفلت کا اس درجہ نشانہ بنیں کہ ان پیغمبروں سے ان کی صحیح نسبت باقی نہ رہی، جن پر یہ نازل ہوئیں۔ اس لئے کہ ان میں زبردست تبدیلی اور تحریف سے کام لیا گیا۔ تاآنکہ ان کے ماہرین کو بھی ان حقائق کا اعتراف کرنا پڑا کہ آسمانی کتابوں کی اصل حقیقت اور ان کی روح ان کتابچوں سے نکل چکی ہے۔ اب ان کے اندر ہدایت کا نور اور شفاء و

رحمت ہے، نہ عبرت و نصیحت اور نپند و موعظت کا یہ کوئی دفتر ہے۔ افسوس ہوتا ہے کہ خود اہل کتاب پر ان کا کوئی اثر نہیں۔ چہ جائیکہ غیروں کے لئے ان میں کسی قسم کی کوئی کشش باقی ہو۔ ان اصلاحی اوصاف اور رشد و ہدایت سے ان کتابوں کے حسی دامن ہو جانے کے بعد — خدا کی اپنے بندوں پر رحمت کا تقاضہ ہوا کہ — قدیم عہد نبوت کی یاد تازہ کرنے اور وحی الہی کے ذریعہ بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنے کے لئے نبی آخر الزماں مبعوث ہوں جن کی صالحین نے بشارت دی، اور زمانہ جن کا صدیوں سے خنجر تھا۔ پھر جس طرح اس نبی کو ختم المرسلین ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس کی کتاب بھی اس شرف کی حامل ہوئی کہ اس سے سابقہ تمام کتابیں منسوخ ہوں، اس کی ہدایت عام ہو، اور رنگ، نسل، ملت اور قومیت کے امتیاز کے بغیر عرب و عجم، سیاہ و سپید، سرخ و زرد، اونٹنی و اعلیٰ کوئی بھی اس سے محروم نہ ہو۔ نہ ہی زمین و زمان کے فاصلے اس کی راہ میں کسی طرح حائل ہوں۔

بتابریں خدا کی اس آخری کتاب کا یہ امتیاز کبھی رہا کہ ایک طرف وہ سابقہ آسمانی کتابوں کی موید اور ان کی حامی ہے۔ تو دوسری طرف ان کی نگراں اور محافظ بھی ہے۔ اس عظیم المرتبت کتاب الہی کے علی مقام حال کو بارگاہِ ایزدی سے یہ بھی حکم ملا کہ کل خلایق اور روئے زمین پر آباد تمام انسانوں کو کسی تفریق کے بغیر پہنچا دیا جائے کہ:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ  
وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ ○

(ماکہ: ۳۸)

”اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے۔ تو (اے پیغمبر!) جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق تم ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، اور جو حق بات تمہارے پاس آچکی ہے اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔“

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ○

(نساء: ۱۰۵)

﴿ترجمہ﴾ ”اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تم کو دکھایا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔“

معلوم ہوا کہ اس آخری کتاب الہی نے سابقہ کتابوں کو، اور خدا کے آخری دین ”اسلام“ نے سابقہ تمام مذاہب کو منسوخ کر دیا:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۝ (آل عمران: ۱۹)

﴿ترجمہ﴾ ”بے شک دین (حق) اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔“

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝ (آل عمران: ۸۵)

﴿ترجمہ﴾ ”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے تو اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا“ اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“

نیز حضور اکرم ﷺ نے سابقہ ہر دو نسخے کی طرف بلیغ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (میرے بھائی) موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا (پیغمبر علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت عمرؓ کسی اہل کتاب سے اس کی کتاب لے کر آئے تھے، اور آپ کے سامنے اسے پڑھنا چاہا تھا، آپ نے غصہ کے ساتھ فرمایا تھا) میں صاف ستھری اور پاکیزہ شریعت لے کر آیا ہوں۔ (اس کی رات اس کے دن کی طرح روشن ہے، اس کے ہوتے ہوئے) تم اہل کتاب سے ایسی کوئی بات مت پوچھو کہ وہ سچ کہیں تو بھی تم انہیں جھٹلا دو، یا وہ جھوٹ کہیں تب بھی تم انہیں مان لو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔“ (احمد بزار، ابن ابی شیبہ)

یاد رہے حق تو وہی ہے، جو پیغمبر اسلام ﷺ نے بڑی صراحت کے ساتھ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہی نہیں، یہ نفس نفیس حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو نبی آخر الزماں کی پیروی ان کے لئے ناگزیر ہوتی، اور کیوں نہ ہو جب کہ باری تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے کہ:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ، ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَتَنْصُرُنَّهُ، قَالَ ءَأَقْرَضْتُمْ وَآخَذْتُمْ عَلَيَّ ذَلِكُمْ إِصْرِي عَلَيْهِ، قَالُوا أَفَرَزْنَا، قَالَ

﴿ترجمہ﴾: ”معاذ میں (ان جریمہ)“

فَاشْهَدُوا، وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ، فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ (آل عمران: ۸۴، ۸۵)

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب کہ اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ (جب) میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو ضرور اس پر ایمان لانا، اور اس کی مدد کرنا اللہ نے پہنچا کہ کیا تم نے (اس بات کا) اقرار کر لیا، اور اس اقرار پر میرے عہد کو قبول کر لیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا، ہاں ہم نے اقرار کر لیا، اللہ نے فرمایا، تم گواہ رہو، میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں تو اس کے بعد جو لوگ (عہد سے) پھر جائیں تو وہی نافرمان ہیں۔“



## اسلامی عقیدے کا چوتھا رکن

### اللہ کے رسولوں پر ایمان

#### ● مقدمات:

۱- امکان وحی: وحی کیا ہے؟

وحی (وحی، یوحی، ایحاء) کا حاصل مصدر ہے جس کے معنی ہیں 'سرعت کے ساتھ پوشیدہ اشارہ کرنا۔'

معلوم ہوا کہ یہ سرعت اشارہ خفی کو وحی کہتے ہیں۔ خواہ یہ آگلی اور اشارہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ 'نزدیک سے ہو یا دور سے' اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کے اندر آواز اور حروف ہوں یا نہ ہوں 'یا وحی برابر کی طرف ہو' یا فروتر کی جانب ہو۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ  
وَمَا يَمْشُونَ يَمِينًا يَنْعَشُونَ ۖ ثُمَّ كَلَّمْنَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَأَسْلَمْنَ لِرَبِّكِ  
ذُلاًّ ۗ (نحل: ۶۸، ۶۹)

”(اے بیخبر!) تمہارے پروردگار نے شد کی کھسی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹھیاں باندھتے ہیں، ان میں چھتے بنائے۔ پھر ہر طرح کے پھلوں سے رس چوسے، اور اپنے رب کے مقرر کئے ہوئے طریقے پر پوری فرمانبرداری کے ساتھ چلتی رہے۔“

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ فَاذًا حَفِيَّتْ عَلَيْهِ فَالْقِيَهُ فِي  
الْيَمِيمِ — (قصص: ۷)

”اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ ان کو دودھ پلاؤ، پھر جب تم کو  
ان کے بارے میں کچھ خوف ہو تو ان کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دینا۔“

ظاہر ہے کہاں باری تعالیٰ کی ذات گرامی، کہاں ایک ادنیٰ مکھی! نیز مکھی پر نہ کوئی فرشتہ  
نازل ہوا، نہ اللہ تعالیٰ نے حروف و صوت سے اسے خطاب فرمایا، نہ کسی قسم کا قرب پایا گیا۔ بلکہ  
اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کاموں کی تعلیم فرمادی جو اس کے مقاصد سے متعلق اور اس کی قوت و  
استعداد کے اندر ہیں۔ مثال کے طور پر اسی مکھی کے لئے چھتہ وغیرہ بنانا۔ چنانچہ مکھی نے اس کو  
سمجھا، اور اس پر عمل پیرا ہوئی۔

● — دوسری آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو اللہ تعالیٰ نے سمجھا  
دیا کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے مدعا کو سمجھا، اور بجا طور پر اسے انجام دیا۔ یہاں بھی نہ  
کلام تھا، نہ کسی قسم کی نزدیکی یا دوری۔ نہ وحی کرنے والے اور جس کی طرف وحی کی گئی، ان  
کے درمیان کسی قسم کی برابری تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اس معنی میں وحی کا پایا جانا ممکن ہے۔ اور اس کا کسی درجہ انکار  
درست نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس بات کو ہم علی سبیل التذلل کہتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ  
ہمارے مقابلہ میں ایسے لوگ ہیں، جو اس حقیقت کا اعتراف کرنے کی بجائے اناس میں شک  
کرتے ہیں۔ ورنہ وحی نہ صرف کھلی ہوئی حقیقت ہے بلکہ ایسی حقیقت ہے جو بارہا آشکارا ہوئی،  
تا آنکہ اس کی تکمیل ہوئی، اور یہ اس وقت سے دراز ہے جب دنیا کے اولین انسان حضرت  
آدم علیہ السلام نے اس دھرتی پر قدم رکھا۔ اور اس ویرانے کو آباد کیا۔ اور کیا یہ امر حیرت  
انگیز نہیں کہ کل تک جن کا ذہن وحی اور اس کی حقیقت کے ادراک سے در ماندگی کا جھوٹا  
مظاہرہ کر رہا تھا، خود ان کے سامنے موجودہ سائنسی ترقیات نے تار بیتی، ریڈیو، ٹیلیکس اور  
وائٹ لیس کی شکل میں ایک سے بڑھ کر ایک ایسے نمونے پیش کر دیئے جن کے بعد بلاشبہ وہ یہ  
عذر نہیں کر سکتے کہ وحی اور اس کی حقیقت کو سمجھنے سے آج بھی وہ اسی طرح عاجز اور در ماندہ



ہیں، جیسے وہ کل تک خود کو عاجز سمجھتے تھے۔

دور جدید کے علم و تحقیق نے کسی شک و شبہ کے بغیر یہ ثابت کر دیا کہ وحی کا مذکورہ بالا معنی اور اس کا مصداق جانوروں اور کبوترے مکوڑوں تک میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کیا نہیں دیکھا جاتا کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق جیسے: تلی کا تلی کے ساتھ، اور چوٹی کا چوٹی سے آپس میں محفل لیکن گہرا تعلق ہوتا ہے، جس کے آگے فاصلے سمٹ جاتے اور وسائل ماند پڑ جاتے ہیں۔ نہ وہاں آواز ہوتی ہے، نہ ہی کسی قسم کی یکسانیت اور مشابہت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

یہاں یہ کہنا آسان ہے کہ وحی کا وجود ممکن ہے۔ اور اس کا انکار کرنا، آنکھوں سے دیکھی اور ہاتھوں کے ذریعہ چھوئی جانے والی چیزوں کا انکار کرنا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وحی کی اقسام اور طریق وحی میں تنوع ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ وحی الہی، اس کی کیفیت اور اس کی شکلیں جدا گانہ اور مختلف ہو سکتی ہیں، جن کا ذکر ہم آئندہ کریں گے:

### ● وحی الہی اور اس کی شکلیں:

ترغیب و تحی: باری تعالیٰ کا سچا اور پاکیزہ کلام اور اس کے وہ راست احکام ہیں، جو مخصوص طریقے سے اس کے برگزیدہ بندوں تک، یا جس کے پاس وہ چاہتا ہے، اس تک پہنچتے ہیں۔ وحی جو ایک حقیقت اور خدا کا کلام ہے، اس کا سب سے قابل تدار اور سچا نمونہ اس کا وہ پیغام ہے جو اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ سورتوں اور آیتوں پر مشتمل قرآن مجید کے نام سے موسوم یہ کلام آج بھی ٹھیک اسی شکل پر باقی ہے۔ جیسے حضور اکرم ﷺ پر آج سے صدیوں پہلے تیسری سال کی مدت میں نازل ہوا تھا۔ اس کے نزول کے وقت سے دشمنانِ اسلام نے لاکھ چاہا کہ اس کے حقائق کو گھٹا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں، اور یہ ثابت نہ ہونے دیں کہ یہ خدا کا کلام ہے جو وحی کے طریقہ پر حضور اکرم ﷺ کے اوپر نازل ہوا، جب کہ قرآن پاک اس کی صراحت کر رہا ہے کہ:

وَإِنَّكَ لَلتَّلَقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنِّ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝ (نحل: ۶)

”اور (اے پیغمبر!) تم کو قرآن پاک خدائے عظیم و خیر کی طرف سے عطا کیا جا رہا

ہے۔“

دشمنوں نے اس کی کوشش کی کہ قرآن کی حقیقت کو بدل کر اس کی بجائے اسے جادوگری، شعر شاعری، اور پرانے فسانے جیسے جھوٹے ناموں سے مشہور کریں، تاکہ اس کی اہمیت کم ہو، لیکن وہ خود حقائق کا زیادہ دنوں تک انکار نہ کر سکے اور پھر وہ وقت آیا جب انہوں نے حقائق کو تسلیم کیا اور یہ اعتراف کیا کہ بلاشبہ یہ خدا کا پیغام اور اس کی وحی ہے، جو سب سے افضل و کامل ترین انسان اور سلاسل انبیاء حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس حقیقت کے دل میں اتر جانے کے بعد اس کتب پر ان کا ایمان مضبوط ہوا۔ اس کی ہدایات کو انہوں نے مان کر اس پر عمل کیا اور دنیا اور آخرت کی بھلائی اور کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ جو وحی کسی بندے کے پاس بھیجتا ہے، اس کے تین طریقے ہیں جن کو باری

تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَاخْتِا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآذُنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِحَكِيمٌ ○ (شوریٰ: ۵۱)

”اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، نہ کھلم کھلا (تو

الہام) کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے کہ وہ اللہ کے حکم سے جو

اللہ چاہے پیغام پہنچائے، بلاشبہ وہ (بڑا) عالی شان (اور) بڑی حکمت والا ہے۔“

وحی کے! تین مراتب کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ وحی کا ایک مرتبہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نفوس کے باطن کی بطور خاص تربیت فرماتا ہے۔ طبائع کی کدورت سے پاک، خواہشات کی قید سے آزاد، اور نفسانیت کے تقاضوں سے برتر ہونے کے بعد فطری طور پر ان کی توجہ عالم علوی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ پھر ان کی طبائع اتنی پاکیزہ اور آراستہ ہو جاتی ہیں کہ ان میں کلام الہی کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ یہ صورت انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے، اور اس درجہ میں علوم الہی کو رسول کے ذہن پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں ان علوم کو اس طرح نقش کیا جاتا ہے کہ خود انہیں بھی کامل یقین ہوتا ہے کہ یہ خدا کا کلام اور اس کا مخصوص پیغام ہے۔ پیغمبر بھی اس کلام کو اس طرح پہچان کر اس پر یقین کرتے ہیں، جیسے آدمی اپنے قریبی عزیز یا شناسا کی آواز کو جانتا پہچانتا ہے، اور جب بھی یہ

کلام اس کے کان میں پڑتا ہے، دوسرے کلام سے اس کی حیثیت نمایاں اور ممتاز ہو جاتی ہے۔  
۲۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیغمبر پاس یا دور سے خداوند قدوس کی آواز سنتا ہے، لیکن دیدار نہیں ہوتا۔ بلکہ پردے کے پیچھے سے آواز سنتا ہے۔ جیسی آواز بھی اس کے لائق ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسراء اور معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہی سے آگے ملا اعلیٰ میں اسی طرح کلام الہی کو سنا تھا۔ اس کلام کے ذریعہ حق تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پانچوں نمازیں فرض کی تھیں، جسے مسلمان روز مرہ ادا کرتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے خدا کا دیدار نہیں کیا چنانچہ اس بارے میں جب آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

نُورٌ أَنَّىٰ أَرَاهُ ۝ عَلَہ (مسلم: ۱۳۷/۱)

”(وہ) نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔“

ربا باری تعالیٰ کا وہ ارشاد جو سورۃ نجم میں وارد ہے کہ:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۖ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۖ  
إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۖ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۖ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ  
أَيْتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝ (نجم: ۱۸۲-۱۸۳)

”اور انہوں نے اس کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے پاس۔ اسی کے پاس جنت المآویٰ ہے جب اس سدرۃ المنتہی پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ ان کی نگاہ نہ تو ہٹتی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی انہوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

تو — وَلَقَدْ رَآهُ مِنْ ”ہ“ کا مرجع باری تعالیٰ کی ذات نہیں۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

پس پردہ کلام کی سعادت بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ وادی سیناء میں کوہ طور کے قریب حق تعالیٰ نے آپ کو آواز دی، آپ پر وحی نازل فرمائی، اور اپنا رسول بنا کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ وحی کے دوران

عہ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں اسراء کی روایت موجود ہے۔ (اللؤلؤ والمرجان: ۳۵/۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام براہ راست اور بخوبی آواز سن رہے تھے۔ لیکن دیدار کا شرف حاصل نہ تھا۔ البتہ چاہتے تھے کہ یہ سعادت بھی نصیب ہوتی! چنانچہ جب باری تعالیٰ سے اپنی دلی خواہش کا اس طرح اظہار فرمایا کہ:

رَبِّ ارْنِي أَنظُرَ إِلَيْكَ ○ (آعراف: ۱۴۳)

”پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو دکھا دے کہ میں ایک نظر تجھ کو دیکھ لوں۔“  
تو ارشاد ہوا کہ:

لَنْ تَرَانِي ○ (آعراف: ۱۴۳)

”تم مجھ کو ہرگز دیکھ نہیں سکو گے۔“

پھر اتمامِ حجت کے طور پر یہ بھی فرمایا کہ سامنے پہاڑ کو دیکھو، جس پر میری تجلی پڑ رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نظر اٹھا کر پہاڑ کی طرف دیکھا تو وہ ریزہ ریزہ ہو چکا تھا اور اس نظر بھر کر دیکھنے سے خود آپ کا یہ حال ہوا کہ فروغِ تجلی سے آپ کے حواس برقرار نہ رہ سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے ہوش میں آنے کے بعد آپ نے یوں عرض کیا:

سُبْحٰنَكَ ثَبَّتْ إِلَيْكَ وَآنَا أَوْلُ الْمُؤْمِنِينَ ○ (آعراف: ۱۴۳)

”اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے، میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔“

۳۔ وحی کی تیسری صورت یہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعہ اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے پاس وحی لانے کا کام حضرت جبرئیل علیہ السلام انجام دیتے تھے۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ اسراء اور معراج منہ کے موقعہ

منہ اسراء اور معراج کا واقعہ جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آیا، قرآن پاک اور احادیث کی رو سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں سورۃ اسراء کے اندر باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْنَ اَسْرٰى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى الَّذِيْنَ بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيْنٰكَ مِنْ الْبَيْتِ ○ (اسراء: ۱)

(بقرہ ماہیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

پر آپ کو پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت نصیب ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام تا حیات حضور اکرم ﷺ کے پاس آتے رہے، تا آنکہ آپ کی وفات ہوئی۔ وحی کے زمانہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی اپنے اصلی روپ میں تشریف لاتے تھے، کبھی مکمل انسانی شکل میں آتے۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس پورے آدمی بن کر ظاہر ہوئے۔ حضرت مریم نے جب ان سے (خدا نے) رحمان کی پناہ مانگی تو آپ نے فرمایا تھا:

(بچھلے صلہ کا بقیہ ماشیہ)

”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (مہم) کو رات کے وقت مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا، جس کے اطراف ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی نشانیوں دکھلا دیں۔“

اس آیت میں اسراء کی صراحت موجود ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ آپ کو مکہ کرمہ میں واقع مسجد حرام سے راتوں رات مسجد اقصیٰ جو بیت مقدس (مصلیٰ) میں واقع ہے، وہاں لے جایا گیا۔ اسراء کے بعد آیت کے اگلے کلمے لُثُوْنَةُ مِنْ اٰیٰتِنَا (تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی نشانیوں دکھلا دیں) میں معراج کا ذکر ہے۔ ہر دو واقعہ کا ایک آیت میں یکجا ذکر کرنے سے یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ دونوں واقعے ایک ساتھ ایک سفر میں پیش آئے۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ ہاں سورہ نجم کا یہ ارشاد لکھا:

وَلَقَدْ زَاہِ نَزْلَةَ اَنْجُرَيْنِ ۙ جَنَّةٍ مِّنْ دُوْنِ اِلْتِطَاۗءِ ۙ جَنَّةٍ مِّنْ دُوْنِ اِلْتِطَاۗءِ ۙ وَذٰلِكَ اَلْحَقُّ ۙ مَا نَزَّلْنَا مِنْ سَمٰوٰتٍ مَّا يَرٰۤیْنَ ۙ وَمَا نَزَّلْنَا مِنْ سَمٰوٰتٍ مَّا يَرٰۤیْنَ ۙ لَقَدْ زَاۤیَ مِنْ اٰیٰتِنَا ذُرِّيۃَ النَّكٰثِيۡنِ ۝ (نجم: ۱۸-۱۳)

”اور انہوں نے اس کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سورہ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے پاس جنت الملوئی ہے جب اس سورہ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ ان کی نگاہ نہ تو بجلی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیوں دیکھیں۔“

ان آیات میں معراج کی صراحت موجود ہے اور یہ بتایا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورہ المنتہیٰ تشریف لے گئے جہاں جنت الملوئی ہے۔ واقعہ اسراء، معراج ملاحظی اور وہاں کے جن عجیب کا ذکر قرآن پاک میں اعلیٰ طور پر وارد ہے، احادیث میں ان کی تفصیل ملتی ہے کتب صحاح اور مسانید میں بھی شرح و بسط سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ چونکہ ہمدانہ مومن (بقیہ ماشیہ) اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلْمًا زَكِيًّا ○ (مریم: ۱۹)

”میں تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور یہاں آیا ہوں) تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔“

”حضرت مریم علیہا السلام نے تعجب سے کہا: ○ (آیت: ۲۰)

أَنَّى يَكُونُ لِي غُلْمٌ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ○ (مریم: ۱۹، ۲۰)

”بھلا میرے لڑکا کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں، اور نہ میں بدکار ہوں، فرشتہ نے کہا کہ اسی طرح ہو گا، تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ بات میرے لئے آسان ہے، اور (ہم اسی طرح پیدا کریں گے) تاکہ اسے لوگوں کے لئے اپنی طرف سے (قدرت کی) ایک نشانی اور باعثِ رحمت بنادیں، اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پا چکا ہے۔“

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

کے عقیدے کی بنیاد تمام تر کتاب و سنت کی تصدیق پر مبنی ہے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول سے صحیح وارد ہے، مسلمان انہیں بلا کم و کاست تسلیم کرتا ہے اور کسی قسم کا شک شبہ نہیں کرتا۔ اس لئے اسراء اور معراج کے واقعہ پر بھی وہ ایمان لاتا ہے، اور کہتا ہے کہ ہر دو واقعہ کتاب و سنت کی مدد سے ثابت ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ اسراء اور معراج کی سعادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم کے ساتھ خواب میں نہیں، بلکہ بیداری کی حالت میں حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ بخت کے گیارہویں سال وقوع پذیر ہوا۔ آج جو لوگ اس بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ معراج روحانی تھی، نہ کہ جسمانی، یا یہ خواب میں ہوئی، بیداری میں نہیں، ہمیں ان کی طرف التفات کرنے، اور ان فضول بحثوں میں پڑنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کے دماغی تصور کا نتیجہ ہے، نیز اس کے بھی خلاف ہے جس کی قرآن پاک صراحت کرتا ہے جب کہ اسلاف صالحین نے ہمیشہ سے اس کی تائید کی ہے۔ اور جو لوگ کتاب و سنت سے ہٹ کر سوچتے ہیں اسلاف نے ان سے کھل کر بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

کبھی آپ حضرت وحید بن خلیفہ کلبی کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک اعرابی کی شکل میں مسجد نبوی میں تشریف لائے، اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے زانوہ زانو ہو کر بیٹھ گئے، اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی رانوں پر رکھ دیئے، اور آپ ﷺ سے مختلف سوالات کرنے لگے۔ آپ ہر سوال کا جواب دیتے جاتے تھے، اور ہر جواب پر جبرئیل کہتے ”آپ نے سچ فرمایا“ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی حیرت تھی کہ سوال بھی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ سچ کہا تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ”اس شخص کو واپس لاؤ“ لوگوں نے نکل کر اس کی تلاش کی، لیکن کچھ نظر نہ آیا حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ جبرئیل“ تھے، تمہیں دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ (مسلم: ۱/۲۸۲۸)

### ● وحی کی حاجت اور ضرورت:

جنت ارضی کی بے شمار ضروریات میں سے وحی، انسانی وجود کے لئے اشد ضروری ہے۔ انسان کے لئے اس دنیا میں جس قدر حیات مقدر ہے، اس کی یہ فہدگی سخت ترین مجاہدے اور کٹھنائیوں کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے، جب وہ اس دنیا کو خیر یا کبدہ کر عالم جاودانی کو سدھارتا ہے۔ لہذا دنیا کے اس طویل سفر میں یہ ضروری ہوا کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے اسے کچھ ہدایات حاصل ہوں، جن کی روشنی میں وہ زندگی کے دن گزار سکے، اور ظاہر ہے کہ وحی کے بغیر ان ہدایات کا حصول دشوار تر اور ناممکن ہے۔ وحی کی حاجت اور ضرورت کی ایک وجہ یہ ہے۔

وحی کی ضرورت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انسان روح اور مادہ سے بنا ہوا ہے۔ یہ دنیا جس میں وہ آباد ہے اس کی بھی دو قسم ہے۔ عالم علوی، عالم سفلی، انسانی زندگی کی بھی دو قسم ہے۔ دنیا کی زندگی جو فانی اور محدود ہے اور مقررہ وقت کے بعد یہ ختم ہو جانے والی ہے۔ دوسری آخرت کی زندگی جو بے شک غیر فانی اور لامحدود ہے۔ دنیا اور آخرت کی زندگی کے مابین ایک عالم اور ہے جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ اس کا آغاز مرنے کے بعد سے شروع ہو کر اٹھائے جانے تک دراز ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ چونکہ انسان روحانی مخلوق ہے، لہذا روح اور اس

کے حقائق سے واقفیت کے لئے وحی کا ہونا ضروری ہوا۔ تاکہ اسے روح کی حقیقت، اس کی صفات، اس کے احوال، روح کی پستی اور بلندی، اور اس کی سعادت و شقاوت کے حقیقی اسباب سے واقفیت حاصل ہو۔ دوسری طرف انسان۔ جسمانی وجود بھی رکھتا ہے۔ جسم کی حفاظت، اس کی بقاء و تحفظ اور اس کی اصلاح و درستی کے لئے بھی کچھ ضابطوں کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے، جو ظاہر ہے کہ وحی کے بغیر ممکن نہیں۔ عالم سفلی اور ناسوت کی زندگی کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے بعد آنے والی عالم علوی اور لاہوت کی زندگی سے اس کا ربط ہو، وہاں کے حالات و کوائف سے مکمل واقفیت ہو، اور وحی کے بغیر یہ واقفیت بھی اس لئے ممکن نہیں کہ انسان کے مادی وسائل کا اس عالم سے کوئی رابطہ موجود نہیں ہے۔ چونکہ حیات کی بھی دو قسم ہے دنیوی اور آخروی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آنے والی زندگی سے انسان کا ربط ہو، اور اس کے بارے میں مکمل واقفیت اسے حاصل ہو۔ یہاں یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ انسان اپنی عقل اور اپنے حواس سے دوسری دنیا کے کوائف کو کسی طرح معلوم نہیں کر سکتا۔ تا آنکہ وحی کا سررشتہ اس کے ہاتھ نہ آئے۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کے لئے وحی کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ بنا بریں ہماری نظر میں تا حد امکان وحی انسانی زندگی کی ضروریات میں داخل ہے۔ لہذا اس کا انکار کرنا یا اسے جھٹلانا نہ صرف عقل کی نارسائی کا نتیجہ ہے، بلکہ اس سے فکری دیوالیہ پن، اور فطرت میں کجی کا شدید احساس ہوتا ہے۔ یوں بھی کسی موجود یا ممکن شے کو ناممکن اور بر خود غلط ٹھہرانا یا اس کا انکار کرنا نہ مناسب ہے۔ نہ عقل کی رُو سے درست ہے۔

### ● (ج) نبوت:

تعریف: اس کے اصل ماخذ کے بارے میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نَبَا 'يَنْبُو نُبُوَّةً' سے ماخوذ ہے جس کے معنی دوسروں سے دور اور آگے نکل جانے کے ہیں نَبَا السَّيْفِ بھی اسی سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: "مضروب سے تلوار کا اچٹ جانا" اور بعض کہتے ہیں کہ اَنْبَا يَنْبُو اِنْبَاءً سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں "کسی واقعہ کی خبر دینا" اس مادے کی رعایت کرتے ہوئے یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ "نُبُوَّةً" لکھا جاتا ہے نیز امام باقرؑ سے ورش



نے اس لفظ کی قرات اسی ہمزہ کے ساتھ نقل کی ہے۔

وَآتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ۝ (انعام: ۸۹)

”اور ہم نے انہیں کتاب اور شریعت اور نبوت عطا فرمائی تھی۔“

جب کہ امام عاصمؒ سے حضرت حفصؒ نے واؤ مشدود کی قرات نقل کی ہے۔ البتہ ہمزہ کو واؤ سے بدل کر اور واؤ کو واؤ میں ملا کر پڑھنے کا جو قاعدہ نحو یوں کے یہاں ”اعلال“ کے نام سے مشہور ہے، اس کی رو سے ہمزہ کی قرات کی بجائے واؤ کی قرات بھی درست ہے۔ اسی معنی کی مناسبت سے شریعت کی اصطلاح میں نبوت کی تعریف یہ ہے کہ باری تعالیٰ عام انسانوں میں بلند مرتبہ اور عالی مقام انسان کو اس منصب کے لئے منتخب فرماتا ہے، اور اپنی مرضی کے موافق اس کی اور عام انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اس کے اوپر وحی نازل فرماتا ہے۔

انبیاء: نبی کی جمع ہے۔ نافع کی قرات بروایت ڈرش پورے قرآن پاک یا اس کے اکثر مقامات میں یہ لفظ ہمزہ ہی کے ساتھ وارد ہے۔ یہ اختلاف دراصل اسی مادہ اشتقاق کے فرق کا نتیجہ ہے، جو اوپر گزرا ہے۔

نبی: نسل آدم کے وہ باسعادت مرد ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ اگر انہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ اس پیغام کو دوسروں تک پہنچائیں تو انہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا تو انہیں نبی کہا جاتا ہے، رسول نہیں۔ اس تعریف سے نبی اور رسول کے درمیان فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ رسول وحی کا پیغام بر اور اس کا مبلغ ہوتا ہے۔ جب کہ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے، لیکن یہ وحی اس کی ذات تک محدود ہوتی ہے۔ عام انسانوں تک اسے پھیلانے کا حکم نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے، لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

چنانچہ ایسے نبی جو رسول نہ ہوں ان کی مثال حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد خاص اور خادم ہیں۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقام نبوت پر سرفراز فرمایا، اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل میں آپ ہی ان کے جانشین ہوئے انہیں کی سرکردگی میں بیت مقدس کی جنگ لڑی گئی اور اللہ نے انہیں کامیابی بخشی۔

بیک وقت نبی اور رسول ہونے کا شرف ہمارے پیغمبر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ اللہ کے نبی بھی ہیں، اور سارے عالم کے انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھی بھیجے گئے اسی طرح وہ تمام ہمتیاں جن کا ذکر قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ درج ہے نبوت اور رسالت کے اسی علی مقام منصب پر فائز ہیں۔ جیسا کہ اس بحث کے اختتام پر تفصیل سے ان کا ذکر آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

### ● (د) نبوت کے اوصاف اور تقاضے:

جاننا چاہئے کہ نبوت کسی نہیں بلکہ تمام تر وہی اور خدا داد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی بندگی اور عبادت کے لئے گوشہ نشین ہو جائے، اور نفس کی خواہشات، دنیاوی علاقہ، اور ہر قسم کی لذتوں سے قطعی پرہیز کرے، تب بھی اس کے اندر نبوت کی نہ کوئی اہلیت پیدا ہوگی، نہ ہی اس بلند مقام پر وہ فائز ہوگا، خواہ عبادت اور ریاضت میں وہ کتنا ہی مبالغہ کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ نبوت خدا کا زبردست عطیہ اور اس کا بیش بہا انعام ہے، جو ایسے باسعادت اور خوش نصیب افراد کو ملتا ہے جو ازل سے مخصوص صلاحیت اور لیاقت کے حامل ہوتے ہیں، اور اس اہم مقام کے لئے باری تعالیٰ بطور خاص ان کی تربیت فرماتا ہے، اور انہیں ہر قسم کے ذہنی خلجان، جسمانی نقائص، فکری اضطراب اور ہر قسم کی کدورت اور کجی سے پاک و صاف رکھتا ہے، اور ان کے اندر بے پناہ عقل و شعور اور ہمہ قسم کے ظاہری اور باطنی کمالات اور اس مقام پر فائز ہونے کے جملہ اوصاف سے مزین فرماتا ہے۔

وہی الہی قبول کرنے کی لیاقت اور نبوت کے بعض اعلیٰ محاسن کو ذیل میں درج کیا جاتا

ہے:

۱۔ بشائیت اس سے ہماری مراد وہ بشری کمالات اور انسانیت کی معراج ہے جس سے ہر نبی اور رسول متصف ہوتا ہے، اور کسی غیر نبی کے لئے اس مقام پر فائز ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ نسبی شرافت: موردی اثرات جس کی بحث اس سے پہلے گذری، اور یہ بھی گذرا کہ خلق و تکوین کے بعض فطری اصولوں کی طرح اس اصول سے بھی انکار نہیں کیا

جاسکتا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ بیشتر اوصاف و خواص اور خاندانی اثرات نسل در نسل باپ سے بیٹے کے اندر منتقل ہوا کرتے ہیں۔ بنابرین انبیاء کرام کا ایک اہم امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے خاندان اور ایسی قوم میں مبعوث ہوتے ہیں جو موجودہ تمام خاندانوں میں اشرف اور تمام قوموں سے اعلیٰ و برتر ہوا کرتی ہے یہ بھی جاننا چاہئے کہ اشرف سے ہماری مراد ایسی قوم ہے جو پاکیزہ اور بلند و برتر اخلاق کی حامل ہو جس کے اندر مروت اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہو، اور جس کے اندر پاکیزہ قدریں نمایاں ہوں، اور دوسری طرف ہر قسم کی کجی، بے راہ روی اخلاقی پستی اور بیہوشی سے ان کا دامن پاک ہو، اور ایسے تمام کاموں سے دور ہوں جو عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم کے خلاف ہوں۔

۳۔ زمانے کا تقاضا: وقتی عوامل یا زمانے کے تقاضے سے ہماری مراد وہ اسباب و محرکات ہیں، جن کے رونما ہونے پر کسی زمانے میں نبی موعود کی نبوت یا آنے والے رسول کی رسالت کی ضرورت بڑھ جاتی ہے، اور احتیاج تیز سے تیز تر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاشرے اور سلج میں سخت بگاڑ اور فتنہ و فساد رونما ہونے کی وجہ سے اخلاقی قدروں کا فقدان اور روحانیت اور شرافت کا زبردست خلاء سا محسوس ہوتا ہے۔ اس وقت زمانہ پوری شدت سے کسی ایسے مصلح کا منتظر ہوتا ہے جو ان قدروں کو بحال کرے اور انسانیت کی قدروں کی قیمت کو پھر سے زندہ اور برقرار رکھے۔

تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ اسی قسم کا خلا اس وقت طاری تھا جس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے برادر عزیز حضرت ہارون علیہ السلام کی بعثت ہوئی، اور جس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اور اسی طرح کا خلا اس وقت بھی درپیش تھا جس کو پر کرنے کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کی بعثت عمل میں آئی۔

غور کریں تو معلوم ہو گا کہ مذکورہ بالا اولوالعزم انبیاء اور نسل کی بعثت سے پہلے کس قسم کے حالات درپیش تھے، اور کتنی شدت سے ان کا یہ تقاضا تھا کہ اس خلا کو پر کرنے اور اس تعطل کو رفع کرنے کے لئے نبی اور رسول مبعوث ہوں، تاکہ خدا کی زمین فتنہ و شرکی آماجگاہ نہ بنے اور خلق خدا چین کا سانس لے۔ اس وقت موجود قومیں اور تمام انسان بھی یہی چاہتے تھے

کہ ان کا نجات دہندہ آئے اور انہیں موجودہ مشکلات سے نجات دلائے۔ بالآخر فرعونی دربار سے وابستہ ایک طبقہ نے کھل کر فرعون کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ کے پیدا ہونے کا دن آ گیا ہے جس کے ہاتھوں میں تیری حکومت اور سلطنت کو زوال ہوگا۔ یہ درست ہے کہ اس کے کہنے والے فرعون کے کاہن اور نجومی تھے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ فرعون کے مظالم اور اس کی رعوت نے ملک کے ہر طبقہ میں اس شعور کو بیدار کر دیا تھا کہ ظلم کی یہ ٹہنی سدا ہری نہ رہے گی، اور کوئی ایسا مصلح ضرور آئے گا جو اس ظلم کو توڑ کر رکھ دے گا، اور ملک کو امن و آشتی سے ہمکنار کر کے عام خوشحالی سے بھر دے گا، جیسا کہ وہ آج فرعون کی تلکبر، اس کے مظالم اس کی انتہاپسندی اور ہر قسم کے ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے کے حالات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اس زمانے کے بیشتر اہل کتاب کو نبی آخر الزماں کی بعثت اور آپ کی آمد کا شدت سے انتظار تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ صراحت کے ساتھ اس کا ظہار کرتے تھے، اور آپ کی آمد سے متعلق پیشین گوئی کرتے تھے۔ اور جس وقت آپ کی بعثت ہوئی تو سچے اہل کتاب کو ذرہ برابر تردد نہیں ہوا، اور انہوں نے بڑھ کر آپ کی نبوت کو تسلیم کیا اور آپ پر ایمان لائے چنانچہ عیسائیوں میں سے نجاشی شاہ حبشہ کو اور علماء یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہما) کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ عیسائی راہبوں اور یہود کے اخبار کی بڑی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ یہ وہ نفوس قدسی تھے جن کی نظریں اس ہمہ گیر فساد پر مرکوز تھیں جو پوری دنیا اور بالخصوص جزیرہ نما عرب اور روم و ایران کو اپنی پلیٹ میں لئے ہوئے تھا، اور یہ وہ علاقے تھے جو اس وقت آباد کل روئے زمین کی بجا طور پر نمائندگی کرتے تھے ملہ

**علہ** یہ آیت بطور شدت پیش کرنے کے لئے کافی ہے جس میں باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۖ (آعراف: ۵۶)

”اور (دیکھو) زمین کی درستی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔“

قرآن پاک شاہ عدل ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے دنیا فتنہ و شر اور ہر قسم کی برائیوں کی آماجگاہ تھی، اور حضور کی

بعثت کے ذریعہ حق تعالیٰ نے اس شر و فساد کو رفع کیا۔

خلاصہ: یہ کہ عام بگاڑ اور ملک میں پھیلا ہوا فتنہ و فساد اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کسی مصلح اور رہنما کو مبعوث فرمائے، جو بگاڑ کو دور کرے اور خدا کی زمین کو پاک صاف کرے، اور بندگان خدا کو آرام پہنچائے۔ عام خلقت رحمت خداوندی کی طلب گار اس لئے بھی ہوتی ہے کہ انسانی فطرت خیر کو اسی طرح چاہتی ہے، جیسے پیاسا پانی کو چاہتا ہے۔ یہ طلب اس وقت سوا ہو جاتی ہے جب زمانہ شر و فساد کا ہو، اور ہر طرف فتنہ کا دور دورہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ انسانیت آج پھر سسک رہی ہے۔ سارا عالم فتنہ و شرکی لپیٹ میں آچکا ہے، اور حالات کچھ ایسے درپیش ہیں گویا زمانہ پھر کسی مصلح کا منتظر ہے جو دنیا والوں کو مادے اور معدے کی غلامی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف، اور جھوٹے ادیان کی شکنائے سے اسلام کی کشادگی کی طرف لے جائے۔ آج نئے سرے سے نبوت یا رسالت کی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ خدا کا پیغام آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ البتہ اگر کمی ہے تو ایسے عبقری اور مردِ غیب کی جو کتاب ہدایت کا ترجمان اور حق و صداقت کا پیکر ہو، اور اسی کی روشنی اقوام عالم اور بنی نوعِ انسان کو دعوت دیتا اور ان کی رہنمائی کرتا ہو، تاکہ دنیا ہلاکت سے نجات پائے اور ابدی سعادت سے ہمکنار ہو۔

حضور اکرم ﷺ کی نبوت، دنیا کی ضرورت اور اسے تسلیم کر کے اس پر کماحقہ، عملدرآمد عالمِ انسانی کا قبلہ مقصود ہے۔ آج تک اس میں نہ کوئی رو بددل یا تغیر ہوا ہے اور نہ قیامت تک ہوگا، بلکہ اس کا چشمہ صافی یوں ہی پاک و شفاف رہ کر سدا جاری رہے گا۔ البتہ کون کہہ سکتا ہے کہ باری تعالیٰ کس ملک یا خطے میں کسی صاحبِ دل بندۂ مومن کو کھڑا کر دے، اور وہ کارِ نبوت کو لے کر آگے بڑھے، اور کتاب و سنت کا سچا داعی اور اسلافِ صالحین کا مکمل نمونہ بن کر زمین کو پاکیزگی اور عدل و مساوات سے بھر دے، جب کہ آج وہ ظلم و جور اور ناپاکی سے آلودہ ہو چکی ہے۔

(۵)۔ انبیاء کی صفات: خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے والے اور حالمینِ نبوت مکارمِ اخلاق کے جامع اور بلند ترین اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ ان کے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے ضروری اور ان کے مقام کے شایان ہے۔ ان میں سے چند

صفات حسب ذیل ہیں:

۱- صداقت: یہ ہے کہ نبی کی نیت، اس کا ارادہ، اس کا قول اور اس کا عمل، غرض ان سے صادر ہونے والی ہر چیز پاکیزہ ہوتی ہے، اور ان سے کسی قسم کا کذب، نفاق، سستی، لاپرواہی اور خیانت کا احتمال تک نہیں ہوتا۔ ہر نبی کا پیرو اس حقیقت کو جانتا اور اسے بخوبی تسلیم کرتا ہے۔

۲- امانت: صداقت کی طرح نبی کے قول و عمل، ان کے فیصلے، وحی کے نقل کرنے بیان کرنے، دعوت دینے، غرض ظاہری و باطنی، پوشیدہ اور علانیہ ان کے ہر ہر کلام میں امانتداری اور دیانت ان کا نصب العین ہوتی ہے۔ کسی قسم کی بد عمدی، خیانت اور بے وفائی ان سے نہ کبھی ظاہر ہوتی ہے، اور نہ کبھی اس کا کسی درجہ میں امکان ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ خیانت اور بد عمدی مقام نبوت کی ضد اور اس کے منافی ہے۔

۳- تبلیغ: نبی خدا کا پیغام بلا کم و کاست بندوں تک پہنچاتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی کمی زیادتی، یا حک و اضافہ، یا ترمیم و تغیر نہیں کرتا۔ کتمان علم، یا انخفاء نبوت کسی نبی کے لئے محال اور ناممکن ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی منصب پر فائز ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائیں۔ اور اگر بالفرض کوئی نبی کتمان سے کام لے گا (والعیاذ باللہ) تو نبوت باقی نہ رہے گی، ختم ہو جائے گی۔

۴- فطانت: اس سے مراد محض ذہانت اور فہم و دانائی ہی نہیں، بلکہ اس سے مراد بالغ نظری، شعور کی چنگلی، اعلیٰ درجہ کی ذہنی صفائی، صدق احساس، بے مثال قوت اقدام اور برجستگی سے ہے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں:

لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُّبِينَةٌ كَانَتْ بَدِ نَهْشَةٍ تَأْتِيكَ بِالْخَيْرِ  
 "اگر آپ (کی ذات گرامی) میں (دوسری) کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپ کی  
 (ایک) بدیہ گوئی بیشتر علوم کے حصول کے لئے کافی ہے۔"

بہر کیف فطانت اور ذکاوت، وحی کی قبولیت اور اس کی کامل حفاظت کی مخصوص صلاحیتوں میں سے ایک ہے۔ اس کے برعکس کمزور حسی، اور فکری کوتاہی نہ مقام و منصب نبوت کے مناسب ہے، نہ اس کے ہونے پر بندہ حق تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف پاسکتا ہے۔ نیز اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ تاقیامت آنے والے تمام انسانوں کے لئے نبی اور رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں، اور ہر دور اور ہر زمانے کے انسان آپ کی نبوت اور رسالت کے محتاج ہیں، اس لئے آپ کی سیرت مقدسہ بیان کرتے ہیں ہوئے نبوت و رسالت کے چند مزید اوصاف ذکر کئے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

## رسول تاریخ کی روشنی میں

شریعت کی زبان میں ”رسول“ کی تعریف یہ بتائی گئی کہ: رسول آدمی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دستور عطا فرماتا ہے، اور اس کی تبلیغ کا حکم دیتا ہے۔ نیز یہ کہ وحی الہی پانے پر انہیں ”نبی“ کہا جاتا ہے، اور اس کی تبلیغ کا حکم ملنے پر انہیں ”رسول“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

رسولوں کی تاریخ کے سلسلے میں ایک جامع بات ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ: تاریخ خواہ کتنی ہی احتیاط سے اور کیسی ہی دیانتداری کے ساتھ قلبند کی جائے، اس میں شک نہیں کہ اس کے لکھنے والے بہر کیف انسان ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ان بندگانِ مولیٰ صفاتِ نفوسِ قدسیہ کی سیرت نگاری، اور ان کے اس کمال کو من و عن بیان کرنے سے قاصر ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص انہیں عطا فرمایا۔ نیز وہ جملہ انبیاء اور مرسلین کے نام اور ان کے کام کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، جب کہ ان پاکیزہ نفوس سے کوئی قوم اور امت خللی نہیں رہی۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے لے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ○ (فاطر: ۲۳)

”اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ذرانے والا نہ گذرا ہو۔“

یہی وجہ ہے کہ آج ایسا کوئی اہم تاریخی ماخذ کہیں نظر نہیں آتا جس پر اس سلسلے میں اعتماد کیا جائے، اور جس طرح انبیاء و مرسلین کامل ترین انسان ہیں، ان کی عظیم المرتبت سیرت اور سوانح بھی کسی ایسی تاریخ میں یکجا ہو، جو انہیں کی طرح سچی، مکمل اور مستند ہو۔ ہاں ایسی کوئی کتاب ہو سکتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ تمنا وہ کتابِ الہی ہے جس پر کلی اعتماد کیا جاسکتا



ہے، جس کے ہم پہ کوئی کتاب نہیں ہو سکتی، اور نہ جس کے ہوتے ہوئے کسی اور ماخذ اور مرجع کی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔ اور خود اس ہستی سے بڑھ کر ماخذ بھلا اور کون ہو سکتا ہے؟ جس نے عام انسانوں میں سے انہیں انتخاب فرمایا، اور خود انہیں نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ بنا بریں موضوع کی مناسبت سے حسب سابق ہم قرآن کریم کی جتنے جتنے آیات پیش کرتے ہیں۔ بالخصوص وہ آیتیں جن میں پیغمبروں کا ذکر اور کسی حد تک سہی ان کا شمار مذکور ہے۔ یا ان کے نام اور زمانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یا اولوالعزم پیغمبر، ان کے علاقے، ان کی قوموں، اور ان کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

### ● رسولوں کی تعداد:

اس میں شک نہیں کہ خدا نے خاصی بڑی تعداد میں رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

○ (نحل: ۳۶)

”اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر (اس بات کے سمجھانے کے لئے بھیجا کہ لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے بچو۔“

نیز فرمایا:

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ○ (فاطر: ۲۳)

”اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔“

البتہ وحی الہی، یا کوئی ایسی صحیح اور مستند حدیث نہیں پائی جاتی جس میں بلا کم و کاست کل رسولوں کی تعداد بتائی گئی ہو، اس لئے اس سلسلہ میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مسند احمد میں ایسی ایک روایت ضرور پائی جاتی ہے جس میں انبیاء اور مرسلین کی تعداد کسی حد تک صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یہ روایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ البتہ جیسا کہ محدثین سے نقل ہے، اس کی سند قوی نہیں۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

” (راوی کہتے ہیں:) میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے نبی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ”حضرت آدم ﷺ ہیں“ میں نے کہا، کیا آپ نبی تھے؟ آپ نے فرمایا ”ہاں وہ نبی تھے۔ خدا نے ان سے کلام فرمایا“ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! جملہ رسولوں کی تعداد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تین سو پندرہ کی کثیر تعداد۔ دوسری روایت میں ہے: ”جملہ انبیاء کی تعداد کیا ہے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں تین سو پندرہ کی کثیر تعداد رسولوں پر مشتمل ہے“ (احمد: ۵/۱۷۸، ۱۷۹، ۱۷۶)

اس مرفوع روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ حق تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور ان پر وحی نازل فرمائی۔ نیز اس روایت میں انبیاء اور رسولوں کی تعداد بھی درج ہے ہر چند کہ اس کی سند ضعیف ہے، لیکن کیا بعید کہ روایت صحیح ہو، اس لئے کہ اس کے الفاظ سے نبوت کا عکس اور اس کی روح جھلکتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ علماء اسلام کے سامنے اس روایت کا کوئی بدل موجود نہیں، اس لئے انہوں نے اس کے مفہوم کے مطابق یہ حکم عائد کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ نیز یہ کہ انبیاء کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، ان میں تین سو پندرہ کی معتد بہ تعداد وہ ہے جو رسول ہیں، اور یہ کوئی باعث ملامت حکم نہیں۔ اس لئے اس قول کے اہلانے میں چنداں ضرر نہیں۔ اور اس روایت کا درجہ بنی اسرائیل کی مخصوص روایات کی طرح ہے جنہیں اس حد تک بیان کرنے کی اجازت ہے کہ صریح اسلامی روایات اور معتقدات کے خلاف نہ ہوں، نہ ان سے ان کا تصادم لازم آئے

یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس روایت کا قرآن پاک کی اس آیت سے کوئی تعارض ہوگا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

(مومن: ۷۸)

”اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم سے بیان کئے، اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے۔“

تعارض اس لئے نہیں ہوتا کہ بعض پیغمبروں کے نام، ان کی قوموں کے نام اور ان کے حالات و واقعات نہیں بتائے گئے۔ رہا وہ اجمالی ذکر جو اوپر ہوا، اس سے آیت کے مفہوم میں کوئی تعارض نہیں آتا۔

### ● پیغمبروں کا زمانہ:

پیغمبروں کی تاریخ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہے، جب کہ آپ کو زمین میں آباد کیا گیا۔ پھر آپ کی بکثرت اولاد ہوئی، اور یہی وہ زمانہ تھا جب کہ وحی کی حاجت ہوئی۔ اس لئے کہ انسانیت اور آدمیت کی تکمیل، اس کی عزت و شرافت، اس کا تزکیہ اور دنیا اور آخرت میں سعادت کا حصول وحی الہی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ کی صلیبی اولاد میں سے کسی کے بارے میں نبی یا رسول ہونے کا یقینی طور پر علم نہ ہو سکا۔ البتہ شیث علیہ السلام کا نام اس ضمن میں لیا جاتا ہے۔ آپ حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ خدا نے آپ پر متعدد صحیفے نازل فرمائے، جو آپ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت شیث علیہ السلام کے بعد حضرت اوریس علیہ السلام نبی ہوئے۔ آپ کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ پھر نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ قرآن پاک کی صراحت کے مطابق سب سے پہلے رسول آپ ہی ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ○

(نساء: ۱۴)

”اے پیغمبر! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے۔ جس طرح نوح کی

طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی۔“

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسمعیل، حضرت اٹحٰی، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت الیاس، حضرت ایوب، حضرت یسع، حضرت ذوالکفل، حضرت یونس، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے۔ اور سب سے آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ نبیوں کے زمانے کی یہ ترتیب بڑی حد تک درست ہے۔ اور اگر حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت ذوالکفل اور حضرت یسع علیہم السلام کے زمانے کی ترتیب میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ ہوتی تو کسی

اور ترتیب کی بہ نسبت یہ ترتیب زیادہ مناسب ہوتی۔

بہر کیف، اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ مذکورہ بالا معلومات اس قبیل کی ہیں کہ ان کے ہونے سے خاص نفع، یا نہ ہونے سے کوئی خاص نقصان نہیں۔ اس لئے کہ ہم جملہ پیغمبروں پر ایمان لانے کے پابند ہیں۔ ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم سب کا احترام کریں۔ ان کی پیروی کریں ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ ان کی بعثت کس زمانے یا ملک میں ہوئی۔ ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں، اور ان کے طریقے پر عمل کریں۔

● پیغمبروں کے علاقے:

بیشتر پیغمبروں کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے، ان کی بعثت مشرقِ اوسط میں ہوئی، وہیں اس اعلیٰ مقام منصب پر وہ فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنی قوموں میں سکونت اختیار کی، اپنا پیغام پہنچایا، وہیں وفات پائی اور یوں خاک ہوئے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں نبی بنا کر بھیجے گئے۔ وہاں سے آپ نے کعبان کی طرف ہجرت فرمائی۔ آگے چل کر آپ کی آمد و رفت حجاز، شام اور ارضِ عاو کے درمیان ہوتی رہی۔ تاآنکہ آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ملک شام میں پیدا ہوئے، لیکن ناحیات مکہ مکرمہ میں آباد رہے، وہیں آپ مبعوث ہوئے اور عرب قبائل میں دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتے ہوئے وہیں وفات پائی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ارضِ عاد میں رہے۔ آپ کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام بھی یہیں رہے۔ البتہ آخر زمانے میں آپ نے مصر ہجرت فرمائی اور اپنی اولاد کے ساتھ وہیں رہے، اور غالباً یہیں پر آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نبی ہوئے۔ آپ نے مصر میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ آپ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پیغمبر بنائے گئے۔ آپ کا وطن مصر تھا۔ آگے چل کر انہوں نے سیناء کے علاقے میں رہائش اختیار کی اور وہیں پر وفات پائی۔ آپ کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام مبعوث ہوئے بیت المقدس آپ کا وطن تھا۔ بنی اسرائیل کے بیشتر انبیاء بیت المقدس میں مبعوث ہوئے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ بیت لحم میں پیدا ہوئے، بیت المقدس میں سکونت اختیار کی اور وہیں سے آسمان پر اٹھائے گئے۔

سب سے آخری نبی حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے وہیں سکونت اختیار کی، پھر حجاز کے شہر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ وہاں دس سال رہ کر انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر مبارک یہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اقرب یہی ہے کہ آپ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کے درمیانی علاقے میں مبعوث ہوئے۔ حضرت ہود حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام عرب میں مبعوث ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام حضرموت اور ثحر کے درمیانی علاقے میں، حضرت صالح علیہ السلام شمال میں حجاز اور شام کے بیچ میں، اور حضرت شعیب علیہ السلام جزیرہ کے مغرب اور شرق اردن کے جنوب میں مدین نامی علاقہ میں مبعوث ہوئے حضرت لوط علیہ السلام اپنے عم محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ارض بابل (عراق) سے ہجرت میں شریک رہے اللہ نے آپ کو ان بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا جو بعد میں عذاب الہی سے الٹ دی گئیں — یہ بستیاں پانچ شہروں پر مشتمل تھیں۔ سب سے بڑے شہر کا نام سدوم، اور دوسرے کا نام عمورہ تھا۔ بستی والوں کی بد عملی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کیا، اور لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح سے محفوظ رکھا، پھر یہ لوگ ارض شام کی طرف نکل گئے اور وہیں آباد ہوئے۔

### ● اولوالعزم پیغمبر:

ان پیغمبروں سے واقفیت بھی اسلامی عقائد کا ایک اہم جز ہے جنہیں اولوالعزم پیغمبر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

فَأَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۝ (آخاف: ۳۵)

”میں (اے پیغمبر) تم مبرکرو، جس طرح بلند ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں۔“

اس آیت کا تفسیر ہے کہ بندہ مومن ان اولوالعزم ہستیوں سے کما حقہ واقف ہو۔ سورہ احزاب میں ان برگزیدہ پیغمبروں کے اسماء اور ان کی تعداد کا اجمالی ذکر موجود ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَ

مُوسَىٰ وَ عِيسَىٰ بَنِي مَرْيَمَ — (آزاد: ۷)

”اور (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تم سے

بھی اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے بھی۔“

اس آیت میں ”ہنک“ سے حضور اکرم ﷺ مراد ہیں۔ خطاب اور شرف کی وجہ سے

آپ کی ذات گرامی مقدم ہے۔ آپ کے علاوہ آیت میں مزید چار پیغمبروں کا ذکر ہے:

۱- حضرت نوح علیہ السلام ۲- حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳- حضرت

موسیٰ علیہ السلام ۴- حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

یہ ترتیب زمانے اور فضیلت کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ اول حضرت نوح علیہ السلام اور

سب سے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے ان سب پر درود و سلام ہو۔

● پیغمبروں پر ایمان لانا واجب ہے:

گذشتہ صفحات پر وحی، اس کا امکان اس کے مخصوص طریقے اس کی ضرورت اور

حاجت، اسی طرح نبوت، اس کی اہلیت، انبیاء کے اوصاف اور ان کی اجمالی تاریخ درج کی گئی۔

حالیہ بحث کی تکمیل کے لئے مذکورہ بالا عنوان کے تحت اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ پیغمبروں

پر اجمالی اور تفصیلی ایمان بندہ مومن کے عقیدے کا لازمی جز ہے جس کے بغیر عقیدہ درست

اور مکمل نہ ہوگا۔

رسولوں پر اجمالی ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جن پیغمبروں کے متعلق

جتنا کچھ فرمایا، بندہ مومن انہیں من و عن تسلیم کرے اور جن سے متعلق کسی قسم کا ذکر نہیں

فرمایا، کسی تفصیل میں پڑے بغیر ان پر اسی طرح ایمان لائے۔ تفصیلی ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے

کہ بطریق وحی جن پیغمبروں کی جس قدر تفصیل وارد ہے اس کے مطابق انہیں تسلیم کرے۔

جن کا محض نام وحی الہی میں مذکور ہے ان کے ناموں کے ساتھ ان پر ایمان لائے۔ یہ نہیں کرنا

چاہئے کہ کسی پیغمبر کو مانے اور کسی کو نہ مانے۔ اس لئے کہ جملہ انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ باہم

اس طرح مربوط ہے کہ ایک کا انکار سب کا انکار شمار ہوگا۔

پہلے عرض کیا گیا کہ قرآن پاک نے جملہ پچیس پیغمبروں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے

اٹھارہ پیغمبروں ہیں جن کا ذکر سورۃ النعام کی اس آیت میں موجود ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ ۝ (النعام: ۸۳-۸۴)

”اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو عطا کی۔“

باقی سات پیغمبروں کا تذکرہ قرآن پاک کی متعدد سورتوں میں وارد ہے، وہ یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام، (آل عمران: ۳۳) حضرت ادریس علیہ السلام (مریم: ۵۶) حضرت ہود علیہ السلام (ہود: ۵۰) حضرت صالح علیہ السلام (آعراف: ۱۷۳) حضرت شعیب علیہ السلام (آعراف: ۸۵) حضرت زوالکفل علیہ السلام (انبیاء: ۸۵) حضرت محمد ﷺ (آحزاب: ۴۰)۔

خدا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ایم فریضہ ہے۔ مسلمانوں کو ان پر ایمان لانے کے لئے کسی دلیل یا ثبوت کی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے انہیں نبی یا رسول بنا کر مبعوث فرمایا ان سے متعلق اجمالی یا تفصیلی خبر دی، اور انہیں دل سے ماننے اور زبان سے ان کی نبوت اور رسالت کے اقرار کی تلقین فرمائی۔ خدا پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کے جملہ اوامر اور احکام کو بھی بندہ بلا کم و کاست تسلیم کرے۔ اسی ایمان کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ بندہ باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت کے دن پر، جزا و سزا پر اور قضا و قدر پر بھی ایمان لائے، اور غیب سے تعلق رکھنے والے ان تمام امور کو اسی طرح تسلیم کر لے جس طرح باری تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ بندہ مومن کے لئے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ نے ان کو بیان فرمایا اور اپنے پیغمبروں کے ذریعے انہیں تسلیم کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ  
رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۝ (نساء: ۱۳۶)

”اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے، اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں، سب پر ایمان لاؤ۔“

نیز فرمایا:

أَمَّا الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ، كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ

وَمَلَئِكِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ، لَأُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رَّسُلِهِ ۝ (بقرہ: ۲۸۵)

”یہ پیغمبر (محمد ﷺ) اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی اور (اسی طرح) ایمان والے بھی۔ یہ سب کے سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں“ (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے۔“

یہی وجہ ہے کہ مومن جملہ پیغمبروں پر ایمان لاتا ہے اور ان میں باہم کسی نبی یا رسول کے مابین تفریق نہیں کرتا، جب کہ یہود و نصاریٰ نے اس قسم کی جسارت کی۔ چنانچہ یہودیوں نے بنی اسرائیل کے نبیوں کو تسلیم کیا، لیکن حضرت عیسیٰ اور حضور اکرم ﷺ کی نبوت سے انکار کر دیا۔ خود نصاریٰ کا یہ حال ہے کہ وہ تمام نبیوں کو مانتے ہیں لیکن نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو مانتے سے انکار کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان تمام لوگوں پر کفر کی صریح فرود جرم عائد کی ہے جو اس قسم کی شنیع حرکت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ (نساء: ۱۵۱)

”بیکج جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور (ایمان کے اعتبار سے) اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم (ان میں سے) بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اور چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالیں، ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ہلکت و سینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

اس میں شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کیا، اس لئے بذمہ مومن کے لئے یہ امر ناگزیر ہے کہ وہ سابقہ تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لائے، انہیں معصوم تسلیم کرے، انہیں کامل جان کر دل سے ان کی عظمت اور احترام کرے۔ پھر



چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں اور آپ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کیا، اس مناسبت سے ذیل میں صرف نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کسی قدر تفصیل سے پیش کی جاتی ہے۔

● محمد رسول اللہ ﷺ:

نامِ نامی اور سلسلہ نسب: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن کعب بن مرہ بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن معد بن عدنان۔ آپ حضرت اسمعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

ولادت اور بچپن: ۱۲ ربیع الاول سنہ اٹھل مطابق اگست سنہ ۶۰۵ء کو حیر کے دن فجر کے وقت سردارِ مکہ عبد المطلب کی بیوہ بوہ حضرت آمنہ بنت وہب (بن زہرہ) بن عبد مناف بن قصی بن کلاب کے بطن سے مکہ مکرمہ کے دار ابو یوسف میں وہ نیر رسالت پیدا ہوا جس کے نور سے سارا عالم جگمگا اٹھا۔ آپ ابھی بطنِ مادر ہی میں تھے کہ والد ماجد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی پرورش حضرت عبد المطلب نے کی۔ عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو والدہ ماجدہ حضرت آمنہ انتقال کر گئیں۔ پھر آپ نے اپنے والد ماجد کی باندی اُم ایمن کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔ عبد المطلب کے انتقال کے بعد آپ کے چچا حضرت ابو طالب نے آپ کی پرورش کی۔

● ازواج اور اولاد:

عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی شادی قریش کی انتہائی شریف خاتون حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے ہوئی آپ کے بطن سے دو فرزند حضرت قاسم اور حضرت عبد اللہ پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ صاحبزادیاں چار تھیں۔ حضرت فاطمہ زہراء، حضرت زینب، حضرت زرقہ، حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہم رواج کے مطابق بچپن میں آپ بکریاں چراتے تھے۔ چنانچہ خود آپ نے ارشاد فرمایا:

لہ اصحاب میرے مزید ایک فرزند حضرت طیب کا ذکر کیا ہے۔ اس صورت میں جملہ فرزند تین ہونے (والدہ اعلم)

”خدا کے ہر نبی نے کمبیاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا، خدا کے رسول! کیا آپ نے بھی کمبیاں چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں بھی چند قیراط (کی معمولی اجرت) پر مکہ والوں کی کمبیاں چرائی تھی۔“

(بخاری: ۱۰۹/۳، ۱۱۰)

اس عرصہ میں ایک بار اپنے عم محترم حضرت ابوطالب کے ساتھ تجارت کے لئے شام گئے۔ ازدواج کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اسباب تجارت کو بھی لے کر شام گئے۔ جس میں انہیں بے اندازہ نفع ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ زمانہ بھی مثالی زمانہ تھا۔ آپ بلند ترین اخلاق پر فائز اور پاکیزہ خصلتوں سے مالا مال تھے۔ آپ کی ایک ایک ادا پیاری اور ہر عادت نرالی تھی۔ اس وقت بھی جب آپ نبی نہیں تھے، آپ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس میں آپ کے ہم عمر بچے اور بڑے ملوث تھے۔ آپ نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا، شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا، کسی قسم کی برائی یا جوئے کے قریب نہ گئے، تیریا پانسہ سے چیزوں کی کسی طرح کی تقسیم میں کبھی حصہ نہ لیا، نہ کسی کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ٹھیس پہنچائی۔ آپ کی ذات ایسی ستودہ صفات تھی کہ اغیار بھی آپ کے حسن اخلاق سے متاثر اور آپ کی پاکیزہ میرت کے مداح تھے۔ چنانچہ اس کا مین ثبوت یہ ہے کہ قریش نے آپ کو صادق اور امین کا لقب دیا۔ جب کہ آپ سے پہلے اس علاقے میں یہ خطاب کسی کو نہیں ملا۔ آپ ظاہر و باطن، کردار و گفتار، سامنے اور پیٹھ پیچھے غرض ہر طرح، ہر لحاظ سے صادق و امین اور پاکباز تھے۔

یہ وہ اوصاف تھے جن کی بنا پر قریش نے مجبور ہو کر انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو امین کے قابل فخر لقب سے یاد کیا۔ خود باری تعالیٰ نے نبوت کے آغاز ہی میں آپ کے متعلق حلفیہ شہادت دی اور آپ کو صاحب خلق عظیم قرار دیا۔ ان شہادت حق سے بڑھ کر بھلا کوئی اور شہادت کیونکر ہو سکتی ہے؟ چنانچہ ارشاد ہے:

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○ (قلم: ۴۲)

”ن، قلم ہے قلم کی اور اس کی جو (اس سے فرشتے) لکھتے ہیں کہ (اے پیغمبر!) تم

اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو، اور تمہیں ایسا اجر ملنے والا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا، اور بے شک تم اخلاق کے اعلیٰ معیار پر ہو۔“

### ● نوازشِ الٰہی:

نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی حضور اکرم ﷺ جن اوصافِ حمیدہ سے متصف رہے، اور جو مشہور و معروف ہیں، یہ اوصاف ماں باپ کی تربیت کا نتیجہ نہیں، نہ اس میں کسی استاذ یا اتالیق کی توجہ کو دخل ہے، بلکہ یہ تمام تر حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عنایتِ خاص کا ثمرہ ہیں، جس نے آپ کو وجود بخشا، اور بطورِ خاص آپ کی اس طرحِ تعلیم و تربیت فرمائی کہ آپ نے بندگانِ خدا کو خدا کا پیغام پہنچایا، خدا کا دین اور اس کی بتائی ہوئی شریعت کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔ نفس کی کدورت اور روح کی آلودگی سے انہیں محفوظ رکھا۔ آپ کا منصب عظیم ترین منصب تھا، اور حق یہ ہے کہ آپ نے اس کا حق ادا فرمایا۔ آپ ظاہر و باطن ہر لحاظ سے کامل ترین اور مثالی انسان تھے۔ حق تعالیٰ کی آپ پر بے پناہ نوازش تھی، جس کے سبب آپ کا دامن نبوت سے پہلے زمانہ طفولیت اور عہد شباب میں بھی کسی طرح داغدار نہ ہوا۔

آپ پر خداوندِ عالم کی اس خصوصی نوازش کی دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں، جب کہ مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ امام بیہقی نے محمد بن اسحاق سے اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا فرماتے تھے:

اہل جاہلیت جو کرتے ہیں، میرے دل میں کبھی اس کا خیال تک نہیں گذرا، البتہ دو بار میرے دل میں (ایک) خیال آیا۔ لیکن دونوں مرتبہ حق تعالیٰ نے مجھے صاف بچالیا۔ ایک رات میں نے بکریاں چراتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا: میری بکریوں پر نظر رکھو، دو سردوں کی طرح میں بھی مکہ جا کر قصہ گوئی کی مجلس میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھی نے حامی بھری۔ میں ہستی میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے جو گھر پڑا تھا وہاں پہنچ کر میں نے دف اور بانسری بجانے کی کچھ آواز سنی میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ”قلاں لڑکے اور لڑکی کی شادی ہے میں ایک طرف بیٹھ کر دیکھنے لگا، لیکن خدا نے میرے کانوں پر نیند کے پردے ڈال دیئے“ (اور مجھے سلا دیا) خدا کی قسم! میں سوتا رہا، تاکہ سورج کی تمازت نے مجھے بیدار کیا۔ جب میں اپنے ساتھی کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا رات تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا، میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر میں نے ساری سرگذشت سنائی۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ سنایا۔ اس میں بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ پہلی بار پیش آیا۔) پھر آپ نے فرمایا:

بخدا پھر میں نے دل میں بھی نہیں سوچا، نہ پلٹ کر کسی ایسی جگہ تک گیا جہاں پہلی مرتبہ گیا تھا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے مجھے بار نبوت سے سرفراز فرمایا۔  
۲۔ ”خانہ کعبہ کی تعمیر جدید کے موقع پر حضور اکرم ﷺ بھی دوسروں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اس وقت آپ کے جسم مبارک پر ایک تھم تھی۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹھے! بہتر ہوتا کہ تمھوٹھم پر پتھر کے ٹیچے رکھ لیتے۔ کہتے ہیں کہ، جو نبی حضرت عباس نے تمھارا کر مونڈھے پر رکھی، حضور ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس واقعہ کے علاوہ کبھی آپ برہنہ نہیں ہوئے۔“

### ● نبوت اور بعثت:

جب آپ نے عمر مبارک کی چالیس منزلیں طے کر لیں تو جیسا کہ حق تعالیٰ کی سنت متوارثہ ہے، آپ نبوت سے سرفراز ہوئے، آپ غارِ حرا میں تھے کہ اچانک وحی آگئی۔ اس سے پہلے حضور کو تمنا ہی پسند ہونے لگی تھی، اور کم و بیش ماہ رمضان کا عرصہ آپ نے اس غار میں بسر فرمایا۔ آپ غار میں تھے کہ اچانک فرشتے نے آکر کہا: پڑھو۔ آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے آپ کو تین بار زور سے دہرایا۔ پھر کہا: پڑھو! آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ چوتھی بار کہا: پڑھو!:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ  
الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (ملئ: ۳۲۱)

● ”(اے محمد!) اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے (سارے عالم کو) پیدا کیا اور جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ (اے محمد) پڑھو، اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔“

لے علامہ ابن کثیر نے الہدایہ والتمایہ میں اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث ہے حد غریب ہے (۲۸۸/۲)

لے اللؤلؤ والمرجان: (۷۲/۱) بخاری (۱۷/۱) مسلم (۱۸۳/۱)  
توس کی عبارت حدیث کا ٹکڑا نہیں ہے —



يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ، وَتِيَابِكَ فَطَهْرٌ، وَالرُّجُزُ  
فَاهْبُجْزُ ○ (مدثر: ۵۲)

”اے (محمد) کپڑا اوڑھنے والے، اٹھو اور (لوگوں کو عذاب سے) ڈراؤ اور اپنے  
پروردگار کی بڑائی بیان کرو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور تپاکی سے دور رہو۔“  
ان آیات کے ساتھ حضور ﷺ منصب رسالت پر فائز ہوئے۔

### ● دعوت کا آغاز:

حضرت محمد ﷺ نے جو اب خدا کے رسول تھے، دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا، اور لوگوں  
کو اللہ پر، اس کے رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اور مرنے کے بعد اس کے سامنے پیش ہونے  
پر ایمان لانے اور صرف حق تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرنے کی طرف دعوت دی، لیکن قوم  
نے آپ کو اور آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں کو طرح طرح سے ستایا، انہیں ڈرایا اور دھمکایا، اور  
ہر قسم کا بے جا دباؤ ڈالا۔ جس کے نتیجے میں بعض صحابہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔ پھر جب مدینہ  
منورہ ہجرت کی اجازت ملی تو بیشتر صحابہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ قریش نے رسالت  
مآب ﷺ، آپ کے معزز خاندان اور بنو ہاشم میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا، ان سب کو  
شعب ابی طالب میں تین سال نظر بند رکھا، اور ایسا سخت محاصرہ کیا کہ خدا کی پناہ! حسرت اور  
بے بسی کا وہ عالم کہ بسا اوقات بھوک پیاس کی شدت میں درختوں کے پتے چبانے پڑے۔

اس عرصہ (سنہ ۱۰ نبوی) میں وفا شعار زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ایک  
اور صدمہ یہ ہوا کہ شفیق چچا حضرت ابو طالب دنیا سے رخصت ہوئے جنہوں نے حضور ﷺ کی  
حمایت میں ساری مصیبتیں جھیلیں اور دشمنوں کے ہر مکر و فریب کا کامیاب دفاع کیا۔ اس لئے  
تاریخ میں یہ سال ”عام الحزن“ کے نام سے موسوم ہے، یعنی غم کا سال۔

سنہ ۱۰ نبوی کے ختم اور سنہ ۱۱ نبوی کے آغاز میں حضور ﷺ نے معراج کی سعادت پائی۔  
آپ کو ملا اعلیٰ کی سیر کرائی گئی۔ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک گئے، جس کے قریب ہی جنت کے بلغ کا  
سلسلہ شروع ہے۔ پھر اور آگے بڑھ کر اس مقام تک پہنچے جہاں سے آپ نے قلم چلنے کی آواز  
سنی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو پکارا، اور مناجات کا شرف بخشا۔ آپ پر اور آپ کی امت پر پانچ

اوقات کی نمازیں فرض کیں۔

آؤں اور خزرج مدینہ منورہ کے دو قبیلے تھے۔ ان کے بعض افراد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی، اور (منی میں) عقبہ کے مقام پر سب نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ ”یثرب والے ان مسلمانوں کے ساتھ پورا تعاون کریں گے جو ہجرت کر کے یثرب پہنچیں گے، اور ان کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کریں گے، جس طرح وہ اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے بدلے میں حق تعالیٰ انہیں جنت سے نوازے گا۔“ یہ معاہدہ ”بیعت عقبہ اولیٰ“ کے نام سے مشہور ہے۔ آگے چل کر اسی مقام پر ایک اور معاہدہ ہوا جو ”بیعت عقبہ ثانیہ“ کے نام سے موسوم ہے۔

پھر جب دادی مکہ کے فونہل ایک ایک کر کے گلشن مدینہ میں منتقل ہو چکے تو باغبان اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ ہجرت سے پہلے اس بستی کا نام ”یثرب“ تھا پھر ”مدینہ النبی“ اور ”مدینہ منورہ“ کہلایا۔ یہی وہ پر نور بستی ہے جہاں سب سے پہلے دیوانی اور فوجداری قوانین پر مشتمل اسلامی شریعت کا دستور نافذ ہوا، اور اسی بستی کو اسلامی ریاست کا صدر مقام بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ چنانچہ اسی سر زمین سے وہ نورانی قافلہ چلا، جس نے ہاتھوں میں حق و صداقت اور عدل و مساوات کا جھنڈا لے کر زبیر مسکون کو اپنے زیرِ قلمیں کیا، اور اس کے ایک جیلے فرزند حضرت ربیع بن حراش رضی اللہ عنہ نے کسریٰ شاہ ایران کے دربار میں اپنے آنے کی غرض ان الفاظ میں بیان فرمائی:

”ہم اس لئے آئے ہیں تاکہ خدا کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف، کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی میں، اور جھوٹے خداؤں کے ظلم و جور سے بچا کر اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف لے جائیں۔“

اور پھر رفتہ رفتہ اسلام پھیلتا رہا، اور حضور اکرم ﷺ ابھی بقیہ حیات تھے کہ سارا جزیرہ نمائے عرب متحدہ گوشِ اسلام ہو گیا، اور پورے خطہ پر اسلامی دستور کی گرفت مضبوط تر ہوتی گئی۔ تا آنکہ اس آیت کا نزول ہوا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَوَضَعْتُ لَكُمْ

الْإِسْلَامَ دِينًا ○ (آئۃ: ۳)

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں، اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔“

پھر حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ یہ پیر کا دن تھا۔ ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی۔ اور ہجرتِ نبوی! جو اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز ہے، اس کو وقوع پذیر ہوئے ابھی دس سال اور کچھ اوپر دو ماہ ہوئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور اکرم ﷺ اس وقت واصلِ حقیقی ہوئے جب آپ نے خیر کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی نشاندہی نہ کر دی ہو۔ اسی طرح شر کے کسی پہلو کو بھی باقی نہ رکھا جس کو کھول کھول کر بیان نہ کر دیا ہو۔

خداوند! اپنے محبوب پر اس وقت تک صلوٰۃ و سلام نازل فرماتا وقتیکہ آپ کی زیارت اور شفاعت ہمیں نصیب نہ ہو!

مذکورہ بالا سطروں میں رسالتِ محمدی ﷺ کے تعلق سے بطورِ تبرک ہم نے سیرتِ مقدسہ کے کچھ گوشے پیش کئے، تاکہ اس سوانحی خاکہ سے نبوتِ محمدی ﷺ کی حقانیت اور اس کی ہمہ گیری اور آفاقیت پر گفتگو کی راہ ہموار ہو سکے، اور یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے کہ دنیا اور آخرت میں انسان کی سعادت اور اس کی نجات، نبوتِ محمدی ﷺ کے تسلیم کرنے پر موقوف ہے۔

### ● نبوت کی صفات:

پہلے گذرا کہ زمانے کے تقاضے، کمال اور نسبی شرافت، نبوت کے لازمی اوصاف ہیں۔ دیکھنا چاہئے کہ نبی عربی ﷺ کی سیرتِ مقدسہ نبوت کے مذکورہ بالا معیار پر کہاں تک اترتی ہے۔ مثال کے طور پر زمانے کے تقاضے کو لیجئے!

بعثت سے پہلے کی دو بڑی طاقتوں، پارس اور روم کا قریب سے جائزہ لینے والے مورخین اس پر متفق ہیں کہ وقت کی یہ بڑی طاقتیں ہمہ گیر فساد اور زبردست انتشار کی لپیٹ میں تھیں، جس سے ان کا دین، اخلاق اور نظامِ حکومت سب کچھ بگڑ چکا تھا۔ اس بگاڑنے رفتہ رفتہ حکومت کے تمام شعبوں اور ان کی ماتحت چھوٹی بڑی سب ریاستوں کو متاثر کیا، اور انہیں اپنے شکستہ میں کس لیا۔ ترقی یافتہ رومی اور ایرانی تمدنوں کا یہ حال تھا۔ لیکن باقی ماندہ ملکوں کا



حال اس سے بدتر اور وہاں کی صورت حال تشویشناک حد تک نازک ہو چکی تھی، ان کی فضاؤں پر اور ان کی زندگی کے ہر شعبے میں تاریکی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب کا حال حد سے زیادہ خراب تھا، جہاں بتوں کی پرستش عام تھی، شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی، لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا، کانہوں اور معبد کے پجاریوں نے نبیوں کا تقدس حاصل کر لیا تھا۔ قبائلی سردار مجازی خدا بنے بیٹھے تھے، اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ قانون کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ جنہیں ملتا تھا اور خوب ملتا تھا، انہیں اپنی جیب سے کسی کو کچھ دینا ضروری نہیں تھا۔ دوسرے ملکوں کا حال بھی کم تباہ کن نہ تھا۔ غرض پوری دنیا شرفساد میں ڈوبی ہوئی تھی، اور گھٹنا نوپ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ ان حالات کا تقاضا تھا، اور تقاضا ہی نہیں بلکہ حالات چیخ و پکار کر رہے تھے کہ اس بگاڑ کو وہی رفع کر سکتا ہے جو نبوت اور رسالت کے عالی مقام منصب پر فائز ہوگا، جس کے ہاتھوں حق تعالیٰ ہمہ گیر اصلاحات کرے گا، اور جو کل روئے زمین اور ان میں بسنے والی مخلوق کی کایا پلٹ دے گا۔

اور یہ حقیقت تھی، اس لئے کہ عوام شدت سے نبی موعود اور خدا کے رسول کے منتظر تھے۔ چنانچہ جزیرہ نما عرب میں سب سے زیادہ اس کی گونج تھی۔ اس سے زیادہ اہل کتاب میں یہ چرچا تھا کہ نبی آخر زماں ان میں ہوگا۔ عرب کے صحرا اور وادیوں میں گفتگو کا یہی ایک موضوع تھا، اور بے شمار پیشین گوئیوں اور قیافوں سے عام اندازہ ہو چلا تھا کہ نبی آخر زماں اور رسول مبعوث ہونے کا شرف اس بار عربوں میں رہے گا۔ آفتاب نبوت، فاران (مکہ مکرمہ) کی چوٹیوں سے طلوع ہوگا۔ اس کی شعاعیں کھجوروں اور گھنے سائے والی سرزمین یشرب (مدینہ منورہ) سے پھیلیں گی، اور ہجرت کر کے نبی آخر زماں اسی مقام کو اپنا وطن بنائیں گے۔

اہل کتاب جو پہلے کہیں اور آباد تھے، بعض حوادث اور آفتوں سے تنگ آکر ان کے متعدد قبیلوں نے ارض حجاز کو اپنا مسکن بنا لیا تھا، اور یشرب اور اس کے اطراف میں آباد ہو چکے تھے۔ ان کے اندر بھی نبی موعود کی آمد کا بڑا چرچا تھا، تا آنکہ اپنے پڑوسی عربوں سے بڑائی کے طور پر یہ لوگ اکثر کہا کرتے تھے کہ ”وہ نبی ہم میں سے ہوگا، جس کا ایک زمانہ منتظر ہے، اور ایک وقت آئے گا کہ اس کی قیادت میں ہم تم سے جنگ کریں گے۔“

غرض حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش کے بعد لگ بھگ چار سو سال کا عرصہ جو ہر چند کہ

پیغمبروں سے خلی لیکن آنے والے نبی کا زمانہ شدت سے ٹھہر تھا۔ اس مدت میں پیشین گوئیوں، جھوٹی نبوت کے دعوؤں اور نبی موعود کے تذکروں کا لامتناہی سلسلہ تھا جو بڑی تیزی سے جاری تھا۔ اور یہ کسی ایک خطے یا ملک پر موقوف نہیں، بلکہ سارے عالم میں اس کی گونج سنائی دیتی تھی کہ وہ نبی انسانی تاریخ کا دھارا بدل دے گا۔ اس کے ہاتھوں عالمگیر انقلاب رونما ہوگا۔ فتنہ و فساد کا گھناؤنپ اندھیرا چھٹ جائے گا، اور خدا کی زمین اور اس میں آباد کل مخلوق کے لئے اس کی آمدنے دور کا آغاز ثابت ہوگی۔ لیکن دیکھیں تو سہی کہ —! یہ نبی موعود آخر کون ہوگا؟ اور آدم کا کونسا فرزند اس سعادت عظمیٰ کا اہل ثابت ہوگا۔؟

سبحان اللہ! قسام ازل نے اس نعمت عظمیٰ کو حضرت عبداللہ کے جگر گوشے حضرت محمد ﷺ کے لئے مخصوص کر دیا تھا، جو بجا طور پر حضرت ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کی دعا کا صداق تھے۔ آپ نے دعا فرمائی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (بقرہ: ۱۲۹)

”اے ہمارے پروردگار، اس بستی کے رہنے والوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیج جو تیری آیتیں پڑھ کر سائے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دے اور ان کے نفسوں کو پاک کرے۔ بیشک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔“

اسی طرح آپ اس خوش خبری کا بھی صداق تھے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

يَسِيئُ إِسْرَائِيلَ إِلَيَّ رَسُولٌ اللَّهُ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ○ (مف: ۱)

”اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، اور جو کتب مجھ سے پہلے آچکی ہے۔ (یعنی تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں) اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سنا تا ہوں۔“

یہ نبی اہی حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی تھی جنہوں نے دنیا والوں کو پیغام دیا تھا!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَوَّلُونَ إِلَيْهِ أَنتُمْ كَانْتُمْ بِهِ عَابِدِينَ ۝ (آعراف: ۱۵)

”لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔“

دنیا والوں کو اس عظیم المرتبت پیغامبر کی آمد مبارک ہو۔ دنیائے انسانیت اور کل خلاق کو آپ کی سربراہی اور قیادت مبارک ہو۔ مبارک ہو وہ ذات اقدس جو مجسم رحمت الہی ہے!

وقتی عوامل اور تضامیوں کا مختصر جائزہ لینے کے بعد۔! آئیے اب ہم رسالت مآب ﷺ کی حیثیت اور آپ کے بے نظیر سراپا پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔ وہ بے مثل ذات گرامی جسے حق تعالیٰ نے عالم انسانی کی سیادت اور قیادت کے لئے منتخب کیا، جنہیں اس لائق بیٹیا کہ آسمانی پیغام ان پر نازل ہو۔ اور وہ رہتی دنیا تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے رسول بن کر مبعوث ہوں۔ آپ کا سراپا ہمارے سامنے دو حیثیت سے پیش ہو گا: (۱) صوری اور جسمانی ہیئت (۲) روحانی اور اخلاقی کیفیت۔

اصحاب سیر اور آپ کے شائل و خصائل بیان کرنے والے جملہ محققین بیک زبان اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ آپ زیبا اور خوبو، میانہ قامت اور خوش وضع، حد درجہ متناسب الاعضاء اور سڈول، اور انتہائی کمال اور کل ترین انسان تھے۔ جن ہچی اور باسعادت ہستیوں نے جمالِ جہاں آرا کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے تاثرات اور مشاہدات کو الفاظ کا روپ دیا، ذیل میں ان کے الفاظ من و عن پیش کئے جاتے ہیں:

”حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ متوسطہ قامت تھے، دونوں سونڈھوں کے درمیان قدرے فراخی تھی، سر کے بال بہت اور کانوں کی لونگ دراز تھے، سرخ جوڑا پہننے تو حضور پر اس وقت جو حسن ہوتا اس سے بہتر میری نظر سے کوئی چیز نہیں گذری۔“

(مشفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان: ۱۰۷/۳، مسلم: ۸۳/۷، بخاری: ۳۲۸/۳)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ کا رنگ (سُور) چمکدار تھا، اور ہیندہ موٹی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ جب حضور پچھے تو سیدھے، اشدال کے ساتھ پچھے تھے۔ میں نے کوئی دینا اور رحیم، آپ کی اہمیلی مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا، اور نہ حضور پاک کی خوشبو سے عمدہ کوئی جہر اور ملک سونگھا۔“

(مسلم: ۴/۱۸)

آخر میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

”میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی حمالہ سے حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا۔ وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بڑی تفصیل سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ ان اوصافِ جمیلہ سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں، تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں، اور ان اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کر کے انہیں اپنی اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ ماموں جان نے حضور اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق فرمایا:

آپ خود اپنی ذات والا صفات کے اعتبار سے بھی ذی شان تھے، اور دوسروں کی نظر میں بھی بڑی شان و رتبہ والے تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا، آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا۔ لیکن لائے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ بال کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو رہنے دیتے، ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔ جس زمانے میں حضور ﷺ کے بال زیادہ ہوتے تو کان کی لو سے مجاور ہو جاتے۔ آپ ﷺ کا رنگ نہایت چمکدار تھا، اور پیشانی کشادہ۔ آپ ﷺ کے آبرو خمدار، باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے، جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی ناک بلندی مائل تھی، اور اس پہ ایک ہنک اور نور تھا، ابتداء میں دیکھنے والا آپ ﷺ کو بڑی ناک والا سمجھتا، لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہو جاتا کہ حسن اور چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے، ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی۔ آپ ﷺ کی داڑھی بھر پور اور گنجان بالوں کی تھی۔ آنکھوں کی پتلیاں نہایت سیاہ تھیں۔ زخسار مبارک ہموار، ہلکے تھے، گوشت لٹکے ہوئے نہیں تھے۔ آپ ﷺ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ آپ ﷺ کے دندان مبارک باریک آبدار تھے، اور ان میں سے سامنے کے دانتوں پر ذرا ذرا فصل بھی تھا۔ سینے سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ آپ کی گردن ایسی خوبصورت تھی، جیسا کہ سورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے، اور رنگ میں صاف چاندی جیسی خوبصورتی تھی۔ آپ ﷺ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پر گوشت تھے، اور گٹھے ہوئے بدن کے ساتھ پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا، لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا۔ جوڑوں کی

ہڈیاں قوی اور بڑی تھیں۔ کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ ﷺ کا بدن روشن اور چمکدار نظر آتا تھا۔ ناف اور سینہ کے درمیان لکیر کی طرح بالوں کی ایک دھاری تھی۔ اس لکیر کے علاوہ چھاتی اور پیٹ بالوں سے خالی تھا۔ البتہ دونوں بازو، کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے۔ آپ ﷺ کی کلنیاں دراز تھیں اور ہنسیلیاں فراخ۔ نیز دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز اور بڑگوشت تھے۔ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لابی تھیں۔ آپ ﷺ کے ٹکڑے قدرے گہرے تھے، اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرے پن اور ان کی ملاحت کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا، فوراً ڈھل جاتا تھا۔ جب آپ ﷺ چلتے تو قوت کے ساتھ قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے۔ قدم زمین پر آہستہ سے پڑتا تھا، زور سے نہیں۔ آپ ﷺ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے، چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ چلتے تو ایسا لگتا جیسے پستی میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی نظریں نیچی رہتیں۔ آپ ﷺ کی نگاہیں بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی آپ ﷺ کی عادت شریفہ عموماً گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی۔ یعنی غایت شرم کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے، چلنے میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگے کر دیتے تھے، اور آپ ﷺ پیچھے رہ جاتے۔ جس سے ملتے ابتداء سلام سے فرماتے تھے۔“ (محمد المثل الکامل:

(۱۱/۱۰)

یہ اُس ذات والا صفات کی جسمانی ساخت اور ہیئت تھی، جو تمام تر عطیہ، اور انعام الہی ہے۔ سچ ہے! اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کی بات نہیں۔

اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ سرور عالم ﷺ کو دست قدرت نے حسن صورت کا وہ خزانہ دیا جو کسی اور کو عطا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ شکل و صورت اور خدوخال کے لحاظ سے عالی مرتبت، لامعانی اور بے مثال تھے۔ نہ آپ ﷺ جیسا کوئی پیدا ہوا اور نہ ہوگا، اور نہ آپ ﷺ کا ہم پلہ اور مساوی کوئی ہو سکتا ہے!

حسن صورت کے بعد حسن سیرت اور اخلاقی، روحانی اور باطنی کیفیات کی اعلیٰ مثال ملاحظہ ہو۔ کمال وضاحت کے لئے کمال اور مثالیات کے ایک ایک نمونے کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس بات کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے کہ سیرت مقدسہ اور شمائل اور خصائل نبوی ﷺ

کا احاطہ کرنے کے لئے نوک زبان اور زبانِ قلم یکسر عاجز اور درماندہ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی ذور اندیشی اور کامل عقل کی سینکڑوں مثالوں میں سے ذیل میں صرف چار مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں سے دو مثالیں نبوت سے پہلے کی ہیں، دوسری دو مثالوں کا تعلق نبوت کے بعد سے ہے:

۱۔ حلف الفضول میں شرکت اور یہ فرمان کہ: ”حلف الفضول میں میں شریک تھا جو عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں لیا گیا۔ اس حلف میں شرکت کی بجائے اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں تو میں حلف میں شرکت کو ترجیح دوں گا۔ اور اگر آج بھی اس جیسے حلف میں شرکت کی دعوت دی جائے تو میں شریک ہونے کے لئے تیار ہوں۔“

(سیرت ابن ہشام: ۱/۱۳۳، حلف نامہ کا تذکرہ۔ مسند احمد: ۱۹۰/۱، ۱۹۳)

طبقات ابن سعد: جلد اول، قسم اول، صف ۸۲)

اس حلف نامہ کی بنیادی فضلت میں مظلوم کی امداد، اس کی پشت پناہی اور دھکیری تھی، مگر نیکہ ظالم اس کا حق ادا کرے۔ حضور اکرم ﷺ نے محض حق کی تائید و اعانت اور حق کا بول بالا کرنے کے لئے اس حلف میں شرکت فرمائی۔ بلاشبہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ:

”اس حلف میں شرکت کی بجائے اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں تو میں حلف میں شرکت کو ترجیح دوں گا۔“

آپ ﷺ کی پختہ بصیرت، کمال دانش، اور اعلیٰ درجہ کی عتوت فیصلہ کاروشن ثبوت

ہے۔

۲۔ نیز یہ فیصلہ کہ ”حجر اسود کو ایک بڑی چادر میں رکھا جائے، اور قریش کے ہر قبیلہ کا سردار چادر کا کونہ تھام لے۔“ اور جب پھر چادر میں رکھا ہوا کعبہ کی دیوار تک پہنچا تو آپ ﷺ کا اسے اپنے مقدس ہاتھوں سے اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دینا اسی درجہ کی ذور اندیشی اور عظمت کی بین نشانی ہے جس کے ذریعہ وقت کے سب سے بڑے تصادم اور خونریزی کا انسداد ہوا، اور ایک زبردست فتنہ سر اٹھانے سے پہلے فرو ہو گیا۔

ذیل کی دو مثالیں زمانہ نبوت سے تعلق رکھتی ہیں:

۱۔ الرحمن الرحیم اور ”رسول اللہ“ کے الفاظ لکھنے سے دست

برداری:

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش کا آپ ﷺ سے معاہدہ ہوا اور معاہدہ کی شرائط ضبط تحریر میں لائی جانے لگیں تو کاتب تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ لکھیں:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے ٹوک دیا اور کہا ٹھہر جاؤ۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ معلوم نہیں کیا چیز ہے؟ ”باسمک اللہم“ لکھو، جس کو ہم بھی جانتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کو منظور کر لیا۔ اسکے بعد حضور نے فرمایا ”لکھو“ یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معاہدہ کیا ہے۔“ قریش کے نمائندے نے پھر کہا، ٹھہر جاؤ! اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ کے پیرو ہی نہ بن جاتے آپ سے جنگ کیوں کرتے؟ لہذا محمد بن عبد اللہ لکھو۔ حضور نے فرمایا: ”اچھا یہی لکھ دو۔“

یہ بھی یاد رہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قریش کی طرف سے لادی گئی مذکورہ شرائط کو اس وقت گوارا کیا جب کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے جوشیلے صحابہ موجود تھے اور وہ اس اقدام کو دین میں ذلت سمجھتے تھے اور کسی طرح اس کے لئے آمادہ نہ تھے۔ لیکن اس قدر آسان شرائط پر مصالحت نے ثابت کر دیا کہ اوروں کی نظریں کو تازہ تھیں اور آپ انتہائی دور اندیش، بالغ نظر اور زبردست قوت فیصلہ کے مالک تھے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ آگے چل کر اس صلح نامہ کو تاریخ میں زبردست مقام حاصل ہوا اور دانش مندی، سیاسی حکمت عملی اور ملکی تدابیر کے لئے یہ واقعہ ضرب المثل کی صورت اختیار کر گیا۔

۲- : فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ فاتحانہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں سردار ان قریش بدترین مجرم کی طرح کھڑے اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لئے ٹھہر تھے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خطاب کر کے فرمایا: ”اے سرداران قریش! آج تم مجھ سے کس برتاؤ کی امید رکھتے ہو؟“ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: آپ ہمارے

۱۔ لفظ ”محمد رسول اللہ“ منانے کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔ (القول والرحمان: ۲۳۳/۲) جب

کہ مسلم میں مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ یہ روایت قریب قریب اسی طرح درج ہے۔ (۱۷۵/۶)

۲۔ متفق علیہ (القول والرحمان: ۲۳۳/۲) بخاری: ۳/۲۲۸ (۲۲۹) مسلم: ۵/۱۷۵ (۱۷۵)

شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ ہم آپ سے حسن سلوک کے امیدوار ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ تم سب آزاد ہو“ (سیرت ابن ہشام: ۴/۳۱۱)

حضور اکرم ﷺ کا یہ موقف نامور عالمی شخصیتوں کی تاریخ کا سب سے نمایاں اور شاندار موقف تھا، جو بجا طور پر آپ کی بے نظیر ہوشمندی اور حکمت و تدبیر کا بہترین نمونہ اور نہایت اعلیٰ مثال ہے۔

### ● شجاعت:

دانش مندی اور حسن تدبیر کی طرح حضور اکرم ﷺ کے اندر شجاعت اور دلیری کا وصف بھی لامتناہی اور بے مثال تھا۔ آپ بہادری میں فرد تھے، اور دیگر اوصاف کی طرح آپ کی بے نظیر شجاعت بھی بطور مثال پیش کی جاتی ہے۔ اس موقع پر حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم جیسے یکتائے زمانہ دلاورانِ اسلام کی شہادت ہماری لئے کافی ہے۔ جن میں سے ہر ایک مرد میدان اور نہایت جانناز تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور زور کارن پڑتا، تو ہم جنگ کی تیزی سے بچنے کے لئے حضور اکرم ﷺ کی آڑ تلاش کیا کرتے تھے۔ حنین کے معرکہ میں اسلامی لشکر کے قدم اکھڑ گئے، اور قریب تھا کہ یہ لشکر بدترین شکست سے دو چار ہوتا، لیکن ایسے وقت میں حضور اکرم ﷺ ثابت قدم رہے، اور اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ آپ کی اس شجاعت نے بھاگنے والوں کے قدم جمادئیے۔ ان کی ڈھارس بندھی اور پھر انہوں نے متحد ہو کر اس طرح جنگ کی کہ دشمن کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی، اور دشمن کے بے شمار سپاہی پکڑے اور قید کئے گئے۔ اسی جیسا واقعہ غزوہ احد میں پیش آیا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں آپ کی اسی بے نظیر شجاعت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ○ (نساء: ۸۴)

لے  
ہام مسلم رحمت اللہ علیہ سے معرت براء نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں، ”جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تو ہم حضور کی پناہ میں خود کو محفوظ پالتے تھے۔“ (۱۸۸/۵)



”ثم الله کی راہ میں جہاد کرو۔ تم پر اپنی ذات کے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں۔“  
 کیا یہ بے نظیر شجاعت اور جوانمردی کی علامت نہیں کہ تن تنہا ایک فرد کو جنگ کا حکم دیا جا رہا ہے، اور جنگ بھی کن لوگوں سے؟ زوئے زمین کے کل کفار اور مشرکین سے! یہ اس لئے کہ تاریخ شہد ہے کہ آیت کے نزول کے وقت حضور اکرم ﷺ کے مٹھی بھر و فاشعار صحابہ کے علاوہ زمین کا ہر شخص کافر اور بچہ بچہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا جانی دشمن تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو ذات واحد اس عظیم جنگ کی یکہ و تنہا مکلف ہو، بلاشبہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اس سے زیادہ بہادر اور دلیر کوئی نہ ہو گا۔ یہ ذات گرامی حضور اکرم ﷺ کی برگزیدہ ہستی ہے۔

### سیاسی حکمت عملی:

حضور اکرم ﷺ کی بیدار مغزی سیاست جس کا تعلق خواہ صلح سے ہو یا جنگ سے، یا اس کا تعلق شہری مسائل سے ہو یا فوجی امور سے، اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کی یہ صلاحیت بھی نمایاں طور پر ضرب المثل ہے، اور کوئی خواہ کتنا ہی بہادر اور دلیر ہو، اس میں شک نہیں کہ اس تک رسائی کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ ذیل کی محدودے چند مثالوں سے آپ ﷺ کی اس بے نظیر فضیلت اور کاملیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

● — مشرکین مکہ کی شدید ایذا رسانی کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی جانب ہجرت کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کو بخوبی احساس تھا کہ اس وقت مقابلہ اور تصادم قطعی نامناسب ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ والئی حبشہ احمد نجاشی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی شریف النفس اور خدا ترس حکمراں ہیں، وہ ضرور ان تارکین وطن و فوڈ کی پذیرائی کریں گے، ان کے ساتھ حسن تدبیر سے پیش آئیں گے۔ (اور ایسا ہی ہوا) اس لئے یہ کہنے میں باک نہیں کہ بارگاہ نبوت سے صلہ شدہ ہجرت کی یہ اجازت آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کی قابل قدر اور لائق فخر علامت ہے۔

(حبشہ کی ہجرت کا تذکرہ ملاحظہ ہو: ۶۲/۵، ۶۳۔ البدایہ والنہایہ: ۶۶/۳، سیرت ابن ہشام: ۱/۳۳۰)

● — اسی قسم کی شدید ایذا رسانی کے دنوں میں رسالت ماب ﷺ نے دار ارقم کو

اسلامی دعوت و تبلیغ کا زبردست مرکز بنایا اور وہاں رہتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت اور ان کے جملہ امور کی ذاتی طور پر نگرانی فرمائی۔ یہ تعلیم و تربیت اور بروقت کارروائی آپ ﷺ کی سیاسی بلوغ نظری اور حسن تدبیر کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔

● **بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ:** مدینہ منورہ کے چند خوش نصیب مردوں اور عورتوں نے حضور اکرم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ جو مسلمان مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئیں گے ہم ان کی حفاظت اور حمایت کریں گے اور اپنا سب کچھ ان پر قربان کریں گے۔ اس معاہدہ کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم فرمایا اور آخر میں خود بھی ہجرت فرمائی۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مدینہ منورہ امن و سلامتی کا گوارا اور خلافت اسلامیہ کا پایہ تخت قرار پایا۔ اس سرزمین سے فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا اور سارے عالم کی ہدایت کے فیصلے یہیں سے صادر ہوئے۔

(تذکرہ بیعت عقبہ کے لئے ملاحظہ ہو، بخاری: ۶۹/۵، ۷۰- ابن ہشام: ۴۷/۲، البدایہ والنہایہ:

۱۵۸/۱۳۷/۳)

● **مدینہ منورہ کے تین یہودی قبائل سے معاہدہ:** اس معاہدے نے اسلامی دعوت و تبلیغ کے کاموں کی رفتار تیز کی اور جس وقت اسلامی قافلہ نجیف و ناتواں اور دشمنوں کے نرنے میں چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا، آپ ﷺ کی اس حکمت و تدبیر نے امن و سکون کی فضا بحال کی اور صلح و آشتی کو بڑھا دیا۔

● **انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارگی:** اس مواخات اور بھائی چارے نے تاریکین و وطن مسلمانوں اور باشندگان مدینہ کے درمیان وہ انوث رشتہ قائم کیا جس کی وجہ سے یہ باسعادت ہستیاں اس طرح ایک جان دو قالب ہو گئیں کہ اگر ایک کو تکلیف ہوتی تو پوری بہتی اس کی نہیں اور کک محسوس کرتی اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ جاتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس درجہ کی بھائی چارگی اور باہمی محبت کی نظیر زوئے زمین پر کہیں اور کبھی بھی نہیں دیکھی جاسکی۔ یہ محض اللہ کا فضل تھا اور اس حکمت و تدبیر کا ثمرہ بھی جو رسالت مآب ﷺ کی سیاسی حکمت عملی کا مظہر تھا۔

● **حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:** اس نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس

سال تھی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ابھی پورے پچیس سال بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس ازدواج کے علاوہ سرور عالم ﷺ نے متعدد بیواؤں سے نکاح فرمایا۔ یہ سب بڑی عمر کی خواتین تھیں۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جنہوں نے اپنی عمر کا نواں سال بھی ابھی پورا نہیں کیا تھا۔

ان تمام ازدواج کے پیچھے غایت درجہ کی ذوراندیشی، گہری حکمت عملی، قوت فیصلہ اور کامل حسن تدبیر کار فرما ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے بعد ہی اسلامی دعوت و تبلیغ ازحد طاقت، قوت اور شان و شوکت سے آگے بڑھی اور اقصائے عالم میں پھیلتی چلی گئی، اور اگر ان تدابیر کا یہ الہی نظام نہ ہوتا تو اسلام کو یہ ثبات، شکوہ اور ارتقاء نصیب بھی نہ ہوتا۔

● متعدد غزوات اور سرایا: عہد نبوی کی جنگی سرگرمیوں کا قریب سے جائزہ لینے کے بعد یہ احساس تیز ہوتا ہے کہ بارگاہِ ایزدی سے آپ ﷺ کو جنگی مہارت اور بے مثال مدبرانہ قیادت کا تحفہ عطا ہوا تھا، اور آپ کی یہ وہ صلاحیت تھی جس کا اعتراف دوست و دشمن ہر ایک نے کیا۔ اس بے مثال اور لامتناہی عسکری صلاحیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ اس دس سالہ مقدس جنگ نے جزیرہ نمائے عرب کو اسلام کی آغوش میں نچنچا دیا، ہر طرف اسلام کا نور فروزاں ہوا۔ اور عجیب بات یہ کہ اس مقدس جہاد اور جنگ کی جہلی میں جو دس سال تک چلتی رہی، اور جس کے نتیجے میں ایک بڑے خطے میں اسلام کی اشاعت ہوئی، اس جنگ میں شہداء اور مقتولین کی تخمینہ تعداد ڈھائی ہزار نفوس سے زیادہ نہ تھی۔

● شفقت و مہربانی: حضور اکرم ﷺ کا قلب اطہر شفقت و محبت کے بے پناہ جذبات سے لبریز تھا۔ اس محبت کی نظیر نوعِ انسانی میں تلاشِ بسیار کے باوجود کبھی نہ ملے گی، اور ہمیں کامل یقین ہے کہ آپ ﷺ کی رافت و رحمت کے جتنے جتنے مظاہر اور نمونے ثبوت کے طور پر تلاش کرنا چاہیں تو ہمیں خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوگی اور نہ ہم ان کا احاطہ کر سکیں گے، اس لئے ہم وہی کہیں گے جو حق تعالیٰ نے فرمادیا، اور اس سے بڑھ کر بھلا کون کہہ سکتا ہے؟

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ وَرَحِيمٌ ○ (توبہ: ۱۱۸)

”لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے رسول آئے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں۔ تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا ان پر بہت گراں گذرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند رہتے ہیں۔ (خاص کر مسلمانوں پر نہایت شفقت کرنے والے) اور مہربان ہیں۔“

لیکن بائیں ہمہ رسالتِ محمد ﷺ کی رافت و رحمت کے بعض نمونے بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں:

۱- حضرت ابراہیم بن ماریہ قبلیہ بنی نضیر خدمتِ اقدس ﷺ میں پیش کئے گئے۔ وہ بیمار تھے، اور نزع کا عالم تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں چمکایا، آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

”آنکھیں اشک آلود ہیں، دل نمکین ہے اور ہم وہی بات کہتے ہیں جو خدائے تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ خدا کی قسم۔ ابراہیم ہم کو تمہارا غم ہے۔“

(متفق علیہ، الولو والمرجان: ۱۰۳/۳)

۲- ایک مرتبہ آپ ﷺ نے والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت فرمائی، جو مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر ہے۔ آپ ﷺ قبر پر کھڑے رہے اور دیر تک روتے رہے۔ لوٹنے لگے تو فرمایا:

”میں نے اپنی والدہ کی مغفرت کے لئے اپنے رب سے درخواست کی، لیکن اجازت نہیں ملی۔ میں نے دوبارہ ان کی قبر کی زیارت کے لئے درخواست کی جو منظور ہوئی۔“ (مسلم: ۶۵/۳)

۳- خیبر میں واقع بنو ابی حقیق کا قلعہ فتح ہوا تو صفیہ بنت حبیبی بنی نضیر ایک اور لڑکی کے ساتھ حضرت بلال بن رباح کی معیت میں خدمتِ اقدس میں لائی جا رہی تھیں۔ راستہ میں ان کا گذر ان کی قوم کے مقتول یہودیوں پر ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ آنے والی لڑکی نے یہ منظر دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنا منہ پیٹ لیا، اور سر پر خاک ڈالنے لگی۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ ماجرا دیکھا تو حضرت بلال بن رباح سے فرمایا:

”بلال! کیا تمہارے اندر سے رحم کا مادہ سلب ہو گیا ہے جو تم دو عورتوں کو ان کی قوم کے مقتولوں کے قریب سے یوں لے کر گذر رہے ہو۔“

(البدایہ والنہایہ: ۱۱۷/۳)

اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کی یہ رافت و رحمت نوحِ انسانی ہی کے ساتھ

مخصوص نہیں تھی، بلکہ ان سے آگے بڑھ کر جانوروں پر بھی آپ ﷺ اسی طرح شفقت اور مہربان تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”ہر تر و تازہ جگر والے (یعنی جاندار) کے معاملہ میں ثواب ملے گا۔“

(اللولؤ والمرجان: ۷۳/۳)

نیز فرمایا:

”ایک عورت پر بلی کے معاملہ میں عذاب ہوا۔ یہ عورت بلی کو نہ کھانے پینے کو دیتی تھی نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے کو ڈرے کھا لیتی۔ یہ اس کو اسی طرح بند رکھتی تھی یہاں تک کہ بلی مر گئی۔“

(اللولؤ والمرجان: ۷۴/۳ - مسلم: ۳۵/۸ - یہ مسلم کے الفاظ ہیں)

شفقت کی جگہ شفقت اور مہربانی کی تلقین کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایک بار کسی عورت نے گرمی کے دن میں ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے زبان نکالے کنویں کے آس پاس گھوم رہا ہے۔ اس عورت نے اپنے سوزہ میں کتے کے لئے پانی نکالا۔ (حق تعالیٰ کی طرف سے) اس کی مغفرت ہو گئی۔“ (مشفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان: ۷۵/۳)

● **مجسم سخاوت:** حضور اکرم ﷺ کی سخاوت اور فیاضی بیان نہیں کی جاسکتی۔ اور اس ذات گرامی کی سخاوت کو کیونکر بیان کیا جاسکتا ہے۔ جس سے جب بھی کوئی چیز طلب کی گئی اور وہ اس کے پاس موجود رہی، اس نے دینے سے انکار نہیں کیا:

”ایک مرتبہ حجرہ سے باہر تشریف لائے، اس وقت سب سے بہترین جوڑا زیب تن تھا۔ ایک صحابی نے دیکھا۔ دل میں آیا کہ اپنے پہننے کے لئے طلب کروں گا، تاکہ آپ ﷺ کا پیر بہن نصیب ہو، اور آپ ﷺ کا آثار ہوا کپڑا پہننے کی سعادت حاصل ہو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حریف مطلب زبان پر لاتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جوڑا مجھے عنایت فرمائیے، حضور اکرم ﷺ حجرہ میں تشریف لے گئے، وہ جوڑا آتارا اور انہیں مرحمت فرما دیا۔“ (مشفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان: ۱۸۵/۲)

”ایک شخص آیا، حضور ﷺ نے اس کو دو پھاڑوں کے درمیان کی بکریاں دے دیں۔ وہ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا: قوم والو! مسلمان ہو جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ (معلوم ہوتا ہے) ان کو افلاس کا خوف ہی نہیں ہے۔“ (مسلم: ۷۱/۷۳)

”جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا اونٹ سفر میں تھک گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس اونٹ کو سو درہم کے

عوض خرید لیا۔ (بعد میں) جب انہوں نے قیمت طلب کی تو آپ ﷺ نے قیمت اور وہ اونٹ انہیں مرحمت فرمایا۔“

(متفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان: ۱۸۵/۲)

اللہ اکبر! اس مجسم سخاوت کی فیاضی اور سخاوت کو کوئی کہاں تک بیان کر سکتا ہے؟ اس لئے سچ تو یہ ہے کہ دیگر اوصاف کی طرح آپ ﷺ کا یہ وصف بھی نہایت اعلیٰ اور جمشال ہے۔

● **عدل و مساوات:** حضور اکرم ﷺ کے مثالی عدل و انصاف کا مظاہرہ متعدد مواقع پر ہوا ہے۔ ذیل میں اس قسم کی محض دو نادر مثالوں کو پیش کیا جاتا ہے، جن کا صدور آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے نہیں ہوا۔

۱- جب ایک مخدومی عورت نے چوری کی اور قریش کے اصرار پر حضرت اسامہ بن جعوف نے اس کے متعلق حضور اکرم ﷺ سے کچھ عرض کیا، تو یہ سنتے ہی حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اسامہ! کیا تم خدائے تعالیٰ کی قائم کردہ سزا میں سفارش کرتے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد بیٹھنا بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹا جاتا۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۱۸۵/۲، ۱۸۶)

۲- بدر کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک میں (نوک اور پر کے بغیر) ایک تیر تھا، جس کے ذریعے آپ ﷺ صفوں کو درست فرما رہے تھے۔ اس اثناء میں آپ ﷺ کا گذر بنو عدی بن نجران کے حلیف سواد بن غدیہ کے قریب سے ہوا۔ صحابی مذکور صف سے قدرے آگے نکل آئے تھے۔ آپ ﷺ نے تیر سے ان کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”سواد! (صف میں) ٹھیک سے کھڑے رہو۔ حضرت سواد بن جعوف نے عرض کیا، اللہ کے رسول ﷺ (آپ کے اس عمل) نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو حق اور انصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ لہذا آپ مجھے بدلہ دیجئے۔ حضور اکرم ﷺ نے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: (اچھا تو) بدلہ لے لو۔“

(البدایہ والنہایہ: ۲۷۱/۳) سیرت ابن ہشام: ۳۱۰/۲)

● **عفو و درگزر:** اس میں شک نہیں کہ شائل و فضائل نبوی ﷺ کا شمار حد درجہ دشوار اور بعید از امکان ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

انما مثلوا صفاتک للناس: کما مثل النجوم للمساء  
آپکے اوصاف لوگوں کیلئے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے جیسے تاروں کا وجود رات کی آمد کیلئے ضرب المثل ہے  
ہیں

لہذا جس طرح ہم نے بیشتر فضائل نبوی ﷺ کے سلسلے میں اختصار سے کام لیا ہے، آپ ﷺ کے عفو و درگزر کو بھی مختصر بیان کرتے ہیں:

۱- یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ حضور اکرم ﷺ ایک غزوے میں شریک تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آرام کی غرض سے ایک وادی میں درختوں کے سایے میں جا بجا لیٹ گئے۔ حضور اکرم ﷺ بھی ایک درخت کے سایے میں لیٹ گئے اور تلوار درخت کی ایک شاخ سے لٹکا دی اور سو گئے۔ ایک دیہاتی مشرک موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے تلوار سونت کر حملہ کا ارادہ کیا اور (بڑے گھمنڈ سے) کہا: محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بتا اب تجھ کو کون بچا سکتا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے سر اٹھا کر فرمایا: ”اللہ!“ وہ شخص ہکا بکا رہ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضور ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا:

”بتا، تجھ کو کون بچائے گا؟ دیہاتی نے لرز کر کہا: (آپ کے سوا) کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ ﷺ نے اس کو معاف فرمادیا اور لوٹ گئے۔“

(مشفق علیہ - اللؤلؤ والمرجان: ۱/۱۶۲ مذکورہ الفاظ بخاری کے الفاظ کے قریب ہیں۔ ۱۳۶/۵، ۱۱۷)

حضور اکرم ﷺ نے قابو پا کر جس طرح معاف فرمایا، دریا دلی اور عفو و درگزر کی اس صفت پر آپ ﷺ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔

۲- ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں میں اموال تقسیم کیا، ایک بدوی آیا اس نے آپ ﷺ کی چادر کا سرا پکڑ کر کھینچا۔ اور کہا اس تقسیم میں خدا کی خوشنودی کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ کو غصہ آیا۔ آپ ﷺ نے محض اسی قدر فرمایا:

اللہ اور اس کا رسول انصاف نہ کرنے گا تو کون کرنے گا؟ خدا موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل

فرمائے۔ آپ بھی کہیں زیادہ ستائے گئے، لیکن آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔  
(شفیق علیہ۔ اللؤلؤ والمرجان: ۲۲۹/۱، ۲۳۰)

”ایک اعرابی مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا، اتفاق سے پیشاب کی حاجت لاحق ہوئی۔ مسجد کے ایک طرف ہو کر وہ پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹا اور جھڑکیاں دیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اس کو رہنے دو۔ (پیشاب) نہ روکو۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے چھوڑ دیا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو حضور اکرم ﷺ نے ایک ڈول پانی کا مٹکا کر اس پر بھاریا۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت اور بردہاری نے اعرابی کو جیسے زبان دیدی۔) اس اعرابی نے کہا، خدایا! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور کو شامل نہ فرما۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے بڑی وسعت والے کو تنگ (نظر) سمجھ لیا۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۶۳/۱۔ خدایا مجھ پر... تاختم ابوداؤد: ۹۱/۱)

حضور اکرم ﷺ کے فضل و کمال اور آپ ﷺ کی اعلیٰ مشابہت کے یہ چند نمونے ہیں۔ نبوت کے تین اوصاف میں سے اب تک دو اوصاف بیان کئے گئے۔ رہا تیسرا وصف یعنی لمسی شرافت اور خاندانی نجابت، تو ان کا جائزہ لینے کے لئے آپ ﷺ کی اصل پاک اور ذات اقدس پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔ ہم نہایت صفائی سے عرض کریں گے کہ جو کوئی حضور اکرم ﷺ کے سلسلہ نسب پر غور کرے گا اسے بخوبی احساس ہوگا کہ آپ ﷺ کا سلسلہ نسب نہایت اعلیٰ و اشرف۔ اور آپ کی ذات گرامی انتہائی پاکیزہ اور پاکباز خانوادے سے منسلک ہے۔ انسانی تاریخ شاہد ہے کہ روئے زمین پر پہلے یا بعد میں ایسا کوئی فرد نہیں گذرا جس کا نسب اس قدر پاکیزہ، صاف ستھرا، واضح اور ممتاز رہا ہو۔ یہ اس لئے کہ تمام قبائل میں تمام قبیلہ وہ قبیلہ ہے جو کسی دلیل اور حجت کے بغیر تمام قبیلوں سے افضل ہے۔ رہے بنو ہاشم تو قبیلہ قریش میں ان کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز رہی ہے۔ اور جیسا کہ عظیم رومی حکمراں ہرقل نے کہا تھا، ”خیر اپنی قوم میں سب سے زیادہ شریف النسب ہی ہوتے ہیں۔“ (بخاری: ۷/۱)

حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے فرمایا:

”خدائے تعالیٰ نے ہولاد اسماعیل میں سے بنی کننہ کو برگزیدگی عطا فرمائی، اور کننہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی، اور قریش میں سے بنو ہاشم کو چن لیا، اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو انتخاب



فرمایا۔“

(مسلم: ۷/۵۸، ترمذی: ۲۹۱۔ آخر الذکر کی روایت مکمل ہے)

یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی خوب سے خوب تر تھی۔ بہر کیف! نبوت اور رسالت کے یہ وہ محاسن اور اوصاف حسنہ ہیں جو رسالت مآب ﷺ میں ایک ایک کر کے اس طرح جمع تھے جس سے زیادہ اور نمایاں کبھی کسی میں یکجا نہیں دیکھے گئے۔ اس لئے از روئے عقل کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کی نبوت کی نفی کی جائے؟ یا رسالت سے سرے سے انکار کر دیا جائے؟ (خدا کی پناہ) ہرگز نہیں۔ اس قسم کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو جاہل، متعصب، کمز، منکر اور بد طینت ہو۔ البتہ جہاں تک عقل و خرد کا تعلق ہے ہم آئندہ صفحات پر کچھ معقول و منقول دلائل ذکر کریں گے، جس سے نبوت محمد ﷺ کی مزید تائید و حمایت ہوتی ہے، جن کی روشنی میں آپ پر آپ کی لائی ہوئی ہدایات اور نیکی کے کل امور پر، ایمان لانا ناگزیر اور از بس ضروری ہو جاتا ہے۔ آپ اور آپ کے دین کی بیرونی ضروری قرار پاتی ہے اور دلوں میں یہ یقین جاگ اٹھتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور ملاحظی میں انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ جن پر حق تعالیٰ نے بطریق خاص انعام فرمایا ان۔ کے ساتھ ہم نشینی کا شرف بس آپ کے طریقے کو ماننے اور اس پر چلنے کی صورت میں مل سکتا ہے۔

● نبوت محمد ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے دلائل:

عقل و نقل پر مشتمل یہ علامات اور نشانیوں جو رسالت مآب ﷺ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں، ان کے سامنے آجانے کے بعد آپ کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر بھی مزید تائید کے لئے کچھ اور دلائل پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ ہر کس و نا کس کے لئے آپ پر ایمان لانا ناگزیر ہو، اور سرکش اور گمراہوں کے سوا ہر ایک کے لئے آپ پر ایمان لانے کے سوا کوئی دوسری صورت نہ ہو۔

ان دلائل میں سے چند یہ ہیں۔

## (الف) پچھلی آسمانی کتابوں کی شہادت

اور انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں:

یوحنا کی انجیل میں ہے۔

۱۔ ”اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ اور میں (باپ سے) درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مدگار (فارقلیط) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔“

(ب ۱۳ فقرہ ۱۶۱۵)

فارقلیط اس (عبرانی) لفظ کے معنی احمد یا محمد کے ہیں، اور ابد تک رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی شریعت، ان کی کتاب، اور ان کا طریقہ ابدی ہوگا، اس لئے کہ حق تعالیٰ اس کا محافظ ہوگا تا قیامت یہ اصول جو اہر تابندہ رہیں گے، اور اسی کے دم سے جنت ارضی کی رونق بھی استوار رہے گی۔ ابد تک تمہارے ساتھ رہنے کا مفہوم دراصل یہی ہے۔

۲۔ ”لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو مدگار (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔“

(ب ۱۶ ف ۷۰)

فارقلیط سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے نہ جاتے تو حضور کی بعثت عمل میں نہ آتی۔ اس لئے کہ آپ کی بعثت ایسی حالت میں ہوئی جب پیغمبروں کا آنا ایک عرصہ سے موقوف تھا، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يَبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُوْلِ  
اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِّنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ  
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (مائدہ: ۱۹)

”اے اہل کتاب! ایسی حالت کہ پیغمبروں کا آنا ایک عرصہ سے موقوف تھا، ہمارے پیغمبر (محمد) تمہارے پاس آچکے ہیں جو ہمارے احکام تم سے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔“

تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے طرف کوئی خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تو اب تمہارے پاس خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (پیغمبر) آچکے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

۳۔ ”لیکن فارقلیط یعنی روح القدس جسے (باپ) میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔“ (ب ۱۳ ف ۳۶)

فارقلیط اور روح القدس حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جنہیں حق تعالیٰ نے یسود و نصاریٰ اور روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ (نساء: ۱۷)

”اے لوگو! یہ رسول (یعنی محمد) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں تو ان پر ایمان لاؤ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور (دیکھو) اگر تم کفر کرو گے تو یاد رکھو کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔“

آیت شریفہ میں ”الرَّسُولُ“ (اسم) معرفہ کے طور پر لایا گیا۔ اس طریق استعمال سے جہاں حضور کی تعظیم و تکریم مقصود ہے، وہیں ایک غرض یہ بھی ہے کہ یہ (آل) تخصیص (یعنی مشہور و معروف) کا معنی دینے کے لئے بھی آتا ہے۔ یعنی وہی رسول جن کی طرف تورات و انجیل میں اشارہ کیا گیا، اور آپ کی آمد کی خوشخبری دی گئی۔ چنانچہ اس قسم کے تین نمونے ابھی ذکر کئے گئے مزید ایک مثال آئندہ آرہی ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف یسود و نصاریٰ کے پاک طینت اور نیک نماد علماء اور ماہرین نے کیا ہے۔

تورات میں وارد ہے:

لے تورات و انجیل کے مذکورہ بالا فقرے ”العقيدة الاسلامية وأسسها“ سے نقل کئے گئے اور تورات و انجیل سے دوبارہ مراجعت کی گئی۔

”ایا رب سینا سے“ طلوع ہوا سامیر سے اعلان کیا کوہ فاران سے، ہزاروں قدسیوں کے ساتھ۔

(تورات، سفر تثنیہ، باب نمبر ۳۳)

تورات کا یہ فقرہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت کی ناقابل تردید شہادت پیش کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس فقرہ کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اور سینا میں آپ کو پیغام سے سرفراز فرمایا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت عطا فرمایا، اور قدس کے ایک پہاڑ ”سامیر“ پر آپ کو وحی سے نوازا۔ پھر آپ کے بعد حضور اکرم ﷺ کو کلمہ طیبہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی دعوت کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کوہ فاران (اور قرہی پہاڑیوں پہاڑ جیسے: کوہ ابو قیس، کوہ حرا) سے نمودار فرمایا:

● (ب) اہل کتاب علماء کی شہادت:

سورہ شعراء میں ہے:

أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَأْعَلَمَهُ عَلَّمُوا بِنِعْمِ إِسْرَائِيلَ ○ (۱۹:۷)

● ”ایا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پشین گوئی) کو علماء بنی

اسرائیل جانتے ہیں۔“

آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے مشرکین کو تسمیہ کی ہے اور فرمایا کہ جب علماء بنی اسرائیل حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت کے قائل ہیں، اور اس کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کا انکار کرو؟ سورہ بقرہ میں ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا

مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ

مِنَ الضَّالِّينَ ○ (۱۳۶:۱۳۷)

● ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا وہ

اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور رشک ان میں سے کچھ لوگ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے

ہیں۔ حق بات وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، تو تم ہرگز رشک کرنے والوں

میں سے نہ ہو۔“

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب جنہیں تورات اور انجیل نامی کتابیں دی گئیں، حضور کی نبوت کو بخوبی جانتے ہیں، اور آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ پھر بھی ان کی بڑی اکثریت وہ ہے جو جان بوجھ کر حق کو چھپاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر معرفت اور جانکاری کے باوجود ان کے دل بند ہیں اور ایمان ان کے اندر داخل نہیں ہو سکا۔

اس واقعہ پر علماء اور اہل یود کے ایک ممتاز عالم حضرت عبداللہ بن سلام کی شہادت پیش کی جاتی ہے جو یقیناً دو سری شہادتوں سے یکسر بے نیاز کرنے کے لئے کافی ہے:

(۱۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”حضور ﷺ کے مدینہ میں آنے کی خبر جب عبداللہ کو پہنچی تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہا کہ میں آپ سے تین باتیں پوچھتا ہوں ان کو سوائی کے اور کوئی نہیں جانتا۔ انہوں نے کہا کہ قیامت کی پہلی علامتیں کیا ہیں؟ اور سب سے پہلی خدا کیا ہے؟ جو اہل جنت کھائیں گے اور کس وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کس وجہ سے اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟ تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ باتیں جبریل علیہ السلام نے ابھی بتائی ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا جبریل تو سب فرشتوں میں یود کے دشمن ہیں۔ پھر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں اول یہ ہے کہ ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی، اور اول خدا جو اہل جنت کھائیں گے تو وہ چھل کی کھجی کا زائد گوشت ہے، اور بچہ کی مشابہت (تو اس کا سبب یہ ہے کہ) مرد جب عورت سے ہم بستری کرتا ہے اور اس کو پہلے انزال ہو جاتا ہے۔ تو بچہ اس کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر عورت کو پہلے انزال ہو جاتا ہے تو بچہ اس کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: میں کوئی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یود بڑے بستان لگانے والے ہیں۔ اگر وہ میرے اسلام سے واقف ہو جائیں، اور آپ ان سے میری بابت کچھ پوچھیں تو وہ آپ کے سامنے مجھ پر بستان لگا دیں گے۔ آخر یود آئے، اور عبداللہ گھر میں چھپ گئے پھر رسول خدا ﷺ نے یود سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سب سے جانکار اور سب سے زیادہ جانکار کے بیٹے ہیں اور سب سے بہتر کے بیٹے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا تاؤ اگر عبداللہ اسلام لے آئیں (تو کیسا ہوگا) یود نے کہا: خدا اس سے محفوظ رکھے۔ پھر عبداللہ باہر نکل آئے اور کہا: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا

اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ: یہود کہنے لگے کہ یہ ہم میں سب سے خراب اور ہم میں سب سے خراب کے بیٹے ہیں، اور ان کی برائی کرنے لگے۔“

(بخاری ۳/۱۶۰)

کتاب و سنت کی شہادتوں کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام کی مذکورہ بالا شہادت نبوت کے اہم ترین دلائل میں سے ہے۔ بتائیں ہم نے دیگر علماء یہود کی شہادت کو چنداں ضروری نہیں سمجھا۔ علیٰ ہذا علماء نصاریٰ کی شہادتیں بھی بے شمار ہیں۔ جن کی گنجائش ان اوراق میں مشکل ہے۔ اس لئے اس قسم کی محض ایک شہادت کو ہم پیش کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے خود اس کو اہمیت دیتے ہوئے اپنے صفحات پر اس کو جگہ دی ہے۔ یہ شہادت حضرت اممہ نجاشی شاہِ حبشہ کی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا  
وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ  
بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَزُهَبَانَا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ وَإِذَا سَمِعُوا مَا  
أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ  
الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ  
وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ  
فَاتَّيَبَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
وَ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ○ (مائدہ: ۸۱-۸۲)

”(اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں، اور مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور عابد اور زاہد ہیں۔ اور یہ (بات بھی ہے کہ) وہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب یہ (عیسائی) اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو (ہمارے) پیغمبر (محمد) پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو

جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی ہے۔ (وہ) کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ تو ہم کو بھی انہیں لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو (تیری سچائی کی) گواہی دینے والے ہیں۔ اور (وہ کہتے ہیں کہ) ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں۔ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا۔“

تاریخ و سیر اور تفسیر کے ماہرین بیک زبان اس کے قائل ہیں کہ یہ آیتیں احمد نجاشی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحب ایمان ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ان کا یہ قول کہ:

”ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں۔ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا۔“

یہ اعتراف، دین اسلام پیغمبر اسلام، قرآن پاک اور امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف تحیہ) کے حق میں زبردست شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں حضرت احمد نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکتوب پیش کیا جاتا ہے جو نامہ مبارک کے جواب میں انہوں نے اپنی راجدھانی سے تحریر کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کے نام، احم بن ابی بکر کی جانب سے۔

اے اللہ کے نبی! سلام علیک، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وہی معبود حقیقی ہے جس نے مجھے اسلام کا راستہ دکھایا۔ اے اللہ کے رسول! ﷺ آپ کا نام مبارک مجھ تک پہنچا جس میں آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا، آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! جس قدر آپ نے ذکر فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اس سے ذرہ برابر بڑھی ہوئی نہیں ہے۔ آپ نے جو پیغام ہمیں دیا ہے۔ ہم نے اسے بخوبی سمجھ لیا ہے۔ آپ کے عم زاد (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو ہم نے اپنے خواص میں شامل کر لیا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ آپ کی صداقت ثابت ہے۔ میں (جو وسط) آپ کے عم زاد (حضرت جعفر رضی

اللہ (عزہ) کے ہاتھوں آپ سے بیعت کرتا ہوں، اور ان کے ہاتھوں اللہ رب العالمین پر ایمان لاتا ہوں۔ اے اللہ کے نبی میں ”اریحان بن اہم بن امحر“ کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ میں اپنے — سوا اور کسی پر اختیار نہیں کرتا۔ اے اللہ کے رسول اگر میرے لئے ممکن ہو تا تو میں آپ کے پاس حاضر ہوتا

(الہدایہ والنہایہ: ۳/۳۴)

### ● (ج) اربوں مسلمانوں کی شہادت:

اربوں کھریوں مسلمان جو حضور ﷺ کی نبوت اور رسالت کی دل سے شہادت دیتے ہیں اور صدق دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حق اور ہدایت سے معمور آپ کی لائی ہوئی ہر چیز کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی حمایت میں سینہ سپر ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان میں علماء، ماہرین، اہل دانش، صلحاء اور حق کہنے والوں کی اتنی بڑی تعداد ہے، جن کا شمار حد امکان اور بیان سے باہر ہے ان کی یہ شہادت بلاشبہ بے حد عظیم، زبردست اور عقل و ضمیر کو مطمئن کرنے والی ہے بالخصوص مومن کا دل اور اس کی آنکھیں آپ کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کے لئے ان شہادتوں سے ٹھنڈک اور سرور محسوس کرتی ہیں۔

### ● (د) حق تعالیٰ اور فرشتوں کی شہادت:

اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی شہادت تمام شہادتوں سے بڑھ کر ہے، جو اور شہادتوں سے بے نیاز کرنے کے لئے کافی ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَكِنَّ اللّٰهَ يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ اَنْزَلْنَاهُ بِعِلْمِهِۦ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ  
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شٰهِدًا ۝ (سآء: ۱۲۶)

”اے پیغمبر اگر یہ لوگ تمہاری سچائی سے انکار کریں تو کریں، لیکن اللہ نے جو کچھ

لے اورداد میں ہے کہ حضرت: نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ وہی ہیں جن کی حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے بشارت دی ہے۔ (۱۸۹/۹)



تم پر نازل کیا ہے اس کی نسبت گواہی دیتا ہے کہ اس نے ان کو اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔“  
 اور اگر دلوں میں کبھی، طبیعت میں انقباض، اور باطن میں رعونت اور سرکشی، اور آنکھوں پر جہالت کا پردہ نہ پڑا ہو (جب کہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر افراد ان میں مبتلا ہیں) تو رسالت محمدی ﷺ کے لئے حق تعالیٰ کی شہادت کے بعد کسی اور شہادت کو ذکر کرنا قطعی لا حاصل ہے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، متذکرہ شہادتوں کے بعد حق تعالیٰ کی شہادتوں کو محض اس لئے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حجت تمام ہو اور جس کسی کے معمولی عقل و دانش بھی ہوگی وہ کبھی اس سے انکار نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شہادت کی دو قسم ہے: (۱) قولی شہادت (۲) معجزاتی شہادت  
 ۱۔ قولی شہادت: حق تعالیٰ کے وہ ارشادات جو وحی، رسالت، بعثت اور حضور اکرم ﷺ کی تائید و نصرت کے لئے کتاب اللہ میں درج ہیں۔  
 ۲۔ معجزاتی شہادت: وہ خارق عادت و واقعات جو حضور ﷺ کے ذریعہ منجانب اللہ ظہور پذیر ہوئے۔ یہ کہنا بجا ہے کہ ہر معجزہ زبان حال سے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کو نقل کرتا ہے کہ میرے بندے اور میرے نبی و رسول نے میرے بارے میں سچ کہا ہے کہ میں نے اس کو اپنا نبی اور رسول بنایا۔

قولی شہادت میں حسب ذیل ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ○ (سج: ۲۹)

”محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ○ (اعراف: ۱۵۸)

”اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔“

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ○ (بقرہ: ۱۲۹)

”اے محمد! تجھ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالْتَّيِّبِينَ مِنْ بَعْدِهِ ○

(نساء: ۱۱۳)

﴿تَنْزِيلٌ﴾ ”اے پیغمبر! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی۔“

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ (آحزاب: ۳۵-۳۶)

﴿تَنْزِيلٌ﴾ ”اے پیغمبر! بلاشبہ ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنایا ہے۔“

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۝ (مائدہ: ۶۷)

﴿تَنْزِيلٌ﴾ ”اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو (سمجھا جائے گا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ ۝ (نساء: ۱۷۰)

﴿تَنْزِيلٌ﴾ ”اے لوگو! یہ رسول (یعنی محمد) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں۔“

### ● معجزاتی شہادت:

قرآن کریم وحی کے طریقے پر جس طرح منجانب اللہ نازل ہوتا رہا یہ اپنی ذات سے عالم انسانی کا زبردست معجزہ ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر یہ ناممکن سمجھا جاتا ہے کہ ایک آدمی جس نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، کسی استاذِ عربی یا اہلِ لہجہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ نہیں کیا، یہ ممکن نہیں کہ اس درجہ آدمی اور آن پڑھ کی زبان سے علوم و معارف جاری ہوں خود اس کو ان سے مناسبت کلی اور ان پر کمال عبور ہو۔ تمنا یہی امر ناممکن ہے۔ چہ جائیکہ اس کی زبان پر وہ امور جاری ہوں جو آپ کے کسی معاصر اور تاقیامت آنے والے کسی انسان کو بھی حاصل نہیں

ہوئے۔

درحقیقت قرآن کریم وہ عظیم المرتبت کتاب ہے جس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔ جس کے اندر ایک طرف زبردست تشریحی اور آئینی صلاحیت ہے تو دوسری طرف بے شمار علوم الہیہ کا بے نظیر مرقع اور علمی حقائق کا کانپیدا کنار دفتر ہے۔ جیسے ہر چیز کے جوڑ جوڑ ہونے کا نظام تکوینی، آئین آغاز تخلیق، ازمنہ سابقہ، اور پراچین زمانے کے عجیب و غریب واقعات۔ وغیرہ علاوہ ازیں اس کتاب نے بشری امور کی اس انداز سے خبر دی ہے جس کا وقوع کسی کئی یا زیادتی کے بغیر حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ ایسی زبردست کتاب جسے ایک امی پیش کرے۔ ساتھ ہی یہ عمومی چیلنج کرے کہ کل روئے زمین پر بسنے والے! کیا جن کیا انسان! اس جیسی کوئی کتاب لے آئیں۔ یہ نہ ہو تو اس کی جیسی دس سورتیں لے آئیں یہ بھی نہ ہو تو ایک سورہ ہی بنا لائیں۔ اور اس پر یہ حال ہے کہ کل خلایق اس چیلنج کے سامنے عاجز اور درماندہ ہوں۔ گردن نیچی کئے، چپ سادھے خاموش رہیں۔ بلاشبہ یہ قرآن کا سب سے بڑا اعجاز حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ اور آپ کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ خود سرورِ عالم ﷺ کے اس ارشاد سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا۔

لہ سورہ یسین کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنَ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝  
(یسین: ۳۶)

ترجمہ ”پاک ہے وہ جس نے سب چیزوں کے جوڑے بنائے نباتات کے بھی، اور خود آدمیوں کے بھی

اور ان چیزوں کے بھی جن کو نوک نہیں جانتے۔“

اے جیسے بارش کا عمل بس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیْحَ فَتَنْفِثُ سَحَابًا فَبِیْنظُرُهُ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یُنشِئُ وَاَنْیَعْلَمُ سَخْفًا فِی السَّمَآءِ  
الَّذِیْ یَخْرُجُ مِنْ جَلْبَابِهِ ۝ (روم: ۴۸)

ترجمہ ”وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا

ہے۔ آسمان پر پھیلا دیتا ہے اور تم بہ تمہہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے چلنے میں سے بارش نکلنے

گلتی ہے۔"

اس جیسے یہ اطلاع کہ رومیوں کی ایران سے جنگ کا خاتمہ ہوگا۔ رومی غالب ہونگے جب کہ وہ پہلے مغلوب ہو چکے تھے۔ ارشاد ہے:

الْمَغْلِبِ الْزُّؤْمِ فِي أَذْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيَغْلِبُونَ ○ (روم: ۳۷)

”قرب کے ملک میں رومی مغلوب ہونگے۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد غلبہ غالب ہوں گے۔“

ارشاد ہے:

فَلْيَنْبَغِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْحِجْرُ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ○ (اسراء: ۸۸)

”اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کام بنا لائیں تو ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو۔“

فَلْيَأْتُوا بِمِثْرِ سُورِ بَقِيلِهِ مَفْتَرِينَ ○ (ہود: ۱۳)

”اے پیغمبر! تم کہہ دو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی اسی طرح کی (دس ہی) سورتیں بنا لاؤ۔“

فَلْيَأْتُوا بِسُورَةِ بَقِيلِهِ ○ (یونس: ۳۸)

”اے پیغمبر! تم کہہ دو کہ تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔“

”جس نبی کو جو معجزات عطا کئے گئے اس کی بقدر آدمی ان پر ایمان لائے۔ مگر مجھے جو چیز دی گئی۔ وہ وحی ہے، جو خدا نے مجھے بھیجی ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد زیادہ ہوگی۔“

(متفق علیہ، الفاظ مسلم کے ہیں۔ اللؤلؤ والمرجان ۳۰/۱، مسلم ۹۲/۱، بخاری: ۲۲۳/۶)

اس معجزہ کا یہ چیلنج ناقیامت اسی طرح قائم اور باقی رہے گا جس کا ذکر اس ایک آیت میں تمام و کمال موجود ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّمَّنْ مِثْلِهِ  
وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا  
وَلَنْ تَفْعَلُوا فَأْتُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ  
لِلْكَافِرِينَ ○ (بقرہ: ۲۳، ۲۴)

”اور اگر تم غلبان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل کی ہے اپنے بندہ  
خاص پر، تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک کلمہ جو اس کا ہم پلہ ہو۔ اور بلاو اپنے ہمتیوں کو جو خدا  
سے الگ (تجویز کر رکھے) ہیں۔ اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور قیامت  
تک بھی ہرگز ایسا نہ کر سکو تو پھر ذرا بچتے رہو دوزخ سے جس کا بندھن آدمی اور پتھر  
ہیں۔ تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے۔“

باری تعالیٰ کے ارشاد ”ہرگز ایسا نہ کر سکو گے“ کا مفہوم یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ  
وسلم کی طرح اسی صفت ہو کر، قرآن پاک کی کسی سورہ کی نظیر لانا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔  
اور یہ چیلنج اس وصف کے ساتھ آج بھی بدستور موجود ہے۔ چنانچہ آج صدیاں بیت گئیں، چودہ  
سوسال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ لیکن اس امر کا موہوم سا امکان بھی نہیں کہ کوئی ناخواندہ اور  
آن پڑھ ایسا بھی اٹھے گا جو قرآن پاک کی کسی سورہ کی نظیر اور اس کا نمونہ پیش کر سکے گا۔ اور  
جب حق تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ”ہرگز ایسا نہ کر سکو گے“ تو اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ یہ امر  
حد درجہ بعید ہی نہیں، خارج از امکان بھی ہے۔

۲۔ انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنا، حدیبیہ کے موقع پر اس معجزہ کا ظہور ہوا۔  
اور کم و بیش چودہ سو افراد پر مشتمل مردوزن کے لشکر نے اس پانی سے اپنی پیاس بجھائی  
(بخاری ۴/۲۳۴، ۵/۱۵۶، ۲۵۷)

۳۔ غزوہ خندق کے موقع پر تھوڑے کھانے کا زیادہ ہونا۔ چنانچہ روایتوں میں ہے کہ  
ایک صاع (کم و بیش ۲۱۶۶ کلوگرام) جو اور بکری کا چھوٹا سا بچہ ایک ایسے لشکر کے لئے کھلی ہوا  
جس کی مجموعی تعداد ایک ہزار یا اس سے زائد تھی۔

مشفق علیہ۔ اللؤلؤ والمرجان ۳/۲۱۰

۴۔ — کھجور کے تنے کا آپ کے لئے رونا اور سسکیاں لینا۔ جسے سینکڑوں پاکباز بندگانِ خدا نے دیکھا اور سنا، اور رونا اس وقت موقوف ہوا جب کہ رسالت مآب ﷺ نے قریب آکر اسے سہلایا، اور جس طرح ماں اپنے بچہ کو تھپکیاں دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے تھپکیاں دیں تب وہ خاموش ہوا۔ (اس مفہوم کی روایت بخاری میں ہے ۱۱/۲)

۵۔ — آنکھ کا لونا دینا، اُحد کے موقع پر ضربِ شدید کی وجہ سے حضرت قتادہ کی آنکھ ڈھلک کر رخسار پر لٹک آئی تھی، آپ نے آنکھ کو اس کی جگہ رکھ کر دست مبارک اس کے اوپر پھیر دیا جس کی وجہ سے آنکھ پہلے سے بہتر ہو گئی۔ (سیرت ابن ہشام ۳/۳۳)

۶۔ — دسترخوان پر موند کھانے کا تسبیح پڑھنا، صحابہ کرام کی برگزیدہ جماعت نے کثیر تعداد میں اس کا مشاہدہ کیا۔ (بخاری ۴/۲۳۵)

۷۔ — چاند کا دو ٹکڑے ہونا، ثبوت کی تصدیق کے لئے قریش نے اس کا مطالبہ کیا، چنانچہ آپ کے اشارہ پر چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور جبل ابو قیس پر آکر گرے، اہالیانِ مکہ نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا۔ اور حیرت زدہ رہ گئے۔ قرآن پاک نے اس معجزہ کو اپنے الفاظ میں ذکر کر کے اسے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

(قرآن: اس معجزہ کی روایت صحیحین میں موجود ہے۔ اللؤلؤ والمرجان ۳/۲۸۰)

۸۔ — درختوں اور پتھروں کا! حضور ﷺ کو سلام کرنا، کثیر تعداد میں لوگوں نے ہر دو معجزے کو بار بار دیکھا اور سنا ہے۔

۹۔ — انشاء اور معراج کا واقعہ! حضور ﷺ کا راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ جانا، وہاں سے ساتویں آسمان تک پہنچنا۔ جہاں سدرۃ المنتہی ہے۔ اور جس کے قریب سے جنت کے باغات کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی وہاں تک رسائی ہوئی جہاں آپ نے قلم چلنے کی، آواز سنی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو پکارا۔ اور آپ پر اور آپ کی امت پر بیچ وقتہ نمازیں فرض فرمائیں۔

(اس سلسلے کی آیات و روایات گذشتہ صفحات پر باحوالہ درج ہیں۔)

۱۰۔ مستقبل سے متعلق بکثرت پیشین گوئیاں کرنا۔ اور ان کا ہو سوچ ثابت

ہوتا۔

اس قسم کی روایات بکثرت ہیں۔ ہم ان میں سے صرف ایک پیشین گوئی ذکر کرتے ہیں جو انتہائی عجیب و غریب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”میری امت میں آگے چل کر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کجاوے نمازین پر بیٹھے ہوں گے۔ اور ان پر سے اتر کر مسجدوں کے دروازوں پر آئیں گے ان کی عورتیں کپڑے پہنے ہوں گی پھر بھی تنگی ہوں گی۔ ان کے سر سختی اونٹوں کے چکدار کو بان کی طرح بڑے بڑے ہوں گے۔ تم ان پر لعنت بھیجو، وہ قابل لعنت ہیں۔“

(احمد، طبرانی، بحوالہ، الفتح الربانی ۱۷/۳۰۱، ۳۰۲)

یہ عجیب و غریب سواریاں آخر کیا ہوں گی؟ جن کا ذکر احادیث میں ہے۔ اور جن پر آئندہ لوگ سواری کریں گے۔ جن کی ہیئت کدائی یہ ہوگی کہ ان پر گھوڑوں کی زین سی ہوگی لیکن وہ گھوڑے نہ ہوں گے، اونٹوں کے کجاؤں کی سی صورت ہوگی لیکن یہ اونٹوں پر دھرے ہوئے نہ ہوں گے۔؟ درحقیقت یہ سواریاں یہی موٹریں ہیں جن کی ایجاد انیسویں صدی میں ہوئی۔ لیکن کیا قدیم زمانے کا انسان اس قسم کی کسی سواری کا تصور کر سکتا تھا۔ جو چند گھنٹوں میں ہزاروں میل کا سفر طے کرتی ہوں جن پر سواریاں بھی ہوں اور ان کے اسباب بھی لدے ہوں۔؟ ہرگز نہیں۔

یہ حضور ﷺ کا اعجاز تھا جو آپ نے اس انداز میں اس پیشین گوئی کو ذکر فرمایا جسے اس زمانے کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔ البتہ صاحب ایمان بندوں کو انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ

۱۔ مثلاً حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے متعلق آپ کا یہ ارشاد کہ: میرا یہ بیٹا سید ہے۔ حق تعالیٰ اس کے ہاتھوں مسلمانوں کی دو (بڑی) جماعتوں کے درمیان مصالحت فرمائے گا۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مسجد کے لئے بیٹھیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا تمہیں باقی فرقہ قتل کرے گا۔ یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ اور آپ کو حضرت علی و معلو (رضی اللہ عنہما) کی جنگ میں شہیدوں نے قتل کیا۔ حضور کا یہ ارشاد مسلم میں درج ہے۔ (۱۸۶/۸)

پیشین گوئی پوری ہوگی۔ پھر صدیاں بیت گئیں۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل آتی گئی، تا آنکہ تیرہویں صدی ہجری آئی، اور اس صدی میں حضور ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ چنانچہ آج دیکھا جاسکتا ہے کہ زین اور کجاوہ نما سوار یوں پر لوگ سوار ہوتے ہیں اور مسجدوں کے دروازوں پر اترتے ہیں۔ نیز جس زمانے میں آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی کیا اس زمانے میں کوئی (منی اسکرٹ) سے آشنا تھا۔ اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا تھا کہ مسلمان عورت، مسلمان مردوں کے درمیان اپنا پیٹ اور پشت سے گھٹنے تک کو چھوڑ کر ان سمیت پورا بدن ننگا کئے گھومتی ہوگی؟ اور کیا بیسویں صدی سے قبل کی عورتوں کو یہ احساس تھا کہ سروں کو تراش خراش کر ان میں مصنوعی بال جوڑ کر ایسا بھی بنایا جاسکتا ہے جیسے دبلے اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔ کیا پہلے کوئی یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ مسلمان عورت بھی ایسا کرے گی۔ اور اپنی یہ ہیئت بنا کر سڑکوں اور شاہراؤں پر کھلے بندوں نکلے گی۔؟ ہرگز نہیں۔ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے یکسر مخفی ذور آزار، اور نامعلوم چیزوں سے متعلق بھی جو کچھ فرمایا آج ان میں سے ایک ایک ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ اور اس جیسی بے شمار حقائق پر مبنی پیش گوئیاں اس کی شاہد عدل ہیں کہ حضور ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَالْمُؤْمِنِينَ بِهِ النَّاهِجِينَ  
نَهْجَهُ وَالْمُسْتَقِيمِينَ عَلَى صِرَاطِكَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ○

ترجمہ: ”اے اللہ! بیش از بیش رحمتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر، آپ کے آل و اصحاب

پر، آپ پر ایمان لانے والوں پر، آپ کا طریقہ اختیار کرنے والوں پر، اور تا قیامت آنے

والے ان تمام مسلمانوں پر جو آپ کے سیدھے راستے پر ثابت قدم اور اٹل ہیں۔“

● ختم نبوت:

رسولوں پر ایمان کی بحث میں کلمہ کے طور پر دو اہم امور کا ذکر کرنا مناسب ہوگا

۱۔ کامل نبوت، ۲۔ نبی خاتم۔ پہلی چیز سے متعلق ہم عرض کریں گے کہ: نبی آخر الزماں ﷺ کو سب سے آخر میں نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد حق تعالیٰ نے نبوت کے دروازے کو ہمیشہ ہمیش کے لئے بند کر دیا۔ اس لئے اب کسی زمانے میں کسی فرد بشر کے لئے نبوت کی حرص یا



خواہش کرنا روا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس کا امکان ہے کہ آپ کے بعد یہ منصب کسی کو عطا ہوگا۔ اور اگر کوئی اس حقیقت سے انجان بن کر یا دوسرے کو گمراہ کرنے کے لئے اس سے تجاہل برتنے کی کوشش کرتا ہے اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کذاب ہے اور حق تعالیٰ سے متعلق کذب بیانی اور بہتان سے کام لے رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کے بندوں کو بھی جھٹلاتا ہے۔ اور زیادہ دن نہیں گزریں گے کہ اس قسم کے جھوٹے اور دغا باز ذلیل و خوار ہو کر اپنے کفر کردار کو پہنچیں گے۔ اور لوگ ان پر لعنت کریں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس قماش کے کذاب اور دجال صفت مدعی بیشہ اپنے انجام کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ ماضی میں مسیلہ کذاب کا یہی حشر ہوا۔ اور ابھی کل کی بات ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بن غلام مرتضیٰ قادیانی (کافر و باطل قادیانیت کا سرغنہ) بھی اسی طرح اپنے انجام کو پہنچا (ان سب پر اللہ تعالیٰ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔) اور یہ ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ پر نبوت اور رسالت کے ختم ہونے کا انتہائی صاف اور واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ  
التَّيْبِينِ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (آحزاب: ۴۰)

”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول اور

خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔“

یانا بریں حضور اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔ جس کے بغیر قیامت کے عذاب سے نجات اور جنت کی ابدی راحتوں سے لطف اندوز ہونا قطعی ممکن نہیں ہے۔ اور جو بندہ آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لائے گا۔ اور آپ کے بتائے ہوئے ہر طریقہ پر اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق عمل نہیں کرے گا قیامت کے دن سراسر خسارے اور نقصان میں ہوگا۔ پھر وہ لاکھ خدا پر ایمان لائے اور تمام نبیوں کو تسلیم کرے اس کا یہ ایمان اس کو ذرہ برابر فائدہ نہیں دے گا۔ یہ محض اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے آخری پیغام اور رسالت پر اس کا ایمان درست نہیں۔ جب کہ حق تعالیٰ نے اسی کے اندر یہ خاصیت پیدا فرمائی ہے کہ اس پر عمل در آمد سے نفس کا تزکیہ اور روح و ضمیر

کی صفائی ہوتی ہے۔

اب اگر کوئی اس کو مانے اور برتے بغیر کسی اور ذریعہ سے نفس کا تزکیہ چاہے تو یہ سعادت ہرگز اس کو حاصل نہ ہو سکے گی۔ اور نفس کا تزکیہ وہ نعمت ہے جس کے ذریعہ آتش دوزخ سے حفاظت ہوتی ہے۔ اور بندہ نیکیوں کے ساتھ کامیاب و بامراد ہو کر جنت میں اپنا مقام پاتا ہے۔ جب کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ○ (شمس: ۹، ۱۰)

ترجمہ ”بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اور وہ شخص ناکام رہا جس نے اس کو گناہوں میں دبا دیا۔“

دوسری چیز سے متعلق عرض ہے کہ:

ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ قطعی اور سب سے آخری نبی ہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے دونوں الفاظ میں فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ○ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○ (احزاب: ۴۰)

ترجمہ ”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔“

اس لئے ہر فرد بشر کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا اور دل سے اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ حق و ہدایت کی پیروی کا یہی ایک راستہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہر دو امور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا ○ (تقوان: ۸)

ترجمہ ”تو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا۔“

دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ یہ بتایا کہ حق تعالیٰ کی خصوصی نوازش یعنی جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات بس انہی کے لئے مخصوص ہے جو آپ کی ذات پر ایمان لائیں

اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کی کمال پیروی کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاكُنْهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ  
وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي  
يَجِدُونَهُ مَكْنُوزًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَ  
يَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ  
وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ  
وَعَزَّزُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ  
الْمُقْلِحُونَ ○ (اعراف: ۱۵۶-۱۵۷)

”اور جو میری رحمت ہے وہ سب پر پھائی ہوئی ہے بس میں ان لوگوں کے لئے  
اس کو لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور جو ہماری آیتوں پر  
ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی ہیں۔ جن کے  
اوصاف کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ نبی امی انہیں نیک کام کرنے  
کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال  
کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور پھندے  
تھے ان سب کو ان سے اتار دیتے ہیں۔ تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی حمایت کی  
ان کی مدد کی۔ اور جو نور (ہدایت یعنی قرآن) ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اس کی پیروی کی  
تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔“

کمال آدمیت اور دنیا و آخرت کی سعادتوں کے لائق ہونے کے لئے حضور اکرم پر

ایمان اور آپ کی کمال پیروی از بس ضروری ہے۔ ارشاد ہے:

فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ  
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○ (اعراف: ۱۵۸)

”تو تم اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ کہ وہ بھی اللہ پر  
اور ان کے تمام کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“

قرآنی آیات کی طرح حضور اکرم ﷺ سے منقول روایات بھی بکثرت ہیں۔ جن سے ختم نبوت اور حضور کے خاتم النبیین ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ صحیحین کی ایک روایت میں نبی آخر الزماں ﷺ فرماتے ہیں:

”میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان تعمیر کیا۔ اور اس کو نہایت اچھا اور خوبصورت بنایا۔ مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ رہ گئی۔ لوگ چاروں طرف گھوم کر اس کو دیکھتے ہیں عمارت ان کو پسند آتی ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ (معمار) تم نے اس جگہ ایک اینٹ اور کیوں نہ رکھ دی۔ چنانچہ میں وہ (تعمیلی) اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“  
(اللوٹو والمرجان ۳/ ۹۴)

### ● نبی خاتم:

آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے۔  
(ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) فرماتے ہیں۔

”عنقریب میری امت میں تمیں کذاب ہوں گے، ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔“

حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے!

نیز فرمایا:

”میرے چند نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاجی ہوں خدائے تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا۔ میں حاشر ہوں۔ لوگوں کا حشر میرے بعد ہوگا۔ میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔“

۱۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے احمد اور ترمذی میں بھی یہی مذکور ہے۔ اور یہ متفق علیہ ہے۔ (اللوٹو والمرجان ۳/ ۳۰۹) بخاری میں ہے ”قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تقریباً تمیں جھوٹے نبی نہ پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک کو یہ زعم ہوگا کہ وہ رسول ہے۔“ (۲۳۳/۳) مسلم میں یہ روایت اسی طرح مذکور ہے (۱۸۹/۸)

۲۔ متفق علیہ، الفاظ مسلم کے ہیں مسلم میں ایک اور روایت ہے:

”میں عاقب ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔“

(۸۹/۸، اللوٹو ۳/ ۲۲۵) بخاری ۳/ ۲۲۵

ختم نبوت اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر دو اعلان پر آج چودہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس طویل عرصہ میں سچی نبوت کا داعی یا کوئی برحق نبی آج تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر زمانے اور ہر ملک میں نبی برحق مبعوث ہوا کرتے تھے اور کبھی ایک قوم اور ایک بستی میں ایک سے زائد انبیاء کرام کی بعثت بھی عمل میں آتی تھی جیسا کہ انسانی تاریخ بالخصوص دینی اور مذہبی تاریخ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

لے چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ایک زمانے میں اور ایک جگہ میں پائے گئے۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایک بستی اور ایک قوم میں مبعوث ہوئے۔ اور بھی مثالیں ہیں جنہیں پیش کرنے کی حاجت نہیں۔



## اسلامی عقیدے کا پانچواں رکن

### آخرت کے دن پر ایمان

تعریف: آخرت کے دن سے کیا مراد ہے؟ اس دن سے حسب ذیل دو امور مراد ہیں۔

۱۔ تمام کائنات فنا ہو جائے گی اور اس دنیا کی زندگی کا بالکل خاتمہ ہوگا۔ ۲۔ پھر ایک اور زندگی کی آمد آمد ہوگی۔ اور اس کا باقاعدہ آغاز ہوگا، آخرت کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ دن دراصل اس زندگی کا آخری اور آنے والی زندگی کا پہلا اور آخری دن ہوگا پہلا اور آخری اس لئے کہ ابتداء سے انتہا تک یہ ایک کامل دن ہوگا اس کا کوئی ثانی نہ ہوگا۔ اور اس دن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کے فنا ہونے کی جو خبریں حق تعالیٰ نے دی ہیں۔ اس کی جو علامتیں اور نشانیاں بیان کی ہیں۔ اور جن احوال اور خطرات سے ہمیشہ آگاہ کیا ہے ان سب کی دل سے تصدیق کی جائے انہیں برحق اور درست مانا جائے۔ نیز عالم آخرت کی ان خبروں کو بھی بجا طور پر تسلیم کیا جائے جن میں حق تعالیٰ نے دوسری دنیا کی ابدی زندگی وہیں کی راحت و نعمت، سزا اور عذاب اور اس عالم کے اہم سے اہم جزئیات کا مفصل ذکر فرمایا۔ جیسے مر کر اٹھایا جانا، حساب کتاب اور دنیا کی زندگی میں اپنے ارادے یا اختیار سے جو کچھ اچھایا برا کیا اس پر سزا یا جزا وغیرہ۔

۳۔ فنا کا امکان: کیا عالم فنا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہل عالم ایک نہ ایک دن فنا ہوگا۔ اس لئے کہ دنیا ازلی اور ابدی نہیں۔ اور جو ابدی نہیں وہ حادث اور جدید ہے۔ اور ہر

حادث فانی ہے اس لئے کہ فحادث کی ایسی خصوصیت ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ پھر دنیا میں اس کا روزمرہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ہر حادث فنا کے گھاٹ اتر کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

عقلی دلائل اور مشاہدے سے یہ حقیقت سورج سے زیادہ واضح ہے کہ یہ عالم اور پوری دنیا حادث ہے۔ دنیا کی ایک ایک چیز میں ردو بدل اور تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اور یہی تغیر فنا اور بربادی کا بین ثبوت ہے۔ مثال کے طور پر توانائی کے طے شدہ قانون کو لیجئے۔ جو انتہائی ٹھوس علمی نظریہ ہے یہ نظریہ انتہائی صراحت کے ساتھ عالم کے حدوث کو ثابت کرتا ہے۔ اسی نظریہ سے حق تعالیٰ کے ازلی وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ جس نے جملہ موجودات کو وجود بخشا اور جہاں عالم کا حدوث ثابت ہوتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فنا ہو ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اس زبردست قانون کا حاصل یہ ہے کہ حرارت اور توانائی ہمیشہ زندہ اور توانا جسم سے خارج ہو کر غیر توانا جسم میں سرایت کرتی ہے۔ اور چونکہ ایک تسلسل کے ساتھ یہ عمل دنیا کی چھوٹی بڑی چیزوں میں جاری ہے۔ اس لئے، حرارت والی چیزوں میں حرارت اور توانائی کی یکسانیت بھی لازمی ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ جب ہر چیز حرارت والی بن جائے گی تو اب کوئی چیز باقی نہ ہوگی جس میں حیات و عمل کی حاجت ہو۔ بہر کیف پھر (ایک وقت آئے گا) کہ یہ فطری اور موثر اکسیری عمل ختم ہوگا۔ اور اس کے بعد دنیا کا یہ کارخانہ اور زندگی کی یہ ماہمی بھی آپ سے آپ ختم ہو جائے گی۔ اور اسی طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عالم کا ازل اور ابتداء سے قدیم ہونا باطل ہے۔ اس لئے کہ عالم ازلی ہوتا اور طاقت کا سرچشمہ ازل سے جاری ہوتا تو مدتوں پہلے اس کا خاتمہ بھی ہو جاتا۔

اس ضابطہ سے عالم کے فنا ہونے کا امکان بھی ثابت ہوتا ہے اور اس کی صورت بھی یکساں ہے۔ وہ اس طرح کہ جب توانا جسم سے غیر توانا جسموں میں حرارت اور توانائی مسلسل سرایت کرے گی تو ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس لائق تمام اجسام میں سرایت کا عمل پورا ہو جائے گا۔ اور ہر چیز یکساں طور پر حرارت اور توانائی سے متصف ہو جائے گی۔ اور پھر لامحالہ یہ فطری اور اکسیری عمل کا خاتمہ ضروری ہو جائے گا۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا۔ زندگی ختم اور کائنات بالکلیہ فنا ہو جائے گی۔

فنا، عالم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عالم بے شمار چھوٹے چھوٹے اجزاء پر مشتمل ہے اور شب و روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک ایک چیز فنا اور برباد ہوتی ہے۔ چنانچہ کیا انسان کیا حیوان! کیا نباتات! ایک ایک کا فنا ہونا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کانوں سے سنتے ہیں۔ اور ان کے وجود کو تحلیل ہوتا ہوا پاتے ہیں! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کائنات کے اجزاء ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ 'زلزلے اور بھونچال ایک طرف سے دوسری طرف تک بھرے پرے شہروں اور بستیوں کو کھنڈر بنا دیتے ہیں۔ دنیا کے خاصے بڑے حصے میں وسیع رقبے اور عاشرین عمارتیں دم کے دم میں اپنا نشان کھو دیتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کائنات کے اجزاء فنا کے گھاٹ اترتے ہیں تو کل کائنات بھی لامحالہ فنا و برباد ہوگی۔ اس لئے کہ جس کے اجزاء فنا ہوتے ہیں۔ اس کے کل کا فنا ہونا بھی ضروری ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ یومِ آخرت کا وقوع ناممکن نہیں ممکن ہے۔ اور چونکہ اس سے متعلق بکثرت اطلاعات وارد ہیں۔ اس لئے نہایت شدت سے اس کا انتظار ہے۔ بس یہی دن دنیا کا آخری دن ہوگا۔ اس دن کے بعد اس دنیا کا سورج کبھی طلوع نہ ہوگا اور پھر دنیا کھنڈر ہو جائے گی۔ تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی۔

### ● آخرت کا امکان:

کیا عالمِ آخرت کا امکان ہے؟ کیوں نہیں؟ یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو خلافِ عقل نہیں۔ اور جو چیز خلافِ عقل نہیں ہوتی اسے جائز الوجود اور ممکن کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس فنا کے بعد کیا زندگی نئے سرے سے اور پہلے سے زیادہ بہتر طریقے سے شروع ہوگی؟ اور کیا ازروئے عقل اس میں کوئی تناقض نہیں ہے؟ اور اس کا جواب بھی یہ ہو کہ اس میں کوئی تناقض نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاد اور آخرت بھی ممکن ہے۔ یعنی کلِ خلاق اور جاندار فنا ہونے کے بعد پھر سے اٹھائے جائیں گے۔

نیز آخرت محال یا واجب نہیں۔ کیونکہ محال وہ ہے جس کا وقوع عقل کے خلاف ہو۔ جیسے موجود شے سے متعلق یہ تصور کہ وہ موجود نہیں! واجب وہ جس کے معدوم ہونے کا تصور عقل کے خلاف ہو۔ جیسے یہ تصور (صحیح نہیں ہے) کہ ایک چیز تیار اور بنی ہوئی ہے۔



لیکن اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔ یا مخلوق ہے لیکن اس کا کوئی خالق نہیں ہے۔ یا معلول ہے لیکن علت نہیں ہے۔ غرض جب آخرت محال یا واجب نہیں تو اس کا امکان یقینی ہو جاتا ہے۔ قصہ کو تاہ! ان عقلی اور منطقی دلیلوں اور قیاس سے آخرت اور قیامت کا امکان اس کا وقوع اور اس کے وقوع کا جواز بہ صراحت ثابت ہوتا ہے۔

● بعث (بعد الموت) کے دلائل:

آخرت اور آنے والی زندگی کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم نے انتہائی واضح، آسان اور معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً

● ایک چیز جو پہلے سے نہیں تھی بعد میں بنائی گئی۔ پھر توڑ دی گئی اس کا پھر سے بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ بالخصوص جس نے اسے پہلی مرتبہ وجود بخشا۔ پھر درہم برہم کر دیا۔ اس کے لئے نئے سرے سے بنانا اور بھی آسان ہے۔ جیسے عمارت تعمیر کے بعد منہدم کر دی جائے تو اس کی دوبارہ تعمیر نہ صرف آسان ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ بعد کی تعمیر پہلے سے بہتر ہو۔

موجد نے جس چیز کی ایجاد کی ہے از خود اسے توڑ کر دوبارہ بنا سکتا ہے۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ نقش عانی، نقش اول سے بہتر ثابت ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے فمائش کے اس اصول اور ضابطے کو مختلف مواقع پر استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ

الْأَعْلَىٰ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (روم: ۲۷)

● ”اور وہی ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے

گا۔ اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان سب سے بلند

ہے۔ اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

سورہ یٰسین میں حشر و نشر سے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

لے بعث، حلا اور آخرت الفاظ جدا جدا ہیں ان کا معنی ایک ہے یعنی اس زندگی کے بعد آنیوالی زندگی۔

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ  
وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○ (یسین: ۷۸، ۸۱)

”جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ (اے پیغمبر) کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب طرح کا پیدا کرتا جاتا ہے۔“

● — انسانوں اور جانوروں کے سونے اور سو کر اٹھنے سے استدلال: نیند کو موت کی بن کہا جاتا ہے۔ اور سو کر اٹھنا ایک طرح سے موت کے بعد زندہ ہونے کے مترادف ہے۔ لہذا جس طرح ہر دو خلاق سو کر اٹھتے ہیں اسی طرح ہر دو کے لئے مر کر دوبارہ اٹھنے کا عمل بھی لامحالہ ہو کر رہے گا۔ قرآن پاک اپنے الفاظ میں اس استدلال کو یوں پیش کرتا ہے:  
وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثْكُمْ فِيهِ  
لِيُقَضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى، ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ  
تَعْمَلُونَ ○ (انعام: ۶۰)

”اور (دیکھو! وہی تو ہے جو رات میں تم پر موت طاری کر دیتا ہے۔ (یعنی سلا دیتا ہے) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے۔ پھر دن کے وقت تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر اس وقت وہ تم کو تمہارے اعمال جو کچھ دنیا میں کرتے رہے ایک ایک کر کے بتا دے گا۔“

قط زوہ، خشک اور بخر زمین سے استدلال: مشاہدہ شاہد ہے کہ اس قسم کی زمین میں زندگی کے آثار ناپید ہوتے ہیں لیکن بارش ہو جانے پر یا بروقت پانی پہنچنے پر زندگی کے آثار دوبارہ نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور پہلے سے زیادہ تروتازگی اور بہار آ جاتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْتَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ  
اهْتَرَتْ وَرَبَّتْ، إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُخِي الْمَوْتَى، إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ ○ (فصلت: ۳۹)

”اور (اے مخاطب) اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دبی ہوئی (اور یعنی) شک دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو ترو تازہ ہو جاتی ہے اور ابھرتی ہے۔ (اس سے ثابت ہوا کہ) جس نے زمین کو زندہ کیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

نیز فرمایا:

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَّتْ  
وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ رَوْحٍ يَبْرِجُ ذَلِكَ بِإِنِّ اللَّهُ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُخِي  
الْمَوْتَى وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (ج: ۵۶)

”اور تم دیکھتے ہو کہ (ایک وقت) زمین سوکھی پڑی ہوتی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اچانک لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے۔ اور ہر قسم کی خوش نما جڑی بوٹیاں اگاتی ہے۔ یہ اس سبب سے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

● حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے استدلال:

اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست قوتِ تخلیق سے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور آپ کی نسل کو قطرہٴ مٹی سے پیدا فرمایا۔ یہ قوتِ تخلیقِ آخرت اور مرکر دوبارہ اٹھائے جانے کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبُعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تَرَابٍ  
ثُمَّ مِّن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّن عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّن مَّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ  
لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ  
نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِيَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّن يَتُوفَىٰ وَمِنْكُمْ مَّن  
يُؤَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مَن بَعْدَ عِلْمِ شَيْئًا ○ (سورہ: ج: ۵)

”اے لوگو! اگر تم کو (قیامت کے روز) دوبارہ پیدا ہونے میں شک کرتے ہو تو (غور

کرو کہ بلاشبہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پھر جے ہوئے خون سے۔ پھر گوشت کے لوتھڑے سے (جس کی بناوٹ کبھی کال (ہوتی ہے) اور کبھی ناقص۔ یہ اس لئے کہ ہم تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں۔ اور جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں اسے ایک مقررہ مدت تک (عورت کے) رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر بچہ بنا کر تمہیں نکالتے ہیں۔ پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاؤ۔ اور تم میں کوئی ایسا ہوتا ہے کہ (بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتا ہے اور تم میں کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمی عمر یعنی بڑھاپے کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ کہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتا ہے۔“

### ● ارض و سماء کی تخلیق سے حشر اجساد پر استدلال:

زمین و آسمان اور کل کائنات کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے کہیں زیادہ اہم اور زبردست ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کے لئے پہلی تخلیق کوئی مشکل نہیں ہے تو دوسری کیونکر مشکل ہو سکتی ہے؟!۔

لَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرَ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ (مومن: ۵۷)

”یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا بہ نسبت آدمیوں کے پیدا کرنے کے بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“  
دوسری جگہ ارشاد ہے:

ء أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءِ بَنَاهَا رَفَعَ سَمَكَهَا فَسَوَّاهَا وَأَعْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا وَالْأَرْضِ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءً هَا وَمَرْغَهَا وَالْحِبَالِ أَرْسَاهَا مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ○ (النازعات: ۳۳-۳۷)

”لوگو! تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا (اللہ نے) اس کو بنایا۔ (اس طرح سے کہ) اس کی چھت کو اونچا کیا۔ اور اس کو درست بنایا۔ اور اس کی رات کو تاریک کیا۔ اور

دن کو دھوپ نکال۔ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ اور اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو اس پر قائم کیا۔ (یہ سب کچھ تمہارے لئے اور تمہارے چارپایوں کے فائدے کے لئے کیا)۔“

نیز فرمایا:

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ فَلْيُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ  
وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا  
فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقَدُونَ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ  
عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ○ (سین: ۷۸-۸۱)

”جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ (اے پیغمبر) کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے وہ (ایسا قادر ہے) جو ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلاگتے ہو۔ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! وہ ضرور قادر ہے۔ وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔“

● جزا اور سزا کے تصور سے استدلال:

اس دنیا میں لوگوں کے اطوار اور اعمال جدا جدا ہیں۔ کوئی نیک ہے کوئی بد، کوئی اچھا ہے کوئی برا، لہذا اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کا تصور انتہائی ضروری ہے جہاں اعمال کی سزایا جزا دی جائے اس لئے کہ دنیا کی یہ زندگی محض کارگاہ اور عمل کی جگہ ہے۔ بدلہ کی جگہ نہیں۔ اس استدلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ، وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ  
رُحِزَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ، وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا  
مَتَاعُ الْغُرُورِ ○ (آل عمران: ۱۸۵)

”ہر شخص ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تم سب کو پورا

پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو (اس دن) جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔“  
نیز فرمایا:

إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا  
كَانُوا يَكْفُرُونَ ○ (یونس: ۳)

● ”وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی اس کو دوبارہ اٹھائے گا۔ تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے۔ انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ اور جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔ کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔“

نیز فرمایا:

إِنْ سَعَيْتُمْ لَشَيْءٍ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ  
فَسَيُسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ  
فَسَيُسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ○ (ہل: ۳۱۴)

● ”بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا۔ اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کیا۔ اور اچھی بات (یعنی کلمہ توحید) کو بچ جانا تو اس کے لئے ہم بہت جلد آرام کی جگہ (یعنی جنت حاصل کرنا) آسان کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہی کی اور اچھی بات (کلمہ توحید) کو بھٹایا تو ہم اس کو تکلیف کی جگہ (یعنی دوزخ) میں بہت جلد پہنچا دیں گے۔ اور جب وہ دوزخ میں جا کرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔“

● شرعی پابندیوں سے استدلال:

شریعت نے بیشتر امور کے کرنے یا نہ کرنے کا بندوں کو مکلف بنایا ہے۔ یہ مکلف بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک دوسری دنیا برپا ہو۔ اور مرنے کے بعد دوسری زندگی رونما ہو

جہاں بندے کرنے یا نہ کرنے پر ماخوذ ہوں، عجلت یا سستی کرنے سے متعلق ان سے باز پرس ہو اور پھر انہیں اس کا مناسب بدلہ دیا جائے۔ اور جیسا کہ ابھی گذرا دنیا کی یہ زندگی محض دارالعمل ہے اس لئے جزا اور سزا کے لئے دار آخرت کا ہونا ضروری ہے۔ اس استدلال کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

تَبْرَكَ الَّذِي يَدِيَهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الَّذِي خَلَقَ  
الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيْتَكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (ملک: ۲۱)

ترجمہ: ”بست بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے قبضہ میں دونوں جہاں کی بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون تم میں سے نیک عمل کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔“

نیز فرمایا:

اَفْحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا ۚ وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝  
(مومنون: ۱۱۵)

ترجمہ: ”کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار (خالی از مقصد) پیدا کیا ہے۔ اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔“

نیز فرمایا

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۙ ۝ (قیامہ: ۳۶)

ترجمہ: ”کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔“

● دیگر دلائل:

ہر وقت ہر زمانے میں باشعور طبقہ جس کا تعلق شہری زندگی سے ہو یا دیہاتی زندگی سے خواہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ، اس میں شک نہیں کہ ہر کس و تا کس کو شدت سے یہ احساس ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے جس میں دنیا میں کی گئی نیکی، بدی یا ایچھے، برے

لے بیٹ یعنی امرونی کے بغیر اور امرنی کے بغیر یعنی چھوڑ دیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے امرونی مہارت کا دوسرا نام ہے اور انسان محض عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

گیندی یعنی امرونی کے بغیر عبادت اور عمل چھوڑ دیا جائے۔ نہ مرنے کے بعد اٹھایا جائے نہ حساب کتاب ہو۔؟

کاموں کی سزا یا بدلہ اس کو مل کر رہے گا۔ وہی شعور درحقیقت آنے والی زندگی کے وجود کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو اس کا اس قدر چرچا اور شہرہ بھی نہ ہوتا۔ نہ ہی کوئی خارجی وجود ہوتا۔ لہذا یہ احساس ایسا ہی درست اور برحق ہے جیسے انسان کو بھوک لگنے پر اناج کی اور پیاس کی شدت میں پانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ یہ ضرورت اتنی بدیہی اور واضح ہے جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔

۲۔ عوام کی بھاری اکثریت ارواح، ان سے ملاقات اور ان سے بات چیت کی قائل ہے اس قسم کا مشاہدہ شاہد ہے کہ اس مادی زندگی کے بعد ایک دوسری دنیا آنے والی ہے جو سراسر جسم اور روح<sup>۱</sup> والی ہوگی۔

۳۔ قدیم سے آج تک انسانی زندگی میں تسلسل کے ساتھ خوابوں کے دیکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ خواب میں آدمی مرنے والوں کو دیکھتا ہے ان سے بات چیت کرتا ہے ان کے حالات سے متعلق پوچھ گچھ کرتا ہے۔ مروے بھی غیب سے متعلق بہت ساری خبریں سناتے ہیں جو واقعات سے عین مطابق ہوتی ہیں۔ آنے والی زندگی کا یہ بھی ایک قسم کا ثبوت ہے۔

### ● مزید دلائل:

آخرت، حشر و نشر اور حساب کتاب سے متعلق سب سے اہم قطعی اور آخری دلیل یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے حضور اکرم ﷺ نے صاف صاف اس کی اطلاع فرمائی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو بندہ خدا اللہ پر فرشتوں پر، اس کی کتابوں، اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے خدا اور رسول کے کہنے کے مطابق آخرت پر حشر و نشر اور حساب کتاب پر ایمان لانا کوئی مشکل نہیں۔ نہ اس کے اندر کسی قسم کا شک، تردید یا حیلہ اور حجت کا دخل ہے اس لئے کہ یہ خدا کا فرمان ہے جو راست اور برحق ہے۔ نیز اللہ اور اس

۱۔ اس نظریہ کے حامل یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ روحوں سے ملاقات اور منظر کرتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ارواح سے نہیں بلکہ مرنے والوں کے ہمزاد اور ان کے جنوں اور شیطانوں سے ہم کلام ہوتے ہیں ہم نے یہ تو کہ محض اس لئے کیا ہے تاکہ اس سے عالم فیہ اور بلوی دنیا سے بلورا روطنی دنیا کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔



کے رسولوں نے بے شمار امور سے متعلق خبریں دیں۔ جن میں سے کوئی ایک بھی غلط یا خلاف واقعہ ثابت نہیں ہوئی پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبر عالم آخرت اور اس آنے والی زندگی سے متعلق خبریں دیں۔ بعث، حساب، جزا، اور وہاں کی راحت و اذیت سے متعلق تفصیلات بیان کریں اور وہ غلط ثابت ہوں۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں یہ فکر اور تخیل، باطل اور حد درجہ نامعقول ہے۔

دنیا کا فنا ہونا، دوسری زندگی کا آغاز، دنیا کی زندگی سے بہتر وہاں کی ایک ایک چیز کا ہونا۔ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے ابدی راحتیں، مشرکین، خطاکاروں، گنہگاروں کے لئے تکالیف اور اذیتیں، یہ وہ امور ہیں جن سے متعلق حق تعالیٰ نے دو ٹوک خبریں دیں ہیں، اپنی کتابوں اور اپنے برگزیدہ پیغمبروں کی زبانی اس کی اطلاعات بہم پہنچائیں ہیں۔ اس لئے ان کے اندر شک کرنا فکر و نظر کی کوتاہی بددماغی حد درجہ گراوٹ اور انسانی پستی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مفاسد سے اپنے بندوں کی حفاظت فرمائے آمین۔

### ● آخرت کی حکمت:

عالم آخرت اور مرنے کے بعد پھر اسی طرح دوبارہ زندہ کئے جانے کی حکمت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں بندوں نے اپنے ارادے اور اختیار سے جو کچھ کیا اس کا ٹھیک ٹھیک بدلہ انہیں دیا جائے۔ اس لئے کہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ اور آخرت جزا اور بدلہ کی جگہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ فَمَنْ زُحْرِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمْتَاعٌ  
الْقُرْآنُ ۝ (آل عمران: ۱۸۵)

● ”ہر شخص ایک نہ ایک دن موت کا مزا چکھنے والا ہے۔ اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو (اس دن) جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔“

پھر ہر کوئی دیکھ سکتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں لوگوں کا معیار زندگی مختلف ہے۔ ہر

ایک کی روزی روٹی، وقفہ زندگی، موت و حیات، کارکردگی اور سعادت و شقاوت غرض ایک ایک چیز انتہائی مختلف ہے۔ کوئی حد درجہ ظالم اور سفاک ہے۔ کوئی حد درجہ مظلوم اور دل شکستہ، کوئی توانا اور تندرست ہے۔ کوئی بیمار اور مفلوج، کوئی مالدار آسودہ حال ہے، تو کوئی مفلس اور فاقہ مست، کوئی بڑا نیک نام اور باعزت ہے، کوئی ذلیل و خوار اور بے عزت، کوئی نکوکار ہے کوئی بدکار۔ یہ اور اس قسم کا فرقی مراتب اور تفاوت، انسانی زندگی میں روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ اب اگر زندگی کے دن گزار کر وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ لیکن مر کر اٹھائے نہ جائیں تو یہ حکمت، عدل و مساوات اور شفقت رحمت سے بعید ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عالم آخرت کے برپا ہونے کا حکم صادر فرمایا اور حساب کتاب اور جزا و سزا کے احکام سنائے۔ اس لئے کسی شک و شبہ کے بغیر ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ عالم برپا ہوگا۔ اور ہر کس و ناکس کو حساب کتاب دینا ہوگا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ حلفیہ اس کا اعلان فرمائیں کہ:

رَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ  
بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ○ (تقابن: ۷)

”جو لوگ کافر ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ (ان سے کہو) کہ کیوں نہیں۔ میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔“

نیز فرمایا:

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعَدًّا  
عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ  
فِيهِ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ○ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا  
أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ (مل: ۳۸-۴۰)

”اور یہ لوگ اللہ کی سخت سے سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے۔ اسے اللہ (قیامت کے دن) قبر سے نہیں اٹھائے۔ (کیوں نہیں ضرور ایسا کرے گا)۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ

ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ (مردوں کا جانا) اس لئے (ضروری ہے) کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے رہے ہیں اللہ اصل حقیقت کو ان پر ظاہر کر دے اور یہ کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے بے شک جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کریں تو بس ہمارا کہنا اتنا ہی ہوتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتی ہے۔“

### ● آخرت پر ایمان کی فرضیت:

ایک زبردست اور پُرہول انقلاب کو دل سے ماننے اور اس کی تصدیق کرنے کا نام آخرت پر ایمان ہے۔ ایسا ہمہ گیر اور وحشت انگیز انقلاب جس کے بعد دنیا کی یہ زندگی فنا ہو جائے گی۔ اور نئی زندگی کا آغاز ہوگا! اس نئی زندگی کی ابتداء دایرِ آخرت میں ہوگی۔ جہاں حیرت انگیز اور عجیب و غریب حقائق رد نما ہوں گے۔ اور جملہ خلایق کی دوبارہ تخلیق، ان کا حساب کتاب، اور ان کے ساتھ سزا اور جزا کا معاملہ ہوگا۔ آخرت پر ایمان واجب ہی نہیں بلکہ دینِ اسلام کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جس پر بندۂ مومن کے عقیدے کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ آخرت پر ایمان لائے بغیر نہ ایمان کامل ہوتا ہے نہ ہی اصلاح اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ ○ (بقرہ: ۱۷۷)

”یعنی کچھ بھی نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ آدمی اللہ پر، اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی سب کتابوں پر

اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔“

بندۂ مومن کی زندگی میں عقیدۂ آخرت کی اہمیت اور اس پر استقامت کے نتیجے میں رونما ہونے والے خوش آئند اثرات اور بہترین نتائج کی بنیاد پر قرآن پاک نے اس عقیدے کو وہی درجہ دیا جو اللہ پر ایمان کے عقیدے کو حاصل ہے۔ اور اس پر یکساں توجہ دی۔ چنانچہ متعدد سورتوں اور سیکڑوں آیتوں میں کہیں اس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس دن کے آنے کی منظر کشی کی۔ اور نہایت تفصیل سے اس کی آمد کا ذکر کیا:

فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ نَفْحَةً وَاحِدَةً وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً فَيُؤْمِنُ بِوَعْدِ الرَّاقِعَةِ، وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ، وَالْمَلِكُ عَلَى أَرْجَائِهَا، وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَنِيَّةٌ، يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ، فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، فَيَقُولُ هَٰؤُلَاءِ أَقْرَبُ وَأَكْنِيبُهُ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلْكٌ حِسَابِيهِ، فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ، فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قَطَّوْفُهَا دَائِمَةٌ، كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ، وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ، فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتِ كِتَابِيهِ، وَلَمْ أَدْرِمَا حِسَابِيهِ، يَلَيْتَنِيهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ، مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيهِ، هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ، خُدُوهُ فَغُلُّوهُ، ثُمَّ الْحَجِيمَ صَلُّوهُ، ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ، إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ، وَلَا يَحْضُرُ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ، فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا حَمِيمٌ، وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسَلِينِ، لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ○ (حاقہ: ۳۷۱۳)

”تو جب صور میں ایک بار بھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جائیں گے۔ پھر وہ ایک ہی دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ تو وہ اس دن کروز ہوگا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر اتر آئیں گے۔ اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے اس روز تم سب لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی۔ تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ مجھ کو یقین تھا کہ میرا حساب چس آنے والا ہے۔ فرض وہ پسندیدہ عیش (یعنی) بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے بچھے ہوئے ہوں گے۔ (اور حکم ہوگا) خوب مزے سے کھاؤ، یہ ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گذشتہ دنوں میں کئے تھے۔ اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ اے

کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور مجھ کو خبر بھی نہ ہوتی۔ کہ میرا حساب کیا ہے کہ اچھا ہوتا کہ موت میرا کام تمام کر چکی ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میری سلطنت بھی مجھ سے جاتی رہی (فرشتوں کو حکم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں ڈال دو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اس کو جکڑ دو یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ فقیروں کے کھانا کھلانے کی (لوگوں کو) ترغیب دیتا تھا۔ تو نہ آج اس شخص کا کوئی دوست ہے اور نہ کھانے کی کوئی چیز نصیب ہے سوائے پیپ کے جس کو گنگناروں کے سوا اور کوئی نہ کھائے گا۔“

اور کہیں اس کی حقانیت کے ثبوت کے لئے دلائل پیش کئے۔ اور اس کی آمد کی تاکید

و توثیق کی۔ جیسے:

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّأَرْبَابٍ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ

○ (ج: ۶، ۷)

”یہ اس سبب سے کہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ضرور قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اور بلاشبہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں چلا اٹھائے گا۔“

نیز فرمایا:

زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ○ (تقابین: ۷)

”جو لوگ کافر ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ (ان سے) کہہ دو! کہ کیوں نہیں، میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔“

کہیں اس امر کا اظہار کیا کہ استقامت، عقیدہ آخرت کے بغیر ممکن نہیں ہے:

ذِكْمُ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ○ (طلاق: ۲)

”ان باتوں سے اس شخص کو صحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔“

نیز فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ  
وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۝ (آزاب: ۲۱)

”بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کے عمل) میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے (یعنی) اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو۔“  
کسیں یہ فرمایا کہ فلاح اور کامرانی صرف ان کیلئے ہے جو آخرت پر کامل ایمان رکھتے

ہیں۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۖ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْمُفْلِحُونَ ۝ (بقرہ: ۵۴)

”اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور کامیاب ہونے والے ہیں۔“

کسیں اس عقیدہ کا ذکر اللہ پر ایمان کے عقیدے سے جڑا ہوا ہے۔ تاکہ ایک طرف اس کی اہمیت کا احساس دلایا جائے اور دوسری طرف اس حقیقت کو ذہن نشین کیا جائے کہ

ل

ذٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۝ (بقرہ: ۲۳۲)

”اس حکم سے اس شخص کو صحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔“

مَعَهُ ۖ إِنَّمَا وَعَدُ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۖ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْمُفْلِحُونَ ۝ (لقمان: ۵۴)

”اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور کامیاب ہونے والے ہیں۔“

استقامت نفاذ اور خیرِ ربی زندگی میں یہ عقیدہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ  
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (بقرہ: ۶۲)

”بے شک مسلمانوں اور یہودیوں اور عیسائیوں اور صابیوں میں سے جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں، اچھے کام کریں تو ان کے اعمال کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس یقیناً ملے گا۔ اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا۔ نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

نیز فرمایا:

ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ○ (طلاق: ۴)

”ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔“

نیز فرمایا:

وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ○ (نساء: ۳۸)

”اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔“

ایمانیات کے ان دونوں بنیادی ارکان پر قرآن پاک کی اس قدر توجہ اور یاد دہانی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ قرآن کہیم کی نظر میں یہ ارکان روحانی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں ثبات و استقامت کے لئے ہر دو رکن پر ایمان اشد ضروری ہے اور اگر ان دونوں ارکان پر ایمان نہ رہا تو زندگی بھی بے جان ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ اور جو ان سے محروم رہا یا ان سے ہاتھ دھو بیٹھا وہ ہر فضیلت اور خیر سے محروم ہو کر فتنہ اور شر میں مبتلا ہوگا۔ اور بدترین خلائق میں اس کا شمار ہوگا۔

قصہ کو تاہ! اللہ اور آخرت پر ایمان ہر عقیدہ کی جز اور ایمانیات کی اساس ہے اسی پر انسانی ثبات، اس کی استقامت، اس کے اخلاق کی درستی اور اس کی روح کی پاکیزگی کا مدار ہے۔

اور اگر خدا نخواستہ انسان دولت ایمان سے خالی رہا تو اس کی حقیقت ایسے جانور کی سی ہوگی جس کے اندر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے کوئی خیر اور کوئی بھلائی نہیں۔ اس کی حقیقت سر تاپا شر اور فساد کی ہے۔ جس سے نہ وہ محفوظ ہوگا۔ نہ دوسروں کو اس سے امن اور حفاظت نصیب ہوگی۔ نہ ہی اس کی ذات سے کسی کو سکون اور راحت ملے گی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ وہ خیر کے منبع، فضیلت اور عظمت کے سرچشموں اور اعلیٰ انسانی قدروں سے بے بہرہ اور محروم ہے۔

### ● انقلاب کائنات (قیامت) کی نشانیاں:

مشاہدہ شاہد ہے کہ ہر زندہ چیز جیسے انسان، حیوان، یا نشوونما کے لائق چیزیں جیسے درخت، پودے، اور نباتات پر فنا سے پہلے فنا کی نشانیاں نمودار ہوتی ہیں۔ انسان کو دیکھو تو وہ جوان ہو کر بوڑھا ہوتا ہے۔ بیمار ہو کر لاغر و ناتواں ہوتا ہے۔ آخر یہ سب اس کی موت اور ہلاکت کی نشانیاں ہی تو ہیں۔ حیوانات بھی انسانوں کی طرح بوڑھے ہوتے ہیں بیمار ہو کر کمزور ہوتے ہیں۔ اور پھر مر کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ نباتات جیسے کھیتیاں پک کر پہلی پڑ جاتی ہیں۔ پھر سوکھ کر مرجھا جاتی ہیں۔ اور گر کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ مذکورہ بالا اشیاء کائنات کے اجزاء اور اس کے حصے ہیں۔ جن پر ہلاکت اور بربادی سے پہلے اس کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ جب یہ اجزاء فنا اور اس کی علامت قبول کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو لامحالہ کائنات بھی (جو کل کی حیثیت رکھتی ہے) فنا ہوگی۔ فنا اور تباہی و بربادی کے اثرات کو قبول کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ وحی الہی نے بطور خاص ان علامتوں کو ایک ایک کر کے بیان کیا۔ خدا کے فرستادہ بندوں نے ان سے ڈرایا۔ اور ان کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرًا ظَلَمًا فَآلَنِي

لَهُمْ إِذَا جَاءَ تَهُمْ ذِكْرُهُمْ ۝ (محمد: ۱۸)

”تو یہ لوگ بس قیامت کے خنجر ہیں کہ وہ ان پر اچانک آئے تو اس کی علامتیں آجھی ہیں۔ تو جب قیامت ان (کے سر) پر آئے گی تو اس وقت ان کو نصیحت حاصل کرنا



کہاں (مفید ہوگا۔)

وحی الہی کی روشنی میں قیامت کی بعض علامتیں یہ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت —  
معجزہ شق القمر۔

### ● بعثت نبوی:

حضور کی بعثت بجا طور پر قیامت کی ایک علامت ہے اس لئے کہ آپ کی نبوت کے ذریعے حق تعالیٰ نے پچھلی نبوتوں کی تکمیل فرمادی۔ اور اب آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ ختم نبوت کا یہ فیصلہ دراصل دنیا کی اس زندگی کے اختتام کا بانسابطہ اعلان ہے اور بندوں کو اس امر سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ نبی آخر الزماں کے بعد سے تا قیامت کسی نبی کے آنے کا انتظار نہ کریں۔ نہ ہی یہ گمان کریں کہ کوئی اور نبی آکر اس شریعت میں ترمیم یا رد و بدل کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نہایت وضاحت سے فرمایا۔

”میں اور قیامت — کلمہ اور سچ کی انگلی کو ملا کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: — اسی طرح (متصل) بھیجے گئے۔“

(مشفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان: ۳۱۳/۳، بخاری: ۶۰۲/۶، مسلم: ۲۰۸/۸، ۲۰۹)

### ● معجزہ شق القمر

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ بھی قیامت کی ایک علامت ہے اسی لئے باری تعالیٰ نے قرب قیامت کے ساتھ اس واقعہ کو جوڑتے ہوئے فرمایا:

إفْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ

مُسْتَمِرٌّ، وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكَلُّوا أَمْرٌ مُسْتَقَرٌّ ○ (قرآن: ۳۱)

”قیامت قریب آنے لگی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ

پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی

خواہشوں کی پیروی کی۔ اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔“

”حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ

سے درخواست کی کہ نبوت پر آپ کوئی معجزہ دکھائیں۔ حضور نے دعا فرمائی اور چاند کے دو

ٹکڑے ہوئے ایک ٹکڑا جبل ابوقیس کے ادھر (چلا گیا) تھا کہ والوں نے اس معجزے کو اپنی

آنکھوں سے دیکھا تھا۔“

(اللوٹو والمرحان: ۲۰۸/۳، بخاری: ۲۵۱/۳، مسلم: ۱۳۳۲/۸)

اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ: ابتدائے آفرینش سے حق تعالیٰ نے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے۔ تاکہ ان کے ذریعے بندوں کی اصلاح اور رہنمائی کا اہم ترین کام انجام پائے۔ اور انسان دنیا اور آخرت میں کمال کے اس اعلیٰ مقام پر فائز جس کے لئے حق تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت کو ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم کر دیا۔ آپ کو نبی آخر الزماں کا منصب عطا فرمایا۔ اور آپ کو وہ مکمل ترین شریعت عطا فرمائی جو پچھلی شریعتوں کے لئے حرف آخر ثابت ہوئی۔ اور یہ اعلان فرما دیا کہ آپ خدا کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس پس منظر کے ساتھ حضور کی بعثت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب دنیا کی زندگی زیادہ نہیں رہی۔ اور چونکہ آپ کی لائی ہوئی شریعت دنیا والوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ لہذا اب نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے اور نہ پہلے کی طرح کوئی شریعت آئے گی۔ جو اس شریعت کی تجدید یا اس میں ترمیم و تنسیخ کا کام انجام دے گی۔ اس لئے آپ کی بعثت دنیا کی زندگی کے اختتام اور قرب قیامت کی واضح علامت ہے۔

رہیں نکوئی یا خارق عادت علامتیں جو قیامت کے قریبی زمانے میں رونما ہوں گی اور جن کو وحی الہی کی رو سے علامت قیامت کا درجہ ہے۔ ان میں ایک علامت حضرت عیسیٰ ﷺ کا ایک منصف حاکم کی حیثیت سے زمین پر نزول ہے۔ سورہ زخرف میں ہے:

وَإِنَّهُ لَعَلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ ۝ (زخرف: ۶۱)

”عیسیٰ تو قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ تو تم قیامت میں شک نہ کرو۔“

مذکورہ بالا ارشاد حضرت عیسیٰ ﷺ کے اس تذکرے کے بعد وارو ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُونُ ۖ وَقَالُوا أَالِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۚ وَلَوْ نَشَاءُ

لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُقُونَ، وَإِنَّهُ لَعَلَّمَهَا لِلشَّعَاةِ ○  
(زخرف: ۷۵-۷۶)

○ ”اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا تو تمہاری قوم کے لوگ (خوشی کے مارے) اس سے چلانے لگے۔ اور انہوں نے کہا کہ بھلا ہمارے معبود ایچھے ہیں یا عیسیٰ (اے پیغمبر انہوں نے جو عیسیٰ کی مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھٹلے کے لئے۔ بلکہ یہ لوگ جھگڑا لوبی ہیں عیسیٰ تو صرف ایک بندے ہیں۔ جن پر ہم نے احسان کیا تھا۔ اور ان کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ایک نشانی بنایا تھا۔ اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے۔ جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے۔ اور (اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ) عیسیٰ تو قیامت کی ایک نشانی ہیں۔“

● — قربِ قیامت کے وقت جہاں عجیب و غریب حالات رونما ہوں گے۔ اسی وقت زمین سے ایک عجیب الخلق جانور نکلے گا۔ اور لوگوں سے گفتگو کرے گا۔ جس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ  
النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ○ (نمل: ۸۲)

○ ”اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا۔ تو ہم ان کے لئے، مٹی سے ایک ایسا جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا۔ اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔“

● — قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کی دیوار ڈھا جائے گی۔ اور یاجوج ماجوج جیسی مفسد اور غارت گر قوم ملکوں میں آکر فساد مچائے گی۔ اور لوٹ مار کرے گی۔ اور لوگوں کو دہشت زدہ کرے گی۔ ارشاد ہے:

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ  
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارِ الَّذِينَ كَفَرُوا ○  
(انبیاء: ۹۶-۹۷)

”یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے۔ اور وہ زمین کی ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے۔ اور (قیامت کا) سچا وعدہ قریب تر آجائے گا۔ تو اس وقت کافروں کی آنکھیں (دہشت سے) پٹی کی پٹی کی پٹی رہ جائیں گی۔“

قیامت کی یہ علامتیں قرآن پاک میں وارد ہیں۔ احادیث مقدسہ جو وحی الہی کا ایک حصہ ہیں۔ قیامت کی علامتیں ان میں بھی وارد ہیں۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”ہم بات چیت کر رہے تھے کہ حضور ﷺ نے جھانک کر دیکھا اور فرمایا، کیا تذکرہ کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ جب تک دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے قیامت برپا نہ ہوگی۔ یہ فرما کر حضور نے دُخان (دھواں) دجال، دابۃ الارض (زمینی جانور) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کا اترنا اور یاجوج ماجوج (کا خروج کرنا) بیان کیا۔ اور تین جگہ زمین کے دنس جانے کا ذکر کیا۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں، ایک جزیرہ عرب میں، اور سب سے آخر میں اس آگ کا ذکر کیا جو یمن سے برآمد ہوگی اور سب لوگوں کو ہانک کر میدان حشر میں لے جائے گی۔“ (۱۷۹/۸)

قیامت کی یہ بڑی اور اہم علامتیں ہیں۔ ان سے پہلے بکثرت چھوٹی علامتیں رونما ہوں گی اور یہ واقعہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے سے آج تک بے شمار علامتوں کا ظہور ہو چکا ہے۔ ان ظہور پذیر علامتوں کے ذکر سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ جب بھی قیامت کی اہم اور بڑی علامتیں ایک ایک کر کے ظاہر ہوں گی ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور جس طرح موتی کی لڑی ٹوٹ جانے پر موتیاں لگا تار گرتی ہیں۔ یہ علامتیں قلیل عرصے میں ایک کے بعد ایک پیش ہو کر رہیں گی۔ ان بڑی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی یہ ہوگی کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔

”حضور ﷺ فرماتے تھے۔ (قیامت کی) سب سے پہلی نشانی کا ظہور یہ ہوگا کہ مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع ہوگا۔ اور چاشت کے وقت دابۃ الارض کا خروج ہوگا۔ ان دونوں میں سے جو کوئی بھی پہلے ہوگا۔ دوسرا فوراً ہی اس کے بعد ہوگا۔“

(مسلم: ۲۰۲/۸)

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کی کوئی ایک بڑی علامت کے ظہور کے بعد توبہ کا

دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔ پھر نہ کسی کا ایمان معتبر ہوگا۔ جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا۔ نہ کسی ایسے آدمی کی نیکی قبول ہوگی جس نے پہلے سے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہ کیا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِي رَبُّكَ أَوْ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ أَمْتًا مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَضِرُوا إِنَّا مُمْتَضِرُونَ ○ (انعام: ۱۵۸)

﴿ترجمہ﴾ کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ (آسمان سے) فرشتے ان کے پاس آئیں۔ یا خود تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں۔ جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں گی۔ (اس دن) کسی انسان کو جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا۔ ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہ کیا ہو۔  
ذیل میں قیامت صغریٰ کا حال من و عن احادیث سے نقل کیا جاتا ہے۔ ان میں بعض علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور کچھ کا ظہور آئندہ ہوگا۔  
— صحیحین میں ہے:

”حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑے گروہوں کے درمیان زبردست لڑائی نہ ہوگی۔ ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔“  
(مسلم: ۱۷۰/۸، اللؤلؤ والمرجان: ۳/۳۰۳، بخاری: ۲۴۳/۴)

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے تین (علامتوں) کے ظہور کے بعد کسی انسان کو جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ نہ کسی کی نیکی کام دے گی۔ جس نے اپنے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔ وہ مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہوتا۔ دجال اور ابابہ الارض کا خروج۔ (مسلم: ۹۶/۹۵)

بخاری میں ہے جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہوگا قیامت نہ آئے گی۔ جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اور سبھی لوگ اسے دیکھ لیں گے۔ تب کسی انسان کو جو پہلے ایمان نہ لایا ہوگا۔ ایمان لانا کچھ نہ دے گا۔ نہ کسی کی نیکی کام دے گی جس نے اپنے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔ (اللؤلؤ والمرجان: ۱۳۲/۷)

(۳۱/۱)

اور جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس علامت کا ظہور ہو چکا ہی اس لئے کہ دو بڑے گروہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اعموان و انصار اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین ہیں۔ اور زبردست جنگ سے مراد معرکہ صفین ہے۔

۲ — مسلم میں ہے:

”حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک ہرج کی کثرت نہ ہوگی قیامت پانا نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہرج سے کیا مراد ہے۔ فرمایا قتل! قتل!“

(مسلم: ۱۷۰/۸، اللؤلؤ والمرجان: ۳/۳۰۳، بخاری: ۴/۲۴۳)

یہ علامت عملاً ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں آئے دن جنگ کا میدان گرم ہوتا ہے۔ جس میں مقتولین کی تعداد دس بیس اور سینکڑوں نہیں، ہزاروں لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے جب کہ اعداد و شمار کے ایک سے زیادہ ماہرین نہایت وثوق سے کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں ہونے والی اسلامی جنگوں میں — جن کا سلسلہ کم و بیش دس سال تک جاری رہا — شہداء اور مقتولین کی مجموعی تعداد دو ڈھائی ہزار سے آگے نہ بڑھ سکی۔

۳ — صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”حضور ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک فرات سے ایک سونے کا پاڑ ظاہر نہ ہوگا۔ جس پر لوگ مارے جائیں گے۔“

(مسلم: ۱۲۳/۸، اللؤلؤ والمرجان: ۳/۳۰۵، بخاری: ۹/۷۳)

یہ علامت اب تک ظاہر نہیں ہوئی۔

۴ — صحیح مسلم میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”عراق اپنے درہم اور قفیز روک لے گا۔ شام اپنے مدی اور دینار کو روک لے گا۔ اور مصر اپنے اردب اور دینار کو روک لے گا۔ اور تم جہاں سے شروع سے چلے تھے وہیں لوٹ آؤ گے۔“

۱۔ ”یہ تعداد میں نے برادر بن عبد اللہ بن علی رضی اللہ عنہ کی زبانی سنی اور ان سے استفادہ کیا۔ صاحب موصوف نے اسے نہایت مستند بتایا۔ جس میں شک کی گنجائش نہیں۔“

(مسلم: ۱۷۵/۸)

اس علامت کا ظہور ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ ہوا خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہوا اور عراق، شامی اور مصری خود مختار ہو کر اپنے اپنے ملکوں کے حکمراں ہوئے۔ اور اہل حجاز ان علاقوں کی فتوحات سے پہلے جہاں تھے وہیں رہ گئے۔ یہ حدیث نبوت محمدی ﷺ کی تائید اور صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اس لئے کہ یہ پیشین گوئی آپ نے اس وقت فرمائی جب اسلام جزیرہ نما کے عرب سے آگے نہیں بڑھا تھا آپ نے خبر دی کہ عراق، شام، مصر فتح ہو کر واز الاسلام قرار پائے گا۔ اور ان علاقوں سے کثیر مقدار میں مال سمٹ کر حجاز آئے گا۔ پھر ایسے انقلابات رونما ہوں گے کہ ان ملکوں سے خراج آنا بند ہو گا۔ اور یہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔ اور کوئی کسرباقی نہیں رہی۔ نبی برحق اور خدا کے سچے رسول پر ہمیشہ رحمتوں اور سلامتی کا نزول ہو۔ افسوس وہ لوگ اپنا کس قدر نقصان کرتے ہیں جو آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہیں اور آپ کی کمال پیروی نہیں کرتے۔

۵ — صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ سرزمین حجاز سے ایک ایسی آگ نہ نکلے گی جس سے بصرہ کے اونٹوں کی آدھیں چمک جائیں گی۔“

(اللوٹو والمرجان: ۳۰۵/۳، بخاری: ۴۳/۹، مسلم: ۱۸۰/۸)

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ علامت ظاہر ہو چکی ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی مشرقی سمت میں پتھر ملی زمین پر نہایت تیز آگ نمودار ہوئی اور ایک عرصہ تک اس کا لاؤ بھڑکتا رہا۔ یہ آگ بھرئی (شام) سے نظر آتی تھی۔ اور تب سے اس سرزمین کے پتھر جل کر آج تک کولے کی طرح سیاہ ہیں۔ یہ آگ ۳ جمادی الاخر ۶۵۶ھ چار شنبہ کی رات میں ظاہر ہوئی۔

۶ — صحیحین میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل ہے کہ:

”قیامت بڑا ہونے سے پہلے دوس قبیلہ کی عورتوں کے سرن بمقام تبالہ ذی الخلفہ کے آس پاس طواف کرتے ہوئے ملیں گے۔ ذی الخلفہ تبالہ میں ایک بت تھا، جاہلیت کے زمانے میں دوس والے اس کی پرستش کرتے تھے۔“

(مسلم: ۱۸۲/۸، اللوٹو والمرجان: ۳۰۶/۳، بخاری: ۴۳/۹)





نسلوں نے دنیا کو خیر باد کہا جن کی تربیت انسانیت کے عظیم محسن اور ربی اعظم نے اپنے دست خاص سے فرمائی تھی۔ یا آپ کے بعد آپ کے صحبت نشینوں نے کی تھی۔ اور پھر ان کے بعد جن لوگوں نے عرصہ حیات میں قدم رکھا۔ چونکہ وہ حضور ﷺ کے فیض صحبت سے محروم تھے اس لئے اس نشہ توحید اور بادۂ ہدایت سے بھی وہ سرشار نہ تھے جن سے ان کے اسلاف بہرہ ور تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ توحید میں شرک کی آمیزش ہوئی۔ عقائد میں بگاڑ رونما ہوا۔ اور اب شیطان نے بھی چین کا سانس لیا۔ اس کی حسرت ویاس شادمانی اور مسرت میں بدل گئی اس نے پر پرزے نکالے، اور امت محمدیہ کے سامنے شرک اور شرکیہ کاموں کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں توحید کی جگہ شرک کا چرچا ہوا۔ اور ہر چہار جانب شرک کا بازار گرم ہو گیا۔ آج امت کا جو منصف چاہے اس حقیقت کا پچشم خود مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اور اس کی تصدیق کر سکتا ہے۔ اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر بھلا کون جچ کہہ سکتا ہے۔ جس کا ارشاد ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ○ (یوسف: ۱۰۶)

”اور ان میں اکثر لوگ جو اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔“

۷ — صحیحین میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

”قیامت برپا ہونے سے پہلے ایک قطانی آدمی نکل کر لاشی سے لوگوں کو ہانکے گا۔“

(اللؤلؤ والمرجان: ۳/۳۰۷، مسلم: ۱۸۳/۸، بخاری: ۷۳/۹)

یہ علامت اب تک ظاہر نہیں ہوئی۔

۸ — صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ مسلمانوں کی بیویوں سے جنگ نہ ہوگی۔ مسلمان بیویوں کو قتل کریں گے یہاں تک کہ یودی پتھریا درخت کی آڑ میں چھپ جائیں گے۔ مگر وہ درخت یا پتھر کے گا اے مسلمان، اے خدا کے بندے میرے پیچھے یہ یودی ہے۔ اگر اس کو قتل کر، ہاں درخت غرق نہیں کئے گا۔ یہ درخت یود ہے۔“

(متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں ۱۸۸/۸۰، بخاری ۵۱/۳، اللؤلؤ والمرجان ۳/۳۰۸)

قیامت کی اس علامت کے آثار دنیا کے افق پر پوری طرح نمودار ہو چکے ہیں اس لئے کہ سرزمین فلسطین پر مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ خون ریز جنگیں لڑی ہیں اور یہ جنگیں اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک کہ مسلمانوں کو کھلی ہوئی فتح نصیب نہ ہوگی۔ اور فلسطین کی زمین یہودیوں کے وجود سے پاک نہ ہوگی۔

۹ — حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”ان فتنوں سے پہلے جلدی جلدی نیک اعمال کر لو۔ جو تاریک رات کی طرح چھا جائیں گے۔ (اور یہ حالت ہو جائے گی کہ) آدمی صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ شام کو مومن ہو گا تو صبح کافر ہو جائے گا۔ دنیوی سامان کے عوض اپنے دین کو فروخت کر ڈالے گا۔“

(مسلم ۷/۱)

اس علامت کا ظہور ہو چکا ہے۔ اور جیسا کہ صداقت پر مبنی اس روایت میں وارد ہے۔ اس امت کے بے شمار ایمان فروشوں نے بڑھ بڑھ کر اپنے دین و ایمان کا سودا کیا ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔)

### ● قیامت سے قریب تر علامتیں:

ذیل میں قرب قیامت کی کچھ اور علامتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ یہ نشانیوں قیامت سے بے حد قریبی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے سردست ان میں سے کوئی علامت ظہور پذیر نہیں ہوئی۔

۱ — حضور ﷺ فرماتے تھے۔

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا۔ اور روز قیامت تک غالب رہے گا۔ پھر عیسیٰ بن مریم (ﷺ) نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا امیر کے گا آئے ہم کو نماز پڑھا دیجئے۔ ابن مریم (ﷺ) اس امت کی خدا داد عزت کا لحاظ کرتے ہوئے کہیں گے نہیں تم میں سے ہی بعض بعض کے سردار ہوں گے۔“

(مسلم ۹۳/۱، ۹۵، اللؤلؤ والمرجان ۳۱/۱)

۲ — حضور ﷺ نے فرمایا:

”جس وقت قیامت برپا ہوگی تو بعض لوگ دودھ دوہتے ہوں گے اور دودھ ان کے منہ تک نہ جانے پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کر رہے ہوں گے اور سودا ختم نہیں کر پائیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ ایک شخص اپنے حوض کو لیس رہا ہو گا لیس کر باہر نہ نکلنے پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔“

(الفاظ مسلم کے ہیں ۳۱۰/۸، بخاری میں اس کا مفہوم درج ہے ۷/۹)

۳ — صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”خدا کی قسم ابن مریم (ﷺ) ضرور بحیثیت منصف بیچ ہونے کے نازل ہوں گے، وہ یقینی طور پر صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔ اوشنیاں چھوڑ دی جائیں گی اس پر سوار ہو کر دوڑنے کی جائے گی۔ باہمی کینہ اور حسد جاتا رہے گا۔ ابن مریم (ﷺ) لوگوں کو مال لینے کے لئے بلائیں گے مگر کوئی قبول نہ کرے گا۔“

متفق علیہ۔ الفاظ مسلم کے ہیں ۹۳/۱، اللؤلؤ والمرجان ۳۱/۱، بخاری مفہوم یہی ہے۔ ۱۰۱/۳، ۱۰۲/۱

۴ — صحیح مسلم میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے قریب خدا تعالیٰ یمن سے ایک ہوا اٹھائے گا۔ جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی اور جس شخص کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو گا اس کی روح قبض کر لے گی۔“

(مسلم ۷/۱)

۵ — صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”قیامت صرف بدترین آدمیوں پر برپا ہوگی۔“

(مسلم ۲۰۸/۸، اللؤلؤ والمرجان ۳۱۳/۳)

۱ بخاری میں ہے ”تمسار کیا حال ہو گا جب ابن مریم (ﷺ) تم میں نازل ہوں گے لیکن تمہاری امامت تم میں

سے ایک آدمی ہی کرے گا۔“ (۳۰۳/۳، ۳۰۵)

۲ بخاری میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ”بدترین خلقت وہ لوگ ہیں جو اس وقت زندہ ہوں گے جب

قیامت آجائے گی۔“ (۷/۹)

## ● قیامت کبریٰ کا آغاز:

جب بارگاہ ایزدی سے اس بھری پری کائنات اور دنیا کی زندگی کے اختتام کا فیصلہ صادر ہوگا تو باری تعالیٰ فنا کا صور پھونکنے کے لئے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں ایک پھونک ہائیں گے۔ اس کی آواز ایسی خوفناک اور ڈراؤنی ہوگی کہ کائنات اور ایک ایک چیز لرز اٹھے گی۔ پھر ہر چیز کا بند بند ٹوٹ جائے گا۔ زمین انتہائی تیز زلزلے کی زد میں ہوگی۔ بڑے بڑے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔ اور پھر ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر فنا اور برباد ہو جائے گی۔

قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ کشش ثقل کا مانا ہوا نظام بھی درہم برہم ہو جائے گا۔ ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے سورج کی روشنی جاتی رہے گی۔ ہر روشن چیز ماند پڑ جائے گی۔ تمام چیزیں اپنا وجود کھو دیں گی۔ اور آسمان کی چھوٹی بڑی ایک ایک چیز اس طرح پکھل جائے گی جس طرح تانبا پکھل جاتا ہے۔ غرض کائنات نہ ہوگی۔ اور اس کی جگہ ہر طرف کھر، دھند، اور دھواں دھواں ہو گا جیسے تخلیق کائنات سے پہلے چاروں طرف کھر اور دھواں پھیلا ہوا تھا۔

سے اور حضرت انسان جو اپنے آپ کو کائنات کا مختار کل سمجھتا ہے یہ شیخی بھارنے اور اترانے پر آتا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے سے بھی آگے بڑھ جانے کی سوچتا ہے۔ یہ تحیف و ناتواں ذرہ بے مقدار جب اس ہولناک قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ اس کی کھڑکڑاہٹ کو اپنے کانوں سے سنے گا تو یقیناً اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ اس کی قوت تیز جاتی رہے گی اس کے حواس محفل ہو جائیں گے اس کا دماغ مل جائے گا۔ اور اس کی حیثیت حیرت علی کی سی ہو جائے گی جو ہر قسم کے شعور اور سوجھ بوجھ سے خالی ہوتی ہے۔ پھر وہ اوھر اوھر دوانے دار مارا مارا پھرے گا۔ ہول اور دہشت سے غش کھا کر ایسا بن جائے گا جیسے نشہ میں ہے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوگا۔ اس دن دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیئے بچوں کو بھول جائیں گی۔ اور مثل دایلوں کے مثل ساتھ ہو جائیں گے۔

گے اس کا صدق یہ آیت ہے۔

● — يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ○ (معارج: ۸)

”اس روز آسمان پھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔“

فَإِنَّا انشَقْنَا السَّمَاءَ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ○ (رحمن: ۳)

”پھر جب آسمان پھٹ کر ٹھسٹ کی طرح لال ہو جائے گا۔ (تو وہ کیسا ہولناک دن ہوگا۔“

تنبیہ: خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کبریٰ کی ایک ایک تفصیل کسی تکوینی نظریہ، عوامی کمات، یا افواہوں پر مشتمل نہیں۔ نہ غیبی، اور پوشیدہ خبریں دینے والے اس سلسلے میں کسی قسم کی خبر دے سکتے ہیں۔ انہیں یا کسی فرد بشر کو قیامت کا ذرہ برابر علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ تمام تر اطلاعات محض وحی الہی کا نتیجہ ہیں۔ جسے جبرئیل علیہ السلام خدا کی طرف سے حضور ﷺ کے پاس لے کر آئے اور آپ کے قلب اطہر پر اس کو منکشف کیا۔ اس لئے قیامت کا واقعہ اور اس کی ایک ایک علامت قطعی برحق اور درست ہے۔

کائنات کے اندر اور باہر جاری ہونے والے اس عظیم انقلاب کی کچھ الہامی تفصیل

ذیل کی آیات میں وارد ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَدِيدَةٌ عَظِيمَةٌ يَوْمَ تَرُزُّهَا  
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا  
وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝  
(حج: ۲۱)

”اے لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب) سے ڈرو۔ بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑا ہی سخت ہوگا جس دن تم اس زلزلہ کو دیکھو گے تو اس دن تمام دودھ پلانے والی عورتیں دودھ پینے بچوں کو بھول جائیں گی۔ اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے۔ اور تم لوگوں کو ایسی حالت میں دیکھو گے گویا وہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب (بڑا ہی) سخت ہے۔“

● الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ وَمَا أَذْرَكَ مَا الْقَارِعَةُ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ  
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝ (القارعة: ۱-۵)  
”وہ کھڑکھڑا دینے والی چیز (یعنی قیامت) وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟ اور تم کو معلوم ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟ جس دن لوگ ایسے ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پتے، اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے ڈھکی ہوئی رنگ برنگ کی روٹی۔“

● يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ وَلَا

يَسْتَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا يُبْصِرُونَ نَهُمْ يَوْمَئِذٍ لَوْ يَنْتَدِي مِنْ عَذَابٍ  
يَوْمِئِذٍ بَيْنَهُ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ، وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤَيِّدُ، وَمَنْ فِي الْأَرْضِ  
جَمِيعًا لَأَمَّا يُنْجِيهِ كَلَّا إِنَّهَا لَأَطْيٰى ○ (معارج: ۱۵۲۸)

”اس روز آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ اور پہاڑ (دھکی ہوئی) رتھیں روٹی کی طرح ہو جائیں گے۔ اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان حال نہ ہوگا۔ (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ (اس روز) گنہگار یہ خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلہ میں (سب کچھ) دے دے۔ (یعنی) اپنے بیٹے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور جتنے آدمی زمین پر ہیں (غرض) سب کچھ (دے دے) اور خود کو عذاب سے چھڑالے۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ وہ آگ ہے۔“

● — إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا وَقَالَ  
الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ○ (زلزال: ۳۱-۳۲)

”جب زمین بڑے زور کے زلزلے سے ہلا دی جائے گی۔ اور زمین اپنے اندر کا سب بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ اور (یہ حالت دیکھ کر) انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟“

● — إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ، وَإِذَا الْكُورُكِبِ انْتَثَرَتْ، وَإِذَا الْبِحَارُ  
فُجِعَتْ ○ (انفطار: ۳۱-۳۲)

”جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب دریا (ادھر ادھر) بہ جائیں گے۔“

● — إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ، وَإِذَا الْجِبَالُ  
سُوِّرَتْ، وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ، وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ، وَإِذَا الْبِحَارُ  
سُجِّجَتْ ○ (تکویر: ۶۷)

”جب آفتاب لیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب

پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی گاہیں اونٹنیاں بے کار چھٹی بھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) جمع ہو جائیں گے اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے۔“

● — إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لِقَوِّعَتِهَا كَادِبَةٌ خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا فَكَانَتْ هَبَاءً مُتَّبِنًا ○

(واقعہ: ۶۷۱)

● ”جب قیامت ہوگی۔ جس کے واقعہ ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں ہے۔ تو وہ پست و بلند کر دے گی جب کہ زمین سخت زلزلہ سے لرزنے لگے گی۔ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار ہو کر اڑنے لگیں گے۔“

### ● پہلی زندگی کا خاتمہ اور نئی زندگی کا آغاز:

عالم آخرت کا اور اک: وہاں درپیش نئی زندگی کی معرفت اس کا آغاز: اور اس کے وجود میں آنے کی کیفیت کو انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ البتہ جہاں تک عقل کی رسائی ہوتی ہے انسانی عقل اس کو محال نہیں عین ممکن سمجھتی ہے۔ اور یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس دنیوی زندگی کی طرح بلکہ اس سے زیادہ بہتر اور ممتاز شکل میں ایک اور عالم برپا ہونے والا ہے۔ اور اس عالم کی زندگی اس زندگی سے بہتر اور زیادہ ترقی یافتہ ہوگی۔ اس لئے کہ جس مختار کل اور خلاق اعظم نے اس کائنات کو پیدا کیا۔ اس سے بہتر اور اعلیٰ و ارفع عالم کی تخلیق اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

انسانی عقل کی اس نارسائی کے بعد عالم آخرت کی تفصیل جاننے کے لئے وحی الہی پر کلی اعتماد ضروری ہو جاتا ہے جو آسمانی کتابوں اور خدا کے پیغمبروں کی زبانی ہمارے سامنے موجود ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو ماخذ کے تحت جو کچھ بھی معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت اسرافیل عليه السلام خدا کے حکم سے پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے اور جس کے بعد سارا عالم فنا ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے۔ گذرا اس کے چالیس سال کے بعد۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ چالیس سال ہمارے دنیا کے شب و روز کی طرح ہوں گے یا ان کا شمار اس نظام شمسی سے ماورا

کسی اور نظام کے مطابق ہو گا۔ بہر کیف اس مدت کے بعد — آسمان سے پانی برسے گا اور جس طرح بارش کے بعد زمین کے اندر دبے ہوئے بیج سے کلمہ پھوٹتا ہے تمام انسان جسم کی ایک مخصوص چھوٹی سی ہڈی (پشت کی ہڈی) سے مثل سبزے کے اُگ جائیں گے۔

اس تخلیق اور نشوونما کے بعد جب انسانی جسم کا ڈھانچا مکمل ہو کر زمین کے اوپر ایستادہ ہو گا اور اس کے اندر صرف روح کی کمی باقی رہے گی۔ (جس کے بعد ان کے اندر جان پڑے گی اور حرکت اور عمل شروع ہو گا) حکم خداوندی سے ان کے اندر روح پھونکی جائے گی۔ اور یہ روہیں وہی ہوں گی جنہیں دنیا کی زندگی میں ہر شخص کی موت کے وقت، موت کے فرشتے نے قبض کیا۔ پھر خدا کے حکم سے انہیں مخصوص مقام پر ودیعت کیا۔ چنانچہ پاک اور صالح ارواح کا مقام اعلیٰ علیین طے ہوا۔ جو اہل جنت کا نہایت اعلیٰ ذمہ ہے۔ یہ مقام انہیں ان کے ایمانِ راسخ اور عملِ صالح اور شرک و معصیت سے کھلی پرہیز کے نتیجے میں مرحمت ہوا۔ ناپاک اور بداروح کو اسفل السافلین میں رکھا گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے کفر اور معصیت کا ارتکاب کیا اور اپنے پیدا کرنے والے کی دل کھول کر نافرمانی کی۔ ان عارضی حفاظت گاہوں سے نکل کر روہیں اپنے جسموں میں داخل ہوں گی۔ اور اس کنارے سے اس کنارے تک تمام انسان جیتے جاگتے اور زندہ و تابندہ ہو جائیں گے۔ پھر حق تعالیٰ کا منادی آواز دے گا۔ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاؤ۔ اس آواز کو ہر کوئی سنے گا اور اس کا جواب دے گا۔ زمین پھٹ پڑے گی۔ اور جی اٹھنے کے بعد ہر کوئی اپنے آپ کو محشر میں کھڑا پائے گا۔

حشر و نشر اور مرنے کے بعد اٹھانے جانے کے تعلق سے مذکورہ بالا سچی اور خدا لگتی باتیں، قرآن پاک میں بکثرت وارد ہیں۔ احادیث میں جا بجا اس کی تفصیل ملتی ہے۔ اور اس یقین کے ساتھ بار بار انہیں دہرایا گیا ہے۔ جس کا انکار یا جس کے بارے میں شک و شبہ کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ چند آیتیں اور حضور ﷺ کا ایک ارشاد پیش کیا جاتا ہے۔

● — فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ، وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً، فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ، وَانْشَقَّتْ



السَّمَاءُ فِيهِ يَوْمِيذٌ وَاهِيَةٌ وَالْمَلَكُ عَلَى أَرْجَائِهَا ط وَيَحْمِلُ عَرْشُ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمِيذٌ ثَمِينَةٌ يَوْمِيذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝

(الحاقة: ۱۸۲-۱۸۴)

● ”تو جب صور میں ایک بار بھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جائیں گے۔ پھر وہ ایک دفعہ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کزور ہو گا اور فرشتے اس کے کناروں پر اتر آئیں گے اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس روز تم سب لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی۔“

● — وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَاللَّيْلَةُ الْمَاصِيَتْ يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝ (ق: ۳۲-۳۴)

● ”اور سنو کہ جس روز پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا اور جس روز سب لوگ یقیناً اس چیخ کو سن لیں گے (اور قبروں سے) نکلنے کا یہی دن ہو گا۔ بلاشبہ ہم جلاتے اور ہم ہی مارتے ہیں۔ اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین مردوں سے پھٹ جائے گی۔ (اور وہ) جھٹ پٹ (نکل کھڑے ہوں گے) یہ جمع کرنا ہمارے لئے آسان ہے۔“

● — يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نَكْرٍ خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُنتَشِرٌ مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكٰفِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝ (قمر: ۸۲)

● ”جس دن بلانے والا ان کو ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا تو آنکھیں نیچی کے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا بکھری ہوئی ہڈیاں ہیں (اور) بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے کافر کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔“

● — يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَٰلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ○ (مہارج: ۳۳، ۳۴)

● ”وہ اس دن قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے گویا وہ کسی مقررہ نشانہ کی طرف دوڑتے ہیں ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“

● — فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلِ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ○ (اسراء: ۵۲، ۵۳)

● ”وہ کہیں گے کہ ہم کو دوبارہ زندہ کون کرے گا تم کہہ دو کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تم کو پیدا کیا۔ یہ سن کر وہ لوگ (تجب سے) تمہارے آگے سر ہلائیں گے اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہوگا؟ تم کہہ دو کہ جب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہو جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پکار کا جواب دو گے۔ اور ایسا خیال کرو گے کہ تم دنیا میں بہت کم مدت رہے۔“

صحیحین میں بالفاظِ مسلم یہ روایت وارد ہے۔ ”دو مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا فصل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے دریافت کیا۔ چالیس دن کا فصل ہوگا؟ فرمایا مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا چالیس مہینہ ہوگا؟ فرمایا مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا۔ چالیس برس ہوگا؟ کہنے لگے مجھے اس سے انکار ہے۔ اس کے بعد آسمان سے پانی اترے گا جس سے لوگ ایسے اگیں گے جیسے سبزی اگتی ہے۔ انسان کی ہر چیز سوائے ایک ہڈی کے فنا ہو جاتی ہے۔ وہ ہڈی ذم (پشت کے پاس) کی ہڈی ہے۔ قیامت کے دن مخلوق اسی

سے جوڑ کر اٹھائی جائے گی۔<sup>۱</sup>

(اللوٹو والمرجان: ۳/۳۱۵، بخاری: ۶/۱۵۸، ۲۰۵، مسلم: ۸/۲۱۰)

### ● حشر اور میدانِ قیامت کی سخت ترین پیشی:

حشر کیا ہے۔؟ دوسری زندگی کے بعد جملہ خلائق قبروں سے نکل کر ایک میدان میں اکٹھا ہوں گے۔ یہ قیامت کا میدان کہلائے گا۔ اور یہیں ان کی قسمت کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ اور ان کے کردار کی سزایا جزا ملے گی۔ میدانِ حشر میں لوگ قبروں سے نکلے بدن ننگے پیر اور بغیر ختنہ کئے ہوئے انھیں گے اور جیسے حق تعالیٰ نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ، وَعَدَا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ○

(الانبیاء: ۱۰۳)

● ”جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریں

گے (یہ) وعدہ ہمارے ذمہ ہے۔ یقیناً ہم ایسا ضرور کرنے والے ہیں۔“

صحیحین میں حضور ﷺ سے منقول ہے کہ:

”قیامت کے دن سفید گیہوں کی روٹی جیسی صاف اور چھپی زمین پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا۔

اس زمین میں کسی کا نشان (علامت ریاست وغیرہ) نہ ہوگا۔“

(الفاظِ مسلم کے ہیں۔ ۸/۱۳۸، بخاری ۸/۱۳۵، اللوٹو والمرجان ۳/۳۷۵)

صحیحین کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

”قیامت کے دن لوگ برہنہ پا، برہنہ بدن اور بغیر ختنہ کئے انھیں گے۔“ (حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ مرد اور عورتیں سب اکٹھا ہوں گے تو

<sup>۱</sup> راوی (حضرت ابو ہریرہ) نے پالیس سے کیا مروا ہے۔ دنِ مینہ، یا سال؟ اس کی صراحت نہیں فرمائی ہے۔

لیکن دوسری روایتوں میں ”سال“ کی تعیین ملتی ہے۔ (شرح مسلم النووی ۵/۸۳، مطبع شب، تحقیق: عبداللہ

احمد ابو زینہ)

ایک دوسرے کی طرف دیکھے گا۔ فرمایا: عائشہ! معاملہ اتنا سخت ہو گا کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔“

الفاظِ مُسلم کے ہیں۔ ۱۵۶/۸، اللؤلؤ والمرجان: ۱۹۳/۳، بخاری: ۱۳۶/۸

خدا تعالیٰ کے منکرین اور کفار اوندھے منہ بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد

ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عَمِيَآ وَبُكْمًا وَصُمًّا مَّا وُهِمَ  
جَهَنَّمَ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ذَلِكُمْ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا  
بِآيَاتِنَا وَقَالُوا ءَا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝

(بنی اسرائیل: ۹۷)

”اے پیغمبر! قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو اوندھے منہ، گونگے، بہرے، (بنا کر) اٹھائیں گے۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جب کبھی (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لئے اُسے) اور بھڑکائیں گے۔ یہ ان کی سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا۔ اور یوں کہتے تھے کہ جب ہم (مرنے کے بعد) گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔“

روایت میں ہے کہ:

”حضور ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے نبی (قیامت میں) کافر کو منہ کے بل کیوں کر چلایا جائے گا۔ فرمایا: جس ذات پاک نے اس کو دنیا میں دو پیروں سے چلایا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائے۔ (بے شک وہ اسی پر نہیں بلکہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

الفاظِ مُسلم کے ہیں۔ ۱۳۵/۸، بخاری: ۱۳۷/۶، اللؤلؤ والمرجان: ۲۸۲/۳

اس روز آفتاب لوگوں سے بے حد قریب ہوگا۔ سورج کی تپش اور دھوپ سے محشر میں ایک اور قیامت برپا ہوگی۔ اور آدمی کا پینہ ستر گز تک زمین پر پھیلا ہوگا۔ چنانچہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہتے ہیں۔

میں نے حضور ﷺ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ قیامت کے دن آفتاب لوگوں سے اتنا قریب کر دیا

جائے گا کہ بقدر ایک میل کے رہ جائے گا۔ اور لوگ اپنے اعمال کے بموجب پیند میں ہوں گے۔ کسی کے فنون تک پیند ہوگا۔ کسی کے گھنٹوں تک ہوگا۔ کسی کی کمر تک۔ اور کسی کے منہ میں پیند کی لگام ہوگی۔ یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ نے وہن مبارک کی طرف اشارہ کیا۔  
(مسلم ۸/۱۵۸)

### ● فصل مقدمات اور اس کے لئے شفاعت:

فصل مقدمات کیا ہے۔؟ فصل مقدمات۔! (معاملات کا فیصلہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ روز محشر جب تمام لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے، ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اور خوف و دہشت اور اس عالم میں کھڑے رہنے کی مشقت سے ہر کوئی پریشان ہوگا تو سمیوں کی یہ خواہش ہوگی کہ ہر شخص کے نیک یا بد جس قسم کے اعمال ہیں حق تعالیٰ ان سے متعلق اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔ تاکہ ہر شخص اپنے نفس کی شرارت یا باطن کی پاکیزگی کا صلہ پائے۔ اور لوگ محشر کی سختی اور دیر تک کھڑے رہنے کے عذاب سے نجات پا جائیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتْ لِيَوْمِ يَوْمِ أُجِّلَتْ لِيَوْمِ الْفُضْلِ وَمَا أَذْرَاكَ مَا يَوْمِ

الْفُضْلِ، وَيْلٌ لِّيَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ○ (المرسلات: ۱۵)

● ”اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جائیں گے۔ کس دن کے واسطے، ان امور میں دیر ہو رہی ہے۔ فیصلہ کے دن کے لئے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔“

پھر جوں جوں انتظار کی گھڑیاں طویل ہوگی۔ لوگوں کا اضطراب اور رنج ناقابل برداشت ہوتا جائے گا۔ اس لئے آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے۔ ”کیا تم کو معلوم نہیں، تمہاری کیا حالت ہے؟ کیا تم کو معلوم نہیں تمہارا غم اور بے چینی کہاں تک پہنچ گئی ہے؟ پھر وہ سفارش کے لئے حضرت آدم عليه السلام کے پاس آئیں گے۔ حضرت آدم عليه السلام معذرت کریں گے اور فرمائیں گے میرا پروردگار آج اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب ناک نہیں ہوا، اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ مجھے اس نے درخت سے منع کر دیا تھا مگر میں نے اس کی نافرمانی کی، آہ نفسی! تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ لوگ ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح، حضرت

ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام، تمام پیغمبروں کے پاس جائیں گے۔ اور تمام پیغمبر معذرت فرمائیں گے اور یہی کہیں گے نفسی نفسی، پھر لوگ نبی آخر الزماں، سلاّم انبیاء حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے۔ آپ فرمائیں گے۔ میں کھڑا ہوں گا۔ پھر آپ چل کر عرش کے نیچے پہنچیں گے۔ اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بہترین حمد و ثنا آپ کے دل میں إلقاء کرے گا۔ آپ اسی طرح سجدہ میں رہیں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہو گا۔ سر اٹھاؤ، سوال کرو، پورا کیا جائے گا۔ شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ آپ سر اٹھا کر عرض کریں گے۔ خدایا میری امت!! حکم ہو گا، تمہاری امت میں سے جن لوگوں پر حساب نہیں ہے ان کو جنت کے دائیں طرف والے دروازے سے داخل کرو۔ اور باقی دروازوں میں وہ اور لوگوں کے ساتھ بھی شریک رہیں گے اس سفارش کے بعد بارگاہ ایزدی سے حکم ناموں کا اجراء ہو گا۔ ہر ایک کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا۔ میزانِ عدل قائم ہو گا اور (باقاعدہ) حساب کتاب ہو گا۔

### ● حساب اور میزان:

بندوں کا حساب کتاب ان اعمال ناموں کے اندراج کے مطابق ہو گا جو میدانِ محشر میں ہر کسی کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ میدان میں کھڑا ہر شخص خواہ آن پڑھ ہو یا پڑھا لکھا، اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے گا۔ اعمال نامہ ملنے کی صورت بھی مختلف ہوگی۔ بعض کو سامنے سے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا۔ بعض کو پشت کی طرف سے بائیں میں ملے گا۔ اعمال نامہ کے اندراج پر پہلی نگاہ پڑتے ہی ہر شخص کو اپنا انجام نظر آجائے گا۔ اگر انجام نیک رہا تو اس کی خوشی، مسرت اور شادمانی کی کوئی حد نہ ہوگی اور وہ خوش خوش اپنا اعمال نامہ دوسروں کو دکھائے گا۔ اور اگر انجام برا ہوا تو اس کے حزن و ملال، رنج اور احساسِ ناکامی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔

قرآنِ پاک! از حد مسرت، اور حد سے زیادہ حسرت کے ان لمحات کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

لے محشر میں کڑے ہونے کی جہی تم و اضطراب، اور شفاعت کی تحصیل تمہیں سے بہت ہے شفاعت کی بحث میں یہ بیان گذر چکا ہے۔

● — فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا،  
وَيُنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا، وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ،  
فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا وَيَضَلَّىٰ سَعِيرًا ○ (انشقاق: ۱۳۷)

● ”پس جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے آسانی سے حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش بخوش آئے گا۔ اور جس کا اعمال نامہ پیچھے کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں داخل ہوگا۔“

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، فَيَقُولُ هَٰؤُلَاءِ أَقْرَبُ وَأَكْتَبُ، إِنِّي ظَنَنْتُ  
أَنِّي مُلِقٌ حِسَابِيهِ، فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ، فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قَطُوفُهَا  
دَانِيَةٌ، كُلُّوْا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ، وَأَمَّا مَنْ  
أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ، فَيَقُولُ بَلَيْتَنِي لِمَ أُوتِ كِتَابِيهِ، وَلِمَ أَدْرِمَا  
حِسَابِيهِ، يَلْبِثُهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ، مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ، هَلَكَ عَنِّي  
سُلْطَانِيهِ، خُنُوهُ فَعَلُوهُ، ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلَّوْهُ، ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا  
سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ، إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ، وَلَا يَحِضُّ  
عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ، فَلَئِن لَّمْ يَظْهَرْ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا حَمِيمٌ، وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ  
غَنِينٍ، لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ○ (حلقہ: ۱۹، ۳۷)

● ”تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ دوسروں سے کہے گا  
کہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو، مجھ کو تمہیں تھا کہ میرا حساب پیش آنے والا ہے، غرض وہ  
پسندیدہ پیش (یعنی) محبت بریں میں ہوگا۔ جس کے سوسے جگے ہوئے ہوں گے۔ (اور حکم  
ہوگا) خوب مزے سے کھاؤ اور ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں کئے تھے  
اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ اے کاش مجھ کو  
میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور مجھ کو خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ  
موت میرا کام تمام کر چکی ہوتی، آج میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا میری سلطنت بھی مجھ  
سے جاتی رہی (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو اور ملوک پرنا د پھر دوزخ میں ڈال دو“

پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اس کو بکڑ دو یہ نہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ فقیروں کے کھانا کھانے کی (لوگوں کو) ترغیب دیتا تھا تو نہ آج اس شخص کا کوئی دوست ہے اور نہ کھانے کے لئے کوئی چیز نصیب ہے سوائے پیپ کے جس کو گنگاروں کے سوا اور کوئی نہ کھائے گا۔“

نامہ اعمال ملتے ہی انصاف کے ترازو کھڑے کئے جائیں گے اور ایک ایک کر کے ہر شخص حساب کے لئے آگے بڑھے گا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا حساب یعنی پیشی با آسانی ہوگی جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔  
 ”قیامت کے دن جس کا حساب ہو گیا وہ عذاب میں پکڑا گیا“ میں نے عرض کیا حضور ﷺ کیا خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

فَسَوْفَ يُحَاسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا ○ (انشقاق: ۸)

”اس سے آسانی سے حساب لیا جائے گا۔“

فرمایا! یہ تو صرف پیشی ہوگی، قیامت کے دن جس سے پوری حساب فہمی ہوگی وہ عذاب میں پڑ جائے گا“ (متفق علیہ، الفاظ مسلم کے ہیں ۱۶۳/۸، اللؤلؤ والمرجان ۳/۲۹۹، بخاری ۳۶۷/۱) اور جن کا سختی سے محاسبہ ہو گا اول ان سے گناہوں کے اعتراف کے لئے کہا جائے گا، اور چھوٹے بڑے تمام گناہ ان سے اُگلوائے جائیں گے، اگر انہوں نے سچ سچ کہہ دیا تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوگا، لیکن اگر انہوں نے دروغ گوئی سے کام لیا اور حقائق کو چھپانے کی کوشش کی، تب ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اور ان کے اعضاء کو گویائی عطا ہوگی، چنانچہ ہر عضو دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا، صاف صاف کہہ اٹھے گا، کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھے گا، یہ دیکھ کر مجرم اپنے اعضاء کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تم نے کیوں گواہی دی؟ قرآن پاک کی زبان میں اعضاء جواب دیں گے۔

أَنْطَقْنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ○ (فصلت: ۲۱)

”ہم کو اس اللہ نے گویا کیا جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی۔“

اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔



يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝  
(نور: ۲۴)

”جس دن ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان سب کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔“  
نیز فرمایا۔

الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا  
كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (سبین: ۶۵)

”آج ہم ان کے مومنوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے۔“

سوال و جواب اور پوچھ گچھ کی تمام کاروائی نہایت کشادہ اور کھلی جگہ پر ہوگی اسی میدان میں گواہوں کا جہوم ہوگا مجرموں کو کسی قسم کا عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی نہ ہی کسی کا عذر سنا جائے گا اور اس وقت کی ذلت اور رسوائی کی کوئی حد نہیں ہوگی جب آدمی دنیا میں جو کیا ہوگا ایک ایک عمل کو اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا دیکھے گا حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَصُدُّرُ النَّاسَ أَسْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالُهُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ  
خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ (زلزال: ۸۴-۸۶)

”اس دن لوگ مختلف گزروں میں لوٹیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں تو جس نے ذرہ بھرنیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے (بھی وہاں) دیکھ لے گا۔“

دزن اعمال کے لئے حد درجہ متوازی اور سچے ترازو استعمال کئے جائیں گے ایک ایک عمل اس طرح پیش ہوگا کہ چھوٹا بڑا کوئی عمل نظر انداز نہ ہوگا ہر عمل میزانِ عدل میں رکھا جائے گا اور تولا جائے گا اسی دزن پر بندوں کی سعادت اور بد بختی کا دار و مدار ہوگا۔ اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَزْدَلٍ آتَيْنَا بِهَا' وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ○

(انبیاء: ۷۷-۷۸)

”اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے تماکلنی ہیں۔“

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ' وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ' تَلْفَحُ وُجُوهُهُمْ النَّارَ وَهُمْ فِيهَا كَالْفِجُونِ ○ أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِنَا تُلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ○ (مؤمنون: ۱۰۴-۱۰۵)

”تو جن کے (نیک عملوں کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہونے والے ہیں اور جن کے عملوں کے بوجھ ہلکے ہوں گے وہ لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنے نفسوں کو نقصان میں ڈالا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، دوزخ کی آگ ان کے چروں کو جھلس دے گے اور دوزخ میں ان کے چہرے بگڑے ہوں گے، کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں (ضرور سنائی جاتی تھیں) تو تم ان کو (سن کر) جھلاتے تھے۔“

● پیل صراط:

بلاخر پیل صراط: اعمال کے وزن اور اس سے فراغت پانے کے بعد، کل خلافت میں سے نیک بخت الگ ہوں گے، اس کے لئے لامحالہ سبوں کو پیل صراط پر سے گزرنانا ہوگا، یہ کس قدر ہلاکت خیز ہوگا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ اس کے پہلو میں تشریف فرما ہوں گے بلکہ لوگ گزر رہے ہوں گے، اس وقت حضور ﷺ سے دعا کرتے ہوں گے کہ: اے اللہ! سلامت رکھ، سلامت رکھ، سلامت رکھ!

(مسلم ۱/۳۹۹: ۴۰۰)

لے بھری ہیں ہے۔ کہ ہم بخیر اس وقت یہ کہتے ہوں گے، اے اللہ سلامت رکھ، سلامت رکھ (۱/۳۹۹: ۴۰۰) اللہ جل جلالہ وسلم میں ہے تمام بخیر اس وقت دعا کریں گے اے اللہ سلامت رکھ، سلامت رکھ۔



وصاف ہوں، یا دنیا میں ایک دوسرے پر جو حق تھا اس کی ادائیگی سے فارغ ہو جائیں تب انہیں جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پل کے متعلق روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے حدیث کا متن یہ ہے۔

”مومن بندے دوزخ سے نجات پا کر جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیئے جائیں گے اور دنیا میں جو ان میں سے کسی نے کسی پر ظلم کیا تھا، اس کا بدلہ دلایا جائے گا۔ یہاں تک کہ سب پاک و صاف ہو جائیں گے، اس وقت ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، پس اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، ان میں سے ہر ایک اپنی جنت کی جائے سکونت کو اپنے اس دنیا کے مکان کی نسبت اچھا پچانے گا۔“

(بخاری: ۸/۱۳۸، ۱۳۹، ۱۵۸/۱۵۹)

### ● دارالسلام:

حشر اور سزا و جزا کے عقیدے سے متعلقہ بحث کی تکمیل اور عقائد اسلام کے اہم رکن آخرت پر سیر حاصل گفتگو کے لئے سلامتی اور تباہی کے گھر یعنی جنت اور جہنم کا بطور خاص تفصیلی جائزہ بہت ضروری ہے، تاکہ ہر دو کی حقیقت منکشف ہو جائے اور جنت کا کامیابی کے ساتھ حصول آسان ہو اور اس کی رغبت پیدا ہو اور جہنم سے بچنے کے لئے شرک اور خدا رسول کی معصیت سے پرہیز کرنا آجائے۔

ہر مومن بندہ جنت اور وہاں کے تذکرے سے اُنس رکھتا ہے اس لئے تلخیص اور اختصار کے بجائے تفصیل اور وضاحت سے کام لیتے ہوئے ہماری کوشش ہوگی کہ حشر اجساد اور جزائے اعمال کی بحث کے ضمن میں جنت کا مبسوط ذکر آجائے، جس میں جنت کی وسعت اس کے دروازوں نہروں خادموں نیز جنتیوں کے کھانے پانی اور وہاں لگے رنگ رنگ کی آرائش و

لے جاہی کے گھر سے جنم مراد ہے ارشاد ہے۔

وَأَسْلَمُوا قَوْمَهُمْ ذَاذِئْبُوا جَهَنَّمَ ۝ (ابراہیم: ۲۸)

”اور اپنی قوم کو جاہی کے گڑھے میں اتارا یعنی دوزخ۔“

آرام کو ایک ایک کر کے بیان کیا جائے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کی تمام تر معلومات کا سرچشمہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ کتاب اللہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے جنت اس کی راحتوں اور وہاں کے جملہ اسباب کو پیدا کیا۔ اہل جنت کو ہدایت و معرفت سے نوازا اور انہیں نیک عمل کی توفیق بخشی، اللہ کے رسول کی سنت اس لئے کہ حضور ﷺ بنفس نفیس جنت میں تشریف لے گئے آپ کے قدم اس کے فرش و فرش اور وہاں کی سرزمین پر پڑے اور سدرۃ المنتہی آپ کے زیر پارہا، ارشاد خداوندی ہے۔

أَفْتَمُرُونَهُ عَلَى مَا يَرَى، وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزَّلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ  
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ (نجم: ۱۵۲۳)

”کیا جو کچھ انہوں نے دیکھا تم اس کے بارے میں ان سے جھگڑتے ہو اور انہوں نے اس کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے پاس، اس کے پاس جنت کے باغات کا سلسلہ ہے۔“

● جنت کی کشادگی اور اس کی معطر فضائیں:

جنت کتنی کشادہ ہوگی؟ اس کی ہوائیں کیسی عطریز ہوگی؟ آسمانوں اور زمین کی طرف جنت بے حد کشادہ ہوگی اور اس کی خوشبو سو سال کی راہ تک پہنچے گی۔  
حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ  
أَعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (آل عمران: ۱۳۳)

”اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔“  
حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

”یقیناً جنت کی خوشبو سو سال کی راہ تک پہنچتی ہے۔“

لے نالی جب کہ اس کی خوشبو سو سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ (ترمذی ۲۲/۸۰) ابن ماجہ ۳۲/۱۲  
۵۱۵۰۲۷/۱۲/۱۲ موطا جب کہ اس کی خوشبو بائیس سو سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ ۱۳۳/۳

### ● جنت کے دروازے:

جنت کے آٹھ دروازے ہیں ایک دروازے کا نام ”آلریان“ ہے۔ یہ روزہ داروں کے لئے خاص ہے ایک اور دروازہ حضور ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے، جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔

جنت کے دروازے نہایت کشادہ اور بلند و بالا ہیں۔ اس کے ایک دروازے کے دو کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت کے بقدر وسعت ہے۔ لیکن اس پر بھی فوج در فوج داخل ہونے والوں کے ہجوم سے بھری ہوگی۔ روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دروازوں کی کڑیاں سرخ یا قوت کی ہوں گی، جو سونے کے تختوں میں جڑی ہوں گی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے فرماتے ہیں۔

جنت کے دروازوں کے دو کواڑوں کے درمیان چالیس سال کے بقدر وسعت ہوگی، لیکن اس پر بھی ایک دن ایسا آئے گا کہ ہجوم خلائق کی وجہ سے بھری ہوگی۔

(مسلم ۸/۲۱۵)

اہل جنت سے متعلق آپ نے مزید فرمایا:

جب وہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دروازوں کی کڑیاں سرخ یا قوت کی ہیں۔ جو سونے کے تختوں میں جڑی ہوئی ہیں۔

۱۔ مسلم ۱۱/۱۳۵، بخاری ۱۳۵/۳

۲۔ التوت و التریان (۲/۱۹۰)

۳۔ ابو داؤد المرسلان (۵۵۳۸/۱)

ابن ابی الدنیا، ترمذی، الترمذی و التریان ۳۳۳/۳ روایت موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ اس جہم کی باتیں رائے سے نہیں کہی جاسکتیں۔

### ● جنت کے دروازے پر:

جنت کے دروازے پر کیا ہے؟ جنت کے دروازے پر ایک بڑا درخت ہے۔ جس کی جڑ سے دو نہریں جاری ہیں۔ ایک نہر جنت میں آنے والوں کا مشروب ہے۔ جب کہ دوسری نہر

ان کی نظافت کے لئے استعمال ہوگی پہلی نھر سے سیراب ہونے کے بعد جنتیوں کے چہروں پر راحت اور تازگی کی لہر دوڑ جائے گی۔ اور پھر کبھی وہ پیاس کی شدت سے مغلوب نہ ہوں گے۔

— قرآن پاک میں ہے۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ○ (الدھر )

”اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

جنت کے دروازے پر ایک درخت ہوگا اس کی جڑ سے دو نہریں جاری ہوں گی۔ پہلی نھر سے سیراب ہونے پر راحت و آرام کی تازگی ان کے چہرے سے عیاں ہوگی، دوسری نھر کے پانی سے ہاتھ منہ دھونے کے بعد ان کے بال کبھی پرانہ نہ ہوں گے۔<sup>۱</sup>

### ● اہل جنت کا استقبال:

جنت میں داخلہ وقفہ وقفہ سے اور لگاتار ہوگا اور کبھی یہ بھی ہوگا کہ ہر دو داخلہ کے درمیان طویل فاصلہ ہوگا اس لئے کہ یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ غریب مسلمان امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، کیونکہ میدان محشر میں انہیں حساب کتاب کا نتیجہ جاننے کے لئے زیادہ طویل انتظار نہیں کرنا ہوگا۔ ان کے بالمقابل مالدار مسلمان حساب میں پھنسے ہوں گے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ  
أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ○

(زمر: ۷۳)

”اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے تھے۔ ان کو گروہ گروہ بنا کر جنت کی

<sup>۱</sup> حافظ منذری لکھتے ہیں ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے اس روایت کو عامر ابن حمزہ عن علی موقوفاً ذکر کیا ہے یہ روایت اصح اور نہایت مشہور ہے۔ الترغیب والترہیب ۳/۳۹۳، ۳۹۶

طرف روانہ کیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائے گے اور جنت کے داروغہ ان سے کہیں گے اسلام علیکم تم بہت اچھے رہے تو اب اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔“

صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

جنت کے اندر جو گروہ سب سے پہلے داخل ہوگا۔ ان کی صورتیں چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی، اور جو گروہ ان کے بعد جائے گا، ان کی صورتیں آسمان میں جھلگتے تاروں کی سی ہوں گی جتنی نہ پیشاب پاناہ کریں گے، نہ ناک سکیں گے، نہ تھوکیں گے ان کی کٹھی سونے کی ہوں گی، ان کا پسینہ مکھ کا ہوگا۔ ان کی انگلیں عودی خوشبو والی ہوں گی، ان کی بیویاں بڑی بڑی غلانی آنکھوں والی حوریں ہوں گی سب کی عادتیں ایک سی ہوں گی، سب اپنے باپ حضرت آدم ﷺ کی شکل کے ہوں گے، اور قد ساٹھ ہاتھ اونچا ہوگا۔

(الفاظ مسلم کے جس ۱۳۶/۸، اللؤلؤ والمرجان: ۲۸۹/۳، بخاری: ۱۶۰/۳)

اہل جنت کے داخلے، ان کی ہیئت اور ان کی حسن صورت کا یہ تفاوت دنیا میں ان کی حسن کارکردگی، اور اعمال کی قلت اور کثرت پر ہوگا۔ اور یہ فرق ازروئے عقل بعید نہیں، اس لئے کہ دنیا میں جس طرح ایمان راسخ اور عمل صلح کی وجہ سے نفس میں پاکیزگی، لطافت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی جسم و بدن کی خوبصورتی اور راحت و آرام کی فراوانی اسی روح کے تزکیہ کے نتیجہ میں میسر آئے گی اور روح میں یہ انقلاب محض دنیا میں بنے ہوئے ایمان اور اختیار کئے گئے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔

درجنت پر اللہ کے ان مہمانوں کی پیشوائی کے لئے فرشتے آگے بڑھیں گے سب سے آگے رضوان جنت ہوں گے، جو جنت کے محافظ اور نگران ہیں ان کے بعد وہ فرشتے آگے بڑھیں گے، جو جنت میں راحت رسانی اور آرام پہنچانے کے لئے مقرر ہوں گے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○ (انبیاء: ۱۰۳)

”اور فرشتے ان کو اپنے آئیں گے (اور کہیں گے) یہی وہ دن ہے جس کا (انبیاء کی زبانی) تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔“



وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ○  
(ذمر: ۷۳)

”اور جنت کے داروغہ ان سے کہیں گے السلام علیکم تم بہت اچھے رہے تو اب اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔“

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ  
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ (رعد: ۲۳، ۲۴)

”اور فرشتے ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تو کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے۔“

● جنت کے محلات اور ان کے درجے:

جنت کے محلات اور ان کے درجوں کی تفصیل کے لئے راقم اپنے ایک رسالہ الْجَنَّةُ دَاوَالْأَبْوَابِ وَالطَّرِيقُ الْمُوَصِّلُ إِلَيْهَا (جنت کیوں کا ٹھکانا اور اس کے راستے) کے چند اقتباس نقل کرتا ہے۔

”درحقیقت جنت کے محلات کی توصیف اور ان کی کماحقہ تعریف بیان کرنا کسی فرد بشر کے لئے ممکن نہیں ہے۔ نہ وہاں کے آرام و آسائش اور اس جگہ کے اسباب کی نشاندہی کی جاسکتی ہے اور وہاں کی راحت اور لذتوں کو بلا استیعاب کون بیان کر سکتا ہے۔ جو حق تعالیٰ کی طرف سے بارش کی طرح برستی ہوں گی۔“ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَإِذَا زَأَيْتَ نَمَّ زَأَيْتَ نَعِيمًا وَمَلَكًا كَبِيرًا عَلَيْهِمْ يُتَابُ سُندُسٍ  
خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَخُلُوعًا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا  
طَهُورًا إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيِكُمْ مَشْكُورًا ○ انسان

۲۲ ۲۱ ۲۰

”اور بہشت میں جہاں بھی آنکھ اٹھاؤ گے تو کثرت سے نعمت اور عظیم الشان سلطنت دیکھو گے ان کے جسموں پر موٹے اور باریک ریشمی کپڑے ہوں گے۔ اور انہیں چاندی کے گنگن پٹائے جائیں گے۔ اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا

(اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے یہاں) مقبول ہوئی۔“

راقم نے اپنے رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

”ہاں وہ ایک ہی ہستی ہے جو جنت سے متعلق ٹھیک ٹھیک معلومات فراہم کر سکتی ہے۔ یہ شخصیت حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے اس لئے کہ یہ شرف محض آپ کو حاصل ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے ساتھ صرف آپ نے بحالت بیداری جنت کی سیر فرمائی۔ اور خواب میں بھی بار بار آپ نے اس کا مشاہدہ کیا، اور یہ حقیقت ہے کہ نبیوں کے خواب بھی منجانب اللہ ہوتے ہیں اور وحی کی حقیقت رکھتے ہیں اس لئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ جنت کی مبصر اس تماہذات گرامی نے کس طرح ایک ایسے شخص کا نقشہ کھینچا ہے۔ جو سب سے آخر میں جنت میں داخلے کی سعادت پائے گا۔“

وہ شخص کسے گا؟ (پروردگار) مجھے ان لوگوں کے ساتھ شامل کر دے۔ پھر وہ کاندھا ہلاتا ہوا تیز تیز جنت میں داخل ہوگا۔ جب لوگوں کے نزدیک آئے گا تو اس کے سامنے موتی کا ایک محل پیش ہوگا، وہ وہیں سجدہ میں گر جائے گا، اس سے کہا جائے گا، سراٹھاؤ، تمہیں کیا ہو گیا ہے کسو! وہ کہے گا، میں نے اپنے پروردگار کو دیکھ لیا، (وہ یہیں ہے) اس سے کہا جائے گا، یہ تمہارا ایک گھر ہے۔ اس کے سامنے ایک شخص آئے گا وہ پھر وہیں سجدہ میں گرنے لگے گا، وہ شخص اس کو روکتے ہوئے کہے گا، ٹھہر جاؤ! وہ کہے گا میں یہ سمجھا کہ تم ایک فرشتہ ہو، وہ کہے گا میں تمہارے خزانوں کا ایک محافظ اور تمہارا ایک خادم ہوں، محافظ آگے آگے چلے گا۔ اور اس کے لئے محل (کے دروازے) کھول دے گا، محل کیا ہوگا! ایک کھوکھلی موتی ہوگی، جس کے اندر ہی اندر تراش کر چھت دروازے تالے، اور تختیاں سب اسی سے بنی ہوں گی، پھر اس کے سامنے اندر سے خالی سبز رنگ کا ایک پتھر نظر آئے گا، وہ ایک ہیرے سے نکل کر دوسرے ہیرے میں پہنچے گا، ہر ہیرے کا رنگ جدا اور مختلف ہوگا تمام ہیروں کے اندر تخت، خوبصورت حوریں (اور غلمان) ہوں گی سب سے کم درجہ کی حوریں غلابی آنکھوں والی ہوں گی ہریوی پر ستر جوڑے کپڑے ہوں گے، ان کپڑوں میں سے ان کی پنڈلیوں کا گودا نظر آئے گا، حور کا بگراں جنتی کا آئینہ ہوگا، اور جنتی کا بگرا حور کے لئے آئینہ ہوگا جنتی جب بھی رخ پھیر کر اس کو دیکھے گا، اس کی آنکھوں میں سترگنا حسن دوپلا پائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا، بیٹھو، وہ بیٹھ جائے گا، اور اس سے کہا

جائے گا کہ سوسال کی مسافت تک جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے۔<sup>۱</sup>  
 پہلے عرض کیا گیا کہ اہل جنت میں باہم فرقی مراتب اور درجہ بندی ان کے راسخ ایمان اور صالح اعمال کے لحاظ سے ہوگی، اس کی توثیق حضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ جس میں آپؐ فرماتے ہیں۔

جنت والے اپنے اوپر بالا خانہ والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرقی یا مغربی افق میں دور چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو، اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اہل جنت کے مراتب میں باہم تفاوت ہوگا صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ (ﷺ) کیا وہ انبیاء کے درجات ہوں گے، جن پر کوئی اور نہ بیٹھ سکے گا۔ فرمایا کیوں نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ وہ لوگ بھی ان درجات پر فائز ہوں گے جو خدا پر ایمان لائے ہوں گے، اور انبیاء کی انہوں نے تصدیق کی ہوگی۔

متفق علیہ التواتر والمرجان ۲۸۸/۳، بخاری ۱۳۵/۳، مسلم ۱۳۵/۸

اسی کا مصداق قرآن پاک کی یہ آیت ہے جس میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَابِقُونَ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ  
 وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
 مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ (حدید: ۲۱)

”اے لوگو! تم اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور ایسی جنت کی طرف لپکو جس کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کے برابر ہے جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

۱۔ حافظ مندری لکھتے ہیں ابن ابی الدنیا طبرانی اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو مروفاً ذکر کیا ہے۔ طبرانی کا اقتاد حدیث کا طریق صحیح ہے یہ روایت لفظ لفظ طبرانی کی ہے حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔ مسلم میں یہ روایت اسناد کے ساتھ درج ہے الترمذی والتریب ۱۳/۵۰۳-۵۰۴

### ● خلد بریں کی سرزمین پر ایک نظر:

اپنے اس رسالہ میں آگے چل کر راقم نے زیر نظر عنوان کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ سرزمین جنت کے بارے میں ناظرین باجمکین کی کیا رائے ہوگی؟ کیا جنت کی زمین سفید یا سرخ مٹی کی ہوگی؟ کیا وہاں کی کنکریاں رنگ رنگ کے سنگریزے ہوں گے؟

کیا وہاں کی عمارتوں کی دیواریں انتہائی دلکش اور خوبصورت اینٹوں سے چنی ہوں گی؟ اور اینٹوں کو جوڑنے اور جمانے کے لئے استعمال کیا جانے والا گارا کیا سفید ریت کے ذروں اور چکنی ہری سینٹ کا آمیزہ ہوگا۔

غالباً عزیز قاری کو علم ہوگا کہ اس کا جواب بس وہی دے سکتا ہے جس نے جنت کا بغور مشاہدہ کیا ہو، اور کچھ لمحات وہاں کے بسر کئے ہوں اور یہ منقسم ہستی رسالت ماب ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں، چنانچہ صحابہ کرام کے ایک سوال (کہ بہشت کس چیز سے بنی ہے؟ اس) کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

سونے چاندی کی اینٹوں سے، ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی، اس کا گارا بڑی تیز خوشبو والی منگ کا ہے، اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت کی ہیں اس کی خاک زعفران کی ہے۔ جو بہشت میں داخل ہوگا وہ بڑے ناز و نعم میں رہے گا، تکلیف و تکدستی اس کے پاس نہ پہنچے گی، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ اس کی جوانی فنا ہوگی، (ترمذی جنت ۲/۱۰۰، داری رفاق ۱۰۰/۲، احمد ۳۰۵/۲، جامع الاصول ۱۰/۳۹۷، ابن حبان، طبرانی فی الاوسط۔)

### ● جنت کے درمیان بھیگی کے باغات:

جنت کے تمام بانوں میں جنت عدن (بھیگی کے باغات) کو خصوصی امتیاز اور فوقیت حاصل ہے، یہ امتیاز اس لئے کہ حق تعالیٰ نے براہ راست اپنے دست خاص سے انہیں پیدا فرمایا۔ نیز حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے بتایا:

اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو اپنے دست خاص سے پیدا فرمایا۔ اس کی ایک اینٹ سفید موتی کی ہے، ایک اینٹ سرخ یاقوت کی ایک اینٹ سبز زمرودی، اس کا گارا نہایت

خوشبودار مشک کا ہے، اس کی گھاس زعفران کی ہے۔ اس کی ننگری، موتیاں اور اس کی مٹی عبر ہے۔ اس جنت کو پیدا فرما کر حق تعالیٰ نے اسے گویائی بخشی اور فرمایا، کہو! ان باغوں نے کہا۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ — ○ (مومنون)

(الترغیب والترہیب ۴/ ۵۱۳ ۵۱۴)

”بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے۔“

تنبیہ : ایک بندۂ مومن کی طرح الحمد للہ ہمیں بخوبی علم اور کامل یقین ہے کہ حق تعالیٰ کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔ زمین سے آسمان تک اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی تمام جہانوں کا پروردگار ہے، وہی پچھلوں اور اگلوں کا معبود ہے اس کے سوا کوئی بھی کبھی خدا نہیں ہو سکتا۔

تاہم خوب سمجھ لینا چاہئے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے فلاں چیز اپنے دست خاص سے پیدا فرمائی، جیسا کہ حق تعالیٰ خود فرمایا ہے۔

مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِيَدَيَّ ○ (ص: ۷۵)

”جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کر دیا۔“

یا ابھی ابھی حدیث شریف میں گذرا کہ حضور ﷺ نے عدن کے باغات سے متعلق خبر دی ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ان کو پیدا فرمایا۔ ان تمام تر تخلیق کا مفہوم یہی ہے کہ عام کائنات سے ہٹ کر ان کی پیدائش نہایت امتیاز کے ساتھ ہوئی اور اس امتیاز کی حامل تمام مخلوقات کے لئے اس سے اونچا شرف کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ حق تعالیٰ نے کسی واسطہ کے بغیر براہ راست انہیں پیدا فرمایا۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ مثلاً حاکم وقت یا سلطان کسی محل کی تعمیر کا حکم دے اور وہ بن کر تیار ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ حاکم، یا پادشاہ نے محل بنوایا، جب کہ حاکم یا سلطان نے اپنے ہاتھ سے محل کی تعمیر نہیں کی، صرف تعمیر کا حکم دیا کبھی بانی کی سرپرستی اور اس کے تصرف میں ہونے والے ہر امکانی عمل سے متعلق بھی یہی کہا جاتا

ہے کہ اس نے بنایا۔ جیسے سربراہ مملکت سنگ بنیاد رکھنے کے لئے اپنے ہاتھ سے پتھر اٹھا کر بنیاد میں رکھتا ہے تب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ سربراہ نے سنگ بنیاد رکھا اور اپنے ہاتھ سے رکھا یہاں مجاز کی وہ صورت مراد لی جاتی جس میں کاروائی کسی ذریعہ یا سبب سے انجام پائی ہو، بس اسی طرح بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو کسی واسطہ کے بغیر اپنے دست خاص سے بنایا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت آدم ﷺ کی تخلیق کی طرح اللہ تعالیٰ نے جنت کے ان بیش رہنے والے بانغات کو بطور خاص پیدا فرمایا۔ اور ان کی طرح قرآن پاک اور احادیث مقدسہ میں جن کی تخلیق کا ذکر اس طرح وارد ہے، اس سے مراد یہی حقیقی معنی ہیں۔ ان مواقع پر مجاز کا گذر نہیں، نہ ان کا کوئی فائدہ ہے۔

● جنت کے خیمے اور بازار:

حسب ارشاد باری تعالیٰ —

جنت میں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جنتیوں کا دل چاہے گا، اور جن سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے، ان کی ہر مانگ چوری ہوگی، اور جو وہ طلب کریں گے اپنے سامنے پائیں گے، جنت کے اندر وہ دائمی راحت اور عظیم المرتبت آسائش و آرام ہوگا، جس کو نہ کسی آنکھوں نے دیکھا ہوگا، نہ کانوں سے سنا ہوگا نہ کسی فرد بشر کے دل میں اس کا خیال ہی آیا ہوگا۔ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: \*

”خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جن کو نہ کسی آنکھوں نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا۔“

(مسلم: ۱۳۳/۸، بخاری: ۱۳۳/۴، اللؤلؤ: ۲۸۶/۳)

نیز باری تعالیٰ فرماتا ہے

يَا عِبَادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ، الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا  
وَكَانُوا مُسْلِمِينَ، أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَآزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ، يُطَافُ  
عَلَيْهِمْ بِصَحَافٍ مِنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ، وَفِيهَا مَا نَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ

الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (زُحْرَف: ۶۸، ۷۲)

”میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے (یعنی وہ بندے جو ہماری آنتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے۔) ان سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہاری بیویاں عزت اور احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اور وہاں ان کو وہ چیزیں ملیں گی جن کو ان کا جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کی لذت ہوگی اور (اے جنت والو!) تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور یہ جنت جس کے تم مالک کر دیئے گئے ہو تمہارے نیک اعمال کا صلہ ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاءُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ نَزَّلْنَا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ ○ (فصلت: ۳۰، ۳۱)

”بلاشبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اتریں گے۔ (اور کہیں گے) نہ خوف کرو اور نہ رنجیدہ ہو۔ اور جنت کے ملنے پر خوش رہو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (اور) ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق رہیں گے اور آخرت میں بھی اور جس چیز کو تمہارا جی چاہے جنت میں تمہارے لئے موجود ہے۔ اور نیز اس میں تمہارے لئے جو مانگو موجود ہے، یہ اللہ بخشنے والے مہربان کی طرف سے تمہاری میزبانی ہے۔“

جنت میں جسمانی اور روحانی راحت و آرام کی جس قدر فراوانی ہوگی، ان کو دیکھتے ہوئے ان کے اندر خمیوں اور بازاروں کا پایا جانا کوئی بعید از امکان یا تعجب کی بات نہیں، اس لئے جنت کے محلات کی طرح وہاں کے خمیوں میں بھی اسباب کی بہتات ہوگی، جنت کی طرح وہاں کے بازاروں میں بھی خوشی و مسرت اور باہمی تعارف کا سامان ہوگا، ذیل میں اس موضوع

سے متعلق اپنے رسالہ ”جنت نیکوں کا ٹھکانا“ کا ایک اقتباس اس کے ذیلی عنوان کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

● خیموں میں:

جنت میں خیموں کا وجود ناممکن نہیں، اور کیوں نہ ہو جب کہ جنت کو بنانے اور بسانے والے کا ارشاد ہے۔

حُوزٌ مَّقْضُوزَاتٌ فِي الْخِيَامِ ○ (رحمن)

● ”یعنی حوریں جو خیموں میں رہتی ہوں گی۔“

اور اگر ان خیموں سے متعلق یہ سوال دل میں چٹکیاں لے رہا ہو کہ ان خیموں کی شکل کیا ہوگی، ان کی نوعیت، ان کا مادہ، تعمیر، اور ان کی آرائش و زیبائش کس حد تک ہوگی؟ اس کا جواب بھی رسالت ملب مہدیؐ سے زیادہ صحیح اور درست کوئی اور نہیں دے سکتا۔ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے فرمایا۔

جنت کے اندر مومن کے لئے ایک کھوکھلے موتی کا خیمہ ہوگا، جس کی بلندی (آسمان کی طرف) ساتھ میل ہوگی، (اور چوڑائی بھی ساتھ میل ہوگی) مومن کے متعلقین اس کے اندر رہیں گے، مومن اس کا چکر لگائے گا، اور آپس میں کوئی کسی کو نہ دیکھ سکے گا۔

رہے جنت کے بازار تو ان سے متعلق مذکورہ رسالہ میں آگے چل کر میں نے لکھا ہے:

سبحان اللہ! کیا جنت میں بازار بھی ہوگا! جواب میں یہ کہ کیوں نہیں! ضرور ہونا چاہئے

اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ثابت قدم مومن بندوں کی شان میں فرمایا ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُنَّ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ○ (نصرت: ۳۷)

● ”اور جیسی چیز کو تمہارا جی چاہے جنت میں تمہارے لئے موجود ہے۔ اور نیز

تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔“

لے مسلم ۳۸/۱۸، ۳۹ قوس کی زائد عبارتیں مسلم کی دوسری روایتوں میں موجود ہیں، بخاری میں یہ روایت

باب منہ اہلتہ کے تحت مذکور ہے، ۳۳/۳۰، ۳۳/۳۰، ۳۳/۳۰



مومن بندوں کے لئے جنت کے اندر بازاروں کی طرف میلان کوئی عجیب بات نہیں۔ بالخصوص حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ اور دیگر مردانِ باخدا کیلئے جو دنیا کی زندگی میں بازار جایا کرتے تھے اور کثیر منافع سے ہمکنار ہوتے تھے، ان کی تجارت صداقت اور امانت کا مرقع ہوتی تھی اور انہیں بیش از بیش نفع بھی ملتا تھا۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ اہل جنت کو کبھی بازاروں کی سیر کا دل چاہے اور وہ حق تعالیٰ سے دعا کریں جس کے نتیجے میں باری تعالیٰ ابدی ٹھکانے میں بازار لگائے اور جنتی اس سے مستفید ہوں۔

امام مسلم رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ اس روایت میں جنت کے بازار کا ذکر ملتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک بازار ہے جس میں ہر ہفتہ میں جنت والے جائیں گے اور شمالی ہوا چلے گی جو خوشبو وغیرہ اڑا کر ان کے چروں اور کپڑوں پر لا کر ڈالے گی۔ اس سے ان کے حسن و جمال میں اور اضافہ ہوگا جب وہ اپنے متعلقین کے پاس واپس آئیں گے تو متعلقین کہیں گے خدا کی قسم ہمارے بعد تو تمہارے حسن و جمال میں اور اضافہ ہو گیا وہ کہیں گے بخدا تمہارا حسن و جمال بھی تو ہمارے بعد اور بڑھ گیا۔

(مسلم: ۱۱۳۰/۸)

### ● جنت کی نہریں اور درخت:

رسالہ مذکورہ میں اس عنوان کی ضمن میں راقم نے لکھا ہے۔

”عزیز قاری“ آؤ ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جنت کی نہروں اور درختوں کے گرد کچھ دیر چہل قدمی کر لیں اور قیامت سے پہلے گھڑی بھر کے لئے (عالم خیال میں سعی) وہاں کی لذتوں سے لطف اندوز ہو لیں۔

آؤ ہم تم ان راحتوں کی طرف بڑھے چلیں، ان چاروں نہروں کی سیر کرتے چلیں جو درحقیقت جنت کی تمام نہروں کا سرچشمہ ہے۔ یہ چار نہریں ہیں پانی کی نر، دودھ کی نر، شراب کی نر اور شہد کی نر، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

مَثَلُ النَّجَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ  
وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرَ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ  
وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ○ (محمد)

”اس جنت کی حالت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے (عمدہ) پانی کی نہریں ہیں جو بول کرنے والا نہیں اور (اس میں) دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہے اور صاف شدہ کی نہریں بھی ہیں۔ اور وہاں ان کے لئے ہر قسم کے میوے ہیں۔“

ان بڑی نہروں میں ایک نہر کوثر ہے۔ اور کچھ خبر بھی ہے کہ نہر کوثر کیا ہے۔؟  
حق تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کو بطور خاص یہ نہر مرحمت فرمائی ہے۔ یہ جنت کی نہایت عظیم الشان اور خوب تر نہر ہے قرآن پاک میں اس نہر کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثُرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحِزْ ۝ (کوثر: ۲۱)

”(اے پیغمبر!) ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ تو (اس کے شکر یہ میں) اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔“

اس نہر کے کچھ اوصاف اس روایت میں ہیں، جس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں۔  
”ایک دن میں جنت میں جا رہا تھا تو میں نے وہاں ایک نہر دیکھی جس کے کناروں پر موتیوں کے گنبد بنے ہوئے تھے میں نے کہا، اے جبرئیل، یہ کیا ہے، کہا کہ کوثر ہے، وہ کوثر جو اللہ نے آپ کو عنایت کیا ہے یہ کہہ کر فرشتہ نے (بیچے) ہاتھ ڈالا تو اس کی کچھ نہایت خوشبودار مٹک کی تھی۔“

(بخاری ۱۳۹/۸)

نیز ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں، موتی اور یاقوت کے اوپر سے بہتی ہے، اس کی مٹی مٹک سے بہتر، اس کا پانی شد سے زیادہ شیریں، اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

(الترغیب والترغیب ۵۷/۳، ترمذی ۸۳/۶)

اب ہم نہروں سے ورختوں کی طرف آتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی اصح اور باریک بینی پر مبنی روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

جنت میں ایک درخت ہے۔ اس کی چھاؤں میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا پھر بھی اس کو طے نہ کر سکے گا۔ تم چاہو تو ایک آیت پڑھ لو۔

وَطَلِّ مَمْدُودٍ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ  
وَفُوشٍ مَّرْفُوعَةٍ ۝

”اور لے لے سائے۔ اور بہتے ہوئے پانی اور بہت سے میوے رہیں گے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان سے کوئی روکے گا اور اونچے فرش ہوں گے۔“

(بخاری ۱۸۳/۶، مسلم ۱۳۴/۸، اللؤلؤ ۲۸۷/۳، واقعہ ۳۴۳۳۰، ترمذی ۷/۲۰۹)

اس سایہ سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اعلیٰ الہمدود جنت کے ایک درخت کا سایہ ہے۔ اس کے تنے کے سائے میں چاروں طرف تیز رفتار سوار چلنا چاہے تو سو سال تک چلتا رہے۔ بلا خانے والے اور اہل جنت نکل نکل کر اس کے سائے میں آئیں گے، اور آپس میں باتیں کریں گے، ان میں سے بعض کی خواہش ہوگی، اور وہ دنیا کے تماشوں کا تذکرہ کریں گے، حق تعالیٰ جنت سے ایک ہوا بھیجے گا، جس سے اس درخت میں حرکت پیدا ہوگی، اور دنیا میں جس قدر تماشہ ہوتے تھے، ایک ایک کر کے اس درخت سے رونما ہوں گے۔ (ترمذی، الترغیب، والترغیب ۵۴۰/۳)

نیز فرمایا:

جنت کے کھجوروں کا سبز زمرہ کا ہوگا، اس کی شنیاں سرخ سونے کی ہوں گی، اس کی چٹیاں جنتیوں کا لباس ہوں گی، اسی سے ان کی پوشاک اور جوڑے تیار ہوں گے اس کے پھل منکوں کی طرح اس کے پانی کا ڈول دودھ سے زیادہ اچھا، شہد سے زیادہ شیریں مکھن سے زیادہ ملائم ہوگا اس کے پھلوں میں گھٹلیاں نہ ہوگی۔

(حاکم، الترغیب، والترغیب ۵۲۳/۳، حاکم ۷/۲۶۷)

● جنت کی خورد و نوش:

بعض فلاسفر اور نصاریٰ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ جنت کی راحت محض روح کو میسر ہوگی، جسم ان سے مستفید نہ ہوگا۔ یہ تخیل انتہائی لغو اور بے بنیاد ہے۔ خصوصاً اللہ اور اس کے رسولوں کی چچی تعلیمات سے باخبر آدمی کبھی یہ سوچ نہیں سکتا، ذیل میں عقل و نقل پر مشتمل

چند دلائل عقیدہ برحق کی تائید اور حمایت — میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ روحیں راحت و آرام سے اسی صورت بہرہ ور ہو سکتی ہیں، جب وہ مناسب قالب اور جسم سے وابستہ ہوں، اس لئے اس میں شک نہیں کہ شہداء کو راحت و آرام سے نوازنے کے لئے حق تعالیٰ ان کے لئے مخصوص جسم پیدا فرمائے گا، یہ روحیں ان جسموں میں پیوست ہوں گی، اور عالم برزخ میں جس قدر راحت اور آسائش ان کے لئے مقدر ہوگی، وہ اس سے مستفید ہوں گی چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں رہتی ہیں، جنت میں ادھر ادھر چلتی ہیں۔ اور عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قدیلوں میں بھرا کرتی ہیں،  
(ذہبی ۲/۲۹۷، ۲۹۸) مسلم کے الفاظ اس کے قریب ہیں، (۳۹/۳۸، ۳۹)

باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق یہی ہے، فرماتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
يُرْزَقُونَ، فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ  
يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (آل  
عمران: ۱۷۹، ۱۷۰)

”اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے نہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق (بھی) مل رہا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اس سے خوش ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے اور (شہید ہو کر) ان میں شامل نہ ہو سکے ان کی نسبت خوشیاں منارہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

۲۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کللہ سے آج اس دنیا میں جس طرح انسانوں کو پیدا کیا، انہیں روزی دی، اور انواع و اقسام کی راحت و آسائش سے نوازا کھانے پینے کے لئے لذیذ اور اعلیٰ اقسام کی خورد و نوش کی چیزیں، پہننے کے لئے ایک سے بڑھ کر ملبوسات، رہنے کے لئے آرام دہ مکانات، آمد و رفت کے لئے نت نئی بے شمار سواریاں جس طرح مرحمت فرمائیں۔

دوسری دنیا میں ان سے بہتر اور عمدہ چیزوں کا مہیا کرنا اس کے لئے چنداں دشوار نہیں ہے۔  
۳۔ ادنیٰ ہوش رکھنے والا بھی بقا کے بدلے فنا کو کبھی پسند نہیں کرتا، نہ ہی دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی باقی اور ہمیشہ کی زندگی پر ترجیح دینا گوارا کرے گا۔

اس لئے یہ کوئی معقول بات نہیں کہ دنیوی زندگی کی راحتیں مادی بھی ہوں اور روحانی بھی اور عالم آخرت کی راحتیں محض روحانی ہوں، جب کہ دنیا کی زندگی، زیادہ تنگی، درشتی، گندگی اور فنا ہو جانے والی ہے اس کے بالمقابل آخرت کی زندگی بھید کشاویہ، پاکیزہ، اور لافانی ہے۔ علاوہ ازیں اس دنیا کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس کو برزخ کی زندگی کہا جاتا ہے۔ روایات شاہد ہیں کہ اس زندگی میں جسم اور جان کا رشتہ استوار رہتا ہے۔ جسم فنا ہو جاتا ہے، لیکن روح قبر سے اس طرح منسلک ہوتی ہے جیسے ریڈیو کا تعلق اس کے اسٹیشن سے قائم رہتا ہے۔ چنانچہ جو جب چاہے ریڈیو آن کر کے اسٹیشن سے خبریں سن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں آتا ہے کہ کوئی زائر جب قبر پر آکر سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

یہ اور اس قبیل کی بے شمار عقلی دلیلیں اس موضوع پر دی جاسکتی ہیں۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کے قرار واقعی ارشادات کے مقابلے میں ان دلائل کی وہ حیثیت نہیں، اصل تو بس اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات ہیں۔ اور یہ صحیح اس لئے بھی ہے۔ کہ اللہ اور اس کے رسول کی شہادت سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہو سکتی جب کہ حق تعالیٰ تمام جہانوں کی طرح اس جہان کا بنانے والا ہے۔ اور حضور ﷺ نے پیغمبر خود اس کا مشاہد کیا ہے۔

مومن اور پرہیزگار بندوں پر اپنی نوازش اور مہربانی کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا

ہے۔

اے جو شخص اپنے کسی شہما کی قبر سے گزرے اور اسے سلام کے، تو حق تعالیٰ اس کی مدد کو نوا دیتے ہیں۔  
اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (احزاب المبین ۴۳:۱)

يَا عِبَادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا  
وَكَانُوا مُسْلِمِينَ، اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ، يُطَافُ  
عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَ أَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهُيهِ الْأَنْفُسُ  
وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أَوْ رِثْمُوهَا بِمَا  
كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ○  
(زُحْرَف: ۶۸-۷۳)

”میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے (جنتی) وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اور تمہاری بیویاں عزت اور احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ! ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اور وہاں ان کو وہ چیزیں ملیں گی، جن کو ان کا جی چاہے گا، اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی اور (اسے جنت والو) تم یہاں ہمیشہ رہو گے، اور یہ جنت تم جس کے مالک کر دئے گئے ہو تمہارے نیک اعمال کا صلہ ہے (اور) تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن کو تم کھاؤ گے۔“

اہل جنت کی آسائشوں کا آپ نے جس طرح مشاہدہ کیا، اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ

نے فرمایا۔

”جنتی جنت کے اندر کھائیں گے، پیئیں گے، مگر نہ تھوکیں گے، نہ سکیں گے، نہ پانخانہ کریں گے، نہ پیشاب کریں گے، صحابہ نے عرض کیا پھر کھانا کہاں جائے گا، فرمایا ذکر اور ہمینہ ہو جائے گا، ہمینہ میں منگ کی خوشبو ہوگی ان کو (فطری طور پر تسبیح و تحمید کا المام ہوگا، جس طرح (طبعی طور پر) لوگوں کو سانس لینا بتایا گیا ہے۔“ (مسلم ۱/۸، بخاری ۱۳/۱۳)

نیز فرمایا:

”سب سے اونچی درجہ کے جنتی کا یہ حال ہوگا، کہ اس کے سرانے دس ہزار خدام الہیادہ ہوں گے، ہر ایک کے ہاتھ میں سونے اور چاندی کا ایک ایک پیالہ ہوگا جو رنگ (کا کھانا) ایک میں ہوگا دوسرے میں اس سے مختلف رنگ کا ہوگا، لیکن پہلے اور دوسرے کی لذت اور خوشبو یکساں ہوگی، یہ خوشبو تیز منگ کی ہوگی وہ (جنتی) نہ پیشاب کریں گے، نہ پانخانہ کریں گے، نہ

ان کے ریٹ نکھے گی۔“

(ابن ابی الدنیا، طبرانی، الترغیب والترہیب ۵۰۸/۳)

مذکورہ بالا اس ایک روایت پر بس نہیں، ہمارے سامنے دسیوں آیات اور احادیث ایسی موجود ہیں، جو اہل جنت کی آسائش اور ان کے ایک ایک آرام کو صاف صاف بیان کرتی ہیں، اور صراحت کے ساتھ یہ بتاتی ہیں کہ وہاں کی راحتیں جسمانی اور روحانی ہر دو قسم کی ہوں گی، نیز یہ بھی کہ وہاں کی راحتیں خورد و نوش کی حد تک محدود نہ ہوں گی، بلکہ پوشاک، آرائش و زیبائش اور نشست و برخاست کی اعلیٰ سہولتیں فراہم ہوں گی، خوبصورت بیویوں سے ملاطفت، ناز و نعم، گھوڑے کی سواری، ایک دوسرے کی زیارت، اور باہم ملاقات غرض ہر قسم کی راحت نصیب ہوگی۔

ذیل میں زیورات اور پوشاک سے متعلق چند آیات اور روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ وَهُدًوَا إِلَى الظَّيْبِ مِنَ الْقَوْلِ ○ (الحج: ۲۳-۲۴)

”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انہیں اللہ (بہشت کے ایسے) باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہاں ان کو سونے کے ننگن اور موتی پنائیں جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور (یہ اس وجہ سے کہ) ان کو (دنیا میں) کلمہ طیبہ کی طرف ہدایت ہوگئی تھی۔“

تخت اور مسریاں:

جن تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ نُفُثًا مِنَ الْأُولَئِينَ وَ قَلِيلٌ مِنَ الْأَخْرَجِينَ عَلَى سُرُرٍ مَوْضُونَةٍ مُتَكِنِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ○ (واقفہ: ۱۶ تا ۱۰)

”اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں یہی لوگ (اللہ کے ساتھ خاص

قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ نعمت کے بانوں میں ہوں گے وہ اگلے لوگوں میں بہت سے ہوں گے اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے وہ جلاؤ تختوں پر آنے سائے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔“

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا وَدَايِبَةٌ عَلَيْهِمْ ظِلًّا لَهَا وَذَلَّلْتُ قَطْرُفَهَا تَذْلِيلًا ○ (دھر: ۱۲، ۱۳)

”اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت کے باغ اور ریشم کا لباس عطا فرمائے گا“ ان میں وہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں نہ ذہ دھوپ کی (تیزی) دیکھیں گے اور نہ سردی کی (شدت) اور درختوں کے سائے ان پر جھک جھک پڑیں گے اور ان کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے۔“

● عورتیں:

وَعِنْدَهُمْ قَصِيرَاتُ الظَّرْفِ عَيْنٌ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُونٌ ○ (صافات: ۳۸، ۳۹)

”اور ان کے پاس ننھی نگاہ رکھنے والی (اور) بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اور اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت زمین پر جھانکے تو تمام زمین روشن ہو جائے اور آسمان و زمین کے درمیان میں اس کی خوشبو پھیل جائے اور جنتی عورت کی فقط ایک اوڑھنی دنیا و انیسا سے بہتر ہے۔

(بخاری کے الفاظ قریب قریب یہی ہیں، ۲۱۲۰/۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

اگر اہل جنت کی ایک عورت جھانک کر دیکھ لے تو زمین مٹک کی تیز خوشبو سے بھر جائے اور چاند سورج کی روشنی ماند پڑ جائے



## ● جنت کے نفع:

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

”جنت میں بڑی بڑی غلانی آنکھوں والی حوروں کے لئے ایک جگہ مقرر ہے جہاں یہ سب جمع ہوں گی، اور سب مل کر ایسی شیریں اور سریلی آواز سے گائیں گی کہ مخلوق نے اس کی مانند آواز بھی کبھی نہ سنی ہوگی وہ کہیں گی۔“

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ، فَلَا تَبِيدُ! وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبَأُ! وَنَحْنُ الرَّاحِضِيَّاتُ، فَلَا نَسْحَطُ! طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكَثَالَهُ! ○

● ہمیشہ رہنے والی ہم ہی ہیں، ہم ہلاک نہ ہوں گی، ناز و نعمت میں رہنے والی ہم ہی ہیں، ہم آزرہ نہ ہوں گی، راضی رہنے والی ہم ہی ہیں، ہم کبھی غصہ نہ ہوں گی، اس کا کیا کہنا جس کی ہم ہی ہیں، اور جو ہمارا ہے۔“

(بیہقی، ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے۔ الترغیب والترہیب ۴/۵۳۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

”جنت میں ایک نر ہے، جو جنت کی لبائی تک چلی گئی ہے، اس کے کنارے آنے سامنے کنواری لڑکیاں صف بستہ کھڑی نہایت خوش الحانی کے ساتھ (جس کو خلائق نے سنا بھی نہ ہوگا) گاتی ہوں گی، ان لڑکیوں کی نظیر جنت میں بھی نہ ہوگی (حدیث کے راوی) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا، وہ نغمہ کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا: خدا نے چاہا تو تسبیح، حمد باری، تقدیس، اور ثناء خداوندی ان کا نغمہ ہوگا۔“

## ● گھوڑے اور ان کی سواریاں:

روایتوں میں ہے کہ:

حضرت عبدالرحمن بن ساعدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور ﷺ مجھے گھوڑا بہت پسند ہے۔ کیا بہشت میں گھوڑے بھی ہوں گے، آپ نے فرمایا، اگر تم بہشت میں داخل ہوئے تو یا قوت کا ایک گھوڑا تمہارے پاس آئے گا، اس کے دو بازو ہوں گے، اس پر تمہیں سوار کیا جائے گا، اور تم جہاں چاہو گے، وہ تمہیں اڑالے جائے گا۔

(طبرانی، اس کے راوی ثقہ ہیں، الترغیب ۴/۵۳۵)

جنت میں ایک درخت ہے، اس کے اوپر سے پوشاک اور نیچے سے سترے گھوڑے برآمد ہوں گے، ان کی لگام اور زین موتی اور یاقوت کی ہوگی، وہ نہ لید کریں گے، نہ پیشاب کریں گے، ان کے بازو ہوں گے، ان کا ایک قدم حد نظر تک جائے گا، اہل جنت ان پر سوار ہوں گے۔ اور جہاں وہ چاہیں گے گھوڑے انہیں لے کر پرواز کریں گے۔

(ابن ابی الدنیا، الترغیب والترہیب ۵/۵۴۴)

### ● زیارت اور باہم ملاقات:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”اہل جنت جنت میں داخلہ کے بعد اپنے بھائی جنتیوں سے ملاقات کرنا چاہیں گے، ملاقات کا خیال آتے ہی ہر دو مشتاق زیارت کے تحت ایک دوسرے کی طرف بڑھیں گے تا آنکہ ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں گے، دونوں گاؤں لگائے لگائے ایک دوسرے سے کہیں گے، تمہیں یاد ہے، اللہ تعالیٰ نے کب ہماری مغفرت قبول کی تھی؟ دوسرا جنتی کہے گا۔ (کیوں نہیں!) فلاں دن فلاں حالت میں ہم نے دعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخش دیا۔“

(ابن ابی الدنیا، بزاز، الترغیب والترہیب، ۴/۵۴۳)

### ● جنت کی سب سے بڑی نعمت اور نعمتوں کا تکملہ:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

جب اہل جنت، جنت میں رہنے لگیں گے، تو فرشتہ آکر ان سے کہے گا، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم اس کی زیارت کے لئے اکٹھا ہو جاؤ، جنتی اکٹھا ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے کہیں گے، وہ (اپنی مخصوص لجن کے ساتھ) خدا کی حمد و ثناء پڑھیں گے، پھر بہشت کا دسترخوان بچھایا جائے گا۔ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا۔ بہشت کا دسترخوان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، غلہ کا ایک گوشہ ہے۔ اس کا عرض مشرق سے مغرب تک ہے، وہاں بیٹھ کر وہ کھائیں گے، پھر انہیں خلعت دی جائے گی۔ پھر وہ کہیں گے اپنے رب کی زیارت کے علاوہ ہمارے لئے کوئی نعمت باقی نہیں رہی ہے، فوراً حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور سارے جنتی سجدہ میں گر پڑیں گے تب ان سے کہا جائے گا، (سجدہ سے سر اٹھا لو) یہ عمل کی جگہ نہیں، یہ جزا اور بدلہ کا گھر ہے۔

(ابو نعیم، منذری نے سکوت اختیار کیا، الترغیب والترہیب ۴/۵۳۶)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

اہل جنت عیش و راحت میں ہوں گے کہ ایک نور جلوہ گر ہوگا، اہل جنت سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگیں گے، یہ حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی، حق تعالیٰ کے گلے

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ ○

”اہل جنت تم پر سلامتی ہو!“

جنتی جب تک نور کی اس تجلی کی طرف متوجہ ہوں گے، انہیں کسی اور نعمت کی طرف مطلق التفات نہ ہوگا، تاآنکہ نور وہاں سے ہٹ جائے گا، لیکن اس کی برکت اور رونق ان کے اندر برقرار رہے گی۔

(ابن ماجہ، منذری ۴/۵۵۳)

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا، اے جنت والو وہ کہیں گے بلیک رہنا وسعدیک (اے پروردگار ہم حاضر ہیں، اور ہر قسم کی سعادت بس تیری طرف سے ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تم لوگ راضی ہو گئے ہو، وہ عرض کریں گے ہم کیوں نہ راضی ہوں، ہمیں تو نے وہ کچھ عطا فرمایا ہے، جو اور مخلوق کو عطا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں تمہیں اس سے بھی اچھی چیز دیتا ہوں وہ عرض کریں گے، اس سے زیادہ اچھی چیز اور کون ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں تم پر اپنی رضامندی اتارتا ہوں اور ابد الابد تک کبھی ناراض نہ ہوں گا۔

(بخاری، مسلم، بالفاظِ مسلم ۸/۱۳۳، اللؤلؤ والمرجان ۳/۲۸۷، بخاری ۸/۱۳۲)

● جہنمی کا گھر:

جہنمی کا گھر جنم ہے جو کافروں کا ٹھکانہ ہے۔ جیسے سلامتی کا گھر جنت ہے جو صاحب ایمان پر ہیز گاروں کا ٹھکانہ ہے پہلے گذرا کہ عقیدہ مومن کے اہم جز یعنی عقیدہ آخرت کی

لے ہادی تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بیتہ ماشیہ اگلے صفحے پر

بحث کی تکمیل کے لئے بالخصوص حشر و نشر اور جنت کی نعمتوں اور جہنم کی اذیتوں کو اس طرح بیان کرنا ضروری ہے جس سے دونوں کی حقیقت بخوبی عیاں ہو جائے اور دلوں میں جنت کا حصول اور اس کی رغبت پیدا ہو اور جہنم سے بچنے کی فکر و امن گیر ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ دلوں میں ایمان اور تقویٰ پیدا ہو کہ اس کے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں، جیسے جہنم سے بچنے کے لئے شرک اور معصیت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ گذشتہ صفحات پر جنت کا تذکرہ قدرے تفصیل سے آچکا ہے اور خدا نے چاہا تو حساس قاری اس تذکرہ کی آخری سطروں کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس کرے گا جیسے وہ اپنی آنکھوں سے جنت کو دیکھ رہا ہو اور اپنے جسم اور جان کے ساتھ وہاں کی عطربیز فضاؤں میں سانس لے رہا ہے، آئندہ سطروں میں تباہی کے اس گھر سے متعلق چند باتیں پیش کی جا رہی ہیں، جسے جہنم کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

اور جنت اور اس کی نعمتوں سے شاد کام کرے جہنم کے ذکر سے پہلے ہم یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہر دو کے تذکرے میں ہم قدرے فرق ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ جنت کے تبصرے میں اگر تفصیل اور طوالت مناسب تھی تو جہنم کے تذکرے میں اختصار بہتر ہوگا

بقیہ ماہیہ بچیلے ملے کا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا بَشَرًا لَّيْسَ بِشَرِّهِمْ وَأَعْلَوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْنَوَارِ جَهَنَّمَ بَصُلُوْا نَهَا وَيَسْ

الْقَوَارِ ۝ (ابراہیم: ۲۸، ۲۹)

● ۱۷؎ ٹیبر کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو تباہی کے گڑھے میں اتارا (یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ نکاحانہ ہے۔

لَّ وَاللَّهُ يَدْعُوْا إِلَى دَارِ السَّلَامِ (يونس: ۲۵) لَّهُمْ دَارُ السَّلَامِ جَنَّاتُ زَيْتُونٍ ۝ (النعام: ۱۴)

● ۱۸؎ اللہ سلامتی کے گھر (یعنی جنت) کی طرف بلا تا ہے۔ ان لوگوں کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر (یعنی جنت) ہے۔

اس لئے کہ راحت او آرام اور آسائش کے ذکر سے دل کو آرام اور راحت ملتی ہے، جب کہ سختی درشتی اور اذیت کا حال سن کر طبیعت میں انقباض اور اذیت کا احساس ہوتا ہے۔ بنا بریں زیر نظر موضوع کو ہم سرسری طور پر بیان کریں گے۔ اور جہاں جنت اور وہاں کی راحت اور لذتوں کو تفصیل سے بیان کیا جہنم کے محض اجمالی ذکر پر اکتفا کریں گے۔

**● جہنم محشر میں لائی جائے گی:**

آہ یہ وہی جہنم ہے جو قیامت کے دن گمراہوں اور مشرکوں کے سامنے محشر میں لائی جائے گی، حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجَانَّتِي يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ○ (نجم: ۴۳)

● ”اور جس دن دوزخ حاضر کی جائے گی۔“  
نیز فرمایا۔

وَتَبَّتْ الْعَجَاوِبُ ○ (شعرا: ۹۱)

● ”اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی۔“

اس روز جب کائنات میں عظیم انقلاب برپا ہوگا، یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور یہ آسمان دوسرے آسمان سے بدل جائے گا اور سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جو یکساں اور زبردست ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○

(ابراہیم: ۴۸)

● ”جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل دئے جائے گے اور سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جو یکساں اور زبردست ہے۔“

اس وقت حشر کے میدان میں کھڑے ہونے والے دم بخود رہ جائیں گے اور یہ عجیب منظر دیکھیں گے کہ جہنم ان کے سامنے لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ جس طرح ریلوے انجن کھینچا اور موڑا جاتا ہے جہنم بھی بے شمار لگاؤوں کے ذریعہ کھینچی جائے گی وہ جوش مارتی اور چمکتی ہوگی، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَجَائِ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى يَقُولُ  
يَلَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ○ (جم: ۲۳، ۲۴)

”اور جس دن دوزخ حاضر کی جائے گی جس دن انسان غفلت سے چونکے گا لیکن اس وقت چونکا کیا فائدہ دے گا۔ اس دن وہ کہے گا کہ کاش میں نے اپنی زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال آگے بھیجے ہوتے۔“

وَبَرَزَاتِ الْجَحِيمِ لِلْغَاوِينَ وَقِيلَ لَهُمْ إِنَّمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ  
اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُم أَوْ يَنْتَصِرُونَ فَكَبَّكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ  
وَجُنُودُ ابْلِيسَ أَجْمَعُونَ ○ (شعراء: ۵۹، ۶۰)

”اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے وہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں تو وہ (بت) اور (ان کے پوجنے والے) گمراہ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اس روز جہنم کی ستر ہزار لگائیں ہوں گی۔ اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑے کھینچتے ہوں گے۔ (مسلم ۱۳۹/۸ ترمذی: باب منہ جہنم ۱)

● جہنم کے دروازے:

تباہی کا یہ گھر جہاں شقاوت اور بد بختی کا دور دورہ ہوگا، جہاں زینہ بہ زینہ پستی، نامرادی اور حسرت ہی حسرت برستی ہوگی، جس کا اندازہ کیا کوئی کر سکتا ہے؟ جہنم میں نیچے ہی نیچے سات طبقے ہوں گے، ہر حصہ کا عذاب الگ ہوگا، سب سے اوپر کا عذاب ہلکا اور سب سے نچلے طبقے کا عذاب نہایت سخت ہوگا۔ ان تمام طبقوں کے نام اور ان کے دروازے سب مخصوص ہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ، لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ  
جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ○ (جم: ۲۳، ۲۴)

﴿تذکرہ﴾ ”اور ان سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے اس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے داخل ہونے کے لئے ان لوگوں کا الگ الگ مقرر کردہ گروہ ہے۔“

إِنَّ الْمُنَّافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ○ (نساء: ۱۳۵)

﴿تذکرہ﴾ ”بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے۔“

یہ نچلے طبقے نام بنام قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ البتہ ان کا ذکر موقعہ بموقعہ مختلف متفرق سورتوں میں ملتا ہے۔ جب کہ سلسلہ وار ان کی ترتیب اس طرح ہے۔ ۱۔ نارِ جہنم (آتش دوزخ) ۲۔ لیلیٰ (دیکھتی ہوئی آگ) ۳۔ حُطَمَہ (ریزہ ریزہ کردینے والی) ۴۔ سَعِیر (آگ کی لپیٹ) ۵۔ سَقْفَر (جھلس دینے والی) ۶۔ جَحِیم (بھڑکتی ہوئی آگ) ۷۔ ہَاوِیَہ (گہری آگ)

جہنم کی یہ سات تمہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے (آمین)

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ○

﴿تذکرہ﴾ ”اے اللہ ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور رکھو، بلاشبہ اس کا عذاب (نافرمانوں کے لئے) لازم ہو جانے والا ہے اور بلاشبہ دوزخ برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔“

● داخلہ کی کیفیت:

کافروں کے گروہ در گروہ کو نہایت ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف مسلسل ہانکا جائے گا، دوزخ ان کے بالکل سامنے لائی جائے گی ارشاد ہے۔

وَيَسِقُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ مُرَمًا ○ (زمر: ۱۷)

﴿تذکرہ﴾ ”اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔“

جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش اور غرانے کی آواز کو سنیں۔

إِذَا رَأَوْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَ زَفِيرًا ○ (الفرقان: ۱۲)

﴿تذکرہ﴾ ”جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش اور اس کی غراہٹ کو سنیں گے۔“

پھر دوزخ سے ایک گردن نکلے گی اور جن سرکشوں اور ظالموں سے متعلق خدا کا حکم ہوگا، جنم ایک مرتبہ میں ان سب کو ہڑپ کر لے گی۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔  
قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی۔ اور وہ دیکھیں گی دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی اور کئی کئی میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں، ہر سنگبر، سرکش پر اور پھر اس شخص پر جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا اور صورت بنانے والوں پر۔

(ترمذی باب ۱)

جب یہ گروہ جنم کے دروازوں پر پہنچیں گے تو انہیں بند پائیں گے پھر ان کے دروازے کھولے جائیں گے اور انہیں سختی سے دھکیل کر جنم میں ڈال دیا جائے گا، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَ يَدْعُونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكذَّبُونَ  
أَفْسَحُوا لَهَا آفَافًا لَّئِي تَصِيرُوا فِيهَا مِن تَصِيرًا  
سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُحْزَرُونَ مَأْكَلْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(طور: ۱۶۴۳)

”جس روز ان کو دوزخ کی آگ کی طرف ڈھکیل ڈھکیل کر لے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر نہیں آتا اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے یہ انہی کا بدلہ تم کو مل رہا ہے۔“

کظہ اور مشرکین زنجیروں میں بندھے ہوں گے، طوق ان کے گلے میں، اور ان کے پیر بیڑوں میں جکڑے ہوں گے، اور اسی حالت میں انہیں جنم کی انتہائی تنگ جگہوں میں ڈالا جائے گا۔

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا لَمْ يَأْمُرُ اللَّهُ بِالْمُتَّوِّبِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝ (فرقان: ۳)

”اور جب یہ لوگ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔“



وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ سَرَابِئِلُهُمْ مِنْ قَطْرَانٍ  
وَتَفْئِسَىٰ وَجُوهُهُمْ النَّارُ ۝ (ابراہیم: ۳۹-۵۰)

”اور اس دن تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں بکڑے ہوں گے ان کے  
کرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے چروں کو آگ لپیٹ رہی ہوگی۔“

جنیوں کے حالِ زار کا یہ محض ایک خاکہ ہے، اس ہیئت کذائی کے ساتھ یہ جہنم میں  
داخل ہوں گے جہنم ہی کی مناسبت سے حسبِ وعدہ۔ مختصر الفاظ میں ان کے احوال کی مزید  
عکاسی پیش کی جا رہی ہے واللہ المستعان!

سزا اور لعنت ملامت:

زلت اور ہلاکت کے مارے ہوئے دوزخی ابھی اپنے ٹھکانوں پر ٹھیک طرح سے جمنے  
بھی نہ پائیں گے کہ عھارت، اہانت، اور اذیت کا دوسرا دور شروع ہوگا، یہ اذیت ڈانٹ و پٹ  
زجر و توبخ اور ذہنی کڑھن کی اذیت ہوگی جو سراسر روحانی اور نفسیاتی تکلیف کا باعث ہوگی،  
چنانچہ عذاب کے فرشتے انہیں کچوکے دیں گے اور کہیں گے۔

الَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝ (ملک: ۸)

”کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔“

الَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ  
يَوْمِكُمْ هَذَا ۝ (ذمر: ۱۷)

”کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار  
کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے۔“

هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ (طور: ۱۳)

”یہی وہ آگ ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔“

اَضْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُحْزَنُونَ مَا كُنْتُمْ  
تَفْعَلُونَ ۝ (طور: ۱۶)

”اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے یکساں ہے جو کام تم کیا

کرتے تھے یہ انہی کا بدلہ تم کو مل رہا ہے۔“

فَذُو قُو الْفَلَنُ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝ (نبا: ۳۰)

”اب اپنے کئے کا مزہ چکھو اور ہم تو تمہارے لئے عذاب ہی بڑھائے جائیں گے۔“

یہ اور اس جیسی ڈانٹ ڈپٹ کی مثالیں قرآن پاک میں بکثرت وارد ہیں ہم نے چند مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔

نیز اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں کہ قرآن پاک نے دوزخیوں کی لعنت ملامت کا بکثرت ذکر کیا ہے، البتہ ذیل میں حق و صداقت پر مبنی محض چند آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے خدا کرے ہم خوف و خشیت کے ساتھ ان آیات کو سنیں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعْنَتٌ أُخْتَتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا آذَرَكُمَا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأَوْلَاهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَأَتِينَهُمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۚ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلَكِنَّ لَا تَعْلَمُونَ ۚ وَقَالَتْ أَوْلَاهُمْ لِأَخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُو قُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ (الاعراف: ۳۸، ۳۹)

”جب ایک جماعت دوزخ میں داخل ہوگی تو اپنی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو ان میں پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کی نسبت کے گی“ اسے پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ تو ان کو دوزخ کا عذاب ہم سے دوگنا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں اور یہ (سن کر پہلی جماعت پچھلی جماعت سے کے گی، تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت ثابت نہ ہوئی تو اپنے کئے کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو۔“

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا

مُؤْمِنِينَ، قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا اَنْحٰنُ صَدَدْنَا كُمْ  
عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ، وَقَالَ الَّذِينَ  
اسْتَضَعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَأْمُرُونَآ اَنْ  
نُكْفِرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗ اَنْدَادًا وَاَسْرُوا التَّدَامَةَ لَمَّا رَاُوَ الْعَذَابَ  
وَجَعَلْنَا الْاَغْلَالَ فِيْ اَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا  
يَعْمَلُوْنَ ۝ (سبا: ۳۳-۳۴)

”اور کاش تم ان ظالموں کو اس وقت دیکھو جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے  
کھڑے ہوں گے (اور) ایک دوسرے سے روکد کر رہے ہوں گے، جو لوگ کمزور تھے  
جاتے تھے وہ سرکشوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے سرکش  
لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا۔ جب کہ وہ تمہارے  
پاس آچکی تھی۔ (ہرگز نہیں) جب کہ تم ہی گنہگار تھے اور کمزور لوگ سرکشوں سے کہیں  
گے۔ (نہیں) بلکہ تمہارے رات دن کے کمر (دفریب) نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہم سے  
کہتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں  
گے تو دل میں پشیمان ہوں گے، اور ہم کافروں کی گردن میں زنجیریں ڈال دیں گے (اور)  
انہیں اس کے موافق سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔“

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُوْنَ، قَالُوْا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَآ  
عَنِ الْيَمِيْنِ، قَالُوْا بَلْ لَمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ، وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ  
سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ، فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اِنَّآ لَذٰلِقُوْنَ،  
فَاَعْوَبْنَا كُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ، فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝  
(صفت: ۳۳-۳۴)

”اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں سوال و جواب کریں گے  
اور کہیں گے کہ تم ہی تو ہمارے دائیں اور بائیں سے آتے تھے، وہ کہیں گے بلکہ تم ہی  
ایمان لانے والے نہ تھے اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے تو ہم

سب ہی پر ہمارے پروردگار کی بات پوری ہوگئی، اب ہم مزے چکھیں گے۔ ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا (اور) ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس یقیناً وہ اس دن عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔“

هَذَا وَإِنَّ لِلظَّالِمِينَ لَشَرَّ مَأْبٍ ○ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَنَسِ الْمِهَادُ ○  
هَذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَعَسَاقٌ ○ وَأَخْرَجْنَا مِنْهُ أَزْوَاجًا هَذَا فَوْجٌ  
مُفْتَقِعٌ مَعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ○ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا  
مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مَثُمُوهُ لَنَا فَنَسِ الْقَرَارُ ○ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ  
لَنَا هَذَا فَرِيدَةً عَدَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ○ وَقَالُوا مَا لَنَا لَأَنْزَى رَجَالًا كُنَّا  
نَعْلَمُهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ○ اتَّخَذْنَا هُمْ سِخْرِيًا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ  
○ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاضَعُ أَهْلُ النَّارِ ○ (ص: ۵۵، ۶۳۲)

● ”یہ (نعیتیں تو فرمایا ہماروں کے لئے ہیں) اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہے (یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (ہے) اب اس کے مزے چکھیں اور اس طرح کے بہت سے (عذاب ہوں گے) یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہوگی ان پر خدا کی مار، یہ بھی دوزخ میں آ رہے ہیں۔ (پہچے آنے والے) نہیں گے بلکہ تم ہی پر خدا کی مار، تم ہی تو یہ (بلا) ہمارے سامنے لائے ہو، تو یہ برا ٹھکانہ ہے۔ (پھر وہ اللہ تعالیٰ سے) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو اس کو ہمارے سامنے لایا ہے اس کو دوزخ میں دو ٹا عذاب دے اور وہ لوگ کہیں گے کہ کیا بات ہے کہ ہم (یہاں) ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو یہاں میں شمار کرتے تھے، کیا ہم ان سے ناحق ٹھٹھا کرتے تھے یا ہماری آنکھیں اس سے پھر گئی ہیں۔ بلاشبہ یہ (یعنی) اہل دوزخ کا جھڑنا برحق ہے۔“

### ● دوزخیوں کے سامنے ابلیس کی تقریر:

دوزخیوں کے رہے سے اوسان اس وقت خطا کر جائیں گے جب شیطان ابلیس ان کے سامنے نصیحت صاف صاف کھری کھری باتیں کہے گا، اس کی یہ تقریر واضح دو ٹوک اور

راست دل میں اتر جانے والی ہوگی۔ (اس مقرر اور ان سامعین کو خدا تعالیٰ یکساں ذلیل کرے)۔ غرض ابلیس کے لئے آگ کا ایک منبر نصب ہوگا، ابلیس اس پر چڑھ کر دوزخیوں کو بلند آواز سے خطاب کرے گا اس خطاب کو سن کر دوزخیوں کے اوپر حسرتوں اور نامرادیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے، ان کے صدمہ اور رنج و غم کی کوئی حد نہ ہوگی اور حقیقت میں اس کی یہ تقریر حسرت انگیز ہوگی۔ اور اس کے ایک ایک لفظ سے دل کے زخم ہرے ہو جائیں گے۔ ابلیس کے اس خطاب کو قرآن کریم نے من و عن نقل کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَّ الْحَقِّ  
وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ  
دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَوْلَا أَنْفُسُكُمْ مَا آتَا  
بِمُضْرِحِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُضْرِحِي إِنْ كَفَرْتُمْ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِي مِنْ  
قَبْلِ أَنْ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ (ابراہیم: ۲۲)

”اور (جب قیامت کے دن ہر بات کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کے گاکہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، مگر اسے پورا نہ کیا میرا تم پر کسی طرح کا زور نہ تھا، جو اس کے کہ میں نے تم کو بلایا اور تم نے میرا کہا مان لیا، تو (آج) مجھے حلاوت نہ کرو، نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو، اس سے پہلے جو تم نے مجھے اللہ کا شریک بتایا تھا تو میں اس سے بیزار ہی ظاہر کرتا ہوں، بلاشبہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

● جنم کا درجہ حرارت:

دوزخ کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ ہر چیز اس میں پڑ کر پھل جائے گی اس پر مستزاد یہ کہ اس کی آج اور تپش لمحہ بہ لمحہ بڑھتی رہے گی اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ كُلُّهَا حَبَّتْ زِدْنَهُمْ حَبَّتًا ذَلِكَ جَزَاءُ هُمْ بِأَنَّهُمْ  
كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْآ لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا  
جَدِيدًا أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ

عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِنْهُمْ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيهِ ۝ (اسراء: ۹۷-۹۹)

”ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جب کبھی (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لئے اسے) اور بھڑکائیں گے یہ ان کی سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا۔ اور یوں کہتے تھے کہ جب ہم (مرنے کے بعد) گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے (اللہ نے فرمایا کہ) کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اس بات پر قادر ہے کہ وہ آدمی دوبارہ پیدا کر دے۔ اور اس نے ان کے لئے (آخری فیصلہ کی) ایک میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔“

پھر چونکہ جنم کی آگ کو دنیا کی آگ سے کوئی نسبت نہیں اس لئے جس طرح دنیا میں گرم اشیاء یا درجہ حرارت کی پیمائش ہوتی ہے جنم کی تپش یا اس کے درجہ حرارت کی پیمائش ممکن نہیں۔ اتنا ضروری ہے کہ صحیحین کی اس روایت کی رو سے اگر ہم حساب لگائیں۔ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

”جس آگ کو تم جلاتے ہو دوزخ کی آگ کی گرمی کے سترہویں حصہ میں سے ایک ہے۔ (یہ الفاظ حضور ﷺ نے فرمائے تو صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم! یہی کافی تھی! فرمایا: اس سے ۶۹ واں حصہ اس میں گرمی زیادہ ہے۔“

مشفق علیہ الفاظِ مُسَلَّم کے ہیں ۱۳۹/۸، ۱۵۰

اللوٹو والمرجان ۲۹۰/۲، بخاری ۱۳۷/۳، مؤطا ۱۵۵/۳

اس حدیث کی روشنی میں اگر ہم دنیا کی آگ کا درجہ حرارت معلوم کریں۔ اور حدیث بالا میں درج تناسب سے اس کو ضرب دیں تو ممکن ہے تخمینہ طور پر جنم کی آگ کا درجہ حرارت ہمیں معلوم ہو جائے۔

● جنم کی آگ کا رنگ:

دنیا میں آگ کا بغور مشاہدہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ ایک روشن، گرم اور شعلہ زن جوہر ہے۔ لیکن جنم کی آگ کیسی ہوگی؟ ظاہر ہے وحی الہی کے بغیر اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں امام مالک کو خدا غریقِ رحمت کرے۔ انہوں نے اپنی کتاب مؤطا میں صحیح

روایت درج کی ہے۔ جس سے با آسانی یہ پتہ چلتا ہے کہ جہنم کی آگ سیاہ ہے۔ اور اس کا رنگ کوئلار سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔  
 ”کیا تم دنیا کی آگ کی طرح جہنم کی آگ کو بھی سرخ سمجھتے ہو۔ (ایسا نہیں ہے)۔ بلکہ وہ تو کوئلار سے کہیں زیادہ سیاہ ہے۔“

(موطا: ۱۵۶/۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”دوزخ کو ہزار سال تک بھڑکایا گیا۔ تو وہ لال ہو گئی۔ پھر ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سفید ہو گئی۔ پھر ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ کالی ہو گئی۔ چنانچہ وہ کالی اندھیری ہے۔“

(ترمذی: جہنم / باب نمبر ۸، ابن ماجہ زید / باب نمبر ۳)

اس روایت کی روشنی میں آتش دوزخ کا رنگ با آسانی معلوم ہو جاتا ہے۔ نیز اس بحث کی تحریر کے دوران راقم کو یہ بھی علم ہوا کہ جدید سائنس کے ماہرین نے آسمان دنیا کے اس سورج کے علاوہ فضاء بسیط کے اندر موجود کئی دوسرے زبردست سورجوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد آگ کے اس رنگ کو مبنی پر حقیقت قرار دیا ہے۔

### ● جہنم کی گہرائی:

جہنم۔ جو تباہی کے اس بڑے گھر کی ایک گھٹائی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی تمہ کی پیمائش یا اس کی گہرائی سے متعلق وحی الہی کے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ نہ موجودہ دور کی کسی بڑی سے بڑی ایٹمی اور ہائیڈروجنی بمبھی سے اس کو تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی تمام بھڑیاں مل کر بھی جہنم کے کسی معمولی حصے کی برابری نہیں کر سکتیں۔ علاوہ ازیں دنیا اور آخرت میں، اور ہر دو جگہ کے طبعی حالات اور حدود میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس پر مستزاد

لے ترمذی نے کہا۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت زیادہ صحیح ہے۔ الترمذی ۳۴۳/۱۔ مولف عرض پرداز ہے کہ اس عنوان کے تحت رائے سے کچھ نہیں کہا جاسکتا اس لئے یہ روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔

یہ کہ خالق قوی اور مخلوق ضعیف کی، صنعت اور کارگیری میں کوئی مقابلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی جنم کی تخمینی گہرائی حضور ﷺ کے اس ارشاد سے باآسانی معلوم ہو سکتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

”اگر ایک بڑا پتھر دوزخ کے کنارے سے گرایا جائے تو وہ ستر سال تک گرنا ہی رہے گا پھر بھی اپنے ٹھکانے کی جگہ نہ پہنچے گا۔“

(ترمذی/۲، احمد/۴، ۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”ایک بار ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ گزگراہٹ کے ساتھ ایک آواز سنائی دی۔ فرمایا: جانتے ہو، یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا خدا اور خدا کا رسول ہی خوب واقف ہے۔ فرمایا: دوزخ کے اندر ایک پتھر ستر سال پہلے پھینکا گیا تھا۔ وہ برابر دوزخ میں گر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس وقت وہ گہرائی میں پہنچ گیا۔“

(مسلم: ۱۵۰/۸)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ آپ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے

تھے۔

”دوزخ کو بہت یاد کیا کرو، کیونکہ اس کی گرمی بہت تیز اور سخت ہے۔ اس کی گہرائی بہت لمبی ہے اور اس کے گرزب لوہے کے ہیں۔“

(ترمذی/۲)

### ● جنم کی وادیاں:

جنم کی ایک الگ دنیا ہے۔ جو نہایت لامحدود اور غیر متناہی ہے۔ البتہ اس کی حدود دیا رقبہ کی پیمائش (کسی حد تک سہی) صرف احادیث میں درج مخصوص اشارات سے معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”دوزخ کے اندر کافر کی داڑھ کوہ احد کے برابر ہوگی۔ جس کا رقبہ پانچ میل اور بلندی ایک میل ہوگی۔“

۱۔ ہانغاؤ مسلم یہ روایت اس طرح ہے۔

کافر کی داڑھ کوہ احد کے برابر ہوگی۔ اور اس کی کھل کی موٹائی تین شب کی مسافت کے برابر ہوگی۔ (مسلم

(۱۵۳/۱۵۳)



یہ صحیح ہے اور وحی الہی کی رو سے اس کی صراحت ملتی ہے کہ سراسر تہاں اور بدبختی کے اس گھر میں جا بجا وادیاں اور پہاڑ بھی ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ساتھ ساتھ ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے عذاب کی نوعیت اور اس کی شدت کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ نیز سلف صالحین نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد جہنم کی مخصوص وادیاں ہیں۔ منجملہ این الفاظ میں سے ایک لفظ ”فی“ ہے۔ جو اس آیت میں وارد ہے:

● — فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِ هُمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا ۝ (مریم: ۵۹)

● ”پھر اس کے بعد ایسے ناخلف ان کے جا نشین ہوئے جنہوں نے نماز کو کھو دیا (اور) برباد کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ پس یہ گمراہی (کے نتیجہ) کو پالیں گے۔“

ایک اور لفظ ”آخام“ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

● — وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ (فرقان: ۶۸)

● ”اور جو ایسے کام کرے گا تو سخت سزا پائے گا۔“

اسی طرح ”ویل“ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ (مطففين: ۱)

● ”ہپ تول میں کمی کرنے والوں کی بڑی تیرابی ہے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا:

”ویل“ روزخ میں ایک وادی (کا نام) ہے۔ (وہ اتنی گہری ہے کہ) اس کی تہ تک پہنچنے سے پہلے کافر چالیس سال تک گرتا رہے گا“

(ترمذی تفسیر سورہ انبیاء۔ احمد ۳/۴۵، حاکم ۴/۵۹۶)

● جنہم کے طوق اور زنجیریں:

طوق، زنجیر، بیڑیاں اور ہتھکڑیاں سخت اذیت رسانی کا نہایت قدیم ذریعہ ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کے بغیر قید باشقہت اور سخت سزاؤں کا تصور بھی نہیں کیا

جاسکتا یہی وجہ ہے کہ جہنم کے اذیت گھر میں زنجیر، طوق، بیڑی اور ہتھکڑی غرض ایک ایک چیز کا ہونا یقینی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی متفرق سورتوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔  
ارشاد ہے۔

● اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلْسِلًا وَاغْلَالًا وَّ سَعِيْرًا ○ (انسان: ۴)

● ”بلاشبہ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دکھتی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

● اِنَّ لَدَيْنَا اَنْكَارًا لَا وَّجْهَ لِمَا وَّطَعَامًا ذَاغُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (مزل: ۱۳)

● ”بے شک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے۔ اور ایسا کھانا ہے جو گلے میں پھنس جائے گا اور دردناک عذاب ہے۔“

● فَمَسُوْفٌ يَّعْلَمُوْنَ اِذَا اَغْلَلُوْا فِيْ اَعْتَاقِهِمْ وَاَلْسَلِسِلُ يُّسْحَبُوْنَ

فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُّسْجَرُوْنَ ○ (غافر: ۷۰-۷۲)

● ”تو وہ عقرب (اس کا انجام) معلوم کر لیں گے۔ جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی۔ اور وہ کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کے لئے گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں جھونک دیئے جائے گے۔“

● حُذُوْبُهُ فَعَلُوْبُهُ، ثُمَّ الْجَحِيْمِ صَلْوُهُ، ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ دَرَزَعًا سَبْعُوْنَ

ذِرَاعًا فَاَسْلُكُوْبُهُ، اِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ، وَلَا يَحْضُ عَلٰی

طَعَامِ الْمَسْكِيْنِ ○ (حاقہ: ۳۲-۳۰)

● ”(فرشتوں کو حکم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو۔ اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں ڈال دو۔

پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر

ایمان لاتا تھا۔ اور نہ فقیروں کے کھانا کھانے کی (لوگوں کو) ترغیب دیتا تھا۔“

نیز بیشتر اسلاف صالحین سے عمدہ اسناد کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ زنجیر کی یہ کڑیاں کافر کے منہ میں ڈالی جائیں گی۔ جو اس کے پانخانہ کے مقام سے باہر نکل آئیں گی اور کافر اس میں اس طرح پرو جائے گا جیسے دھاگے میں تل کے دانے۔ یا لڑی کے اندر کوڑیاں پروئی جاتی ہیں۔

## ● جنم کے سانپ اور بچھو:

جنم۔ خدا ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ درحقیقت سزا، عذاب، سختی، اور بد بختی کا ابدی ازیت گھر ہے۔ وہاں نت نئی اور طرح طرح کی سزاؤں سے سابقہ ہوگا۔ پھر ہماری اس جیتی جاگتی اور مادی دنیا میں ہی دیکھ لیا جائے کہ کردہ یا ناکردہ گناہوں کی کیسی سخت اور المناک سزائیں دی جاتی ہیں۔ جب اس فانی دنیا کا یہ حال ہے تو بھلا جنم کی سزاؤں کا کیا عالم ہوگا؟ جس سے بڑی ازیت گاہ کی مثال بھی عالم مثال میں نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ اس جیسی سزائیں حضرت انسان نے نہ اپنی آنکھوں سے کہیں دیکھی ہوں گی۔ نہ اپنے کانوں سے کہیں سنا ہوگا۔ نہ ہی اس کے تصور کی ان تک رسائی ہوگی۔ بس خدا ہی جانتا ہے کہ وہاں کیسی کیسی سزائیں اور عذاب کے کیسے کیسے طریقے استعمال ہوں گے۔ اس لئے یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں کہ جنم میں سانپ اور بچھو بھی ہوں گے۔ جو اپنے شکار کو نوچیں گے ڈسیں گے اور ڈنک مار مار کر ان کا حال بجاہ کر دیں گے۔ اور دوزخی اس المناک اور خوفناک عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، جلا رہیں گے۔ اور یہ کوئی تخیل نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس روایت کی تفسیر میں منقول ہے<sup>۱</sup>۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ  
بِمَا كَانُوا يَفْسِدُونَ ○ (نحل: ۸۸)

● ”جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا تو ہم ان کو عذاب پر

عذاب دیں گے۔ اس لئے کہ وہ فساد کیا کرتے تھے۔“

عذاب پر عذاب کی تفسیر میں آپ نے فرمایا:

”مادہ ٹخری کی طرح بڑے بڑے بچھو ہوں گے جو دوزخیوں کو مسلسل ڈنک مارتے رہیں گے۔“

(تفسیر ابن جریر، سورہ نحل ۱۶/۲۰)

بعید نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ تفسیر رسالت

<sup>۱</sup> تفسیر ابن جریر طبری: (۱۳/۱۱)

مآب ﷺ سے براہ راست منقول ہو۔ بالخصوص جب کہ حاکم نے صحت کے ساتھ حضور کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

”دوزخ کے اندر بنتی اونٹ کی گردنوں جیسے سانپ ہوں گے جن میں لیک ڈنک مارے گا تو دوزخی چالیس سال تک نایت شدت کے ساتھ اس کی اذیت کو اور ستر سال تک اس کی آج کو محسوس کرے گا۔“

(حاکم: ذہبی نے ان کو موافقت کی ۵۹۳/۴ البتہ صحیحین میں یہ درج نہیں)

### ● دوزخیوں کا کھانا:

کیا دوزخیوں کی کوئی خوراک ہوگی؟ اور کیا ان کی زندگی میں کھانا پینا ممکن بھی ہوگا؟ کیوں نہیں۔ دوزخیوں کے کھانے پینے کی کئی چیزیں ہوں گی، پھر کھانا پینا بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے۔ اور جہنمیوں کو عذاب سننے کے لئے زندہ رہنا ہوگا، انہیں موت بھی نہ آئے گی اس لئے کہ موت ہی آجاتی تو عذاب سے رہا ہو جاتے لیکن یہ نہ مرے گے، نہ عذاب سے نجات پائیں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

كَلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۝  
(نساء: ۵۶)

”اور جب ان کی کھالیں جل جھن جائیں گی تو ان کی بجائے ہم دوسری کھال بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔“

مصیبت پر مصیبت یہ کہ وہ موت موت پکاریں گے لیکن موت کو خود موت آپکے گی۔ دوزخی موت طلب کرتے ہوئے کہیں گے۔

● — وَنَادُوا يٰمَلِكُ لِيُنْقِصِ عَلَيْنَا رِزْقَكَ قَالِ اِنَّكُمْ مِمَّا كٰثِرُونَ ۝  
(زُخْرَف: ۷۷)

”اور وہ (دوزخ کے داروغہ کو) پکاریں گے کہ اے مالک تیرا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارا کام تمام کر دے۔ وہ جواب دے گا کہ بے شک تم اسی میں ہمیشہ رہو گے۔“  
حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا کہ۔ اب انہیں موت نہ آئے گی۔

● — لَا يَقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فِيمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ○

(فاطر: ۳۶)

● ”(وہاں) ان کو نہ موت آئے گی کہ مرجائیں اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکایا جائے گا۔“

نیز یہ بھی ارشاد ہے کہ جو اس بڑی آگ میں پڑے گا۔ وہاں اس کو نہ موت آئے گی اور نہ چین سے جینا نصیب ہوگا۔

وَيَجْحَبُهَا الْأَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا

يُحْيَىٰ ○ (اعلیٰ: ۱۳۲)

● ”اور جو بد بخت ہے وہ اس سے گریز کرے گا جو بڑی (سخت) آگ میں پڑے گا۔ پھر وہاں اس کو نہ موت ہی آئے گی۔ اور نہ (آرام سے) جینا نصیب ہوگا۔“

جہنم کی بعض خوراک:

۱۔ زقوم: جہنم کی جڑ سے نکلنے والے ایک درخت کا پھل ہوگا۔ کھانے میں نہایت بد مزہ، کڑوا، اور بدبودار کہ طلق سے نہ اترے اور صورت میں سانپ کے پھن کی طرح کہ دیکھ کر ڈر لگے جب اسے نگلیں گے تو یہ طلق میں پھنس جائے گا۔ پھر اسے کھولتے ہوئے پانی سے اتارنے کی کوشش کریں گے گویا زقوم چونے کی طرح ہوگا جس کے اوپر پانی پڑے تو وہ جوش کھا کر اور بھی ابلنے لگتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● — اذْلكَ خَيْرٌ نُّزْلاً اَمْ شَجَرَةً الزَّقْوَمِ اِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً

لِلظَّالِمِيْنَ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ظَلْعُهَا كَاِنَّهُ

رُءُوسُ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهُمْ لَا يَكُوْنُوْنَ مِنْهَا فَمَا لَوْنٌ مِنْهَا الْبَطُوْنُ ثُمَّ اِنَّ

لَهُمْ عَلَيْهَا لَشُوْبًا مِنْ حَمِيْمٍ ○ (صفت: ۶۳-۶۴)

● ”بھلا یہ (سمانی) اچھی ہے۔ یا تھوہر کا درخت ہم نے اس کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ میں اُگے گا۔ اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر، تو وہ اسی میں سے کھائیں گے۔ اسی سے پیٹ بھرے

گے۔ پھر اس کے اوپر ان کو کھول ہوا پانی (پیپ میں) ملا کر دیا جائے گا۔“

● — إِنَّ شَجَرَتَ الرَّزْقِومِ طَعَامُ الْآئِيمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبَطْنِ

كَغَلَى الْحَمِيمِ ○ (بخاری: ۳۶۲۳۳)

● ”بے شک تھوہر کا درخت مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جیسے پھلتا ہوا تانبہ جو پیٹ میں ایسا کھولے گا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔“

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ○

(آل عمران: ۱۰۲)

● ”اے ایمان والو! اللہ سے ایسا ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور اسلام

کے سوا کسی اور دین پر مت مرو۔“

پھر فرمایا: ”اگر زقوم (تھوہر) کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گر پڑے تو دنیا والوں کے لئے ان کی زندگی

اور رہائش کو برباد کر دے پھر بھلا اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی یہ درخت ہوگا۔“

(ترمذی / ۳، ابن ماجہ زہد / ۳۸، احمد / ۳۳۸۲۳۰۱)

۲۔ غسلین (پیپ) یعنی اہل دوزخ کا نچوڑا ہوا پیپ، کچھ لو، پیسہ، اور اسی طرح زانی

عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلنے والا مادہ، شرابی، جھوٹے، غیبت کرنے والے، باطل اور جھوٹی

گواہی دینے والوں کے منہ کا لعاب وغیرہ، غسلین کا ذکر اس آیت میں ہے۔

● — فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيمٌ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غَسْلِينٍ لَّا

يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخِطْوَنُ ○ (حاقة: ۳۵ تا ۳۷)

● ”تو نہ آج اس شخص کا کوئی دوست ہے اور نہ کھانے کے لئے کوئی چیز نصیب

ہے۔ سوائے پیپ کے جس کو گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہ کھائے گا۔“

”خاطمین“ سے مراد وہ گنہگار ہیں جنہوں نے بڑے کام کئے اور ان کے گناہوں نے

انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور انہیں جہنم میں جھونک دیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلَى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ

هُم فِيهَا خَالِدُونَ ○ (بقرہ: ۸۱)

● ”(ج تو یہ ہے کہ) جنہوں نے برے کام کئے اور ان کے گناہوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

۳۔ — ضریح — (کانٹے دار جھاڑی): ایک نہایت تلخ خار دار جھاڑی جو طلق میں پھنس جائے۔ دوزخی اسے گرم پانی سے نیچے اتارے گا۔ لیکن جلن کی وجہ سے سب کاسب پاخانہ کے مقام سے فوراً نکل آئے گا جس کی وجہ سے نہ اس سے بھوک بند ہوگی اور نہ کھانے والے کو موٹا کرے گا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

● — لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيحٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ

○ (عاشیہ: ۶۷)

● ”ان کو کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا، مگر ایک کانٹے دار جھاڑی جس کے کھانے سے نہ بدن ہی موٹا ہوگا اور نہ بھوک ہی بند ہوگی۔“

پینے کی کچھ چیزیں:

ہر تر جگر والا پانی کا محتاج ہے۔ دوزخیوں کے بدن میں بھی جگر ہوگا۔ اس لئے کھانے کی طرح پانی بھی ان کے لئے اشد ضروری ہوگا۔ چونکہ دوزخیوں کو ہر حال میں زندہ رہنا ہوگا۔ اس لئے ہر زندہ کی طرح کھانا اور پانی ان کیلئے بھی ناگزیر ہوگا۔ مجبوراً دوزخی جیسا کھائیں گے ویسا ہی پانی پیئیں گے۔ لیکن کھانے کی طرح پانی بھی نہ ان کی پیاس بجھائے گا نہ انہیں تسکین دے گا۔ اہل دوزخ کی بعض خوراک کا ذکر پہلے گذرا ذیل میں ان کے کچھ پینے کی چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حیم (چھپ ملا پانی): نہایت گرم چشمہ سے اٹنے والا پانی۔ جس کی خاصیت یہ ہوگی کہ اس کے پیتے ہی ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں (سب) گل جائیں گی۔ اور ان کی آنتیں کٹ کٹ کر گر جائیں گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

● — وَجُودُهُ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلِي نَارًا حَامِيَةً

تُسْقَى مِنْ عَيْنِ اٰبِيَةِ ○ (عاشیہ: ۵۷۲)

”اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے محنت کرنے والے، تھکے ہوئے دیکھیں

آگ میں پڑیں گے۔ اور انہیں ایک گرم چشمہ سے (پانی) پلایا جائے گا۔“

— وَشَقُّوا مَاءَ حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَ هُمْ ○ (محمد: ۱۵)

”ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے

گا۔“

— يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ

وَالْجُلُودُ، وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ، كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا

مِنْ غَمٍّ أَعْيَدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ○ (ج: ۲۳۲، ۱۹)

”ان کے سروں پر جلا کھولتا پانی ڈالا جائے گا اس سے ان کے پیٹ کے اندر کی

چیزیں اور کھالیں سب (گھل) جائیں گی۔ اور ان کے (مارنے کے) لئے لوہے کے گرز ہوں

گے یہ لوگ جب کبھی تکلیف سے (بے قرار ہو کر) دوزخ سے نکلتا چاہیں گے تو اسی میں

لوثا دیئے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جلتے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔“

۲۔ ماء صدید (پیپ کا پانی): نہایت گدلا میلا کھیلا پانی جس کے اندر پیپ شامل

ہوگی۔ پینے والا اسے پینے کی بہتری کو شش کرے گا مگر اس سے پیمانہ جائے گا اور اسے جس

قدر تکلیف ہوگی۔ اس کا علم بس خدا کو ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

— وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ، مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُنْفِىءُ مِنْ مَاءٍ

صَدِيدٍ، يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا

هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ○ (ابراہیم: ۱۵، ۱۷)

”اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا۔ اس کے پیچھے دوزخ ہے۔ اور اسے پیپ کا پانی

پلایا جائے گا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے منہ میں لے گا مگر گلے سے نیچے نہیں اتار

سکے گا۔ اور ہر طرف سے اس پر موت آئے گی، مگر وہ مرے گا بھی نہیں اور اس کے پیچھے

بھی سخت عذاب ہوگا۔“

۳۔ ماء الحبل۔ استنلی گرم اہلتا ہوا پانی، جیسے پگھلایا ہوا تانبا، پینے والا جب اسے



اپنے منہ کے قریب کرے گا تو تمازت سے اس کے چہرے کی کھال کو بھون ڈالے گا۔  
 ● وَإِنْ يَسْتَعْفِفُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ بِمَسِّ  
 الشَّرَابِ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ○ (کف: ۲۹)

”اور اگر وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی فریاد  
 ری کی جائے گی جو پچھلے ہوئے تانبے کی طرح (گرم) ہوگا جو مومنوں کو بھون ڈالے گا۔  
 (دیکھو پینے کے لئے) کیا ہی برا پانی ہے۔ اور (دوزخ بھی) کیا ہی بری جگہ ہے۔“

۳۔ آپ غوطہ: یعنی زانی عورتوں کی شرمگاہوں سے نکل کر جمہوا پانی، امام احمد  
 رحمہ اللہ نے اپنی سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:

(حضور ﷺ نے فرمایا: تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے۔

۱۔ عادی شرابی ۲۔ رشتہ توڑنے والا ۳۔ سحر کا حامی، اور جو شخص عادی شرابی رہا اور اسی حال  
 میں مر گیا حق تعالیٰ اسے نسر غوطہ کا پانی پلائے گا۔ عرض کیا گیا، حضور! نسر غوطہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ  
 ایک نسر ہے جو زانی عورتوں کی شرمگاہوں سے خارج ہوگی، اہل دوزخ کو اس کی بدبو سے ہی حد  
 درجہ تکلیف ہوگی۔

(احمد ۳/۳۹۹)

اہل دوزخ کی خورد و نوش کے اس اجمالی ذکر کے آخر میں ترمذی کی ایک مفصل  
 روایت نقل کی جاتی ہے جس کے اندر عجیب انداز سے اہل دوزخ کا کھل خال زار ورج ہے۔  
 حضرت ابوورداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک کی  
 مصیبت اٹلی جائے گی۔ اس بھوک کی تکلیف اتنی ہوگی کہ جن غذاؤں میں وہ جٹا ہیں ان کے  
 برابر یہ بھوک ہوگی۔ چنانچہ وہ فریاد کریں گے۔ اس کے جواب میں انہیں ضریح کا کھانا دیا جائے  
 گا جو نہ مٹا کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔ وہ لوگ فریاد کر کے کھانا مانگیں گے۔ اس  
 کے جواب میں انہیں گلے میں اٹکتے والا کھانا دیا جائے گا۔ انہیں یاد آئے گا کہ وہ دنیا میں گلے  
 میں اٹکتے والے کھانے کو پانی سے گل لیا کرتے تھے۔ اس لئے اب وہ پلنی مانگیں گے اس کے  
 جواب میں انہیں گرم پلنی لوہے کے کاتوں کے ساتھ ان کی طرف پھینکا جائے گا۔ جب یہ کانٹے  
 ان کے چہروں کے نزدیک آئیں گے تو ان کے چہروں کو کلب کی طرح بھون دیں گے پھر جب  
 بیٹ میں داخل ہوں گے تو جو کچھ بیٹ میں ہے۔ اس کو کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔

آخر وہ گھبرا کر کہیں گے دوزخ کے دربانوں کو بلاؤ۔ دربان انہیں جواب دیں گے۔ کیا تمہارے پاس کھلی دلیلیں اور معجزات لے کر تمہارے رسول نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تو تھے۔ (مگر ہم نے انہیں جھٹلا دیا اور کفر کیا) دربان کہیں گے اچھا اب پکارو، مگر کافروں کی پکار بیکار ثابت ہوگی۔ ”حضور فرماتے ہیں کہ“ وہ لوگ کہیں گے مالک (داروغہ جہنم) کو پکارو۔ چنانچہ مالک سے کہیں گے ”اے مالک! تیرا پروردگار (ہم کو موت لاکر) ہمارا قصہ ہی چکا دے۔ مالک جواب دے گا۔ تم لوگ یونہی رہو گے (اب تمہیں موت بھی نہ آئے گی) اغمش کہتے ہیں کہ مالک ان کو ہزار سال بعد جواب دے گا۔ اب وہ لوگ اپنے پروردگار کو پکاریں گے۔ ”اور کہیں گے“ بارالہا ہم پر ہماری بد قسمتی نے غلبہ کیا اور ہم گمراہ ہو گئے۔ اے پروردگار ہمیں عذاب دوزخ سے نجات دے! اگر ہم پھر ایسا کریں تو یقیناً ظالم ہیں۔“ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کو جواب دے گا۔ ”دور ہو جاؤ۔ رائدۃ درگاہ بن کر اسی میں رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ آپ فرماتے ہیں اب وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور ہر بھلائی سے ان کی آس ٹوٹ جائے گی۔ اور چیختے لگیں گے۔ اور حسرت و افسوس کریں گے۔ (ترغیٰ جہنم/ ۵)

### ● دوزخیوں کا ڈیل ڈول اور ان کی بد صورتی:

دوزخیوں کے ڈیل ڈول اور ان کی بد صورتی سے متعلق ہم یا کوئی اور نہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ ذہن میں اس کا تصور کر سکتا ہے۔ نہ ہی ٹھیک سے ان کے حالِ زار کی عکاسی کر سکتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ وحی الہی کے بغیر نہ ان کی فمائش کی جاسکتی ہے نہ ہی فہم و بصیرت سے ان کو قریب کیا جاسکتا ہے۔ ہاں یہ محض احادیث رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہے کہ ان کی مدد سے دوزخیوں کی جسامت ان کی بد شکل، اور بد صورتی کو باسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

”دوزخ کے اندر کافر کے دونوں موٹھوں کی درمیانی مسافت تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی۔“

(مشفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان ۳۱/۲۹۳، بخاری ۸/۱۳۲، مسلم ۸/۱۵۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا ”کہ کافر کی داڑھ کوہ احد کے برابر ہوگی، اور اس کی کھال کی موٹائی تین شب کی مسافت کے برابر ہوگی۔“ (مسلم ۸/۱۵۳، ۱۵۴)

کافر کی داڑھ قیامت کے دن احد (پہاڑ) کے برابر ہوگی۔ اس کی ران کوہ بیضاء کے مانند ہوگی۔ اور اس کا مقعد دوزخ میں تین دن کی مسافت تک ہوگا۔ (یعنی دوزخ میں اتنی جگہ میں بیٹھے گا)

جتنی مسافت مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ اور اس کے جسم کی موٹائی جبار (یعنی یمن کا ایک بادشاہ جس کا ذراع پچاس کھ کے لئے تھا۔ اس) کے ذراع کے حساب سے ۳۲ ہاتھ ہوگی۔

(احمد ۱/۲۳۳ تا ۵۳)

کافر کی زبان قیامت میں (ایک) دو کوس تک کھینچی جائے گی اور لوگ اس کو روندیں گے۔

(احمد ۲/۹۲، ترمذی جنم ۳/۱)

ہم نہیں سمجھتے اس منظر سے بھی زیادہ دردناک کوئی منظر ہوگا لیکن وہاں تو اس پر بھی بس نہ ہوگا۔ قرآن بتاتا ہے کہ دوزخیوں کے چہرے بدایت اور ان کی شکلیں حد درجہ بگڑی ہوں گی۔

● تَلْفُخَ وَجُوهُهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالْحِجُونَ ○ (مؤمنون: ۱۰۳)

”دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی۔ اور دوزخ میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے۔“

اس آیت کی تشریح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”وہم فیہا کالحوون“ (ان کے منہ بگڑے ہوں گے)

یعنی ان کو آگ بھون دے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اوپر والا ہونٹ سلا کر سر کے بیچ میں آگے گا اور نچلا ہونٹ ناف تک لہا ہو جائے گا۔

(احمد ۳/۸۸، ترمذی جنم ۵/۱)

### ● عذاب میں باہم فرق:

ہلاکت کی اس ابدی اذیت گاہ میں عذاب کی نوعیت اور ان میں باہم فرق یقینی اور ثابت شدہ ہے۔ احادیث سے بھی اس کی صراحت ملتی ہے۔ باہم فرق کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں ان کے اعمال میں باہم تفاوت ہوتا تھا۔ اور عدل و انصاف کا تقاضہ ہے کہ کوئی بھلا کرے یا برا کسی کے ساتھ ظلم نہ ہوگا۔ اس لئے ہر کسی کو اس کے کئے کی سزا یا جزا مل کر رہے گی، یوں بھی جو اچھا کام کرتا ہے اس کا بدلہ اس کو ملتا ہے۔ اور جو برا کام کرتا ہے اس کا عذاب بھی اسے بھگتنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا، ان کو (آگ کی) دو جوتیاں پہنائی جائیں

گی۔ جن کی وجہ سے ان کا دماغ جوش کھاتا ہوگا۔“

(مسلم ۱/۱۳۵)

عذاب میں کمی اس لئے ہوگی کہ ابو طالب نے رسالت مآب ﷺ اور اسلام کی قابل لحاظ خدمات انجام دیں۔ چنانچہ بخاری سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

”قیامت کے دن دوزخیوں میں سب سے آسان عذاب اس شخص پر ہوگا جس کے ٹکڑوں کے نیچے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے اور ان کی حرارت سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولتا ہوگا۔“

(شعق علیہ بالفاظِ بخاری ۱۳۳/۸، التواتر والمرجان ۱۵۳/۱، مسلم ۱/۱۳۵، ۱۳۶)

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

”بعض دوزخیوں کو آگ ٹخوں تک پکڑ لے گی۔ بعض کو گھٹنوں تک بعض کو کمر تک، بعض کو گردن تک، اور بعض کو ہنسی تک“

(مسلم ۱۵۰/۸) ”بعض کو گردن تک“ یہ لفظ روایت میں نہیں، لیکن اسی صفحہ کی ایک دوسری روایت میں گردن کا لفظ موجود ہے۔)

یہ حدیث صراحت کے ساتھ دوزخیوں کے عذاب میں تفاوت اور فرق کو واضح کرتی

ہے۔

### ● دوزخیوں کا رونا چلانا:

’خنی‘ و ’ریشی‘، شکلات، پریشانی اور کھٹنائیوں کو جھیلنے والا اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے لامحالہ رونا چلاتا اور آہ وزاری کرتا ہے۔ دوزخی جسے مسلسل گلے میں اکنٹے والا پھل لے گا نہایت تلخ عذاب کا ہر وقت سامنا ہوگا۔ ہر طرف سے ان پر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹیں گے۔ عذاب کا ایسا سلسلہ جاری ہوگا جو نہ کہیں منقطع ہوگا نہ ہلکا ہوگا۔ ان حالات میں دوزخیوں کا رونا چلانا، آہ وزاری اور دادیلا کرنا کوئی حیرت انگیز امر نہیں، بلکہ حقیقت ہوگا۔ چنانچہ دوزخی چیں گے، چلائیں گے۔ حسرت و افسوس کریں گے۔ اور اپنی ہلاکت اور مرنے کی تمنا کریں گے۔

قرآن مجید ان کے جزع فزع اور آہ وزاری کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے۔

● — وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَبْتًا مُّقْرَّبِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝

(فرقان: ۱۳۰)

● ”اور جب یہ لوگ دوزخ کی کسی جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔“

● — وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۝ (فاطر: ۳۷)

● ”اور وہ دوزخ میں چلائیں گے کہ ”اے ہمارے پروردگار ہم کو (دوزخ سے) نکال دے ہم نیک عمل کیا کریں گے برخلاف (ان کاموں کے جو ہم) پہلے کیا کرتے تھے۔“

● — لَهُمْ فِيهَا زُجُجٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝ (انبیاء: ۱۰۰)

● ”وہاں چلائیں گے اور اس میں کسی کی بات نہ سنیں گے۔“

● — وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ بِغَتَّةٍ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۚ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحَسِّرُنِي عَلَىٰ مَا فَرَّقْتُ فِيهِ جَنبَ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاجِرِينَ ۝

(زمر: ۵۶، ۵۵)

● ”اور اس عمدہ چیز (یعنی کتاب) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو خبر نہ ہو۔ اور (ایسا نہ ہو کہ اس وقت) کوئی کہنے والا کہنے لگے کہ ہائے افسوس اس پر کہ میں نے اللہ کے حق (کے ادا کرنے) میں کوتاہی کی۔ اور بے شک میں نہیں اڑاتا رہا تھا۔“

● — وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۗ يَا لَيْتَنِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فَلَانًا حَلِيلًا ۗ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَدُولًا ۝

(فرقان: ۲۹، ۲۷)

● ”اور جس دن ظالم (کافر حسرت سے) اپنے دونوں ہاتھ کاٹ کھائے گا۔ اور کہے گا

کہ اے کاش میں نے (اللہ کے) رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت!  
 اے کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ میرے پاس نصیحت آنے کے بعد اس  
 (کبنت) نے مجھ کو (اس سے) گمراہ کیا۔ اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔“  
 ختم پر حضور ﷺ کا وہ ارشاد بھی نقل کیا جاتا ہے جو صحیح روایت سے ثابت ہے آپ  
 فرماتے ہیں:

”دوزخی اس قدر آنسو بہائیں گے کہ آنکھوں سے اشکوں کے دریا بہیں گے۔ جس میں کوئی  
 چاہے تو کشتیاں چلا لے! پھر آنسو نہ بہیں گے تو آنکھوں سے خون بہائیں گے۔“  
 الترغیب والترہیب ۴/۳۹۳، حاکم نے صحیح کہا اور منذری نے موافقت کی، ۴/۵۳۹  
 خدایا۔! روز محشر جب تو اپنے بندوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔ اپنے عذاب اور عتاب  
 سے ہماری حفاظت فرما۔ جنم سے اپنی پناہ میں رکھ، اور نیکیوں کے ساتھ بہشت میں داخل فرما۔

### ● عالم برزخ:

تعریف: برزخ لغت میں آڑ اور پردے کو کہتے ہیں۔ جو دو چیزوں یا کسی دو حقیقتوں کے  
 درمیان حائل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو نمروں یا دریاؤں کے درمیان واقع خشک زمین  
 (دو آبہ) کو، انسان و حیوان کے درمیان حد فاصل کا کام دینے والی حقیقت۔ یعنی قوت گویائی  
 کو اور شک و یقین کی درمیانی حالت کو ”برزخ“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شریعت کی زبان میں عالم برزخ وہ عالم ارواح ہے جہاں روہیں زمینی عناصر کی قید سے  
 آزاد اپنی مستقل ایک زندگی رکھتی ہیں۔ اور راحت اور اذیت آپ سستی ہیں، زندگی اور حیات  
 کے مدارج تین ہیں۔ ۱۔ پہلا مرحلہ: دنیا کی زندگی: اس مرحلہ میں روہیں عناصر اور جسموں کے  
 ساتھ ہوتی ہیں۔ اور انہیں جسموں کی وساطت سے ان کو راحت یا اذیت کا احساس ہوتا ہے۔  
 ۲۔ دوسرا مرحلہ: برزخ کی زندگی: اس مرحلہ میں روہیں عناصر اور جوہر کی قید سے آزاد  
 ہو جاتی ہیں۔ اور سزایا جزا سے براہ راست اثر پذیر ہوتی ہیں۔ البتہ اس امر کا احتمال ہے کہ اس  
 عالم میں روہوں کو یا تو کوئی مخصوص جسم عطا ہوتا ہے۔ جس سے منسلک ہو کر وہ عالم برزخ کا

عارضی زمانہ گذارتی ہیں۔ یا بغیر جسم کے یونہی رہتی ہیں۔<sup>۱</sup>۔ آخرت کی زندگی: اس زندگی میں روحوں کو دوبارہ وہ جسم عطا ہوگا جس کے اندر دنیا کی زندگی میں وہ رہتی تھیں اور اسی میں ان کی موت ہوئی۔ دنیا اور آخرت کی اسی درمیانی زندگی کو عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ یہ زندگی دراصل انتظار کا وقفہ ہے۔ تاکہ ارواح یکجا ہو کر عالم آخرت کے لئے آمادہ اور تیار ہوں، غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا پہلا مرحلہ، یعنی دنیا کی زندگی پیہم تخلیق اور مسلسل ایجاد و اختراع پر مبنی ہے۔ اس جہان میں قدرت الہیہ اپنے مخصوص اور پیچیدہ نظام کے تحت جسم اور جان کی تخلیق کرتی ہے جس کے بعد کل خلقت کی عملی زندگی شروع ہوتی ہے۔ ہر کوئی پہلے سے مقرر زندگی کے میدان میں متحرک اور سرگرم عمل ہوتا ہے تاآنکہ اس کی موت کا وقت آجاتا ہے اور روح قفسِ عسری سے پرواز کر جاتی ہے۔ اب آدمی تو مرجاتا ہے لیکن دوسری طرف ملا اعلیٰ میں اس کی کارکردگی اور چھوٹے بڑے ایک ایک عمل کو فوری یکجا کر لیا جاتا ہے تاکہ اس کی بنیاد پر اس دوسری زندگی سے ہی بندے کو اس کے اعمال کی سزا دی جائے۔ یا ابتداء سے نیک عمل کرنے پر اسے اچھا بدلہ ملے غرض ہر فرد بشر کی پیدائش کے بعد سے عمل اور بے عملی کا سلسلہ یوں ہی دراز رہتا ہے۔ ادھر قدرتِ خداوندی کا تخلیقی سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ نسل در نسل لوگ دنیا کے اسٹیج پر آتے ہیں اور اپنے وقت پر دنیا کو خیر باد کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جو حق تعالیٰ کے علم میں پہلے سے مقرر ہے جس کے بعد کائنات

۱۔ اس عبارت میں اس صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں حضور ﷺ نے شہیدوں کی زندگی سے متعلق

ایک سوال کے جواب میں فرمایا

”ان کی روہیں سبز پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں۔ ان پرندوں کے رہنے کے واسطے کچھ قدیمیں عرش میں آویزاں ہیں۔ پرندے جنت میں جہاں جاتے ہیں بسیرا کرتے ہیں۔ پھر لوٹ کر انہیں قدیموں کے پاس آجاتے ہیں۔“

(مسلم ۳۸/۶)

کاسب سے عظیم اور مہیب انقلاب رونما ہوگا دنیا تباہ و برباد ہو کر ختم ہو جائے گی۔ اور ایک نیا عالم اور نئی زندگی رونما ہوگی اس موقع پر ہم کہیں گے کہ تخلیق کے اس پہلے مرحلہ کے بعد — جس کا ذکر اوپر گذرا — یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ عالم آخرت سے پہلے ایک اور عالم برپا ہو۔ تاکہ اپنی اپنی کارگزاری کے بعد روحمیں وہاں اکٹھا ہوں اور جب دنیا کے آخری انسان کی روح بھی پہنچ جائے اور پہلی دنیا فنا ہو جائے تب زندگی کا تیسرا دور شروع ہو۔ آرواح کو دوبارہ ان کے جسموں میں منتقل کیا جائے۔ اور وہ اپنے کئے کی سزا میں دوزخ یا نیکی کے صلہ میں جنت کی حقدار ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ اور آخرت بدلہ کی جگہ ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ عالم برزخ کے نام سے ایک بیچ کی دنیا ہے۔ جو درحقیقت فیصلہ اور انتظار کا وقفہ ہے۔ دنیا دارالعمل اور آخرت دارالجزاء ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

● — كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا  
مَتَاعٌ الْغُزُورُ ○ (آل عمران: ۱۸۵)

● ”ہر ایک شخص ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا تو (اس دن) جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکہ کا سودا ہے۔“

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جیسا اس سے پہلے گذرا عالم برزخ — جہاں روحمیں مادی عناصر سے آزاد اور یکجا ہوں گی — کیا روحوں کو سزا اور جزا وہیں سے ملنی شروع ہوگی —؟ جس کے سبب ان کا وقفہ انتظار راحت کدہ، یا اذیت گاہ میں تبدیل ہو جائے گا؟ یا جزا اور سزا کا معاملہ اس کے آگے سے شروع ہوگا —؟ جواب میں عرض ہے کہ سزا اور جزا کا آغاز اسی عالم برزخ سے ہوگا جس کی تفصیل ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

● عالم برزخ میں روح کو راحت یا اذیت کا مرحلہ:

پہلا مرحلہ: نزاع اور جان کنی کا عالم: آیات و روایات کی روشنی میں یہ حقیقت سورج



سے زیادہ واضح ہے کہ جان کنی کے وقت سے روح کو رحمت کے فرشتوں سے راحت یا عذاب کے فرشتوں سے اذیت ملنی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر لمحہ بہ لمحہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

● — وَلَوْ تَرَىٰ إِذِتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْبَازَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْت أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ○ (انفال: ۵۰، ۵۱)

● ”کاش تم اپنی آنکھوں سے وہ حالت دیکھو جبکہ فرشتے ان کافروں کی جان نکالتے ہیں۔ اور ان کے چروں اور پنوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ ابھی کیا ہے آگے چل کر دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو یہ ان اعمال کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اور بلاشبہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

● — وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوٓآءِ أَيْدِيهِمْ أَخْرَجُوا أَنفُسَكُمْ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فِرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفِّ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَؤُا لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ○ (انعام: ۹۳، ۹۵)

● ”اور (اے پیغمبر) کاش تم ان ظالموں کو اس وقت دیکھو جب وہ موت کی سختی میں مبتلا ہوں، اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں (اور یہ کہہ رہے ہوں) کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے۔ اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور (پھر ان سے اللہ فرمائے گا کہ) ہمارے پاس تم تھا اگئے، جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ساز و سامان، تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب پیچھے چھوڑ آئے۔ آج ہم تمہارے ساتھ ان سفارش



دوسرا مرحلہ: قبر دوسری زندگی کا پہلا زینہ، اور وارِ آخرت کی چوکھٹ ہے۔ مرنے کے بعد اور قبر میں بھی جسم اور جان کو یکساں عذاب ہوتا ہے۔ عذابِ ابتداء سے شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جسم (فنا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی بجائے روح کو عذاب ہوتا ہے۔ قبر کا عذاب بھی برحق ہے۔ اور عقل و نقل سے ثابت ہے۔ عقل سے اس لئے کہ 'از روئے عقل عذاب کا ہونا محال نہیں۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ غیر محمل امر کا وجود یقینی ہے۔ اس لئے اسی عالم میں سزا یا جزا کا تصور بعید از قیاس نہیں'۔ علاوہ ازیں ہر شخص جانتا ہے۔ اور ہر کسی کو اس کا ذاتی تجربہ ہے کہ خواب میں راحت اور آرام کو دیکھ کر خواب دیکھنے والا اپنے اندر از حد سکون اور چین محسوس کرتا ہے۔ تاآنکہ نیند کھل جانے پر راحت کی ان گھڑیوں کے چلے جانے کے بعد سخت حسرت ہوتی ہے۔ لیکن اذیت ناک خواب دیکھ کر 'نمایت دکھ ہوتا ہے۔ اور اس سے نجات تب ملتی ہے جب آنکھیں نیند سے بیدار ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اچھے یا برے خواب کا اثر دل و دماغ پر ایک عرصہ تک طاری رہتا ہے۔

عذابِ قبر کی منقول دلیل حضور ﷺ کی وہ صحیح روایت بھی ہے۔ جس میں آپ نے

فرمایا۔

”جو نبی موت کا فرشتہ مومن بندے کی روح قبض کر کے اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ پلک جھپکنے سے پہلے ہمراہ آنے والے فرشتے روح کو اس کے ہاتھ سے لے لیتے ہیں۔ اور ساتھ لائے ہوئے کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں جس کے اندر سے روئے زمین کی بہتر سے بہتر خوشبو پھوٹی ہے۔ پھر حضور نے فرمایا: اس کے بعد فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں۔ اور ان کا گذر فرشتوں کے جس گروہ پر سے ہوتا ہے وہ یہی کہتے ہیں۔ اس قدر پاکیزہ روح کس کی ہے؟ ہمراہ فرشتے جواب میں بہتر سے بہتر نام کے ساتھ اس کا نام اور اس کی ولادت بتاتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں عام طور پر اس کو پکارا جاتا تھا۔ غرض اسی طرح فرشتے اس کو لئے آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں۔ اور آسمان کا دروازہ کھولتے ہیں۔ دروازہ فوراً کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اگلے آسمان تک اس کی مشایعت کرتے ہیں۔ تاآنکہ ساتویں آسمان تک ان کی رسائی ہوتی ہے۔ تب حق تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے میرے بندے کا اندراجِ علیین (جنت کا ایک اونچا مقام) میں کر دو۔ اور اس کی روح اس کے جسم میں پہنچا دو۔ پھر (قبر میں) دو فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور مردہ کو سٹھا کر اس سے سوالات کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ وہ کتنا ہے۔ میرا رب

اللہ ہے۔ فرشتے دوبارہ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے۔ میرا دین اسلام ہے۔ تیرا سوال ہوتا ہے۔ یہ کون ہیں جنہیں تیری طرف بھیجا گیا۔ وہ کہتا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتے پھر کہتے ہیں۔ تجھے (اور) کچھ خبر بھی ہے؟ مردہ کے گا (کیوں نہیں) میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ اس پر ایمان لایا۔ اور اس کی تصدیق کی۔ تب آسمان سے ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ اس لئے اس کی خاطر جنت کا فرش بچھا دو۔ جنت کا ایک دریچہ کھول دو۔ حضور فرماتے ہیں۔ اس دریچے سے جنت کی خوشبو اور اس کی ہوائیں آئیں گی۔ اور حد نظر تک اس کی قبر کشادہ ہو جائے گی۔ پھر ایک خوبصورت خوش پوش اور عطر میں بسا ہوا آدمی نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ تمہیں بشارت ہو، خوش ہو جاؤ، میں وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ مردہ کے گاتم کون ہو؟ تمہارا مبارک چہرہ ہی مسرت کا پیغام دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں مردہ کے گا۔ خدایا، قیامت جلد قائم فرما۔ تاکہ میں اپنے گھردلوں اور اپنی پونجی تک پہنچ جاؤں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب موت کا فرشتہ بری روح کو نکالتا ہے تو ہمراہی فرشتے جھپٹ کر اسے چھین لیتے ہیں۔ اور ساتھ لائے ہوئے ثابٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔ روئے زمین کے بدتر، مردار سے زیادہ اس کی بدبو ہوتی ہے۔ پھر اسے لے کر وہ آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ وہاں ان کا گذر فرشتوں کے جس گروہ پر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں۔ اس قدر ناپاک روح کس کی ہے؟ ہمراہ فرشتے بدتر سے بدتر نام کے ساتھ اس کا اور اس کے باپ کا نام بتاتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں اس کو پکارا جاتا تھا پھر اس کے لئے آسمان کے دروازے کھولائے جاتے ہیں۔ لیکن دروازہ نہیں کھلتا پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَا تَفْتَحْ لَهُمُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَنَّةُ  
فِي سَمِّ الْخَيْطِ ۝ (اعراف: ۴۰)

”ان کے لئے نہ تو آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے (ند) نکل جائے۔“

پھر خداوند عالم کی طرف سے ندا آئے گی۔ اس کا اندراج (زمین کی چٹلی تہ) ”سبحین“ میں کر دو چنانچہ روح کو وہیں سے نیچے کی طرف پھینک دیا جائے گا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہ آیت شریفہ پڑھی۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي

بِهِ الرَّيْحُ فِي مَكَانٍ سَجِيحٍ ۝ (ج: ۳۱)

”اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو گویا وہ آسمان سے نیچے گر پڑا پھر اسے پرندے اچک لے گئے۔ یا ہوا کے جمونکے نے اس کو کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹک دیا۔“

اب اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے اور دو فرشتے اس کے پاس آکر اسے بٹھاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ پوچھیں گے یہ کون ہیں جنہیں تیری طرف بھیجا گیا۔ وہ کہے گا ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک منادی آواز دے گا۔ اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے لئے آگ کا فرش بچھا دو۔ اور دوزخ کا ایک دریچہ کھول دو۔ اس کے کھلتے ہی جہنم کی آگ۔ اس کی حرارت، اور ٹرم گرم ہوائیں آئیں گی۔ قبر نہایت ٹھک ہو جائے گی۔ جس سے اس کی پللیاں ایک دوسرے سے ٹٹھ جائیں گی۔ پھر اس کے پاس ایک شخص آئے گا۔ جس کا چہرہ ڈراؤنا ہو گا اس کے کپڑے غلیظ ہوں گے اور اس سے سخت بدبو آتی ہوگی۔ وہ کہے گا تجھے ایسی چیز کی خوشخبری ہو جس سے تجھے اذیت پہنچے آج وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہے گا۔ تو کون ہے؟ تیرے ڈراؤنے چہرے سے شر اور برائی ہی جھلکتی ہے۔ وہ کہے گا میں تیرا ناپاک عمل ہوں۔ وہ کہے گا خدا یا قیامت قائم نہ کرنا۔ پھر اس پر ایک اندھا بہرہ اور گونگا فرشتہ مسلط کر دیا جائے گا۔ اس کے ہاتھ میں ایسا گرز ہوگا کہ پہاڑ کو مارے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ فرشتہ اس گرز سے اس کو مارے گا۔ مردہ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ اسے حسب سابق ویسا ہی کر دے گا۔ فرشتہ پھر گرز مارے گا۔ ہر بار مردہ اتنی زور سے چلائے گا جسے جنوں اور انسانوں کے سوا کل خلاق سستی ہوگی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ پھر اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اور جہنم کا فرش لگا دیا جائے گا۔ یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ دو فرشتوں میں سے ایک کا نام ”مکرم“ اور دوسرے کا نام ”کبیر“ ہوگا یہ دونوں اپنے دانتوں سے زمین پھاڑتے ہوں گے۔ اور اپنے منہ سے زمین کھودتے ہوں گے۔ ان کی آواز بجلی کی گرج، کڑک کی طرح، اور نگاہیں برق کی طرح ہوں گی یہ دونوں فرشتے مردے کو بٹھائیں گے۔ الخ

(احمد، منذری: اس کی اسناد حسن ہے۔ الترغیب ۴/۳۶۹)

تیسرا مرحلہ۔ : قبر میں یا قبر سے دور عالم برزخ میں راحت یا عذاب: مر کر مٹی میں

مل جانے کا درمیانی عرصہ انسان کی آزمائش اور امتحان کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس پوری مدت میں انسان کو امر واقعہ اور اپنی حقیقت و انجام کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد ہی فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کی نیک بختی یا بد بختی عیاں ہو جاتی ہے۔ اور پھر حق تعالیٰ ایمان والوں کو اس کچی بات (کلمہ طیبہ) کی برکت سے دنیا و آخرت میں ثابت قدم اور مضبوط رکھتا ہے۔ اور ظالموں کو راہ سے بے راہ بنا دیتا ہے۔ اس وسط مدتی وقفہ میں روح کو کمال احترام کے ساتھ علیین میں رکھا جاتا ہے۔ یا زمین کی تہ میں پھینک دیا جاتا ہے اور روحمیں اپنے اپنے مستقر پر ہامون یا محبوس رہ کر انتظار کے ان لحظات کو بسر کرتی ہیں تا آنکہ حق تعالیٰ جسموں کو پھر سے پیدا فرماتا ہے۔ اور ان کے اندر جان ڈالتا ہے۔

اتنا ضرور ہے کہ روحمیں جہاں کہیں اور جس حال میں رہتی ہیں ان کا تعلق اپنی قبر یا زمینی مستقر سے برقرار رہتا ہے۔ جہاں مرنے کے بعد انہیں دبا دیا جاتا ہے۔ اور وہاں کی زمین میں اس کی ہڈیاں رل مل جاتی ہیں۔ اور یہ تعلق جیسا کہ عرض کیا گیا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے آج ریڈیائی لہرس ریڈیو اور اس کے اسٹیشن سے منسلک ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب قبر اپنی قبر پر آنے اور سلام کرنے والے کو پہچانتا ہے۔ (ابن عبد البر۔ جنت کے بیان میں یہ روایت گزر چکی ہے) اس بناء پر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قبر کی زندگی سے جنت کی راحت یا دوزخ کے عذاب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہاں شہداء کی روحمیں اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ چنانچہ کتاب و سنت سے اس کی صراحت ملتی ہے کہ ان کی روحمیں جنت کے اندر سبز پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں۔ اور عرش سے نکلنے والی قدیلیوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
يُرْزَقُونَ فَرِحْنِ بِمَا أَنْهَمَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ (آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)

”اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل ہوئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے نہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ ان کو رزق (بھی) مل رہا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اس سے خوش ہیں۔“

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

”ان کی روہیں ہبز پرندوں کی جوف میں ہوتی ہیں۔ ان پرندوں کے رہنے کے واسطے کچھ قندیلیں عرش میں آویزاں ہیں۔ جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں۔ یہ پرندے سیر کرتے ہیں۔ پھر لوٹ کر ان قندیلوں کے پاس آجاتے ہیں۔ پروردگار ان کی طرف جھانکتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کسی اور چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں اب ہم کس چیز کی خواہش کریں۔ جنت میں جہاں چاہتے ہیں تفریح کرتے پھرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ یہ معاملہ ان کے ساتھ تین مرتبہ فرماتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ مزید درخواست کے بغیر چارہ نہیں تو عرض کرتے ہیں۔ پروردگار ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ دوبارہ ہم کو ہمارے بدنوں میں واپس بھیج دے تاکہ ہم تیری راہ میں مارے جائیں۔ جب خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اب ان کو کوئی حاجت نہیں ہے تو (ایسی حالت پر) ان کو رہنے دیا جاتا ہے۔“

(مسلم ۶/۳۸۱، ۳۹۱)



## اسلامی عقیدہ کا چھٹا رکن

### قضاء و قدر پر ایمان

اسلامی عقائد نے ابتدا سے دنیا میں جو عظیم الشان انقلاب برپا کیا جس نے لرزہ بر اندام انسانی ڈھانچوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور چار دانگ عالم میں تہلکہ مچا دیا۔ جس کے ذریعہ رونما ہونے والی تبدیلیوں نے باطل کے قصر و ایوان میں لرزہ طاری کیا۔ اور فتنہ و شر، کفر و شرک، جہالت و گمراہی اور جھوٹی خدائی کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیا، اسلام کے ان سادہ اور پاکیزہ عقائد کو آڑ بنا کر اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن: یہود و نصاریٰ اور دہریوں نے عرصہ دراز سے ان کے خلاف ایک محاذ بنا رکھا ہے۔ اور ان کے اوپر اٹے سیدھے اعتراضات کرنا آئے دن کا مشغلہ بنالیا ہے۔ جبکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے برگزیدہ صحابہ اور ان کے مخلص ہم نواؤں نے نہایت کم مدت میں جو زبردست انقلاب برپا کیا۔ اور گیزی ہوئی دنیا کا جس طرح رخ موڑ دیا اس کی پشت پر راسخ ایمان اور بے مثال استقلال کی شکل میں موجود یہی صالح اور نیک عقیدہ موجزن تھا۔ لیکن تاریخ کے اس سب سے بڑے انقلاب کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی آب و تاب کو زائل کرنے کے لئے ان کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ ان راست اور صاف و شفاف عقائد کو مشکوک اور ان کے ماننے والوں کو ان سے بدگمان کیا جائے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج، مسلمانوں کی بھاری اکثریت عقائد سے برگشتہ اور شک و الجھاد کی وادی میں سرگرداں ہے۔ مزید برآں، دشمنانِ اسلام نے تہیہ کر رکھا ہے کہ بڑھ کر ان تاروں کو درمیان سے کاٹ دیں جن سے روشنی اور توانائی جو ان عقائد کے ذریعہ ان کے ماننے والوں کو ملتی رہی ہے منقطع ہو جائے۔ پوری دنیا پر گہری تاریکی کے سیاہ بادل چھا جائیں۔ اور عالمِ انسانیت تباہ و برباد ہو کر جہنم رسید ہو جائے۔



بطور ثبوت ہم قضا و قدر کے اسی ایک عقیدے کو پیش کرتے ہیں۔ ہرچند کہ اسلام تھا اس عقیدے کا نام نہیں۔ اس لئے کہ یہ اسلامی عقائد کا محض ایک جز ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ غیر مسلم اس عقیدے کو آڑ بنا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی لائی ہوئی روشنی کو بجھانا چاہتے ہیں۔ ستم بلائے ستم یہ کہ مخالفین کے غلط سلاط پر ویسٹنڈے کا شکار ہو کر مسلمان بھی قضا و قدر کے عقیدے سے بدظن اور دن بدن اس کے منکر ہوتے جا رہے ہیں اور دشمنوں کے رنگ میں رنگ کر یہ سوچنے لگے ہیں کہ اسلام عقیدہ جبر، علیحدہ پسندی اور اندھی پیروی کا قائل ہے۔ یہ تخیل عالم اسلام کے گوشے گوشے میں عام ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں مسلمان خواہ کہیں آباد ہوں مخالفین کے طعن تشنیع کا نشانہ اور ذہنی پراگندگی اور ہیجان کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

آج جبکہ اسلام اور اس کے دم سے پھیلنے والے اجالے کی رفتار ست ہو چکی ہے جبکہ آغاز میں اس کی ضیا بار کرنوں نے عالم کو منور کیا۔ اور دنیا کو نیکی، سچائی اور ہدایت سے معمور کیا۔ لیکن بد قسمتی سے ان ترقیات کے رُک جانے پر مخالفین اسلام بغض و عناد اور اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے عقائد خصوصاً قضا و قدر کے نظریے کی وجہ سے ذلت و کسبت، فقر و فاقہ اور ضعف و پستی میں مبتلا ہیں۔ یہاں یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ یہ سراسر جھوٹ، بہتان اور حقائق سے پہلو تھی ہے۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ آج کا مسلمان قضا و قدر پر کما حقہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ غلط طریقے سے اسے ماننے کی وجہ سے ذلیل و خوار اور پریشان ہے۔ اور یہ حرکت بھی انہیں دشمنانِ اسلام کی ہے، جنہوں نے ان کے عقائد میں تحریف و تاویل کی اور اسے بے جان بنا کر ان کے سامنے پیش کیا۔ بد قسمتی سے مسلمانوں نے بھی آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لیا اور نتیجے میں خود گمراہ اور ذلیل و خوار ہوئے۔

آج یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کو بد عقیدہ اور گمراہ کرنے کیلئے ان کے عقائد میں سو عیب نکالتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ ان کے جھانسنے میں آکر ان عقائد سے دستبردار، تکلیف کی وادی میں بھگ رہے ہیں۔ اور دن بدن پستی اور ذلت کے گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کی روز مرہ کی زبوں حالی اور پستی کو بطور ثبوت پیش کرتے

ہوئے ان کے دشمن یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس ذلت و رسوائی کا سبب ان کے یہی عقائد ہیں جن کے زیر اثر وہ اپنی بھلی بری زندگی گزارتے ہیں اور سرنگوں ہیں۔

افسوس ہوتا ہے کہ آج کا مسلمان نہ اپنی ذلت و تباہی کے حقیقی اسباب کی جستجو کرتا ہے نہ ہی دشمن کی مکاری اور عیاری اور اس کی چالبازیوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بجائے وہ اپنی قسمت کو کوستا ہے۔ اور فسق و فجور میں زندگی گزارنے اور اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہمی کرنے کیلئے تقدیر کا بہانہ کرتا ہے۔ کبھی اس قدر شوخ چٹھی اور دلیری کرتا ہے کہ اپنے خالق و مالک اور پروردگار پر اِترام دھرتا ہے اسے ظالم و جابر ٹھہراتا ہے۔ اور اس کے فیصلوں کو انصاف سے ہٹا ہوا خیال کرتا ہے (نعوذ باللہ)

ان حالات کے تحت بندہ مومن کے عقائد کی ضمن میں قضا و قدر کے عقیدے پر گفتگو بے حد ضروری ہو جاتی ہے، اس لئے کہ کیا عجب کہ ان تفصیلات کو پڑھ کر یا انہیں سن کر خدا کا کوئی بندہ ان سے مستفید ہو۔ اس کی ذہنی الجھن، اور فکری پریشانی کا ازالہ ہو۔ قضا و قدر سے متعلق اس کا عقیدہ درست ہو، اس کا ایمان راسخ اور تقدیر الہی پر وہ راضی برضا ہو۔ اللہ اور اس کے رسول سے اطاعت کا جذبہ اس کے اندر بیدار ہو۔ اور وہ پھر سے سرگرم عمل ہو کر دنیا میں باہر اور آخرت میں شاد کام ہو۔

قضا و قدر کے مسئلہ کو سمجھنے کیلئے اس بحث سے پیشتر بطور تمہید تین ضروری امور پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے خدا نے چاہا تو حقیقت تک رسائی آسان ہوگی، اور مقصد کا حصول ممکن ہوگا۔

● ۱۔ کائنات اور اس کا نظام: کائنات سے ہماری مراد کل عالم علوی اور سفلی اور تمام موجودات ہیں۔ جیسے آسمانوں اور زمین کے اندر اور ان کے درمیان صد ہا خلاق اور چھوٹی بڑی اشیاء کائنات کی وسعت لا محدود، اور ان کے اندر شامل عوالم کی تعداد لامتناہی اور بے شمار ہے۔ اسلئے کہ کہنے کو یہ کائنات ہے۔ لیکن اس کے اندر رنگ رنگ کی ہزاروں دنیا آباد ہے۔ ہر دنیا کا یہ حال ہے کہ انسانی عقل اس کے عجائب و غرائب کے آگے اٹھتے بدنہاں اور حیران و سرگرداں ہے۔ اسی آسمان کے اندر جو ہماری دنیا پر ایک شامیانے کی طرح سایہ فگن ہے اربوں کھروں ستارے، سیارے، اور سیارچے گردش و عمل میں مصروف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک

کی ساخت، جسامت، زمین سے اس کی دوری اور مسافت، اس کا محور، اس کی گردش، اور اس کی خصوصیات، دوسرے تمام ستاروں اور سیاروں سے یکسر جداگانہ اور مختلف ہے۔

ہماری یہ زمین جس پر انسانوں کا کنبہ سکونت پذیر ہے اسی ایک کرہ پر چھوٹی بڑی اس قدر دنیا آباد ہے جو کسی طرح اجرام سماوی اور عالم علوی سے کم نہیں، چنانچہ اس دنیا میں ایک طرف جہاں انسانوں کی ایک دنیا ہے اس کے پہلو پہ پہلو حیوانات اور ان کی گونا گوں قسمیں، نباتات اور ان کی مختلف اقسام، جمادات اور ان کی سینکڑوں انواع بھی موجود ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی ساخت ہیئت، رنگ، طبیعت، فطرت اور خصوصیت جدا جدا اور مختلف ہے۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ تمام عالم بالا اور عالم زیریں، قدرت کے انتہائی پیچیدہ اور عجیب و غریب نظام میں اس طرح جکڑے اور بندھے ہیں کہ ان میں کہیں بے قاعدگی اور فزور نہیں کہیں بد نظمی اور نقص نہیں، بلکہ انتہا درجہ کا نظم و نسق، غایت درجہ کی موزونیت اور استحکام، اور اس حد تک توازن اور ترتیب موجود ہے جس سے زیادہ موزونیت اور درستی قیاس و گمان سے بالاتر اور حدو حساب سے ماوراء ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهُ ثُمَّ

أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ ﴿۳۰﴾ (انعام: ۳۰)

”وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (تمہارے مرنے کا) ایک وقت مقرر

کیا۔ اور (قیامت کا بھی) اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ پھر بھی تم اس میں شک کرتے

ہو۔“

ان تمام تر نیرنگیوں کے علاوہ کائنات میں صدہا تغیرات اور بے شمار چھوٹی بڑی تبدیلیاں روز مرہ کا معمول ہیں۔ اور یہ تمام تر تبدیلی اور تغیر مخصوص علت اور طے شدہ اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ افلاک کی گردش، سیاروں کی رفتار، ہواؤں کا چلنا اور بدلنا، تہہ بہ تہہ بادلوں کا اٹھنا اور برسا، پھل، پھول اور پودوں کا آگنا، انسانوں اور جانوروں میں توالد و تناسل کا سلسلہ، اور ان کی موت و حیات، غرض ہر قسم کی تبدیلی اور انقلاب، مخفی لیکن منظم

قانون اور مربوط آئین کا پابند ہے۔ ہر واقعہ کی مخصوص علت اور حکمت ہے۔ اور ہر حادثے کی مناسب وجوہات اور معقول اسباب ہیں۔ چنانچہ کائنات کے اندر وقوع پذیر ایسی کوئی تبدیلی نہیں بتائی جاسکتی جو حکمت سے خالی، کسی قانون سے مبرا۔ یا کسی سبب یا علت کے بغیر رونما ہوئی ہے۔

لیکن وہ علماء اور ماہرین جو کائنات کی ان چھوٹی بڑی صدہا تبدیلیوں کا قریب سے جائزہ لیتے رہے ہیں۔ انہیں اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ رب کائنات اور اس کی بزرگ و برتر ذات نے تخلیق سے پہلے اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کا تفصیلی اور جامع اندازہ قائم کیا۔ اور آج جو نظام جاری و ساری ہے ازل میں اسے وضع کیا۔ پھر کائنات کو ترتیب دیکر اس نظام سے اسے ایسا مربوط کیا کہ اس میں خلل و اضطراب نہیں رہا۔ نہ کہیں تقدیم و تاخیر کا ادنیٰ شائبہ باقی رہا۔ یہی نظام دراصل دنیا کی عمومی اور ہمہ گیر زندگی کا حقیقی راز ہے۔ اور جب تک قدرت کو منظور ہو گا اس نظام کے تحت یہ دنیا اپنی مقررہ مدت تک باقی رہے گی اور پھر فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اب یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ نبیوں اور رسولوں نے اپنے اپنے وقتوں میں جس نظام پر ایمان لانے کیلئے زور دیا۔ اور جس کے اچھے برے مقدرات کو راضی برضا ہو کر تسلیم کرنے کی تاکید کی۔ دراصل وہ یہی ”قضاء و قدر“ کا قدرتی نظام ہے۔

● ۲۔ وجود کیونکر ہوا؟ (عالم کا) وجودنی الوقت موجود ہے اس لئے اس کا انکار کرنا یا اس کے وجود پر مزید ثبوت پیش کرنا بے سوہے۔ البتہ قدیم فلاسفہ اور جدید مفکرین عالم کے وجود پر بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ پر ضرور الجھ پڑتے ہیں کہ عالم قدیم اور ازلی ہے یا حادث ہے، کہ پہلے معدوم تھا پھر موجود ہوا، اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ ”عالم حادث ہے۔“ اور یہ اس لئے کہ عالم میں تغیر ہوا کرتا ہے۔ اور جو چیز تغیر پذیر ہے، وہ ازلی نہیں حادث ہے۔ عالم کے حادث ہونے پر فلاسفہ کا استدلال یہی تھا۔ اور یہی تصور کم و بیش انیسویں صدی عیسوی تک برقرار رہا، تاآنکہ قانون طاقت (قانون توانائی) (Tleat System) کے نظریہ کو فروغ ہوا۔ اور کسی تذبذب کے بغیر دور جدید کے فلاسفہ نے بڑی حد تک اسے فیصلہ کن قرار دیا۔ اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ عالم نہ ازلی ہے نہ ابدی، بلکہ مخلوق اور حادث ہے۔ اور بالآخر فنا ہونے والا ہے۔ اور اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ فیصلہ کن توانائی ہمیشہ متحرک مادے سے (ساکن) مادے میں منتقل ہوا کرتی

ہے۔ اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس حرکت اور توانائی کا سرچشمہ کون ہے؟ اس لئے کہ جو چیز متحرک ہے ضروری ہے کہ اس کیلئے کوئی محرک ہو۔ محرک کا ہونا اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ معدوم شے سے موجود کا وجود ممکن نہیں۔ اس لئے اخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوتی ہے جو بالذات یا بلاواسطہ تمام چیزوں کی محرک اور ازلی ہے۔ اور خود متحرک نہیں ہے۔ یہی خدا ہے۔ اس مقدمہ اور اس کی ترتیب سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ وجود (مادہ) ازلی نہیں ہے۔ جبکہ طحطاہ فلاسفہ اسے ازلی ماننے پر مصر ہیں۔ بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ مادہ حادث ہے۔ اس لئے کہ معدوم ہونے کے بعد اس کی ابتداء ہوئی۔ اور جس کی ابتدا ہو لا محالہ اس کیلئے انجام ناگزیر ہے۔

اس علمی نکتہ کی تشریح کے بعد ایک مغربی مفکر لکھتا ہے۔ ان دلائل سے خود بخود یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم کا آغاز ہوا۔ اور یہی آغاز خدا کے وجود کا بین ثبوت ہے۔ اسلئے کہ کوئی آغاز از خود ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ موجود اول کا محتاج ہے۔ اور موجود اول یہی حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ جیسا کہ قرآن اس عقدے کو حل کرتے ہوئے کہتا ہے۔

سُنُّرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهٗ الْحَقُّ

○ (نصرت: ۵۳)

”تقریباً ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی جانوں میں بھی ہم اپنی قدرت

کی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔“

قانون توانائی کے تحت جیسا کہ عرض کیا گیا۔ کہ توانائی ایک مسلسل عمل ہے۔ جس کے تحت، محرک جسم سے غیر متحرک جسم میں حرکت تسلسل کے ساتھ رواں دواں ہوتی ہے۔ ماہرین اس کے بھی قائل ہیں کہ ”یہ طاقت تاجکے جاری رہے گی۔ ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب اس توانائی کا ذخیرہ ختم ہو گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سارا عالم فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔“ لیکن جہاں تک بندۂ مومن کا تعلق ہے وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ محض ذخیرہ ختم نہ ہو گا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بنانے والے نے اس کی بقاء کیلئے جو وقت مقرر کر رکھا تھا وہ پورا ہو جائے گا۔ اور پھر یہ عالم افلاک اور سارا نظام درہم برہم ہو کر مٹ جائے گا۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَذِبَةٌ خَافِضَةٌ زَافِعَةٌ إِذَا رُجَّتِ  
الْأَرْضُ رَجًا وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا ○ (واقعه: ۶)

”جب قیامت ہوگی جس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں ہے تو وہ پست اور  
بلند کر دے گی۔ جبکہ زمین سخت زلزلہ سے لرزے لگے گی۔ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو  
جائیں گے۔ پھر وہ غبار ہو کر اڑنے لگیں گے۔“

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ، وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ  
○ (تکویر: ۱۰-۱۳)

”جب آفتاب لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ اور  
جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔“

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ، وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَشَرَتْ ○ (انفطار: ۱-۲)

”جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے تھڑ جائیں گے۔“

مذکورہ بالا تحقیق جس کے ذریعہ ماہرین اور فلاسفہ عالم کا حادثہ، اس کے ازلی نہ  
ہونے، اور عقرب فنا ہو جانے کو ضرور ثابت کرتے ہیں۔ لیکن پھر یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ  
عالم کا آغاز کیونکر ہوا؟ یا اس کائنات کی کیا حقیقت ہے؟ اس کے جواب میں فلاسفہ اور مادیتین کی  
عقل دنگ اور ان کی زبانیں گنگ ہیں، اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اور وہ وہم و  
گمان، ظن و تخمین، اندازے اور قیاس اور دجل و فریب کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں، اسی قسم کا  
انگل کا تیرہ یہ کہہ کر چلاتے ہیں کہ زمین ایک دیکھے ہوئے شرارے کی شکل میں سورج سے  
جدا ہوئی، پھر اربوں کھربوں سال گزرنے کے بعد جم کر سرد ہوئی۔ اور اس کے اوپر بت ساری  
خالکی پرت اور تمہیں جمتی گئیں۔ تاآنکہ زندگی کی نمود اور جینے کے آثار، اس کے اوپر نمودار  
ہوتے

توانائی اور زندگی کے بارے میں ان کا تخیل یہ ہے کہ ابتداء میں حیات انتہائی معمولی  
خلیہ کی شکل میں موجود ہوئی۔ پھر نشوونما کا دور شروع ہوا۔ اور ارتقاء کا زینہ طے کرتی ہوئی

اس حد تک پہنچی کہ آج اس کے مختلف مظاہر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ جب زمین سورج سے نکلی تو خود سورج اور یہ اربوں کھربوں ستارے اور سیارے کہاں سے نکلے؟ نیز توانائی سے متعلق ان کا تصور یہ بھی ہے کہ کسی ظلیے یا جرثومے کی شکل میں کوئی چیز دوسرے سیارے سے برآمد ہوئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین کی طرح چاند یا کسی اور سیارے پر زندگی اور روئیدگی کے آثار کیوں نہیں نمودار ہوئے؟ جبکہ چاند پر اتر کر قریب سے اس کا مشاہدہ کرنے والے خلا بازوں نے بیک زبان کہا ہے کہ چاند پر زندگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ باری تعالیٰ نے بجا ارشاد فرمایا کہ:

مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلَقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُمْ  
مُتَّخِذِي الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ۝ (کف: ۵۱)

”میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت بلایا۔ اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناؤ۔“

اس میں شک نہیں کہ باری تعالیٰ کی اعلیٰ وارفع ذات کا اس کے ماننے والوں خصوصاً ہم مسلمانوں پر بڑا کرم ہے جو اس نے خلق و تکوین اور اس کے مختلف مدارج اور کیفیات کو قرآن پاک میں کھول کھول کر بیان فرمایا۔ اور انہیں وہم و گمان کی بھول بھلیوں اور ظن و تخمین کی وادیوں میں بھٹکنے سے محفوظ رکھا۔ یہ بھی بجا ہے کہ خلق و تکوین کے سررشتہ کو جتنا وہ جانتا ہے کوئی دوسرا نہ اسے جان سکتا ہے نہ ان سے متعلق اس کے جیسی سچی خبر کوئی اور دے سکتا ہے۔ سچ ہے وہ بڑا باریک میں اور سب سے زیادہ باخبر ہے۔

أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا  
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ  
رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۚ  
وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۚ وَهُوَ

الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ  
يَسْبَحُونَ ○ (انبیاء: ۳۳-۳۰)

”کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں (ابتدائی حالت میں) ایک دوسرے سے لٹے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا کیں۔ (ان باتوں کو سن کر) یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اور ہم نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے کہ کہیں زمین ان کو لے کر جھک نہ جائے۔ اور ہم نے اس میں کشادہ کشادہ رستے بنا دیئے تاکہ وہ (آسانی سے) راستہ پاسکیں اور ہم نے آسمانوں کو محفوظ چھت بنایا۔ مگر یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ اور یہ سب آسمان میں (اس طرح چلتے ہیں گویا) تھر رہے ہیں۔“

نیز فرمایا۔

قُلْ أَنْتُمْ لَكُمْ قُرُونٌ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ  
أَنْدَادًا ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ  
فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَامًا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ثُمَّ اسْتَوَى  
إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا  
قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ فَفَضَّهِنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَى فِي  
كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَحِفْظًا ذَلِكَ  
تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ (فصلت: ۱۱۲-۹)

”(اے پیغمبر ان سے) کہو کہ کیا اس اللہ سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ اور تم بتوں کو اس کا مقابلہ بناتے ہو۔ وہی تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے۔ اور اس میں برکت رکھی۔ اور اس میں لوگوں کی روزی ٹھہرائی۔ (یہ سب کچھ) چار دن میں (ہوا) پورے (چار دن) پونچھنے والوں کے لئے۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس کو اور



زمین کو حکم دیا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر اس نے دو دن میں سات آسمان بنائے۔ اور ہر آسمان میں اس کے مناسب فرشتوں کو حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے زینت دی۔ اور شیطانوں سے محفوظ رکھا۔ یہ اس اللہ کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو غالب اور علم والا ہے۔"

زمین و آسمان اور کل کائنات سے متعلق باری تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں۔ ربے انسان، جن حیوانات اور نباتات وغیرہ تو ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ، وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ (رحمن: ۱۵، ۱۶)

"اسی نے انسان کو ٹھیکے کی طرح کھٹکاتی ہوئی مٹی سے بنایا۔ اور جنات کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔"

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ، وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُومِ ○ (جم: ۲۶، ۲۷)

"اور بلاشبہ ہم نے انسان کو کھٹکاتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ جو شے ہوئے گارے سے تیار ہوئی تھی اور جنوں کو اس سے پہلے لوہی آگ سے پیدا کیا۔"

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ (نور: ۳۵)

"اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر ان میں کوئی ایسا ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے۔ اور ان میں کوئی ایسا ہے جو دو پاؤں پر چلتا ہے۔ اور ان میں کوئی ایسا ہے جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِۦٓ أَنَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا  
الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعَبْنَا وَقَضْنَا وَزَيَّنَّا وَنَخَلًا  
وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ۝

(پس: ۳۲:۲۳)

”انسان کو چاہئے کہ اپنی غذا پر غور کرے کہ ہم نے خوب پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں (بست کچھ) اگایا (یعنی) غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنے باغ اور میوے اور چارہ (یہ سب کچھ ہم نے) تمہارے لئے اور تمہارے چارہیوں کے لئے (اگایا)۔“

سوچنا چاہئے کہ جن وانس اور کل کائنات سے متعلق باری تعالیٰ کے کہاں یہ ارشادات! اور کہاں ان طہرین اور دہریوں کی ہرزہ سرائی اور خرافات ظاہر ہے ان زندہ اور تابندہ حقائق کے مقابلہ میں ان کی حیثیت مردہ اور معدوم یا زبان آور اور گویا کے مقابلہ میں گونگے اور سرے کی سی ہے چہ نسبت خاک رابا عالم پاک۔

بھلا ان میں نسبت بھی کیونکر ہو سکتی ہے۔ جب کہ طہرین کے مقابلہ میں صاحب ایمان وہ ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا حقائق کو پرکھ کر انہیں قبول کیا۔ باطل نظریوں کے مقابلہ میں انہیں ترجیح دے کر ایمان لائے۔ اور اس پر انہیں کامل اطمینان ہوا جب کہ یہ بے دین اور دہریے اپنے کفر اور سرکشی کے سبب گمراہ ہوئے۔ حقائق کا انکار کیا۔ ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو ترجیح دی۔ اور قطعی اور یقینی حقائق کو چھوڑ کر شکوک و شبہات کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ جب وحی کا نور منور ہوا۔ اس کی ضیاء بارگاہوں نے تاریکیوں کو کافور کیا۔ اور چار سو اجالا ہوا تو ایمان والوں نے اس اجالے کو خوش آمدید کہا۔ اور اسی اجالے میں انہوں نے دیکھا کہ اہل باطل اور بے دین تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اور حیراں و سرگرداں پھر رہے ہیں۔ پھر خواہشات اور ہوا ہوس کے صحرا میں انہوں نے ایک چمک دیکھی جو حقیقت میں سراب تھلا۔ یہ اس کے پیچھے یہ سمجھ کر دوڑ پڑے یہی فیصلہ کن حقائق اور حکمت کا دریائے ناپید اکنار ہے۔ اور یہاں ان کا گوہر مقصود مل سکتا ہے۔ لیکن بڑی مشکلوں کے بعد جب وہاں

ہنچے تو سوائے حسرتوں اور نامرادیوں کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يُخْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ أَوْ كظلماتٍ في بحرٍ لججٍ يغشاه موجٌ من فوقه موجٌ من فوقه سحابٌ ظلماتٌ بعضها فوق بعض إذا أخرج يده لم يكد يرها ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نورٍ ○

(نور: ۳۴، ۳۵)

○ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک چیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدی دور سے) اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔ اور اللہ ہی کو اپنے پاس پائے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا دے۔ اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (کافروں کی مثال ایسی ہے) جیسے گمرے سمندر میں اندھیرے کہ اس کو موج نے ڈھانک لیا ہو۔ اس موج کے اوپر دوسری موج ہو اور اس کے اوپر بادل (غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے کہ جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو (کبھی بھی) روشنی نہیں مل سکتی۔“

۳۔ کائنات کے اندر ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھنے والے اور اس کے ماہرین اس بات کے قائل ہیں کہ کائنات کی بڑی سے بڑی چیز جیسے سورج سے لے کر ادنیٰ درجہ کی چیز جیسے ایٹم، غرض کل عالم علوی اور سفلی عجیب و غریب لیکن مربوط نظام کے ساتھ وابستہ ہیں جس میں رد و بدل تو ایک طرف۔ ادنیٰ ہی تقدیم و تاخیر اور نقص و فتور بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ چنانچہ قرآن پاک نے اس کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ○

(فاطر: ۴۳)

○ ”تو تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز مٹتا

ہوانہ دیکھو گے۔“

یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ اصول اور ضابطے جن سے سارا عالم اور کل کائنات مربوط ہے۔ ان میں سے کسی ضابطے میں درپیش ادنیٰ سا فتور سارے عالم کی چولیس ہلانے اور انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ مثال کے طور پر عالمِ علوی کے ایک نظام، نظامِ شمسی کا کوئی ستارہ یا سیارہ اگر اپنے مدار سے ذرا سا ہٹ گیا۔ یا دوسرے ستارے یا سیارے سے ٹکرا گیا تو اس میں ٹشک نہیں کہ آج قیامت آجائے گی۔ یا سورج آج جتنا گرم ہے اس کی حرارت میں اگر اس سے زیادہ اضافہ ہو یا کمی لاحق ہوئی تو کائنات جل کر راکھ ہو جائے گی۔ یا برف کی طرف ٹھنھ کر جم جائے گی۔

یہ تبدیلی وہ ہے جو عالمِ علوی میں رونما ہو سکتی ہے۔ عالمِ سفلی میں آکسیجن جو ہوا کے ساتھ (۲۱%) فیصد کے تناسب کے ساتھ شامل ہے۔ خدا نخواستہ اگر اس کا تناسب بڑھ کر (۵۰%) فیصد ہو جائے تو سارا عالم اور کل کائنات جل کر خاکستر ہو جائے۔ اور اگر مذکورہ بالا حد سے تناسب گھٹ جائے تو جملہ خلایق کا دم گھٹ جائے۔ اور دم کی دم میں ان کی روح پرواز کر جائے۔ حیات اور توانائی کے ساتھ مربوط قدرت کے عمومی نظام کی یہ ایک جھلک تھی جس کے اوپر بے شمار خلایق کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ لیکن حیات کا مخصوص قدرتی نظام جو اس دنیا میں جاری ہے۔ یہ اس پہلے نظام سے زیادہ دقیق اور عجیب و غریب ہے۔ مزید حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ہر جاندار کے وجود، اس کی پیدائش و فرائض، اس کے ارتقاء یہاں تک کے اس کے رہنے سہنے، رزق کے حاصل کرنے، اپنی حفاظت کرنے، اور جینے مرنے غرض زندگی کے ہر شعبے کے لئے اس کے اپنے مخصوص طریقے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے گرد و پیش کی دنیا پر نظر رکھتے ہیں انہیں اس سلسلے میں مزید، معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ البتہ بطورِ مثال ذیل میں ہم انسانوں، حیوانوں اور پودوں سے متعلق ان کی زندگی کے حصول اور بار آوری کے محض تین نمونے پیش کرتے ہیں۔

دیکھا جاتا ہے کہ مرد کا عورت کی طرف اور عورت کا مرد کی طرف ایک فطری میلان ہے جس کے تحت جنسی کشش اور اس کے نتیجے میں باہم ملاپ کی مخصوص صورت عمل میں آتی ہے۔ اور قانونِ قدرت کے تحت انسانی نسل میں اضافہ اور اس کے تحفظ کا سلسلہ جاری

ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مرد و عورت یا بالفاظ دیگر میاں بیوی فطری طور پر باہم اس طرح اشتراکِ عمل کرتے ہیں جس سے نسل کی حفاظت اور اولاد کی تربیت میں سراسر مدد ملتی ہے۔ چنانچہ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عورت کے بار آور ہونے کے باوجود مرد کا اس کے ساتھ جنسی میلان برقرار رہتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں میں — باہمی میل جول محبت اور نسل کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے۔ جب کہ جانوروں میں بار آوری کے بعد ز مادہ کی طرف التفات نہیں کرتا بلکہ اس سے اعراض کرتا ہے۔ اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ ز مادہ کا التفات شہوانی میلان کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ محض افزائش نسل کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ بار آوری کے آثار رونما ہوتے ہیں تو زکریٰ توجہ خود بخود ہٹ جاتی ہے۔ اور وہ ایک قسم کی بے التفاتی برتا ہے۔ اسی افزائش کے نتیجے میں انسانی غذا میں جیسے گوشت، اون، بال، پوتین، دودھ اور اس سے بننے والی بے شمار چیزیں فراہم ہوتی ہیں۔ اور پینے، اوڑھنے اور غذا کے بے شمار مسائل حل ہوتے ہیں۔ انسانوں میں باہم میلان اور جانوروں میں اس میلان کے فقدان کی ظاہری وجہ یہی ہے کہ جانوروں کو اولاد کی بقاء اور ان کے تحفظ اور مناسب تربیت کی کوئی حاجت نہیں ہوتی، نہ انہیں اس سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون کی کوئی ضرورت ہوتی ہے۔ ہاں انسان وہ حیوانِ ناطق ہے جو ان امور کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے قدرت نے اس کے اندر اس مادہ کو پیدا کیا۔ اور اس کی مناسب تربیت فرمائی۔ سبحان اللہ یہ اس ہستی کی کارگیری ہے جو، نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی۔ پھر انہیں راہ دکھائی۔ انسانوں اور حیوانوں میں اس امر کا مشاہدہ آئے دن کا معمول ہے۔ البتہ نباتات کے اندر مجھے جس قدر حیرت اور تعجب انجیر کے درختوں کے دوران ہوا، کسی اور کے مشاہدے کے وقت نہیں ہوا۔ اور میں سمجھتا ہوں ہر ذی عقل اور باشعور اس سے بے حد متاثر ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے انجیر کے درختوں میں کچھ نہ ہوتے ہیں اور کچھ مادہ بہار کے دنوں میں انجیر کے ز اور مادہ دونوں درختوں میں خوب پتیاں نکلتی ہیں۔ اور درختوں پر بہار آتی ہے۔ عام طور پر ابتداء میں چھوٹے چھوٹے دانوں کی شکل میں ان درختوں کے پھل نمودار ہوتے ہیں۔ البتہ ز درخت کے پھل قدرے تیزی سے بڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جب

قدرتی طور پر زیرگی کے عمل کا وقت قریب آتا ہے۔ اور زرد رخت کا دانہ پک جاتا ہے تو کسان ان کے دانوں کو لے کر مادہ درختوں کی شاخوں پر جا بجا لٹکا جاتا ہے۔ اس دوران یہ دیکھا گیا کہ ان ٹنگے ہوئے زرد رختوں کے دانوں سے مکھی سے کہیں زیادہ باریک اور ننھا کیزا نکل کر از خود مادہ درختوں کے دانوں پر پڑتا ہے۔ اور ان دانوں کے اوپری حصہ میں جہاں مادہ کے پوشیدہ مقام کی طرح شکاف سا بنا ہوتا ہے سفید مادہ لئے یہ کیزا شکاف کے اندر چلا جاتا ہے۔ زیرگی کے بعد یہ کیزا ایک دانہ سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے دانہ میں اسی طرح عمل کو جاری رکھتا ہے۔ تا آنکہ بیشتر دانوں میں بار آوری کا یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے اور پھر جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ اسے پیدا کئے ہوتا ہے۔ اس عمل کے بعد یہ کیزا از خود مر جاتا ہے۔ اور اس طرح قدرت کے ایک نظام کے تحت نباتات میں زیرگی کا ایک انتہائی پیچیدہ عمل اختتام کو پہنچتا ہے۔ جو درحقیقت باری تعالیٰ کی قدرت اس کی علم و حکمت اور اس کی بے مثال صنایع کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ سبحان اللہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت عطا فرمائی۔ پھر انہیں ان کی راہ دکھائی۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی کائنات کا پروردگار ہے۔

انجیر کے درختوں میں زیرگی کے اس عمل سے اور قدرت کے دیگر مظاہر کا قریب سے مشاہدہ کرنے سے جس قدر حیرت اور استعجاب ہوتا ہے۔ اس کے اظہار کے لئے الفاظ کا ذخیرہ ناکافی ہے البتہ ہم صرف اتنا عرض کریں گے اور اس یقین کے ساتھ کہیں گے تاکہ باری تعالیٰ کے یہاں ہمارے اس یقین کا اندراج ہو۔ اور آخرت میں محض اس کے فضل سے ہمیں اس کا اجر اور نفع ملے۔ زیرگی اور بار آوری کا یہ ایک عمل اور اس جیسے بے شمار حیرت انگیز عمل جن کا ہمیں تفصیلی علم بھی نہیں۔ بلاشبہ یہ کسی اتفاق، ضرورت یا نیچر کا کرشمہ نہیں نہ یہ سب آپ سے آپ ہو رہا ہے۔ بلکہ ان سب کے پیچھے اسی قضاء اور قدر کا نہیں نظام کار فرما ہے۔ جو خلق و تکوین کا مظہر اور حکمت و تدبر اور علم و آگہی سے پورے طور پر متصف ہے۔ اس نظام کو برپا کرنے والا وہی الٰہ العظیم اور رب العالمین ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انہیں پیدا کیا۔ وہی کل کائنات کا پالنے والا اور ہر چیز کا مالک و پروردگار ہے۔ جس نے علم و یقین پر مشتمل بے شمار ایسے دلائل پیدا فرمائے جو اس کا یقین ثبوت ہیں کہ وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں وہی حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والا، بڑا زبردست اور حکمت

والا ہے۔ خدا یا ہم اپنی اس شہادت کو تیرے سپرد کرتے ہیں۔ اور تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن زیادہ بہتر شکل میں اسے ہمیں دوبارہ مرحمت فرما۔

بہر کیف یہ اور قدرت کے بے شمار ظاہر اور دقیق مظاہر جو اس وسعت افلاک اور کل کائنات میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب دراصل اس کے قضاء و قدر کا ادنیٰ نمونہ ہیں۔ جن سے متعلق باری تعالیٰ نے بہت پہلے ازل میں فیصلہ فرمایا۔ اور اسی ازلی فیصلہ اور اس کی تقدیر کے مطابق کائنات کا پورا کارخانہ مصروف عمل ہے ہمارا ایمان ہے کہ کسی بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمانیات کے اس جز قضاء و قدر پر بھی کما حقہ ایمان نہ لائے۔ اور اسے من و عن تسلیم نہ کرے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیک توفیق دیتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

### ● قضاء و قدر:

مذکورہ بالا مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ان مقالات کا اعادہ سودمند ہوگا جنہیں اس بحث کے آغاز میں بطور تمہید ذکر کیا گیا۔ ان مقالات میں یہ بتایا گیا تھا کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے لئے مقررہ قدرت کے تخلیقی نظام میں گہرا رابطہ ہے۔ اور یہ رابطہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ ایسے اصولوں اور ضابطوں کے ساتھ منسلک ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی چیز اس سے مستثنیٰ نہیں یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی ضاعی کے نادر نمونے نظام کائنات اور اس کے علاوہ انسان، حیوان، اور نباتات میں بطور خاص دیکھے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ نظام شمسی جو انتہائی پیچیدہ اور حیرت انگیز نظم سے باہم مربوط ہے اس نظام سے وابستہ ان گنت اور بے شمار ستارے اور سیارے ہیں جو اپنے مدار پر گردش کرتے ہیں ان میں سے ہر سیارے کا جدا جدا محور ہے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی سیارہ اپنے مدار پر سے ہٹا ہو۔ یا دوسرے مدار میں داخل ہوا ہو۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوا تو کائنات کی تباہی یقینی ہے۔ اسی نظام کے حیرت انگیز اثرات کا مشاہدہ انسان، حیوان، اور نباتات میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان خلائق کی الگ الگ دنیا آباد ہے۔ اور ان کی طرح بے شمار عوالم ہیں۔ اور ہر عالم میں قسم قسم کی مخلوق مقررہ اصول اور ضابطے کے تحت نشو و نما اور فنا و بقاء کے مراحل سے گذرتی ہے۔ اور کل خلائق ان کی اس طرح پابند ہے کہ ان

میں کہیں سرمو فرق نہیں آتا ہر کوئی بس اپنے حدود میں محدود اور اپنے لئے مقررہ دائرے میں محصور ہے اور یہی دراصل قضاء و قدر کا سر نہیں اور اس کی قائل فہم تفسیر ہے۔

اس مختصر تمہید کی روشنی میں قضاء و قدر کا معنی یہ نکلتا ہے کہ درحقیقت یہ باری تعالیٰ کا ازلی علم ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کل کائنات اور جملہ خلایق کو پختہ اور محکم اندازوں کے ساتھ وجود بخشا اور تمام حوادث اور واقعات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ قائم کر کے۔ لوح محفوظ میں درج کیا۔ چنانچہ آج جو کچھ ہو رہا ہے اسی کیمت کیفیت، شکل و صورت وقت اور جگہ اور اسباب اور مقدمات اور ان کے انہیں نتائج کے ساتھ ہو رہا ہے جو ازل میں علم الہی کے اندازے اور حساب کے مطابق ہے ان میں نہ کسی قسم کی اصلاح، تبدیلی یا کمی بیشی کے لئے کوئی گنجائش ہے نہ کسی قسم کی تقدیم و تاخیر یا کیمت کیفیت، یا حالت میں فرق کا کوئی امکان ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

۱۔ باری تعالیٰ کا علم بے حد وسیع اور ہر چیز پر حاوی ہے۔ چنانچہ جو ہوا، جو ہونے والا ہے۔ جو نہیں ہوا۔ لیکن اگر ہو گا تو کیوں کر ہو گا؟ یہ سب اس کے حیط علم اور دائرہ قدرت میں ہے اس کا علم بے پایاں۔ اور اس کے اندازے اور پیمانے منظم و محکم ہیں کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ کبھی نہیں ہوتا۔

۲۔ عالم علوی اور عالم سفلی اور کل کائنات قانون قدرت اور دستور فطرت کے ساتھ وابستہ اور مربوط ہے۔ اور کسی چیز میں کہیں معمولی خلل یا اضطراب نہیں۔ اسی کا نام قضاء اور قدر ہے جس سے انکار بڑے سے بڑا منکر، جلیل منکبر اور سرکش بھی نہیں کر سکتا اس لئے کہ علم الہی اور اس کے ساتھ کل کائنات کا باہم مربوط نظام انتہائی محکم اور منظم قوانین کی شکل میں اس طرح ہر کس و ناکس کے سامنے جلوہ گر ہے جس کا انکار محال ہے۔ چنانچہ عالم افلاک ہو یا نور و ظلمت کی یہ دنیا، انسان، حیوان ہوں، یا نباتات، و جمادات، اس میں شک نہیں کہ سب اسی تقدیر کے پابند ہیں۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

اب دیکھو باری تعالیٰ اور کل کائنات کا بنانے والا قضاء و قدر اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں سے کس طرح اپنے بندوں کو آگاہ کرتا ہے۔



مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ  
مِنْ قَبْلِ أَنْ نَنْزِلَ أَهَّا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ○ (حدید: ۲۲)

”کوئی مصیبت تلک پر اور تم پر نہیں پڑتی۔ مگر وہ کتب میں لکھی ہوئی ہے۔ قلم  
اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔“

وَالْأَرْضُ مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْئٍ  
مَوْزُونٍ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ وَإِنْ مِنْ  
شَيْئٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ○ (حجر: ۱۹)

”اور (دیکھو) ہم نے زمین کو پھیلا دیا۔ اور اس پر پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر چیز  
اندازہ سے اگائی اور ہم نے تمہارے لئے اور ان لوگوں کے لئے، جن کو تم روزی نہیں  
دیتے اس میں معیشت کا سامان مہیا کر دیا۔ اور (دیکھو) کوئی چیز ایسی نہیں کہ اس کے  
خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور ہم ہر چیز کو ایک مقررہ اندازہ کے مطابق اتارتے ہیں۔“

إِنَّا كُلَّ شَيْئٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ○ (قمر: ۴۹)

”بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا۔“

ثُمَّ جَعَلْنَا عَلَى قَدَرٍ يُمُوسَى ○ (طہ: ۳۰)

”پھر اے موسیٰ، تم اللہ سے (بھلا) آؤ گے۔“

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْئٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ○ (فرقان: ۲)

”اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک خاص اندازے پر رکھا۔“

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ○ (آب: ۳۸)

”اور اللہ کا حکم تو (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔“

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسُوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ

فَهَدَى ○ (اعلیٰ: ۳۲)

”(اے پیغمبر) اپنے بلند و برتر پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرو، جس نے (ہر چیز کو)

پیدا کیا۔ اور جس نے (ہر چیز کا) ایک اندازہ مقرر کیا پھر اس کو ہدایت کی۔“

یہ قضاء اور قدر کا مفہوم ہے۔ اور یہ کوئی تعجب خیز یا قتل اعتراض نہیں، اس لئے کہ نحیف و ناتواں، انسان جو دیگر خلائق کی طرح اسی نظام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور ایک لمحہ کے لئے اپنے آپ کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ خود اس کے لئے یہ کوئی عجیب و غریب عمل نہیں۔ بلکہ اس کی دانشمندی کی نشانی ہے کہ جب وہ کسی گھریا عمارت کی تعمیر کا ارادہ کرتا ہے تو غور و خوض کے بعد کسی کانڈ پر اس کا نقشہ بناتا ہے۔ اور پھر اس کے مطابق عمارت کی تعمیر کراتا ہے۔ اور اپنی تمام تر توانائی اور علم کے ساتھ کوشش یہی کرتا ہے کہ کانڈ پر بنے ہوئے نقشے اور زمین پر کھڑی ہوئی عمارت میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ اور کانڈ کے نقشے اور عمارت کے کسی زاویے میں کوئی تفاوت یا فرق نہ آنے پائے۔

جب ایک کمزور اور ناتواں انسان کا یہ اقدام قاتل حیرت نہیں۔ بلکہ لائق داد اور قابل ستائش ہوتا ہے تو کائنات کے خالق و مالک اور پروردگار کے لئے یہ کوئی انسانی امر نہیں، بلکہ یہ اس کی حکمت اور علم و قدرت کا زبردست مظہر ہے۔ بلاشبہ وہ بڑی طاقت و قوت کا مالک ہے۔ اس وضاحت کے بعد یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انحصار یا اس نظام پر بے جا تنقید کب سے اور کیوں کی جا رہی ہے۔ اس کے جواب سے پہلے جانا چاہئے کہ مسئلہ تقدیر کے دو رخ ہیں۔ (اضطراری، اختیاری) پہلا رخ وہ ہے جسے ہر موجد اور خدا پرست تسلیم کرتا اور مانتا ہے۔ اور کسی قسم کا شک و شبہ یا ان کا انکار نہیں کرتا۔ اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ کائنات کی تخلیق، اس کا نظام، اس میں روزمرہ پیش آنے والے حوادث، جیسے موت و حیات، خوش حالی و قحط سالی، آفات و بلیات، اور ہمہ قسم کی مشکلات جو پیش آتی ہیں۔ یا وہ احوال جن میں انسان اپنے قصد و ارادے کے بغیر خود کو وابستہ پاتا ہے۔ اور جس کے دفعیہ کی خود کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ جیسے اس کا خوبصورت یا بدصورت ہونا پست قدا یا بلند قامت ہونا۔ یا یہ کہ وہ اسی زمانے یا ملک میں کیوں پیدا ہوا؟ دوسرے زمانے یا فلاں ملک میں کیوں نہ پیدا ہوا؟ نیز یہ کہ آدمی خوش قسمت ہے یا بد قسمت اس کا رزق اس قدر اور موت کا یہی وقت ہے۔ یہ اور اس جیسے امور سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہیں۔ اور لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اور اسی کے موافق ان کا دنیا میں ظہور ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں تقدیر کے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ  
مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ○ (حدید: ۲۲)

”کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی۔ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔“

قبل اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔“

یونہی حضور اکرم ﷺ نے حضور عبداللہ ابن عباس سے فرمایا۔

”جان لو کہ سب لوگ مل کر بھی اگر تمہیں معمولی سا نفع پہنچانا چاہیں تو وہ نہ پہنچا سکیں گے۔ مگر

اسی قدر جتنا کہ باری تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ سب مل کر تمہیں نقصان

پہنچانا چاہیں تو وہ یہ بھی نہ کر سکیں گے۔ مگر اسی قدر جتنا کہ باری تعالیٰ نے مقدر فرما رکھا ہے۔

قلم اٹھالے گئے اور دفتر خشک ہو گئے۔“

(ترمذی قیامہ / ۵۹، احمد ۲۹۳)

اس میں شک نہیں کہ اس تقدیر الہی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح ان کو

مخائب اللہ سمجھنا اور راضی برضا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ دل سے یہ ماننا چاہئے کہ یہی اللہ کی

مرضی اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت و تدبیر کا تقاضہ اور اس کے خلق و تکوین کا منشا ہے۔

’لہذا دنیا میں جو حوادث پیش آرہے ہیں ان میں اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت پوشیدہ

ہوتی ہے۔ اس لئے حوادث کا پامردی سے مقابلہ کرنا اور تسلیم و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا

قابل ستائش اور ان کا مقابلہ نہ کرنا اور تنگ دل ہونا قابل نفرت سمجھا جاتا ہے۔“

### ● رضاء یا قضاء کے اثرات:

قضاء و قدر راسخ اعتقاد کے نتیجے میں اعلیٰ اوصاف اور اطمینان بخش نتائج مرتب ہوتے

ہیں۔ مثلاً خود داری، جرات مندی، دلیری اور بلند حوصلگی وغیرہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو جاتا

ہے کہ جو کچھ اسے ملنے والا ہے مل کر رہے گا، ٹل نہیں سکتا اور جو ٹل گیا وہ مل نہیں سکتا۔

اس یقین کے پیدا ہو جانے کے بعد اس کے اندر سے حیرت و اضطراب ذہنی کٹکٹش اور خلجان

نکل جائے گا اور اس کے اندر بلندی اخلاق پر بے خوف بننے کا وصف ناپسندیدہ باتوں پر

تحمل، اور شدید خطرات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوگا۔ اسے پچھلی باتوں پر رنج و حسرت حال

کا غم اور مستقبل کی فکر دامن گیر نہ ہوگی اور وہ آسودہ حال فارغ البال اور مطمئن رہا کرے

گا۔ جب یہ اعتقاد مومن کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس کے دل و دماغ سے خوف نکل آتا ہے۔ اور وہ انتہائی ہمدرد اور دلیر ہو جاتا ہے۔ اور اس کے قول و قرار اور اس کے باطن سے شرافت نکلتی ہے۔ نیز اس لئے کہ جس کے پیش نظر یہ حقیقت ہوتی ہے کہ اس کی روزی اور زندگی محدود اور یہ دنیا محض عارضی فائدے کی جگہ ہے اسے یقین ہو جاتا ہے کہ بزدلی کرنے سے اس کی عمر بڑھ نہیں سکتی۔ نہ ہی بچا بچا کر رکھنے اور بچل کرنے سے اس کی روزی زیادہ ہو سکتی ہے۔ اور جس کے خیالات یہ ہوں، وہ جہان کی بازی لگانے اور بلند مرتبہ پانے میں ہمیشہ آگے رہے گا۔ کبھی سستی نہیں کرے گا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان اور امت مسلمہ ابتدائی صدیوں میں جب کہ ان کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا تھا، قضاء و قدر پر پختہ ایمان اور صحیح عقیدے کی وجہ سے آگے بڑھے۔ اور شجاعت و شرافت، صبر و ثبات، علوم و معرفت اور بردباری اور سخاوت میں اقوامِ عالم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اور خود سب سے آگے نکل گئے اور دنیا کے مشرق و مغرب میں دور دور کے ممالک تک انہوں نے پیش قدمی کی۔ اور طویل زمانے تک لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کی۔

اب ہم اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں جسے ہم نے فرصت کے لئے مؤخر کر دیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ بیشتر افراد قضاء و قدر کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ یا پر آگندہ ذہن ہو کر اسی ایک مسئلہ کو موضوع بحث کیوں بناتے ہیں؟ اس کا جواب یہ کہ پہلے عرض کیا گیا کہ جو لوگ قضاء و قدر کے مسئلہ میں الجھن کا شکار ہیں۔ بالخصوص نام نہاد مسلم فرقوں میں جو فرقے تقدیر کا انکار کرتے ہیں دراصل انہیں سرے سے تقدیر کا انکار کرنے کی جسارت نہیں ہوتی۔ چنانچہ تقدیر کا عام معنی جس سے مراد دستورِ حکمت اور قانونِ قدرت ہے اور جس کے تحت نظامِ کائنات جاری و ساری ہے۔ اس کا انکار کرنے کی جرأت یہ بھی نہیں کرتے۔ جیسے وہ واقعات اور حوادث جن کا وسیعہ یا جنہیں رو بددل انسان نہیں کرتا۔ ان کے بارے میں وہ بھی راضی برضا ہیں۔ اس لئے کہ قدرت کا یہ اہل قانون ہے۔ اس میں تبدیلی کا امکان نہیں اور یہ وہی قانون ہے جس کے بارے میں باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ۝ (فاطر: ۴۳)

”اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز ملتا ہونہ دیکھو گے۔“

البتہ یہ فرقے جس تقدیر کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں اس سے ٹراد نیک دید اور  
 آجھے، بڑے افعال ہیں۔ جن کے بارے میں یہ فرقہ سمجھتا ہے کہ ان افعال کی نسبت  
 بندوں کی طرف ہوتی ہے اور وہی ان کے خالق ہیں۔ اس قسم کا نظریہ سب سے پہلے  
 اموی خلیفہ راشد: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں رونما ہوا جن کا زمانہ پہلی صدی  
 ہجری کا زمانہ تھا۔ یہ زہر پھیلانے والا ”غیلان دمشقی“ تھا۔ جس کو آگے چل کر ہشام  
 بن عبدالملک نے قتل کرا دیا۔ اس سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کے  
 آخر کے زمانے سے ہی تقدیر کے انکار کا فتنہ سراٹھا چکا تھا۔ البتہ اس زمانہ میں اس قسم  
 کے نظریے کی حیثیت محض تخیل کی حد تک تھی۔ جو کسی فرد یا جماعت کے دماغ میں  
 ہانڈی کی طرح پکنا تھا، پھر اس کی اطلاع جس صحابی رسول کو ہو جاتی تھی۔ وہ شدت سے  
 ان کا انکار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ فتنہ سراٹھانے سے پہلے فرو ہو جاتا تھا۔ چنانچہ  
 حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) کے زمانے میں اس  
 قسم کے واقعات پیش آئے اور انہوں نے ان فتنوں کی سرکوبی کی۔

تقدیر کے منکرین کہتے ہیں کہ جو افعال بندوں سے سرزد ہوتے ہیں ان کا فیصلہ ازل سے  
 نہیں ہوا۔ نہ ہی نوشتہ تقدیر میں انہیں درج کیا گیا۔ اور نہ ان کے اعمال کے سرزد ہونے  
 سے پہلے خدا کو ان کا علم تھا۔ (خدا کی پناہ) جانتا چاہئے کہ جن لوگوں نے تقدیر کا انکار کیا۔  
 اور گمراہ کن نظریہ اپنایا۔ اہل حق نے ان کا رد کیا۔ اور ان کے دلائل کو توڑ کر رکھ دیا۔ تا  
 آنکہ ان کا وجود نہ رہا۔ یہ اس لئے کہ قضاء و قدر کا یہ مسئلہ کتب و سنت سے اس طرح  
 ثابت ہے۔ کہ اس کا انکار کرنا مرتع کفر ہے۔ اور مسلم معاشرے میں ایسے شخص کی ذرہ  
 برابر گنجائش نہیں جو کتب و سنت کے مرتع فرمودات سے گریز کرتا ہے۔ ذیل میں ہم  
 چند آیات و روایات پیش کرتے ہیں جس سے زنگ اور میل دور ہو کر دلوں میں روشنی  
 اور جلا پیدا ہوگی۔ اور فتنہ میں پڑنے اور گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوگا۔ آیات یہ ہیں:

لے اس سے ان کی مولوح مملوۃ ہے جس میں حق تعالیٰ نے تمام چیزیں درج کر دی ہیں۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ○ (نمل: ۳۹)

”بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا۔“

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ○ (فرقان: ۲)

”اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک خاص اندازے پر رکھا۔“

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى ○

(اعلیٰ: ۳۱)

”(اے پیغمبر) اپنے بلند و برتر پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرو جس نے (ہر چیز) کو

پیدا کیا اور بہت ٹھیک پیدا کیا۔ اور جس نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا۔ پھر اس کو ہدایت کی۔“

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ

مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ○ (حدید: ۲۲)

”کوئی مصیبت ظلم پر اور تم پر نہیں پڑتی۔ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل

اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔“

نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

خدا تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے لوگوں کی تقدیریں لکھ دی تھیں اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

(مسلم، ۵۱/۸)

بخاری میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

سب سے اول باری تعالیٰ تھا۔ اس سے پہلے کوئی نہیں تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ پھر اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور لوح محفوظ میں تمام چیزوں کا اندراج فرمایا۔

(بخاری، ۱۵۲/۹)

ابو داؤد میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

باری تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ اور اس سے کما لکھو اس نے کما خدایا میں کیا لکھوں؟ باری تعالیٰ نے فرمایا تقدیر کو لکھا جو ہوا ہے اور جو اب تک ہونے والا ہے۔

(ابو داؤد، ۵۲۷/۲، ۵۲۸/۲، ترمذی قدر، ۱۷/۱، احمد، ۳۱۷/۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی کوتاہی کے سرزد ہونے پر حضور اکرم ﷺ کے اہل بیت میں سے کسی نے تشبیہ کئی چاہی تو آپ نے فرمایا:

انہیں چھوڑ دو۔ اگر اس امر کا فیصلہ (بارگاہِ خداوندی سے) صادر ہوتا تو وہ کام ضرور

ہو جاتا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب یہ بتایا گیا کہ:

”کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیر الہی کوئی چیز نہیں۔ ہر بات بغیر تقدیر کے ہوتی ہے۔ نہ اس کے پہلے علم الہی ہوتا ہے۔ نہ تقدیر!“

آپ نے فرمایا ”اگر تمہاری ان لوگوں سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے“ نہ ان کا مجھ سے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر ان میں کسی کے پاس کوہ احد برابر سونا ہو اور وہ سب کا سب راہِ خدا میں خیرات کر دے تب بھی خدا اس کی یہ خیرات قبول نہیں فرمائے گا۔ تا دقتیکہ اس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو۔

(مسلم ۱/۲۸۸)

ترمذی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزر چکی جس میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

قلم اٹھانے گئے اور دفتر خنک ہو گئے۔

(ترمذی قیامہ ۵۹۱/ احمد ۱/۲۹۳)

پھر ایک وقت آیا کہ اس قتنہ نے پھر سے سراٹھانا شروع کیا۔ انہوں نے تقدیر کا انکار کیا۔ خود بندوں کو اپنے احکام کا خالق قرار دیا۔ اور یہ سمجھا کہ حق تعالیٰ کا اس میں کوئی دخل نہیں، نہ اس میں اس کا کوئی ہاتھ ہے۔ نہ ہی سرزد ہونے سے پہلے ان اعمال کی باری تعالیٰ کو

لے اس روایت کو علامہ ابن قیم نے کتاب القدر میں ذکر فرمایا جب کہ سند کے اعتبار سے روایت ضعیف ہے۔ البتہ امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی بیس سال خدمت کی اس عرصہ میں کسی کوتاہی یا غفلت سرزد ہونے پر آپ نے مجھے کبھی ملامت نہیں کی۔ اور اگر اہل بیت میں سے کوئی مجھے کہتا تو آپ فرماتے انہیں چھوڑ دو۔ اگر قضاء (یا فریاء) اگر قدر کا فیصلہ یہی ہوتا تو

ہو جاتا۔ (احمد ۱/۲۳۱)

کوئی خبر ہوتی ہے یہ اعمال تقدیر الہی سے خارج اور ماوراء ہوتے ہیں۔ یہ نادان یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خدا سے برائی سرزد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ خود برائی سے منع کرتا اور اسے حرام قرار دیتا ہے۔ لہذا بندہ جو کچھ برائی کرتا ہے وہ از خود کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ نہ تقدیر میں پہلے سے اس قسم کا کوئی اندراج ہوتا ہے۔ ان کے شکوک و شبہات میں اس لئے بھی اضافہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ بندوں کے افعال کا خالق باری تعالیٰ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر وہ افعالِ بد کا خالق ہے تو پھر وہی گناہوں کی پاداش میں کیوں کر سزا دے سکتا ہے؟ ان عقائد کی وجہ سے یہ گروہ ”قدریہ“ کہلایا یعنی وہ گروہ جو مسئلہ تقدیر کا انکار کرتا ہے اس ہنوت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے اعمال اور افعال کی تخلیق کرنے کی وجہ سے بندہ رب بن جاتا ہے۔ اور جس کام کو چاہتا ہے از خود تخلیق کرتا ہے۔ اس بد عقیدگی سے عقیدہ توحید سخت مجروح ہوتا ہے۔ جو کہ دین کی اصل اور اس کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس گروہ کو اس امت کے مجوس کہا گیا۔ اس لئے کہ جس طرح مجوسی کئی خداؤں کے قائل ہیں۔ یہ گروہ بھی اس کا قائل ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ انسان اپنے علم اور ارادے سے اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ علم الہی اور تقدیر الہی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عقیدے کی خرابی سے محفوظ رکھے)

### ● عقیدہ جبر اور اس کی حقیقت:

معتزلہ کا دوسرا فرقہ جبریہ ہے جو قدریہ کے الٹ ہے جبریہ کا بانی جعد ابن درہم ہے۔ اس نے جبر پر مبنی عقائد کو شام کے یہود سے سیکھا تھا پھر اس سے ”جہم ابن صفوان“ نے ان خیالات کو اخذ کیا۔ یہ شخص جہمیہ فرقے کا سرغنہ تھا۔ جنہوں نے فرقہ تعطیلیہ کے خیالات کا انکار کیا تھا۔

یہاں اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جبریہ کی طرح قدریہ گروپ بھی یہودیوں کا ساختہ پر داختہ تھا۔ اور مسلمانوں کے عقائد میں رختہ اندازی دونوں کا مقصد تھا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ قدریہ کا بانی غیلان دمشقی جس کو ہشام بن عبدالملک نے قتل کیا۔ بعید نہیں کہ اس شخص نے ان عقائد کو شام کے یہودیوں سے سیکھ رکھا ہو۔



جبریہ کا کچا چٹھیا یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق نہیں۔ ہاں مجازاً خالق مانا جاسکتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ہرچند کہ وہ کام کرتا ہے مگر اس میں اس کے ارادے اور اختیار کا کوئی دخل نہیں۔ اس لئے کہ ارادہ اور اختیار باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہاں اعمال بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ جس میں ان کے ارادے کو چنداں دخل نہیں۔ اس عقیدے سے ان کے نزدیک یہ لازم آتا ہے کہ جب بندہ مجبور محض ہے اور اپنے افعال میں اس کے ارادے یا اختیار کو کوئی دخل نہیں تو اس کے کسی فعل یا عمل پر مواخذہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ نہ اس پر حرف گیری یا نکتہ چینی کرنا چاہئے۔ خواہ وہ کام کتنا ہی برا اور خراب کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے عقائد کی وجہ سے سچ تو یہ ہے کہ قدریہ سے زیادہ یہ فرقہ گمراہ اور ضرر رساں ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس قدر ضرر رساں ہونے کے باوجود جبریہ کے باطل عقائد مسلمانوں میں بکثرت عام ہوئے۔ اور ان کی کسی کوشش اور جدوجہد کے بغیر مسلمانوں نے بھی بلا سوچے سمجھے ان مزموعات کو اپنالیا۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ گناہوں کے ارتکاب کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ چنانچہ اسی خطرناک عقیدے کا شکار ایک شاعر کہتا ہے

أَصْبَحْتُ مَنْفَعِلًا لِمَا يَخْتَارُهُ بَيْنِي فَفَعَلْتَنِي مَخْلَّةٌ عِلَاعَاتٍ

میں اس کے ارادے کا پابند ہو چکا ہوں اس لئے میں جو کروں گا سب عبادت میں داخل ہے عقیدے کے اس فساد کی وجہ سے بہت سارے مسلمانوں میں تعطل پیدا ہوا۔ اور اچھے اچھے کاموں سے انہوں نے اجتناب کیا۔ خود کمزور اور حقیر ہوئے۔ اور زمانہ کی رسوائی کا ہدف بنے۔ تاآنکہ سستی بزدلی، کمزوری، اور رسوائی میں سب سے آگے اور کارکردگی اور فکر و عمل کے بیشتر میدانوں میں پسماندہ اور سب سے پیچھے ہوئے۔ اس سے غیر مسلموں کو یہ جسارت بھی ہوئی کہ انہوں نے اسلام اور عقائد اسلام پر اعتراض کرنا شروع کیا۔ اور ان کی مشکلات اور پریشانیوں کی علت ان کے عقائد کو بتلایا۔ ان کے خیال میں مسلمان عقیدہ جبر کو مانتے ہیں اور اس لئے دین و دنیا میں تباہ حال ہیں۔ بقول ان کے مسلمان اس خام خیالی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زندہ ہو کر خود کو مُردوں سے بدتر تصور کرتے ہیں۔ اور اپنے تعطل اور ہر قسم کی ترقی سے دوری اور مردنی کو قابلِ غمو و درگزر اور جائز سمجھتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ان کی زندگی کا کمال اور ایک قسم کی سعادت ہے اسی قسم کی خوش عقیدگی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے ان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

جَزَى قَلَمُ الْقَضَاءِ بِمَا يَكُونُ فَسَيَانَ الشَّحْرُوكَ وَالشَّكُونَ  
تقدیر کا قلم چل چکا ہے۔ لہذا جو ہوتا ہے ہو کر رہے گا خواہ کوئی کچھ کرے یا نہ کرے دونوں برابر ہے  
جُنُونٌ بِكَ أَنْ تَسْعَى لِرِزْقِكَ وَيَرْزُقُ فِي غِيَابِهِ الْخَبِيثُ  
روزنی کے بیچے دوڑنا دہراگی ہے۔ جب کہ رزم کی تاریکی میں پیٹ کے بچے کو روزی لٹی ہے  
سوچنا چاہئے کہ جبریہ کا یہ نظریہ کس طرح فکری اور عملی تعطل اور بیکاری کی تلقین کرتا ہے۔  
کرتا ہے۔ تا آنکہ جیتے جی آدمی مردہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور دنیا و آخرت کے خسران اور نقصان  
میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ خدا نخواستہ اگر لوگوں نے اس فکر اور تعطل کو اپنا لیا تو  
زندگی اور سرگرمی کا کیا ہوگا۔ کیا دنیا بس تباہ و برباد ہو کر ختم نہ ہو جائے گی؟

اللہ اکبر! فکری بے راہ روی اور عقیدے کی خرابی کا اثر لوگوں پر کتنا برا پڑتا ہے۔  
خوب سمجھ لیتا چاہئے کہ تخریب پسند اور جملہ باطل مذاہب کا تصور یہ ہے کہ انسان اپنے مرتبہ  
سے فروتر ہو کر حیوان سے بھی ذلیل و حقیر ہو جائے۔ نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان گمراہ  
اور تخریب پسند نظریات کے عقب میں انسان اور انسانیت دشمن، یہودیوں کی شرارت اور چہرہ  
دستی کار فرما ہے۔ جو کل روئے زمین کے انسانوں کے دشمن ہیں۔ اور ناکردہ گناہوں کا ان سے  
انقام لینا چاہئے ہیں۔ بنا بریں میں سمجھتا ہوں کہ جبریہ، قدریہ، بیشتر شیعہ فرقے اور نام نہاد صوفیا  
کے افکار و خیالات کی ہانڈی انہیں بد باطن یہود کے چولے پر پکتی رہی۔ اور پھر مختلف ذریعے  
اور الگ الگ ناموں سے یہ زہر ملا مواد مسلمانوں کے اندر پھیلایا گیا تاکہ مسلمان اس کا شکار  
ہوں۔ وہ خود اپنی موت آپ مرے اور ان کا نام و نشان مٹ جائے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ  
إِلَّا بِاللَّهِ۔

ذیل کے عنوان کے تحت قضاء و قدر کے عقیدے کی مزید تشریح کی جاتی ہے۔

● نہ کوئی جبر ہے نہ تقدیر سے انکار، انسان خود کار با اختیار ہے حق تعالیٰ انسان کا

اور اس کے افعال کا خالق ہے:

بعض لوگ جو کم فہم اور نادان ہیں، انہیں ذیل کی ان دو باتوں میں یکسانیت اور

موافقت ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آتی کہ:

● اللہ تعالیٰ باوجود یہ کہ عدل و انصاف والا ہے اور ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے پاک ہے مگر اسی نے انسان کو اور جو نیکی بدی وہ کرتا ہے سب کو اسی نے پیدا کیا۔

● انسان جو کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بلا اختیار اور خود کار ہے۔ لہذا نیک کام کرنے پر جہاد اور بر اکام کرنے پر سزا اس کو مل کر رہے گی۔

(جب کہ مذکورہ بالا ہر دو حقائق اپنی جگہ اٹل اور درست ہیں) یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے افراد کئی گروہ میں بٹ گئے اور ہر ایک نے الگ الگ نظریات کو اپنا لیا۔

۱۔ چنانچہ ایک فرقہ وہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ کسی اور کو یہاں تک کہ خدا کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ بندوں کو ان کے افعال کا خالق وہ اس لئے سمجھتے ہیں کہ انسان نیک اور بد دونوں طرح کا کام کرتا ہے۔ اگر بدی کا خالق اللہ تعالیٰ کو بنایا جائے تو یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ اس کی ذات ہمہ قسم کی خرابی اور برائی سے منزہ اور پاک ہے۔ برائی کی نسبت اس کے ساتھ کرنا بھی درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنا یہ عقیدہ بنا لیا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ نہ خدا کو بندوں کے اعمال کی کوئی خبر ہے نہ ازل سے وہ ان سے واقف ہے۔ نہ کسی نوشتے (لوح محفوظ) میں انہیں درج کیا ہے۔ اس عقیدہ کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ انہوں نے ایک سے زیادہ خدا کا تصور باندھ لیا اور یہ سمجھ بیٹھے کہ خدا ایک نہیں دو ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیت انتہائی سختی سے اس قسم کے بے بنیاد اور باطل خیالات کی تردید کرتی ہے کہ:

● **أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ** ○ (اعراف: ۵۳)

● ”(یاد رکھو) اللہ ہی کا کام پیدا کرنا اور حکم فرمانا ہے۔“

● **وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** ○ (الصفت: ۹۶)

● ”اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا۔ اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو بھی۔“

● **ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَى**

● **كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ** ○ (الانعام: ۱۰۲)

”یہی صفتیں رکھنے والا تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر

چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کار ساز ہے۔“

انہیں باطل مزعومات کی وجہ سے اس فرقہ کو اس امت کے مجوس کہا گیا۔ چنانچہ امام احمد اور ابو داؤد نے عمدہ سند کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا کہ:

”حضور اکرم ﷺ نے فرمایا قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر یہ پیار ہوں تو ان کی عبادت کے لئے مت جاؤ۔ اور اگر مرں تو ان کے جنازے میں شریک نہ رہو۔“

(ابو داؤد ۲۳/۲۵، احمد ۸۶/۲، فتح ربانی ۱/۱۳۰، ابن ماجہ ۱۰/۱۰)

۲۔ دوسرا فرقہ پہلے فرقے کی ضد ہے۔ اور ان کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ یہ

سمجھتا ہے کہ بندہ کسی ارادہ یا اختیار کا مالک نہیں۔ نہ وہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ ان افعال کا خالق باری تعالیٰ ہے۔ اور جو قرآن میں فعل کی نسبت بندے کی طرف کی گئی تو یہ انتساب مجازی ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ○ (بقرہ: ۱۹۷)

”اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔“

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ○ (نحل: ۹۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

افعال کی نسبت بندوں کی طرف حقیقت کی رو سے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

بندوں کے اعضاء و جوارح سے ان کو صادر کیا۔ بندہ خود مجبور محض ہے۔ اس کے اندر عزم و

ارادہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ بندہ کے کسی فعل میں خوبی یا خرابی یا نیکی

اور بدی کو تلاش کرنا عبث ہے۔ نیز یہ کہ بندہ اپنے کسی عمل پر جزا یا سزا کا مستحق نہیں۔ اپنے

اس عقیدہ کی روشنی میں ان کے نزدیک انبیاء و رسل کی بعثت، آسمانی کتابوں کا نزول اور کسی

آسمانی دستور کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس طرح یہ عقیدہ جبریہ تعطیلیہ اور تقدیر کے

منکبرین یعنی قدریہ سے کہیں زیادہ بدتر، مفسد اور گمراہ کن ہے۔

۳۔ تیسرا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے اپنی طرف ظلم کرنے کو منسوب بھی نہیں

کیا۔

چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۝ (نساء: ۴۰)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔“

اسی طرح حدیث قدسی میں اپنی طرح اپنے بندوں کی طرف اس کے انتساب سے بھی گریز کیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

”میرے بندو! میں نے اپنی طرف ظلم و زیادتی کے انتساب کو بھی حرام کر رکھا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اس لئے تم بھی ظلم مت کرو۔“

(مسلم ۱۷/۸)

لہذا از روئے عقل یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں بندوں سے ان اعمال کا صادر ہونا لکھ دیا گیا ہو۔ پھر اسی پر ان سے مواخذہ بھی ہو۔ یہ بد باطن آگے بڑھ کر یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خدا کو بندوں کے انجام کی خبر ہے۔ اور اس نے لوح محفوظ میں انہیں درج کر کے ان اعمال کو ان پر مسلط کر دیا ہے اور بندہ چاہے یا نہ چاہے، راضی ہو یا ناراض ہو۔ وہی کر کے رہے گا جو لکھ دیا گیا تو ایسی صورت میں بندوں کو احکام دینا یا ممانعت کرنا، اطاعت کی تلقین کرنا یا گناہوں سے پرہیز کی تعلیم دینا کیوں کر درست ہوگا۔ جب کہ معاملہ فیصل ہو چکا اور کچھ باقی نہ رہا۔ حکم یا ممانعت تو اس کو دی جاتی ہے جس کے انجام یا انتہا سے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہوا ہو، اس قسم کے افراد کو حکم دیا یا منع کیا جاتا ہے۔ تاکہ کرنے پر مقبول اور نہ کرنے پر مردود سمجھے جائیں؟ (وغیرہ)

(ابلیسیہ) : یہ اس نظریہ کا خلاصہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کے شکار تقدیر کے ماننے اور نہ ماننے کے درمیان پریشان پھرتے ہیں۔ کبھی عقیدہ جبر کو مانتے ہیں۔ کبھی اس کے خلاف جاتے ہیں۔ اور اس تمام تر حیرانی اور تردد کے نتیجے میں اسی درجہ گستاخی، جسارت، ملامت اور لعنت کا شکار ہوتے ہیں جس قدر ابلیس کے حصہ میں آیا۔ جب اس نے حق تعالیٰ کو ظالم ٹھہرایا (خدا کی پناہ) حالانکہ وہ ظلم و زیادتی سے منزہ اور نقص و فتور سے حد درجہ دور ہے۔ وہ پاک بے عیب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اس لئے (ہماری نظر میں) اس حیران و سرگرداں فرقے کو (ابلیسیہ) کہنا چاہئے۔ ہر چند کہ

یہ ابلیس سے بھی چند قدم آگے ہیں۔

حق تعالیٰ کا بڑا کرم ہے جس نے اپنے صاحب ایمان اور پاک باز بندوں کو حق و صداقت کا سیدھا راستہ دکھایا۔ اور ان بھول بھلیوں سے صاف بچالیا۔ جس میں یہ باطل فرتے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ کسی نہ کسی طرف بٹے جا رہے ہیں۔ اور راہ حق سے دن بدن کوسوں دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ مجوسیوں کے بیچ بھٹکتے ہیں۔ جو تقدیر الہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کی طرح دو خداؤں کے قائل ہیں۔ جب کہ حق تعالیٰ شانہ کے سوا کوئی خالق و مالک نہیں۔ اسی طرح یہ جبریہ کے بیچ بیچ ہیں جنہوں نے شریعت کو بیکار اور عقل کو کالعدم قرار دیا۔ یونہی یہ اس ابلیسیت کے بین بین ہیں جس نے بے شری سے حق تعالیٰ پر اعتراض کیا۔ اس کی مشیت اور قضاء و قدر کو ہدف بنایا اس کے عدل و انصاف کا شکوہ کیا۔ اس کے منصفانہ حکم کو ٹھکرا دیا۔ (حق تعالیٰ — حفاظت فرمائے)

اس کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اہل ایمان اور متقی بندوں کو سیدھا راستہ دکھایا انہوں نے قضاء و قدر کو دل سے تسلیم کیا۔ اس کے انصاف اور مہربانی اس کے ارادے اور مشیت، اس کے احکام اور حسن تدبیر سب کا سچائی سے اعتراف کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ اس وقت تک کسی شخص کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تقدیر الہی اور قضاء و قدر پر پختہ اعتقاد اور صحیح یقین نہ کرے۔

اسی عقیدے پر جو نظام حیات کا سرنماں ہے جو حق تعالیٰ کا ازلی علم ہے۔ جو ہر چیز کے بارے میں حق تعالیٰ کا آخری فیصلہ ہے۔ اور جو من و عن (لوح محفوظ) میں ازل سے درج ہے جسے وہ خود کبھی ”امام مبین“ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ○ (سین: ۱۰)

”سب کو ہم لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے روشن کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔“

اس دفتر میں اس نے جو کچھ درج کر دیا۔ اس میں ہرگز کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ چھوٹے بڑے حوادث کل اوصاف اور اعراض، اجسام و افراد چھوٹی بڑی ذات وہ سب جو اب تک وجود پذیر ہوئیں۔ اور جو تاقیامت وجود میں آنے والی ہیں۔ سب علم الہی میں ہے۔ اس

سے متعلق فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ دفتر میں اس کا اندراج بھی ہو چکا ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو بیخ رہی ہو۔ حتیٰ کہ بے وقوفوں کی بے وقوفی اور دانشمندیوں کی دانائی سب کچھ لکھی جا چکی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”ہر چیز بتدیرو الہی ہے۔ یہاں تک کہ دانشمندی اور جستی اور بے وقوفی اور درمانگی بھی بتقدیر الہی ہے۔“

(مسلم ۸، ۵۱، ۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔  
 ”تم میں سے ہر شخص اور جاندار کی جگہ جنت یا دوزخ میں خدا تعالیٰ نے لکھ دی ہے۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا حضور! پھر اپنے لکھے پر کیوں نہ قائم رہیں۔ اور اعمال کرنا ترک کر دیں۔ فرمایا کہے جاؤ کیونکہ جو شخص جس کلام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے اس کلام کو آسان بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ جو سعید طبقہ میں سے ہو گا وہ ان کے اعمال کی طرف رجوع کرے گا۔ اور جو اہل شقاوت میں سے ہو گا وہ ان کے اعمال کی طرف جائے گا۔ اس کے بعد حضور نے یہ آیت پڑھی۔“

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ (پل: ۲۵)

”تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کیا اور اچھی بات (یعنی کلمہ توحید) کو سچ مانا۔“

(الکوثر والمرجان ۳/۲۰۹)

نیز حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:  
 ”جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے وہ لکھا ہوا ہے۔ اور قلم خشک ہو گیا ہے۔ اب چاہو گے رہو چاہو چھوڑ دو۔“ (بخاری ۵/۷)

یہ اعتقاد رکھنے والے وہ خوش نصیب افراد ہیں جنہوں نے قضاء و قدر کے عقیدے اور صفت عدل کو تسلیم کیا۔ ارادہ مشیت اور صفت حکمت کو مانا۔ اور دوسروں کی طرح ان دو امور میں تطبیق کرنے میں انہیں کوئی دشواری لاحق نہیں ہوئی کہ۔ حق تعالیٰ نے بندوں کو فعل کرنے کی قدرت دی۔ اور ان کے جملہ اعمال کا اپنے پاس اندراج کیا۔ اور ان کے وقوع سے پہلے ازل سے وہ ان امور سے آگاہ ہے۔ اور اس امر میں کہ بندہ جو کرتا ہے اپنے ارادے سے

کرتا ہے۔ کرنے نہ کرنے کا اسے اختیار ہوتا ہے۔ اور اسی قصد و ارادے اور اختیار پر اسے سزا یا جزا ملے گی۔ نیز یہ کہ حق تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال ہر دو کا خالق ہے۔ انہیں یہ سمجھنے میں ذرہ برابر بھی دشواری نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں اپنے علم اور اپنے قضاء کی روشنی میں فیصلہ صادر کرتا ہے اور بندوں کو امر اور نہی پر مشتمل احکام سنا دیتا ہے۔ اب وہ جیسا عمل کرتے ہیں۔ اور جو درحقیقت تقدیر الہی میں پہلے سے درج ہے کہ وہ وہی کریں گے۔ اس پر اسے سزا و جزا دیتا ہے۔ کبھی یہ فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے۔ کبھی اس کے خلاف جاتا ہے۔ وہ یہ یقین کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندے کے حق میں یا اس کے خلاف جس قسم کا خیر یا شر کا فیصلہ صادر فرماتا ہے یا سعادت و شقاوت کا حکم نافذ کرتا ہے۔ وہ اسباب کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ خیر کے اسباب علیحدہ ہوتے ہیں۔ شر کے اسباب الگ ہوتے ہیں۔ نیز یہ امر بھی تقدیر الہی میں پہلے سے درج ہوتا ہے۔ کہ بندہ اپنے ارادے سے ان اسباب کو کام میں لائے گا۔ اور تجویز کردہ کام کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے پوری آزادی کے ساتھ اسی طرح انجام دے گا۔ جیسا کہ قضاء و قدر کی رو سے طے ہے۔ اب بندہ اپنے حق میں سعادت یا اپنے خلاف کسی بد بختی میں اگر ماخوذ ہے تو اس میں شک نہیں کہ انہیں اسباب کے تحت ماخوذ ہے جسے وہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اور جس کے لئے اوپر سے نہ اس پر دیا ہے۔ نہ کسی قسم کا جبر ہے۔ اس امر کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے۔ جس میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو بھشت کے لئے پیدا کیا ہے اس کو بھشت والوں کے عمل میں لگا دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھشتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرعانا ہے۔ تو اللہ اس کو بھشت میں داخل فرما دیتا ہے۔ اور جس بندے کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اس کو دوزخیوں کے عمل میں لگا دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرعانا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔“

(موطا: ۳/۳۳، ۳۳- ابو داؤد: ۵۲۹/۲، ترمذی: ۲/۱۲۱، احمد: ۱/۳۵)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کی قسمت میں اللہ تعالیٰ جو لکھ دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ (دراصل) وہ ان اسباب کو اختیار کرے گا۔ جس سے نیک



نامی پائے گا۔ یا ان وسائل کو از خود اپنائے گا جس سے اسے بدنامی ہاتھ آئے گی۔ اور تقدیر کا یہ فیصلہ اسباب اور وسائل کے نظام کی بنیاد پر ہے۔ نظام اسباب کی طرح نظام کائنات سے بھی اس توجیہ کے لئے دلیل ملتی ہے۔ چنانچہ ہر کوئی جانتا ہے کہ انسان کائنات کا ایک پرزہ اور کل کائنات نظام قدرت کے مستحکم آئین کے ساتھ مربوط ہے۔ اور تا دمِ آخر اسی طرح مربوط اور منضبط رہے گا۔ اس لئے یہ امر ناگزیر ہے کہ انسان کا آغاز اس کی دوا دوش اور اس کا انجام کل کائنات کی طرح ایک مستحکم ضابطے کا پابند اور اس کے زیرِ حکم ہو اور کسی لمحہ اس سے جدا نہ ہو۔ یہ جزئی اور کلی نظام وہی قضاء و قدر کا نظام ہے۔ البتہ اس نظام کے ساتھ کل کائنات کے پابند ہونے اور انسان کے پابند ہونے کے درمیان اہم فرق یہ ہے کہ انسان اپنے نیک یا بد انجام کی طرف اپنے آزاد ارادے اور اپنی سعی سے پہنچتا ہے۔ اس لئے دوسرے جانداروں کی دوا دوش اور انسان کی سعی و کاوش میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا ہے۔ پھر چونکہ انسان با اختیار پیدا ہوا ہے۔ اور بارگاہِ الہی سے اسے مزید ارادہ اور احتیاط مرحمت ہوا ہے۔ جس سے وہ کوشش بھی پیش از پیش کر سکتا ہے اب انسان اور غیر انسان کی سعی میں باہم فرق سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ غیر انسان تقدیر کے دائرے سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ اسے ارادہ اختیار یا کسی قسم کی مصلحت حاصل نہیں۔ وہ نیک یا بد جس غرض کے لئے بنائے گئے اسی کے دائرے میں محصور ہوں گے۔ اپنی مرضی سے کچھ نہ کر سکیں گے۔ ان کا دائرہ کار اور منتہا بھی ایک ہے۔ اور چونکہ انہیں ارادے اور اختیار کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لئے انہیں کسی قسم کا اختیار بھی مرحمت نہیں ہوا۔ لیکن انسان اوروں سے مختلف ہے۔ اسے بارگاہِ ایزدی سے ارادہ اور اختیار حاصل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسے امانت کے بارگراں کا امین بنایا گیا جب کہ ارض و سما اور کائنات نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ  
يَحْمِلَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ○

(احزاب: ۷۲)

”بلاشبہ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ تو انہوں نے

اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا بلاشبہ وہ ظالم اور جال ہے۔“

### ● مزید وضاحت:

مزید تشریح اور وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ انسان حق تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا پروردہ ہے۔ جیسے سورج، چاند، حیوانات، نباتات اور کل کائنات اس کی پیدا کردہ اور پروردہ ہے۔ ان کی سرشت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جن اغراض کے لئے انہیں پیدا کیا۔ یہ انہیں بدرجہ اتم پورا کرتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے۔ البتہ انسان اور دیگر مخلوق میں فرق جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ہے کہ مکلف ہونے کی بناء پر دست قدرت نے انسان کو صاحب ارادہ اور بااختیار بھی بنایا ہے۔ اور اسی پر اس کی سزا اور جزا کا دارومدار ہے۔ جب کہ دوسرے نہ مکلف ہیں اور نہ انہیں کسی ارادے یا اختیار کی حاجت ہے۔ اور نہ انہیں کسی کارکردگی پر جزا ملے گی۔ نہ کوتاہی پر سزا کے مستحق ہوں گے۔ ارادہ ہونے پر صاحب ارادہ اقدام کی اہلیت رکھتا ہے۔ چاہتا ہے تو پیش قدمی کرتا ہے ورنہ ست روی دکھاتا ہے اور کسی ایک مقصد حیات یعنی سعادت یا شقاوت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اگر صاحب ارادہ کا ارادہ کسی صورت سلب ہو گیا۔ مثلاً کسی بندے پر زور و زبردستی کی گئی۔ کسی اقدام کے لئے باوجود ازال کر مجبور کیا گیا تو اس پر مواخذہ یا محاسبہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کامل خود اختیاری اور آزادانہ عزم نہیں پایا گیا۔ اس اہتمام و تقسیم سے باتوئیں ناظرین ان دو صورتوں میں باآسانی تطبیق کر سکیں گے کہ حق تعالیٰ ازل سے بندوں کے افعال سے متعلق فیصلہ صادر فرما چکا ہے۔ جس طرح اس نے کام کرنے والے انسانوں کو پیدا کیا ان کے کردار و افعال کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ البتہ بندہ اپنے ارادے اور پسند سے کسی رخ کو اختیار کرتا ہے۔ لہذا اسی پسند اور انتخاب پر اس سے مواخذہ ہوگا۔ نیکی پر جزا اور بدی پر سزا کا مستوجب ہوگا۔ اس حقیقت کو بخوبی ذہن نشین کرنے کے

لے معلوم ہوا کہ دیوانہ، بچہ، سوا ہوا، زبردستی کیا ہوا، اور بھول جانے والا اپنے کسی فعل پر باخوذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے اندر عزم و حوصلہ اور ارادہ و اختیار نہیں ہے۔

لئے کہ بندہ از خود کام کو انجام دینے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے کردار کی تخلیق کرنے والا ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ کل کائنات حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کے سوا کوئی خالق و مالک نہیں۔

ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَىٰ تُوَفِّكُونَ ۝

○ (غافر: ۶۳)

”یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔“

اور انسان اس کائنات کا ذرہ بے مقدار ہونے کی وجہ سے اس کی طرح ادنیٰ مخلوق ہے۔ اور حق تعالیٰ اس کا اور کائنات کا دونوں کا بنانے والا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مخلوق بھی خالق بن سکتی ہے؟ جواب یہ کہ:- ہرگز نہیں! کبھی نہیں! اور ایک انسانی مخلوق پر کیا موقوف؟ آخر بے شمار خلائق اور عوالم ہیں چنانچہ افلاک گردش میں مصروف ہیں۔ سیارے سرگرم رفتار ہیں۔ نباتات نشوونما پاتے ہیں۔ جملہ حیوان اور جاندار حرکت و عمل میں مصروف ہیں۔ کھانا پینا نسل کی افزائش وغیرہ سینکڑوں چھوٹے بڑے کام ہیں۔ لیکن چھوٹے بڑے ان کاموں کو دیکھ کر کوئی نہیں کہتا کہ وہ آپ اپنے کردار کے پیدا کرنے والے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کا اور ان کے کردار کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے۔ جواب بہر صورت یہی ہے کہ غور کرنا چاہئے کہ آخر کس الٰہی منطق کے تحت بندوں کے افعال کو اس ضابطہ سے الگ کیا جاتا ہے۔ (حیوانوں کو ان کے افعال کا خالق نہیں کہا جاتا۔ مگر انسانوں کو ان کے افعال کا خالق قرار دیا جاتا ہے۔) جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ دستور الٰہی کے تحت کائنات کی ہر چیز کی طرح انسان بھی نظام کائنات کا ایک پرزہ ہے لیکن کیا محض ارادے اور اختیار کے آجانے سے انسان خالق کہلا سکتا ہے؟ جب کہ کل کائنات کو چھوڑ کر تمنا ہی کی ذات ہے جو سزا اور جزا کا سزاوار ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس درجہ معمولی اختیار سے وہ خدا کی مخلوق اور اس کا پروردہ تصور نہ ہو۔ جب حق تعالیٰ مالک اور خالق حقیقی ہے۔ اس نے اپنے علم اور خلق و تکوین کے آئین کے تحت اس کو اور زمین و آسمان اور کل کائنات کو عدم سے وجود بخشا۔ اور انتہائی دقیق نظام کے

تحت باہم ایک دوسرے کو مربوط فرمایا۔ بلاشبہ اس کی ہی ذات واحد یکتا اور پاکیزہ ہے۔ اور وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اب یہ حقیقت واضح اور بے حد روشن ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے افعال کو سرانجام دیتا ہے لیکن خود سے ان کی تخلیق نہیں کرتا۔ بلکہ صرف پاری تعالیٰ کی ذات ہے جو انسان کی اس کے افعال کی اور کل کائنات کی خالق ہے۔ سوچنا چاہئے کہ کیا انسان باتیں کرتا، سنتا، دیکھتا اور سمجھتا نہیں، کیا خدا کے سوا بھی کوئی ہے جس نے انسان کو ان کا فاعل بنایا۔ کیا انسان آمدورفت اور لین دین کا کام نہیں کرتا؟ کیا خدا ہی وہ ذات نہیں جس نے ان نعمتوں سے اسے نوازا، کیا انسان محبت، نفرت نہیں کرتا؟ کیا حق تعالیٰ ہی وہ ذات نہیں جس نے ان سب کے لئے اس کو آمادہ اور تیار کیا۔ جب ہر سوال کا جواب اس کے سوا دوسرا نہیں کہ وہ ذات ہی ہے جس نے اس کی تخلیق کی اور متذکرہ کاموں کے لئے اس کو آمادہ۔ اور آراستہ کیا۔ لہذا بلا حجت اور بلا شک و شبہ ماننا چاہئے کہ بندوں اور ان کے افعال کا خالق اور پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ ہاں البتہ انسان اپنے ارادے سے اپنے کاموں کو پسند کرتا اور اختیار کرتا ہے۔ اور یہ صلاحیت بھی خدا تعالیٰ نے ہی اسے بخشی ہے۔ اس لئے کہ وہ اس دنیا میں آزمائش اور۔ امتحان کے دور سے گذر رہا ہے۔ اور اگر کوئی اس قدر انہماک و تنہم کے بعد بھی آنکھ نہ کھولے اور دوسرے اور بدگمانی کا شکار ہو تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ خدا کے بندے تیرا ٹاس ہو۔ اپنی اوقات کیوں فراموش کرتا ہے؟ بھلا حق تعالیٰ پر تجھے حرف گیری کا حق کیوں کر پہنچتا ہے۔ اس حقیقت کو کیوں فراموش کر رہا ہے۔ کہ کل سوال تجھ سے ہو گا۔ اس ذات واحد سے نہیں اس نے تجھے پیدا کیا۔ تو نے اس کو وجود نہیں بخشا۔ تیرا وجود اس کامرہون منت ہے وہ تیرا محتاج نہیں۔ وہ ازل سے تھا اس وقت تیرا دور دور کہیں وجود نہ تھا۔ اور یہ جو عرض کیا گیا کہ حق تعالیٰ نے ازل سے بندوں کی تقدیر کے متعلق فیصلہ صادر فرمایا۔ انہیں نافذ کیا پھر اس کے سامنے ادا امر اور نواہی پیش کئے۔ اور یہ بتا دیا کہ اطاعت پر اسے جزا اور نہ ماننے پر اسے سزا ملے گی تو (حقائق سے) اس کو تقیید دینے کے لئے وہ کہتے ہیں کہ۔

(۱) دراصل حق تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ صادر فرماتا ہے۔

بادشاہت اسی کی اور تعریف کے لائق بس وہی ہے۔ کسی کو اس سے باز پرس کی مجال نہیں کہ وہ جو کرتا ہے کیوں کرتا ہے؟ یہ اس لئے کہ اس کا علم کامل! اس کا عدل و انصاف سب سے بالاتر

اور اس کی رحمت و حکمت کا دائرہ سب کو گھیرے ہے۔

(۲) حق تعالیٰ جو کرتا ہے اور جس امر کا فیصلہ صادر فرماتا ہے وہ تمام تر انصاف پر مبنی اور حق بجانب ہے۔ اس کے افعال اور اس کی بیانی ہوئی تقدیر میں ذرہ برابر ظلم و زیادتی نہیں، کہیں شر اور فساد نہیں۔ چنانچہ عقل و دانش اسے تسلیم کرتی ہے۔ اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ○ (نساء: ۴۰)

”بلاشبہ اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔“

نیز فرمایا

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ○ (فصلت: ۴۶)

”اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جس سے مذکورہ بالا حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ:

”ہر قسم کی بھلائی اور خیر بس تیرے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن شر تیری طرف سے نہیں ہے۔“

(مسلم ۱۸۵/۲)

ظلم و شرارت اور ان کا ارادہ مخلوق اور فنا ہونے والوں کا خاصہ ہے۔ رہا مالک عرش بریں جو نہایت بزرگ و برتر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسے کسی سے کوئی حاجت نہیں اس لئے وہ اس قسم کے ظلمی اوصاف سے بھی پاک و صاف ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ وہ ہر معاملہ میں انصاف کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَانِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ

الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ○ (محل: ۹۰)

” (مسلمانوں) بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو اور (سب کے

ساتھ) بھلائی کرو اور قربت داروں کے حقوق ادا کرو۔ اور بے حیائی کے کاموں اور

ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے منع فرماتا ہے۔“

وہ ظلم و زیادتی سے نہ صرف منع کرتا ہے بلکہ اسے حرام قرار دیتا ہے۔

میرے بندوں میں نے اپنی طرف ظلم و زیادتی کے احساب کو بھی حرام کر رکھا ہے۔ اور تمہارے

درہمان بھی اس کو حرام ٹھہرایا ہے اس لئے تم بھی ظلم مت کرو۔

(مسلم ۱۷/۸)

اور بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ○ (بقرہ: ۱۹۷)

”اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔“

نیز فرمایا:

وَأَفْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (الحج: ۷۷)

”اور نیک کرتے رہو تاکہ کامیاب رہو۔“

۳۔ (علاوہ ازیں دیکھنا چاہئے کہ) ظلم و شرارت کیا ہے؟ دانشمند بیک زبان کہتے ہیں کہ ”شی کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے اور ”شر“ وہ فعل ہے جس میں مطلق نفع نہ ہو۔ یا برائے نام نفع ہو۔ لیکن مضرت اس سے کہیں زیادہ ہو۔ جب ہر دو کا حال و مال بید ہے۔ اور ایک شخص جو خدا کا باغی، سرکش اور نافرمان ہے۔ وہ اس کے حکموں کی سراسر مخالفت پر کمر بستہ ہے۔ اور یہ سب اپنی مرضی، ارادے اور اختیار کے ساتھ کئے جا رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ عزم بھی رکھتا ہے کہ اس کی زندگی خواہ کتنی ہی دراز ہو، خواہ ابد الابد تک جینا نصیب ہو۔ زندگی کی آخری سانس تک وہ بدکاری اور فسق و فجور میں ملوث رہے گا۔ نہ اسے کبھی ندامت ہوگی۔ نہ دل میں توبہ کی خواہش ہوگی۔ نہ ہی کبھی تائب ہوگا۔ جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اسے قدرت و طاقت نصیب ہے۔ اور وہ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔۔۔ دانش مند بتائیں!۔ کیا اس درجہ فتنہ پر داز کو سزا دینا ظلم و شرارت تصور ہوگا؟؟۔ ہرگز نہیں!!

۴۔ قانونِ الہی!۔! جس کے مطابق اس نے کل مخلوق کو عدم سے وجود بخشا۔ ان کے لئے روزی فراہم کی۔ اور ان کے جملہ امور اور مصلح کی تدبیر فرمائی۔ اس کا اہم تقاضہ ہے کہ بندوں سے متعلق جس قسم کا فیصلہ وہ چاہے کر سکتا ہے۔ چاہے انہیں عذاب دے اور کسی کو نہ بخشے۔ وہ یہ کر سکتا ہے۔ اسے ہرگز ظالم نہ کہا جائے گا۔ اور اگر وہ چاہے تو سمجھوں کو معاف بھی کر سکتا ہے۔ اس کی یہ معافی اور مہربانی بندوں کے ہر ہر عمل سے کہیں بلا تر اور بہتر ہوگی۔ یہی

وہ امر ہے جس کا صحیح حدیث میں ذکر ہے چنانچہ احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے مناسب سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

”اگر حق تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ فرمائے اور عذاب بھی دے دے تو وہ ظالم نہ کھلائے گا۔ اور اگر انہیں بخش دے تو اس کی بخشش بندوں کے ایک ایک عمل سے بہتر ہوگی۔ اور اگر تمہارے پاس کوہ احد برابر سونا ہو اور وہ سب راہ خدا میں خیرات کر دو تب بھی خدا اس خیرات کو قبول نہیں فرمائے گا۔ تاوقتیکہ تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہو۔ نیز یہ عقیدہ نہ رکھو کہ تمہیں جو پہنچ رہا ہے وہ ہرگز ٹل نہیں سکتا تھا۔ اور جو نہ ملا وہ کبھی بھی ملنے والا نہ تھا۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر تمہاری موت واقع ہوئی ہو تو سمجھ لو کہ تم جنسی ہو“ (ابوداؤد ۲/۵۲، ابن ماجہ مقدمہ ۱۰/۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۹)۔

۵۔ جس وقت باری تعالیٰ نے بندوں کی عمر، ان کی روزی اور ان کے نیک یا بد بخت ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا، اس نے ان کے لئے مخصوص وسائل اور اسباب بھی تجویز فرمادئے۔ اور انہیں باہم ایسا منضبط فرمایا کہ اسباب خواہ کسی قسم کے ہوں ان میں اور تقدیر الہی میں ذرہ برابر فرق اور تفاوت ہرگز نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ جیسی چاہے تبدیلی فرمادے۔ اور یہی وہ تقدیر الہی ہے جس کا ہر توکل کائنات اور اس کے چھوٹے بڑے ہر جز اور پرزے میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ رائی سے پریت تک ایک ایک چیز جیسے کھجور کی گھٹلی کے ریزے، پورا عالم اور کائنات کا سارا نظام قانون قدرت سے ہم آہنگ اور باہم مربوط ہے۔ اس حقیقت کی تصدیق حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

”تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کا سا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ روزخیزوں کا سا عمل کرنے لگتا ہے۔ اور بلا آخر روزخیزوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص روزخیزوں کا سا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور روزخیز کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کا سا عمل کرنے لگتا ہے اور بلا آخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔“

(مشفق علیہ یہ الفاظ مسلم کے ہیں: (۳۳/۸) بخاری (۳۵/۳) التوتو والمرجان (۳/۲۰۸، ۲۰۷)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب کا ایک مخفی نظام ہے چنانچہ جنت میں جانے کے اسباب اور اعمال الگ ہیں جنہم میں جانے کے اسباب علیحدہ ہیں۔ اب یہ ہو سکتا ہے کہ ازلی نیک آدمی خواہ کتنی ہی بد اعمالی میں گرفتار ہو۔ ازلی بد کردار خواہ کتنا ہی نیک کام کر رہا ہو لیکن پھر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے اور لامحالہ وہ ایسے کام کرتا ہے جو اس کے حق میں (نیک) ہوتا ہے یا (بد) ہو کر اس کے خلاف پڑتا ہے۔ اور پھر وہی ہوتا ہے جو ازل سے علم اور تقدیر الہی میں لکھا ہوتا ہے۔ اور بندہ بھی پہلے اور بعد میں جو کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ جو کرتا ہے کسی دباؤ کے تحت کرتا ہے۔ یا جو نہیں کرتا جبراً نہیں کرتا۔

اس حیرت انگیز حقیقت سے واقفیت اور اس پر غور و فکر نہایت ضروری ہے۔ اور مجھے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ جو بندہ کماحقہ، اس سے آگاہ ہوگا اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سرمغوں ہوگا۔ اور اپنی جہیں نیاز اس کی بارگاہ میں جھکا دے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے یہ امر علم الہی میں تھا کہ فلاں فلاں تاریخ اور فلاں مقام پر فلاں فلاں بندہ پیدا ہوگا۔ جس کا نام یہ اور اس کی شناخت اور اوصاف یہ ہوں گے۔ اور وہ اپنے ارادے اور اختیار سے فلاں فلاں نیک یا بد کام انجام دے گا۔ تا آنکہ اس کا شمار نیک بختوں یا بد بختوں میں ہوگا۔ باری تعالیٰ نے اپنے اس علم کو اپنے پاس ایک نوشتہ میں درج بھی کر دیا۔ اور پھر وہ وقت اور مقررہ ساعت آئی جب اس مقام پر وہ آدمی پیدا ہوا۔ پلا، بڑھا اور سن شعور تک پہنچا۔ اس کی صحت، عقل اور حواس سب کچھ درست ہیں۔ پھر اس پر حالات آئے اور وہ کچھ اُفتاد میں پڑ گیا۔ لیکن اس نے اپنی پسند اور مرضی کا راستہ چنا اور اس پر چل پڑا اس پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ نہ کسی قسم کا جبر و استکراہ تھا اور اس طرح اس نے پوری آزادی اور کامل خود مختاری سے اپنے لئے ایک طریقہ منتخب کیا۔ اور

لے امام مسلم نے حضرت عمرو بن ماس جلیبی سے نقل کیا وہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سنا فرماتے تھے  
”آہٹوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے حق تعالیٰ نے نوشتہ تقدیر لکھ دیا تھا۔ اور اس کا مرض

پانچ و تھہ۔ (51/8)



اس پر عمل پیرا ہوا۔ اب جو کچھ اس پر بیٹی اور جیسا کچھ اس نے کیا اس میں شک نہیں کہ یہ سب نوشتہ الہی کے عین مطابق تھا جو حق تعالیٰ نے ازل سے اپنے قدیمی نوشتہ میں لکھا تھا۔ اس تحریر اور اس بندے کے عمل میں نہ کہیں سرمو فرق آیا نہ کہیں ذرہ برابر کوتاہی یا نقص رہا۔

فَسُبْحَانَ ذِي الْعِزِّ وَالْجَبْرُوتِ سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ  
سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ۔

”بس! میں پاکی بیان کرتا ہوں عزت اور غلبہ والے کی میں پاکی بیان کرتا ہوں عالم ارواح اور اجسام والے کی، پاک ہے وہ جو زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔“

### ● ارادہ اور مشیت الہی:

قضاء قدر کے موضوع سے اس مسئلہ کا گہرا تعلق ہے۔ نیز قضاء و قدر کا عقیدہ بندہ مومن کے نازک اور اہم عقائد میں سے ایک ہے۔ بناء بریں حق کی وضاحت اور راست اور بہتر صورت تک رسائی کے لئے مذکورہ بالا عنوان کے تحت کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔ یہ بحث ذیل کے دو نکات کے تحت ہوگی۔

- ۱۔ عقل و نقل کی روشنی میں حق تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کا اثبات۔
  - ۲۔ اور اس حقیقت کا انکشاف کہ بیشتر افراد جو فاش غلطی اور کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ کے ارادہ کے مفہوم کو نہیں سمجھا۔
- جہاں تک صفت ارادہ اور صفت مشیت کے اثبات کا تعلق ہے ذیل کی آیات — کلام الہی — اور روایات — ارشادات نبوی — سے بخوبی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ○ (بقرہ: ۱۵۸)

”اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے۔ اور دشواری نہیں چاہتا۔“

● إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○ (محل: ۳۰)

”بے شک جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کریں تو بس ہمارا کہنا اتنا ہی

ہوتا کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“

مذکورہ بلا ہر دو آیات میں ارادہ کا ذکر ہے۔ جب کہ ذیل کی آیتوں میں مشیت کا مفہوم موجود ہے۔

● وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ○ (انعام: ۱۱۳)

● ”اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس تم ان کو اور ان کی افتراء پر دازیوں کو چھوڑ دو۔“

● وَمَا تَشَاءُ وَنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (نکویر: ۳۹)

● ”اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔“

ارادہ کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

● — باری تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ داری مرحمت فرماتا ہے۔“

(اللوٰلؤ والمرجان (۱/۲۱۸، ۲۱۹) بخاری (۳/۱۰۳، ۱۰۴) مسلم (۳/۹۵، ۹۶) ۵۳/۵۳)

مشیت کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

● — جو تجھے نفع دے اس سے حرص کر، اللہ سے مدد طلب کر، اور عاجز نہ بن، اگر تجھ پر کوئی آفت آئے تو یہ نہ کہنا کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا، ایسا ہوتا بلکہ یوں کہہ کر اللہ نے جو مقدر فرمایا وہی ہوا۔ اس نے جو چاہا وہ ہوا اس لئے کہ ”اگر“ شیطان عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(مسلم ۵۶/۸)

اس مفہوم کی بے شمار آیات و روایات موجود ہیں۔ جن میں سے ہم نے محض چند کو پیش کیا جن سے صفت مشیت اور صفت ارادہ کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ منقول روایات کے ساتھ عقلی ثبوت بھی اس طرح فراہم کیا جاسکتا ہے۔ کہ: تخلیق و تکوین اور ملکیت و ربوبیت کے جو اوصاف باری تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ارادہ اور مشیت کی صفات بھی حاصل ہوں۔ اس لئے کہ یہ اوصاف نہ ہوں تو اس کا مجبور اور لاچار ہونا لازم آئے گا۔ اور

لہ روایت کا آخری لفظ قَدَرُ اللّٰهُ میں حرف (و) ”تخفیف اور تشدید دونوں طرح منقول ہے۔“

یہ ظاہر ہے کہ لاچار اور مجبور، عوالم کی تخلیق، ان میں حسب مرضی تصرف، اور اپنی حکمت و مصلحت اور تدبیر کے مطابق ان کا نظم نہیں کر سکتا۔ مزید برآں انسان مخلوق ہو کر ارادہ اور مشیت کا مالک ہے اس کا تقاضہ ہے۔ یہ حق تعالیٰ جو اس کا خالق و مالک ہے۔ بارادہ اور مشیت والا ہو۔ اس لئے کہ مخلوق کا بارادہ ہونا۔ اور خالق کا اس سے خالی اور تمی ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ عقل تو چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ارادہ اور مشیت انسانوں سے کہیں زیادہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ اور انسان مخلوق ہے۔ اب اگر اول الذکر کیلئے یہ وصف بیش از بیش ثابت نہ ہو تو مخلوق کا خالق سے زیادہ قوی اور با اختیار ہونا لازم آئے گا اور یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

● — أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ○ (نحل: ۱۷)

”تو۔ (جو اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ اس کی طرح ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے۔“

نیز فرمایا۔

● وَمَا تَشَاءُ وَلَا أَنْ يُشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (تکویر: ۲۹)

”اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔“

اب تک ارادہ اور مشیت الہی کا ثبوت فراہم کیا گیا۔ آئندہ سطروں میں یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ ان دونوں صفات کو سمجھنے میں بستیرے لوگوں نے ٹھوکر کھائی۔ اور نتیجے میں ضلالت و گمراہی اور شرفساد میں مبتلا ہوئے۔

کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ بھم اللہ! آج مسلمانوں میں ایسا کوئی نہیں جو حق تعالیٰ کی صفت ارادہ اور صفت مشیت کا منکر ہو۔ لیکن بے شمار ایسے مسلمان ضرور پائے جاتے ہیں جو ان دونوں صفات کا غلط مفہوم سمجھتے ہیں۔ اور نتیجہ میں جبریہ اور قدریہ جیسے باطل فرقوں سے کہیں زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ان صفات کو ٹھیک سے نہ سمجھنے کی وجہ سے عوام الناس دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ان میں کچھ حدود سے متجاوز ہیں۔ کچھ میانہ رو ہیں کچھ انتہا پسند

ہیں۔ جیسا کہ قضاء و قدر کے مسئلہ میں گذرا۔ بحمد اللہ! یہ مسئلہ کافی مفصل مذکور ہوا۔ اور خدا نے چاہا تو جو کوئی ان تفصیلات کو ذہن نشین کرے گا، فکری کوتاہی اور دماغی خلجان سے حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔ (انشاء اللہ)

سابقہ اور حالیہ مسئلہ میں جو لوگ بھی میانہ رو ہیں خدا نے چاہا تو وہ نجات پائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ مدد فرمائے) لیکن ان کے علاوہ دونوں گروہ جو انتہاپسندی میں ملوث ہیں پہلے کی طرح اس مسئلہ میں بھی ان کی گمراہی یقینی ہے۔

ان اقوام اور ان کی گمراہی کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا گروہ انتہاپسند واقع ہوا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ حدود سے متجاوز ہے۔ انتہاپسند یہ سمجھتے ہیں کہ ارادہ (جس کی پابندی کی جائے) اور مشیت ہر دو کی نسبت بندے سے ہوتی ہے۔ بندہ ہر کام اپنے ارادے اور مرضی سے کرتا ہے کسی اور کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ لہذا وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ ہاں بالجبر جو کھلایا جائے یا کرایا جائے وہ اس سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ طاقت یا جبر و اکراہ کے بعد بندہ مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ارادہ اور اختیار زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن جبر و اکراہ کے بغیر سرزد ہونے والا کام سراسر اس کے ارادے اور مشیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دراصل اس قسم کی ذہنی پراگندگی اور گمراہی کے ذمہ دار وہ بے دین اور ملحدین ہیں جو خدا کے وجود اور اس کی صفت خالقیت کو نہیں مانتے نہ ہی قضاء و قدر اور اس کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں ہاں نام نہاد مسلمانوں کا دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو گمراہی میں ان کا برابر کا شریک ہے۔

● ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ خدا کو گمراہ کی گمراہی، کافروں کے کفر، بدکاروں کی بدکاری یا کسی کی بے حیائی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ نہ وہ اس قسم کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس خود ساختہ نظریہ کی وجہ سے یہ فرقہ مشیت الہی اور اس کے ارادے کا انکار کرتا ہے۔ جس کے بموجب کائنات میں حادثات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس قسم کے باطل نظریے سے یہ تاثر دل میں پیدا ہوتا ہے کہ بیشتر حوادث اور واقعات پر خدا کا کوئی زور نہیں۔ نہ ہی اس کی مرضی اور ارادے سے ان کا ظہور ہوتا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ جوادث کی تکوین اور واقعات کو سامنے لانے میں کسی اور خدا کا بھی ہاتھ ہے۔ یہ خدا مستقل اور صاحب ارادہ ہے۔ پہلے خدا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ بے ہودہ بکواس اور کھلا ہوا شرک ہے جس سے

ہم بس خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

● دوسرے لوگ جن کو اس موضوع سے نہ کوئی مناسبت ہے۔ نہ خود انہیں ادنیٰ شعور حاصل ہے۔ یہ جاہل مسلمان اور ان کے اندھے مقلدین ہیں۔ ان میں بھی اکثر مستشرقین کے ساختہ پر داختہ ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی مشیت کا ہمارے افعال و کردار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم، ہماری مشیت۔ اور ہمارا ارادہ اس کا سزاوار ہے۔ اس لئے کہ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ جو نہیں چاہتے نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کتا ہے کہ ”انشاء اللہ کل میں یہ کام کروں گا۔“ تو اس ذہنیت سے متاثر طبقہ اسے ڈانتا ہے اور بھڑک کر کتا ہے۔ انشاء اللہ کیوں کہتے ہو۔ اسے ایک طرف ڈال دو اور بس یوں کہہ کہ میں ایسا کروں گا۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اس قسم کی گمراہی اور جہالت کا مظاہرہ ان کی طرف سے اس وقت ہوتا ہے جب یہ آئندہ سے متعلق کوئی بات کہتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ میں سفر کروں گا۔ خرید یا فروخت کروں گا۔ یا بناؤں گا۔ نہ بناؤں گا۔ وغیرہ لیکن ان باتوں میں انشاء اللہ کا شائبہ تک نہیں آنے دیتے۔ اور اس طرح کہتے ہیں جیسے مشیت الہی پر ان کا کوئی ایمان نہیں۔ اور اسی قسم کی بے یقینی کا پتہ کیا اس سے نہیں چلتا کہ موسم اور آب و ہوا سے متعلق۔ مسلم اور عرب ملکوں کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن نشریوں میں اتاؤنسر خبریں اس طرح نشر کرتا ہے گویا سیاہ و سپید کا وہی مالک ہے۔ اور جو ہونے والا ہے اس کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہی ہوگا۔ کسی کی رائے کا اس میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ نشریوں کے تیور ملاحظہ فرمائیں، اتاؤنسر کتا ہے۔ کل مشرق یا مغرب کی سمت سے تیز ہوائیں چلیں گی۔ فلاں فلاں اضلاع میں گرج چمک کے ساتھ بارش ہوگی۔ یا ہلکی بارش ہوگی۔ کل مطلع ابر آلود ہوگا۔ فلاں علاقے میں ہلکی بارش ہوگی وغیرہ۔ آئے دن کے موسمی نشریوں میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال روز مرہ کا معمول بنا ہوا ہے۔ جس میں باری تعالیٰ کی مشیت اس کی مرضی اور اس کے ارادے سے دیدہ و دانستہ گریز کیا جاتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ مشیت الہی اور اس کے ارادے پر انہیں یقین نہیں۔ نہ وہ یہ مانتے ہیں کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ اور اگر اس کی مشیت اور ارادے پر یقین بھی رکھتے ہیں تو ان ٹھہرین اور دہریوں کے ڈر سے۔ یا انہیں خوش کرنے کی غرض سے بر ملا ان الفاظ کو استعمال نہیں کرتے۔ اور اس طرح ان گم کردہ مشرکین کے ساتھ جرم میں برابر کے

شریک ہوتے ہیں۔ اگر یہی امر واقعہ ہے تو ان مشرکین اور گمراہ ہونے والوں کے جرم میں ان کا بھی برابر کا حصہ ہوگا۔

یہ انتہا پسندوں کا حال تھا۔ ایک طبقہ وہ ہے جو حدود سے تجاوز کر چکا ہے۔ یہ اس ارادہ اور مشیت کو لائق توجہ نہیں سمجھتا جسے حق تعالیٰ نے بندوں کو دیا۔ اور جملہ شرعی پابندیوں اور اس کے نتیجے میں دونوں جہان کی کامیابی کا مدار اس کو بنایا۔ اور یہ جتلا دیا کہ انسانیت اور آدمیت کا یہی تقاضہ ہے۔ (اس سلسلے کی کچھ تفصیل قضاء اور قدر کے باب میں مذکور ہے) وہ کہتے ہیں کہ بندہ کسی قسم کی مشیت یا ارادہ نہیں رکھتا۔ ارادہ اور مشیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس انکار کی وجہ سے یہ طبقہ حد سے زیادہ گمراہ اور معطل ہو کر رہ گیا اور ان کی حالت طہدین سے کہیں زیادہ گئی گذری ہو گئی جو اللہ پر، اس کی شریعت پر اور اس کے سامنے پیش ہونے پر ایمان نہیں لاتے۔ اس انکار کی وجہ سے ان کا ہر معاملہ برعکس اور باہم خلط ملط ہو گیا۔ چنانچہ ہر اچھائی ان کی نظر میں برائی بن گئی۔ کفر و ایمان میں فرق نہ رہا۔ فسق و فجور نیکی کا دوسرا نام ہو گیا۔ اور ان کا یہ عقیدہ بن گیا کہ کوئی بدی کرے یا نیکی، بہر صورت وہ خدا کی اطاعت کر رہا ہے۔ بدکار اپنے گناہ کی پاداش میں گنہگار یا مجرم نہیں۔ نہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو سزا یا عذاب دیا جاسکتا ہے اس لئے کہ بقول ان کے کوئی خود مختار اور صاحب ارادہ نہیں ہے بلکہ خدا کے ارادے اور مشیت کا پابند ہے۔ بندہ سرے سے مشیت یا ارادہ نہیں رکھتا۔

ذیل کا شعر اسی بد عقیدے کی غمازی کرتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

أَضْبَحْتُ مُنْقَبِلًا لِمَا يَخْتَارُهُ بِنِي فَفِعْلِي كَلْمَةُ طَاعَاتٍ!

میں اس کے ارادے اور مشیت کا پابند ہوں۔ اس لئے میں جو کروں گا سب عبادت ہے۔

ارادہ اور مشیت جو خدا کی نعمت ہے لیکن اس نظر سے اس کا زوال ہوتا ہے۔

اس کی توجیہ وہ اس طرح کرتے ہیں کہ جو ارادہ کا پابند ہے۔ اور مخصوص مراد پر کار بند ہے اس

کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارادہ اللہ کا ہے۔ اور جو چاہا ہوا ہے۔ وہ بھی اللہ ہی کا

چاہا ہوا ہے۔ بہر کیف اس تخیل کے بعد روئے زمین پر کسی گناہ یا گناہگار کا وجود نہ ہو گا اس لئے

کہ انسان کو زنج کرنے والا، اور روزہ رکھ کر پیاس کی تکلیف اٹھانے والا خدا کی مرضی پر چل

رہا ہے۔ اس مذہب میں دونوں برابر ہیں۔ ایک دوسرا طبقہ بھی ہے جو اس نظریہ کا حامل ہے کہ انسان ارادہ یا مشیت کا مالک نہیں یہ نظریہ بھی تمام تر نادانی جہالت اور ہوا و ہوس کا نتیجہ ہے۔ اس ذہنیت کا شکار ہونے والے ہر قسم کی بدی، منکر اور باطل کا ارتکاب کرنے کے بعد اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ حکمت الہی اور اس کے ارادہ و منشا کے عین مطابق ہے۔ خدا چاہتا تو یہ نہ ہوتا۔ بندہ اس کے ارادے اور مشیت سے فرار کیوں کر اختیار کر سکتا ہے؟ افسوس آج اور آج سے پہلے بہت سارے مسلمانوں کا یہی حال رہا ہے۔ بالخصوص اس زمانہ سے جب کہ امت کے عقائد میں بگاڑ آیا۔ تخریب پسند اور سازش پسند عناصر نے محض حسد کرتے ہوئے اسلامی نظریات کو مجروح کیا۔ اور اسے فنا کے گھاٹ اتارنا چاہا۔ اور اگر اس قسم کے نظریہ کی تہ میں صحیح نیت اور صحیح عقیدہ کار فرما ہوتا۔ اور وہ یہ کہتے کہ بندگی کی وجہ سے بندے خدا کی مشیت اور اس کے ارادے کے مطیع اور احکام کے پابند ہیں تو یہ فکر ایک حد تک درست ہوتی۔ اور اس طرح سوچنا صحیح ہوتا۔ لیکن ان کی زبان ان کے دل سے ہم آہنگ نہیں۔ یہ الزام اور ملامت سے بچنے کے لئے ہٹ دھری اور ضد سے کام لے رہے ہیں۔ ان کی حالت مشرکین کی سی ہے جن کے بارے میں قرآن پاک نے واضح طور پر کہا۔

لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَزَمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۝

(النعام: ۱۳۹)

ترجمہ: ”اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔“

مشرکین عرب کا یہی حال تھا۔ جب انہیں خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی جاتی اور محرمات جیسے بتوں کے نام پر اونٹوں کا کھانا چیرنا یا ان پر سواری نہ کرنا وغیرہ عقائد سے بچنے

لے بحیرہ جمع حجاز وہ اونٹنی جو پانچ یا سات بار جنی ہو۔ اہل کفر اس جانور کو علامت نیاز کے طور پر کھان چیر کر چھوڑ دیتے تھے۔ ان پر سواری یا ان کے ہال، دودھ یا گوشت کی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ ساتھ جمع سواہب وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر تقرب حاصل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دی جاتی تھی۔ بحیرہ اور ساتھ کا حکم ان کے نزدیک یکساں تھا۔

کی تلقین کی جاتی تو وہ اپنے شرک کا یہ مہمل عذر کرتے کہ ہمارا شرک ٹھہرانا اور بعض چیزوں کو حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اس کی مشیت ہوتی تو نہ ہم شرک کرتے، نہ کسی چیز کو حرام ٹھہراتے، اپنے باطل کاموں کی مدافعت کے لئے مشرکین اسی قسم کی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ کسی نیک نیتی حسن اعتقاد یا تقدیر الہی اور اس کی مشیت کو کسی درجہ مان لینے کی وجہ سے نہیں تھا۔ اس لئے کہ تقدیر کو تسلیم کرنا ایمان صادق کی نشانی ہے۔ جس کا تقاضہ ہے کہ بندہ شرک اور اللہ پر بہتان باندھنے سے گریز کرے۔ اس لئے کہ شرک حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے اس سے منع فرمایا ہے۔ یہ فعل اس درجہ شنیع نہ ہوتا تو نہ اس کی ممانعت اور حرمت اس درجہ شدید ہوتی نہ ہی قرآن پاک اور پیغمبر ﷺ کی زبانی اس کی اس درجہ تکرار ہوتی۔

ایک ضابطہ اور نہایت اہم نکتہ جسے اعتدال پسند اور باتوفیق بندوں نے خاص طور پر ذکر کیا۔ اور یہ ان کے ناجی اور برحق ہونے کی دلیل بھی ہے کہ ● — عذاب یا عتاب پانے پر خدا کی مشیت کا شکوہ کرنا غلط ہے۔ ● — ہاں مصیبت سے دو چار ہونے پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی۔ عذاب و عتاب جس سے مراد وہ سزا ہے جو گناہ یا نافرمانی پر ملی ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمہ قسم کی نافرمانی اور گناہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اب اگر کوئی بندہ کسی کے ساتھ یہ حرکت کرے یا کوئی اس کے ساتھ کرے یہ سب ممنوع ہے۔ آسمانی کتابوں کا نزول اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی آمد کا اہم مقصد اس قسم کے امور سے ممانعت کرنا ہے۔ اس لئے اگر کوئی گناہ کا کام کرے۔ یا کسی ممنوع حرکت کا مرتکب ہو تو اس میں شک نہیں کہ اسے تقدیر کا بمانہ کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ حق تعالیٰ کا اذلی علم ہے اور اسی علم کے مطابق کائنات کا نظام جاری و ساری ہے۔ اور ازل سے یہ نوشتہ لوح محفوظ میں درج ہے۔ رہیں وہ مشکلات اور پریشانیاں جن کا وقوع کسی گناہ یا حرام کاری کے سبب نہیں ہوا۔ نہ عبادت میں کوتاہی یا نیت میں غفلت اس کا نتیجہ ہے۔ اور نہ شرعی قوانین کی خلاف ورزی یا دستور فطرت سے پہلو تھی اس کا سبب ہے۔ اگر اس قسم کی کوئی فرو گذاشت نہ ہو پھر بھی بندہ پر کوئی افتاد آجائے تو بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ ناگہانی افتاد مقدر کا نتیجہ ہے۔ یا تجویبی مشیت اس کا سبب ہے۔ اس لئے کہ یہ مصیبت اس کے اپنے ارادے یا اختیار کی وجہ سے نہیں آئی۔ جیسے



اس کے اوپر دیوار آگری۔ یا اس کو سانپ نے ڈس لیا۔ یا وہ کار کے حادثہ کا شکار ہوا۔ جب کہ پہلے سے علم نہ تھا کہ قریب کی دیوار گرنا چاہتی ہے۔ اور وہ وہیں بیٹھا ہوا ہے۔ نہ وہ یہ جانتا تھا کہ وہاں کہیں سانپ ہے اور وہ اس کے اوپر سو گیا۔ اسی طرح کار کی مقررہ رفتار سے اس نے سر مو تجاوز بھی نہیں کیا تھا لیکن اگر وہ کسی معنی میں ان حوادث کے وقوع کا سبب بنا تو اسے تقدیر پر الزام دینے کا کوئی حق نہیں۔ جب اس نے دستورِ فطرت سے مذاق کرتے ہوئے حکمِ خداوندی سے اعراض کیا تو اب اپنی بد اعمالی اور نافرمانی کی سزا اسے بھگتنی لازمی ہوگی۔ موضوع کے مناسبت سے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مکالمہ کی روایت ذکر کی جاتی ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے جرح کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”آپ ہمارے باپ ہیں۔ آپ کی وجہ سے ہم خسارے میں پڑے۔ اور جنت سے نکالے گئے۔“ چونکہ حضرت موسیٰ نے جنت سے نکالے جانے کی افتاد کو سبب بنا کر حضرت آدم سے شکایت کی تھی۔ لہذا اسی مصیبت کو دلیل بنا کر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ ”پھر تم ایسی بات پر کیوں مجھے ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے چالیس سال قبل اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مقرر کر دی تھی۔“ اس طرح حضرت آدم نے حجت پیش کی۔ اور حضرت موسیٰ پر اسی وجہ سے غالب آئے کہ افتاد اور مصیبت در پیش ہونے پر تقدیر کو بطورِ حجت پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عذاب و عتاب نازل ہونے پر تقدیر کا بہانہ کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ انسان ناگمانی افتاد کا مدعا نہیں کر سکتا۔ نہ از خود مصیبت میں پڑنا چاہتا ہے۔ نہ اس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ بلکہ ہر مصیبت ناگمانی طور پر اس کے ارادے مشیت اور رضامندی کے بغیر اس پر آتی ہے۔ اب اگر بندہ تقدیر کا عذر کرے اور اپنے اوپر یا مصیبت زدہ کے اوپر سے غم و الم کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے قضاء و قدر کا حوالہ دے تو اس میں چنداں مضرت نہیں ہے۔ رہا جرم اور گناہ جس کا بندہ قصد و ارادے کے ساتھ ارتکاب کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے تو اس کا یہ فعل شریعت اور عقل کی رو سے درست نہیں نہ ہی قضاء و قدر کو اس موقع پر بطورِ حجت پیش کرنا صحیح ہوگا۔

اتمامِ حجت کے لئے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی روایت کا پورا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور

پیغمبر نے فرمایا۔

”حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں باہم مناظرہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا تھا۔ آپ وہی آدم ہیں جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور جنت سے نکالا۔ حضرت آدم نے کہا تم وہی شخص ہو جس سے اللہ نے خصوصی کلام کیا۔ اور تورات کی تختیاں اپنے دستِ خاص سے لکھ کر تمہارے حوالے کیں۔ پھر تم مجھے ایسا فعل کرنے پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کا کرنا میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر لازم کر دیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں حضرت آدم آخر حضرت موسیٰ سے جیت گئے۔“

(الموتوالمرجان ۲۱۱/۳، بخاری، ۱۵۷/۸، مسلم، ۵۴/۴۹/۸)

یہ روایت مختلف الفاظ سے منقول ہے۔ ہم نے اسی قدر الفاظ پر اکتفا کیا۔ (واللہ

المستعان)

● ارادہ خداوندی سے متعلق غلط فہمی نے اکثر لوگوں کو گمراہ اور حیرت زدہ کر رکھا

ہے:

تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ بڑی سے بڑی مشنری ہو یا بھاری سے بھاری بلڈنگ ایک معمولی پرزے یا حصے کی خرابی سے پوری مشین یا بلڈنگ زمین بوس ہو سکتی ہے۔ چنانچہ فرانسیسی برطانوی، دیوپیکر طیارہ کو ٹکر ڈھو یا امریکہ کی فلک بوس عمارتیں۔ اس ضابطہ سے کوئی مشین نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تضادِ قدر کا نازک عقیدہ بھی اس ضابطہ سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ تقدیر اور ارادہ مشیت کے عقیدہ میں ادنیٰ سافٹور کسی طرح درپیش ہو۔ اس کی وجہ سے زبردست جمالت اور گمراہی میں مبتلا ہونا لازمی ہے۔ آج مسلمانوں میں جو طبقہ ذہنی کج روی اور فکری خلجان میں مبتلا ہے۔ یہ وہی لوگ جنہوں نے یہ سمجھنے میں زبردست ٹھوکر کھائی کہ قضاء و قدر کا وہ عقیدہ جو ادنیٰ سے اعلیٰ تک سارے نظام کائنات میں دخیل اور کار فرما ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ اس کو من و عن اسی طرح تسلیم کیا جائے جیسا کہ علم الہی اور نوشتہ الہی میں درج ہے۔ ورنہ ادنیٰ سافٹور ساری زندگی کو تباہ برباد کر سکتا ہے۔

بنابریں یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ بندہ خود کو اپنے رب کے حوالے کرے۔ اور

اسی کا ہو کر رہ جائے۔ اسی صورت اس کی نجات ہے۔ جب کہ اس سے روگردانی کرنا یا اس پر

طعن تشنیع کرنا حرام ہے۔ نیز یہ بھی جائز نہیں کہ ارادہ اور مشیت کی آڑ لے کر مناظرہ بازی کی جائے یا اس پر نکیہ کرتے ہوئے عمل سے پہلو تہی کی جائے۔ حق و صداقت کا راستہ یہی ہے اور اس کے علاوہ سب گمراہی کا راستہ ہے۔ کیا انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ ارادہ خداوندی کی ایک قسم تکوینی مقدرات ہے۔ ارادے کی یہ وہ قسم ہے جس کا انسان جو ابدہ نہیں۔ نہ ہی اس نظام کے مطابق چلنے یا نہ چلنے پر اسے سزا یا جزا ملتی ہے۔ اس قسم کا ارادہ درحقیقت تقدیر اور نظام تقدیر سے جڑا ہوتا ہے۔ جس پر راضی برضا رہنا اور جس کو تسلیم کرنا بندہ کے لئے ضروری ہے۔ اور جس سے اختلاف کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض کوئی بندہ اختلاف کرے تو اس کا یہ اقدام خدا سے جنگ اور اس کے نظام سے تصادم کے مترادف ہو گا۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس نظام سے برتری اور مقررہ حدود سے تجاوز کا ارادہ رکھتا ہے۔ جب کہ اس کی حقیقت محض ناچیز بندے کی سی ہے جو مخلوق ہے اور زندگی کے ہر گام پر اپنے رب کا محتاج اور اس کا نیاز مند ہے۔ چنانچہ ہوا جس سے اس کا نظام تنفس قائم ہے۔ روشنی جس سے وہ چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور اندھیرا جس میں وہ آرام کرتا ہے۔ ان میں سے ہر چیز کا وہ محتاج ہے۔

ارادہ خداوندی کی دوسری قسم مشیت الہی کا تشریحی نظام ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ بندوں کو مامور اور مکلف بناتا ہے۔ اور سزا اور جزا کو انہی کے اوپر موقوف رکھتا ہے۔ ان احکام کی بجا آواری اور اطاعت بندوں پر ضروری ہے۔ اور ان سے روگردانی یا اعراض ان کے لئے حرام ہے۔ ان تشریحی اور دینی معاملات کی تفصیل اللہ کی کتابوں میں درج ہوتی ہے۔ ان کی تعلیم دینے اور عام کرنے کے لئے انبیاء اور رسول مبعوث ہوتے ہیں۔ غرض یہ ایک جامع دستور ہوتا ہے جس کو حق تعالیٰ بطور خاص بندوں کے لئے وضع کرتا ہے۔ اس کی دفعات میں عقائد، عبادات، احکام و مسائل، تعزیرات، معیشت، معاشرت، اور اخلاق کے ضابطے درج ہوتے ہیں۔ اسی دستور کے مطابق اللہ تعالیٰ بندوں کو ابتداء سے مکمل توالتی، ارادہ مشیت اور انتخاب و اختیار کی صلاحیت عطا فرماتا ہے۔ اور پھر اسکا امتحان لیتا ہے کہ یہ اپنے رب کے فشا اور اس کے پسندیدہ طریقہ کو اختیار کرتا ہے۔ اس کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے یا اس کی منشاء کے خلاف کرتا ہے۔ اور اطاعت کی بجائے اس کی نافرمانی میں عمر بسر کرتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا  
بَصِيْرًا ۙ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ (انسان: ۳۰)﴾

”بلاشبہ انسان کو محفوظ نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اس کو آزمائیں۔ تو ہم نے اس کو سنتا اور دیکھتا بنایا۔ بلاشبہ ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھلایا۔ (اب وہ) خواہ شکر گزار ہو یا ناشکر رہے۔“

اشارہ اسی ارادۂ خداوندی کی طرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضامندی وابستہ ہوتی ہے۔ اس کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اوامر اور نواہی کا پابند بناتا ہے۔ جس کو کچھ بندے مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے جب کہ اللہ تعالیٰ کا عام فرمان یہی ہے کہ بندے اس پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں۔ اور ہر دو کی تابعداری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اطاعت اور تابعداری کا جذبہ ودیعت فرمایا ہے۔ اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ان کے لئے لائق نفرت بنایا ہے۔<sup>۱</sup>

انسان کو جس درجہ قدرت، ارادہ اور مشیت حاصل ہے اس کے تحت بندے کو تعیل اور رد کا اختیار حاصل ہوتا ہے، اور اسی ارادے اور اختیار پر نگو کاری کے نتیجے میں جزا اور بد کاری کے بدلے میں عذاب ملتا ہے۔

مشیت الہی کے تشریحی اور مذہبی نظام کی اس حد تک تفصیل کا جاننا از بس ضروری ہے۔ رہا مشیت الہی کا تکوینی نظام جس کا ذکر پہلے گذرا۔ تو اس میں شک نہیں کہ بندہ اس سے

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَللّٰهُ خَبْرٌ بِالْاِيْمَانِ وَرَبِّنَا لِيْنَ فَلَزِيْحَتُمْ وَنَحْوَهُ اَلْيَتْمٰنُ الْكٰفِرِ

وَالْقٰسِرٰتِ ۝ (حجرات: ۷)﴾

”لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور دلوں میں اس کو مرغوب بنا دیا ہے اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو نفرت دی ہے۔“

تجاوز یا مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اس کا تعلق بندوں کے ارادے اور ان کے اختیار کے ساتھ مربوط نہیں۔ اور نہ ہی اس کی انجام دہی پر سزا یا جزا ملنے کا امکان ہوتا ہے۔ بلکہ ان امور کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ازل سے کئے ہوتا ہے۔ اور اسی ازلی ارادے اور مشیت کے ساتھ سارا نظام کائنات اس طرح مربوط ہوتا ہے جس سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کونی نظام مشیت جس سے گریز انسان کے لئے ناممکن ہے۔ اس کو اس طرح ذہن نشین کیا جاسکتا ہے۔ کہ مثلاً مرد کا مرد اور عورت کا عورت ہونا خدا کی مشیت ہے۔ اب اگر کوئی یہ چاہے کہ وہ مرد ہے تو عورت بن جائے۔ یا اس کے برعکس بن جائے۔ یا کلا ہے تو گورا بن جائے یا گورا ہے تو کالا بن جائے۔ پست قد ہو تو سرور قامت یا اس کے برعکس بن جائے۔ یا مخصوص علاقہ اور ملک میں یا مخصوص دن، تاریخ اور سنہ میں پیدا ہو۔ ظاہر ہے ان میں سے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے کہ ان تمام امور کا تعلق مشیت الہی کے کونی نظام سے ہے جس سے گریز ممکن نہیں۔ نہ اس میں کسی قسم کے رد و بدل کا امکان ہے۔ نظام کائنات کا دار و مدار قدرت کے اسی دستور پر ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی علامت اور اس کی الوہیت کا بین ثبوت ہے۔ وہ بے نیاز انتہائی پاک اور بزرگ و برتر ہے۔ البتہ اس کے ارادے کا تشریحی پہلو بندوں کے اختیار ارادے اور ان کے افعال کے ساتھ وابستہ ہے۔ حق تعالیٰ نے بندوں کو ان امور کے کرنے نہ کرنے کی مکمل صلاحیت بخشی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو اور انہیں سزا یا جزا دی جائے۔

قصہ کو تاہ بندہ پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو۔ دل و زبان سے اس کا ذکر اور اس کا شکر ادا کرے۔ اس سے خود اس کی عزت و بزرگی میں اضافہ ہوگا۔ انسانیت کی تکمیل ہوگی۔ اور اس کی زندگی کا رخ اس سمت کے مطابق ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے کونی اور تشریحی نظام کا منشا ہے۔ اور جس کا شرعی اور دینی طور پر وہ پابند ہے۔

● ہدایت اور گمراہی:

ارادہ اور مشیت کی طرح ہدایت اور گمراہی کے سمجھنے میں بھی عام لغزش پائی جاتی

ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیات کو بہتوں نے غلط سمجھا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

● — **فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** ○ (ابراہیم: ۳)

ترجمہ: ”پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔“

● — **كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** ○ (انعام: ۱۰۹)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے اعمال (ان کی نظروں میں) خوش نما بنا دیئے ہیں۔ آخر کار سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تب وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ دنیا میں کیا عمل کرتے رہے۔

● — **أَفَمَنْ زَيَّنَ لَهُ سُوَاءَ عَمَلِهِ فَرَأَاهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ** ○ (فاطر: ۸)

ترجمہ: ”جس شخص کو اس کے برے اعمال آراستہ کر کے دکھائے جائیں۔ اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے کیا وہ ایمان دار آدمی کے برابر ہو سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“

ان آیات کو غلط سمجھنے والے یہ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی بندوں کو گمراہ کرتا ہے تو پھر آپ ہی انہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ —؟ نیز یہ کہ آپ ہی ان کی بد اعمالیوں کو سزا کے سامنے پیش کرتا ہے پھر آپ انہیں سزا دیتا ہے یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کی خیر خواہی ہے؟ اس نادانی کے ساتھ جو لوگ حق تعالیٰ سے برسر پیکار ہونا چاہتے ہیں۔ خود کو ایک فریق کی طرح اس کے مقابلہ میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اپنی جہالت اور نادانی کے سبب بد بخئی مول لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ عقل کے ناخن لیں تو نہ خدا کو مورد الزام قرار دیں گے نہ اس کے فیصلوں اور خلق و تکوین کے کسی حکم پر نکتہ چینی کر سکیں گے۔ اس لئے کہ انہیں غور کرنا چاہئے کہ حکم دینا اور تخلیق کرنا صرف اسی کا کام ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اور جیسا چاہتا ہے فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اس کے کئے پر کوئی اس سے باز پرس کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور چونکہ انہوں نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی اس لئے نتیجہ میں یہ ابلیس کے شاگرد ہوئے۔ اور اس کی پیروی میں حد درجہ مایوسی کا شکار اور راندہ درگاہ ہوئے اور اگر انہیں توفیق نصیب ہوتی اور اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا اور گمراہ کرتا ہے۔ تو یہ اپنی روش بدل کر اسے اپنا ماویٰ و بجا قرار دیتے۔ اس سے ڈرتے۔ اس سے ہدایت طلب کرتے اور گمراہی سے پناہ مانگتے۔ اس لئے کہ اس کی ذات مالک الملک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اگر اس کے باتوفیق بندے ہوتے تو اس کے در پر سوالی بن کر آتے۔ اس کی بارگاہ سے چٹ کر وہیں کے ہو رہتے۔ اسلئے کہ ہدایت اسی ایک در سے مل سکتی ہے۔ کہیں اور سے نہیں۔

● — مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا  
مُرْتَبِدًا ○ (کف: ۱۷)

”جس کو اللہ ہدایت دے وہی سیدھے راستے پر ہے۔ اور جس کو وہ گمراہ کرے تو تم اس کے لئے کوئی کارساز راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔“

لیکن یہ بد عقیدگی ان کے بے توفیق ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ شیطان کے نقش قدم پر چل پڑے۔ اور حرمانِ نصیب اور محروم ہوئے۔ انہیں ناکامی اور ذلت و رسوائی اس لئے بھی اٹھانی پڑ رہی ہے کہ یہ اللہ کے نظامِ ربوبیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اللہ کی شانِ کرمی سے انہیں بدگمانی لاحق ہے جب کہ اصلاح اور تربیت اس نظام کا خاصہ ہے۔ اور اسی نظامِ تربیت سے ہدایت و تنفیل کا نظام مربوط ہے۔ جس سے متعلق یہ اندھیرے میں ہیں۔ اور نامعقولیت کے ساتھ سوال کرتے ہیں اور ناحق سوال کرتے ہیں۔ یہ بے جا جسارت و دراصل تقدیرِ الہی اور اس حسن تدبیر سے بدگمانی کا شاخسانہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حکمتِ الہی پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور اس کی اہانت کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب کہ یہی جمالت اور بدگمانی ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہوگی۔ کس قدر بدترین ان کا حال ہوگا۔ اور کیا درد ناک ان کا انجام ہوگا؟ جس حقیقت کے نہ سمجھنے پر یہ گمراہ ہوئے اور اس کی تہ

کو نہ پاسکے وہ یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ بلکہ انسان گمراہی کے راستے کو آپ اختیار کرتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ راستی اور ہدایت کے تمام راستوں کو اس کے سامنے نہایت واضح و آشکارا کر دیتا ہے۔ اور کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اور بندے کو راہ ہدایت کے اختیار کرنے اور اس پر چلنے کی پوری طاقت مرحمت فرماتا ہے۔ اب اگر بندہ سب کو جانتے ہوئے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کرتا ہے۔ اور اس راستے پر چل پڑتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس کے انتخاب پر اسے ڈھیل دیتا ہے۔ اور مہلت دیتا ہے۔ اور یہ دراصل انصافِ خداوندی کا مظہر ہے۔ جسے ظلم و زیادتی کہنا خود سب سے بڑا ظلم ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

● وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا

يَتَّقُونَ ○ (آب: ۱۱۵)

”اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک گروہ کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے۔“  
جب تک ان کو وہ چیزیں (نہ) بتا دے جن سے وہ پرہیز کریں۔“

یہ نادان بھلا کیا جانیں کہ حق تعالیٰ اپنے خلق و مخلوق کے دستور کے مطابق جس طرح ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے اسی طرح گمراہی کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اور جس طرح گمراہی کے اسباب مہیا کرتا ہے ہدایت کے اسباب بھی فراہم کرتا ہے۔ اب یہ بندے کا کام ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس راستے کو چاہے ترجیح دے، اس کی رغبت اور جستجو کرے، اور اس پر عمل پیرا ہو۔ جو شخص راہ ہدایت کا خواہش مند ہو کر اس کو اختیار کرے گا۔ اور ہدایت کے اسباب تلاش کر کے ان پر عمل کرے گا اس کی مراد بر آئے گی۔ اور خدا کی طرف سے اسے ہر کام کے لئے اعانت اور امداد نصیب ہوگی۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہ ہدایت اور اس کی توفیق بھی ربِّ کریم کا عطیہ اور اس کا انعام ہے۔ اور اگر اس کے برعکس کسی نے گمراہی اور ضلالت کو اختیار کرتے ہوئے اسی کو ترجیح دی۔ اسی کے لئے سرگرم ہوا۔ اور اس کے اسباب کو اختیار کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہوا تو اس کی یہ مراد بھی بر آئے گی اور ایسا نہیں ہوگا کہ کسی قسم کی رکاوٹیں درپیش ہوں گی۔ اور اسے اپنی مرضی اور مراد کے حصول میں دشواری ہوگی۔ بلکہ



اسے سہولت ہوگی اور یہ رعایت اور مہلت بھی حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کا مظہر اور اس کے حسن انتظام کی علامت ہے۔ یہ نادان ابتلاء اور آزمائش کے اس خدائی نظام کو نہیں سمجھتے کہ وہ محض آزمائش کے لئے اعمال کو خوش نمایاں نہایتا کر نظروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ پھر بندے اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہتے ہیں اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ نیکی کو اختیار کر کے راہ یاب اور بدی کو اختیار کر کے گمراہ ہوتے ہیں۔ ان کی اسی گمراہی کو دیکھ کر نادان یہ سوال کرتے ہیں کہ خدا باطل کو کیوں آراستہ کرتا ہے۔ کہ بندہ ان کو اختیار کرتا ہے پھر سزا پاتا ہے؟

انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ بداعمالی کا آراستہ پیراستہ نظر آتا بھی فطری طور پر ہوتا ہے۔ اور یہ ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ جب بھی آدمی اپنی مرضی اور اختیار سے کسی کام کو چاہتا اور پسند کرتا ہے ایک عرصہ تک اس میں لگا رہتا ہے اور اس کو چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ تو وہ کام فی نفسہ کتنا ہی کریہ اور نامناسب ہو اسے آراستہ و خوش نما نظر آتا ہے۔ اس طرح اچھا کام برا اور برا کام اچھا دراصل طبیعت کے اسی میلان کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن یہ اسکی نوازش اور اس کا خاص لطف ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر برائی سے کلی اجتناب اور پرہیز کی تلقین فرمائی ہے۔ اور اپنی کتابوں اور اپنے نبیوں کے ذریعے اس کو عام فرما دیا ہے۔ گناہوں پر اصرار اور دوام سے بچنے کی سختی سے تاکید کی ہے اور توبہ کرنے اور ان کے قریب نہ جانے پر بار بار زور دیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ بار بار گناہ سے ان کی بدتمائی اور کراہت زائل ہو کر نظروں میں خوش نما اور اچھے معلوم ہوں کہ ان کا چھوڑنا اور ان سے بچنا بھی دشوار ہو جائے۔ ذیل کی آیات اسی مفہوم کو نمایاں کرتی ہیں۔ ارشاد ہے۔

● — اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ○ (فاطر: ۸)

”بھلا جس شخص کو اس کے برے اعمال آراستہ کر کے دکھائے جائیں اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے۔“

● — كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ○ (انعام: ۱۰۹)

”اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے اعمال (ان کی نظروں میں خوش نمایاں دیئے ہیں۔“

اب جو کوئی اس قسم کے ممانعتی احکام اور نواہی کو سن کر ان برائیوں سے بچے گا نجات پائے گا اور جو تجاہل برتے گا اور برائی میں منہمک رہے گا ہلاک ہوگا۔

لیکن نجات پانے والا خدا کے فضل و احسان کی وجہ سے نجاتی ہوگا۔ اس لئے کہ یہ اسی کا کرم ہے۔ جو اس نے نجات کے اسباب مہیا کئے۔ اور انہیں اختیار کی توفیق دی۔ اور رہا ہلاک ہونے والا تو اس میں شک نہیں کہ خدا نے اس کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ انصاف کیا۔ یہ اس لئے کہ اس نے سب سے پہلے کھلے طور پر برائی کے راستوں کی نشاندہی کی ان سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ پھر بدی کا ارتکاب کرنے پر اسے توبہ کی تلقین کی اور اس کی صورت بتائی لیکن اس نے خیر خواہی اور ہمدردی کی ان صورتوں کو نظر انداز کیا اور برائی پر مصر رہا تا آنکہ یہ برائی اسے خوش نما اور بھلی معلوم ہونے لگی۔ اور یہ اسی کا ہورہا۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اندر سے خیر اور ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت جاتی رہی۔ اور پھر وہ بدی کے اس اسٹیج تک جا پہنچا جہاں گناہ بھی خوش نما نظر آتا ہے اور جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا بھلائی کو اختیار کرنے کی صلاحیت ماند پڑتی گئی۔ اور جس طرح دوسرے ہلاک ہوئے اس نے بھی بدی کو اپنایا اور ہلاک ہوا۔ چ ہے ظلم و زیادتی اور حدود سے تجاوز تو بس اسی قسم کے ظالموں کی طرف سے سدا ہوتا رہا ہے۔

● — وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ (نمل: ۳۳)

”اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔“

● سزا اور جزا کا ضابطہ انصاف اور مہربانی پر مبنی ہے:

بندہ دنیا اور آخرت میں نیکی پر جزا اور برائی پر سزا کیوں پاتا ہے؟ بعض مسلمانوں کو اس پر تردد لاحق ہے۔ اور اس کی وجہ سے لایعنی اور فضول بحثوں کا دروازہ کھل چکا ہے۔ جب کہ ظلم اور انصاف کے مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن افسوس کہ ان دو سرگرم بحثوں سے عوام کی کثیر تعداد گمراہ ہوتی جا رہی ہے۔ اس گمراہی کی وجہ بھی دراصل آئین فطرت سے ناواقفیت ہے۔ یہ فطری آئین بیحد قضاء و قدر کا الہی نظام ہے۔ جو باہم ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہے ان میں کوئی تضاد یا منافرت نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ جن اختیاری امور کو بارادہ ادا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ازل سے اس کے اندر خاص تاثیر پیدا کر رکھی ہے۔ اب جیسی تاثیر ہوتی ہے اسی کے مطابق سزا اور جزا ہوتی ہے۔

رہے وہ کام جو لاشعوری اور غیر ارادی طور پر سرزد ہوتے ہیں جیسے بھول کر غلطی سے یا دباؤ یا پاگل پن کی وجہ سے، تو چونکہ اس کی کارکردگی سے ان کا دل متاثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے غیر دانستہ طور پر کئے گئے کاموں کو بے اثر قرار دیا ہے۔ اس لئے اس قسم کے غیر ارادی کاموں پر سزا یا جزا بھی نہیں ہوتی۔

البتہ ارادی اور اختیاری کاموں کا اثر ہوتا ہے۔ اور دل بھی ان سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی کام نیک رہا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو نفس کے تزکیہ اور روح کی پاکیزگی کے لئے مشروع کیا ہے اور اس کے کرنے پر ملا اعلیٰ میں تقرب اور قدسیوں کی ہم نشینی نصیب ہوتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ ان کاموں کا دل پر نہایت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس اثر اور تاثیر کو ”حسنہ“ کہتے ہیں۔ اور سببیت کی وجہ سے مجازاً اس عمل کو حسنہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ نیکی نیک کام کا حاصل اور اس کا سبب ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی کام برا ہے کیونکہ خدا کے ازلی قانون کی رو سے اس کی تاثیر بھی بد واقع ہے جیسے ہر وہ کام جس کے انجام دینے سے انسان فسق و فجور اور سیہ کاری میں لوث ہوتا ہے۔ اور مکر شیطان کے ہمراہ جہنم میں جاتا ہے۔ تو ان کاموں کا فوری اثر دل پر خراب پڑتا ہے۔ اس اثر کو سیئہ (جمع سیات) کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ اثر بد اس کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے مجازاً اس کام کو سیئہ کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک نے بیشتر مواقع پر ان کا ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

● قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا ○ (شس: ۱۰۹)

● ”بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اور وہ ناکام رہا جس نے اس کو گناہوں میں دبا دیا۔“

● اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَاِنَّ الْفَجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ○

(انفطار: ۱۳، ۱۴)

”بے شک نیک لوگ ہمیشہ و آرام میں ہوں گے۔ اور برے لوگ دوزخ میں۔“

آیات میں درج کیفیت سے حکم خداوندی کی علت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نیکی نیش و آرام کا اور بدی دوزخ میں جانے کا پیش خیمہ ہوتی ہے نیز ارشاد ہے۔

● — إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ○ (ہود: ۲۵)

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بہشت کے

باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ بڑی کامیابی ہے۔“

● — إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ لَا يَفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ وَمَا ظَلَمْنَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ○

(ذخرف: ۷۴ تا ۷۶)

”بے شک نافرمان دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عذاب ان سے ہلکا نہ

کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس ہو کر پڑے رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح نفس کے تزکیہ اور طہارت کا باعث ہے۔ اور شرک اور گناہوں سے نفس فحور میں گڑ جاتا ہے۔ ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اچھے اثرات کا بدلہ جزا اور ثواب کی شکل میں ملتا ہے۔ اور بد اثرات کے نتیجہ میں سزا اور عذاب ہوتا ہے۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● — سَيَجْزِيهِمْ وَصَفَّهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○ (انعام: ۱۳۰)

”عقرب اللہ انہیں ان کے بیوہ بیان کی سزا دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا (اور) جاننے والا ہے۔“

جاننا چاہئے کہ مذکورہ بالا آیات کا یہ مفہوم تو مقرر ہے کہ جو مشرکین اللہ کے دیئے ہوئے رزق جیسے چوپایوں اور کچھ کھیتوں کو حرام قرار دیتے ہیں ان کی اس انفراردازی اور من گھڑت قول و قرار کی سزا اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ لیکن اس آیت سے اوپر ذکر کیا گیا یہ

منفوم بھی مترشح ہوتا ہے کہ نیک و بد اعمال کی سزا اور جزا ان اثرات کے تحت ہوتی ہے جن سے انسانی نفس متاثر ہوتا ہے۔ اور یہ تاثر خداوند عالم کے ازلی دستور کے مطابق ہے کہ اِرادتی اور اِختیاری امور کے برتنے پر انسان کا دل اچھے کاموں کا چھا اثر لیتا ہے۔ اور برے کاموں کا اس پر برا اثر پڑتا ہے۔ اچھے کاموں میں مشروع اور جملہ اعمالِ صالحہ شامل ہیں۔ اور برے کاموں میں حرام ضرر رسل اور فاسد اعمال شامل ہیں۔ اور ان سب کا اثر انسانی دل اور اس کے اعضاء جو ارجح پر یکساں پڑتا ہے۔

بنا بریں خدا کی رحمت اور اس کے منصفانہ دستور کے تحت جزا اور سزا کا نفاذ عمل میں آتا ہے۔ بندہ جو کرتا ہے اپنے ارادے اور اِختیار سے کرتا ہے۔ اگر اس نے ایسا کام کیا جو خدا کو پسند ہے جس کو اس نے مقرر کیا اس کے کرنے کا حکم دیا۔ اس کی طرف رغبت دلائی۔ اور اور انجامِ دہی کی مکمل سہولت بخشی۔ اور اس قسم کے ایک کام کا اجر و س گنا زیادہ مقرر کیا۔ تو اس میں شک نہیں ہے کہ یہ اس کا فضل و کرم اور مہربانی و احسان ہے۔ اور اگر بندہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جو خدا کو ناپسند ہے وہ سختی سے اس کی ممانعت کرتا ہے اور اس کے قریب جانے سے بھی روکتا ہے۔ تو باری تعالیٰ بھی اس سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ اب یہ رسوا اور ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ اس سے یکسر بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہاں پر تمام تر قصور اس نادان بندے کا ہوتا ہے جو اطاعت کی بجائے خدا کی نافرمانی کو ترجیح دیتا ہے۔ خوش کرنے کی بجائے اسے ناراض کرتا ہے۔ لہذا اگر یہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ و استغفار اور معافی نہ مانگے اور خداوند عالم بھی اسے معاف نہ کرے اور اس کو جو چاہئے سزا دے تو درحقیقت یہ بھی عدل و انصاف کے عین مطابق اور حق ہے۔ اسے کسی درجہ ظلم و زیادتی اور جبر و قہر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

اب یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ بندہ جیسا کرتا ہے۔ اس کے مطابق جزا یا سزا پاتا ہے۔ لیکن سزا اور جزا کا یہ ضابطہ حق تعالیٰ کے نہایت درجہ انصاف اور عدل و مساوات کے عین مطابق ہے۔ اس میں ظلم و زیادتی یا بے جا جانبداری کا شبابہ تک نہیں پایا جاسکتا اس کا یہ ارشاد بجا ہے کہ:

● — إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضْعِفْهَا وَيُؤْتِ

مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا (نساء: ۴۰)

”بے شک اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی ہوتی ہے تو اس کو وہ دو چند کر دیتا ہے۔ اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔“

● حسنہ (خیر و برکت) اور سیئہ (مصیبت) اللہ کی طرف سے ہے یا نفس کی طرف

سے؟

اس سے پہلے کہ حسنہ اور سیئہ (خیر و برکت اور مصیبت) پر گفتگو کی جائے کہ ہر دو کا سرچشمہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ یا خیر و برکت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور مصیبت اور آزمائش نفس کی جانب سے ہوتی ہے؟ جیسا کہ بظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

● — وَإِنْ تُصِيبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ○ (نساء: ۷۸)

”اور (اے پیغمبر) ان کو کوئی بھلائی کی بات پیش آئے تو کہتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے۔ تم (ان سے) کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔“

نیز اسی سوات میں اور اسی سلسلہ کلام کے ساتھ آگے یہ بھی مذکور ہے کہ۔

● — مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ○ (نساء: ۷۹)

”اے انسانو! تجھے جو کچھ بھلائی پیش آئے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف پہنچے وہ خود تیرے نفس کی وجہ سے ہے۔ اور (اے محمد) تم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور (اس بات کا) اللہ ہی کافی گواہ ہے۔“

مذکورہ بالا تحقیق طلب مسئلہ بندہ مومن کے عقیدے کا اہم جزو ہے۔ یہ اس نوعیت کے مسائل سے ہے جیسے قضاء و قدر، جبر و اختیار، ارادہ و مشیت اور حق تعالیٰ کی شانِ کبریٰ اور

اس کے انصاف کے مسائل ہیں ان میں باہم ربط ہے۔ الحمد للہ! متذکرہ مسائل کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کئے جا چکے ہیں بالخصوص قضاء و قدر کے مسئلہ کو شرح و بسط سے ذکر کرنے کی اس نے خصوصی توفیق بخشی ہے۔ اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں اس حد تک تفصیل سے خدا نے چاہا تو عقیدہ اور اعتقاد کی اس حد تک اصلاح ہو جائے گی۔ جس سے حق تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی حاصل ہو۔ اس لئے زیر بحث مسئلہ سے متعلق ہم عرض کریں گے کہ خیر و برکت جو انسان کے لئے نہایت خوش آئند اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اور جس سے اس کے باطن میں صفائی اور پاکیزگی آتی ہے۔ اور جسم تروتازہ اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ بایں معنی اس خیر و برکت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ خیر و برکت جو ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں رونما ہو یا دوسرے لفظوں میں وہ برکت جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کے نتیجے میں رونما ہو۔

۲۔ وہ خیر و برکت جو بندہ پر اس کے رب کے کرم کا نتیجہ ہو جس سے اس کا جسم آرام و مصائب سے راحت پائے۔ باطن کے دل کو رنج و غم سے سکون میسر ہو۔ جس کی صورت یہ ہو کہ حق تعالیٰ نے اپنے دلی مہیا کیا ہو۔ نصرت و فتح مندی بخشی ہو۔ یا عزت اور بزرگی سے نوازا ہو۔ مصیبت اور برائی خیر و برکت کی ضد ہے۔ یہ وہ ناگوار امر ہے جو انسان کے مزاج اور اس کی طبیعت سے کسی طرح ہم آہنگ نہ ہو۔ یا جس سے اس کے باطن کو اذیت اور اس کے جسم کو مسرت لاحق ہو۔ جو مصیبت اس معنی میں ہو۔ اس کی بھی دو قسم ہے۔

۱۔ ایک مصیبت اور رنج وہ جس کا سبب شرک و نافرمانی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ اس کے نتیجے میں نفس سیاہ کاری اور خباثت کا شکار ہوتا ہے۔ اور روحانی طور پر بیمار ہو کر شقی اور ازلی بد بخت ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرے وہ جس کا سبب قہر خداوندی ہو۔ جیسے جسمانی امراض اور عوارض مال و اسباب کی بربادی، جنگ میں شکست عزت و شرف کا چلا جانا وغیرہ۔

اس تقسیم کے مطابق وہ خیر و برکت جو خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے نتیجے میں رونما ہوتی ہے جس کی ادائیگی کی بندہ طاقت پاتا ہے۔ اور جس مشروع طریقے پر دوسروں کو ادائیگی کا حکم ہے یہ بھی اسی طرح کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی خیر و

برکت کا سرچشمہ صرف باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے کہ اسی نے اس کے حصول کی بندوں کو سہولت بخشی۔ اس کا حکم دیا۔ اور اس کے مطابق انہیں تعلیم دی۔ اور ان کی دیکھیری کرتے ہوئے انہیں ترغیب دی۔ اور جزائے خیر عطا کرنے کا وعدہ کیا۔ مزید برآں ازل میں اس شخص مذکور کے نوشتہ میں لکھ دیا کہ وہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کیا کرے گا اور کیا نہ کرے گا غرض اس طور سے جو خیر و برکت بندے کو حاصل ہو اس کی نسبت خداوند عالم کے سوا کسی اور کی طرف کرنا زبردست غلطی ہے۔ اور اس کا ازالہ ضروری ہے۔

یہی وہ بلا اور مصیبت جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور ان کے احکام کی خلاف ورزی کے تحت رونما ہو۔ اس قسم کی افتاد اگر اسلئے آئے کہ بندے نے اپنے ارادے اور اختیار سے معصیت اور گناہ کو اپنایا تو کسی شک کے بغیر اس کی نسبت محض بندے کی طرف کی جائے گی۔ خدا کی طرف اس کو منسوب کرنا ناپسندیدہ اور غلط ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی معصیت کو نہ مشروع کیا۔ نہ اس کا حکم دیا۔ نہ اس کی رغبت دلائی بلکہ اسے حرام قرار دیا۔ اور نفرت دلا کر اس کے کر گزرنے پر وعید سنائی۔ اس لئے اس کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کرنا ہرگز درست نہیں۔ اور یہ کیونکر درست ہوگا جب کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

● مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ، وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ

نَفْسِكَ ○ (نساء: ۷۹)

” (اے انسان) جو کچھ تجھے بھلائی پیش آئے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو

تکلیف پہنچے وہ خود تیرے نفس کی وجہ سے ہے۔“

اور اگر خیر و برکت امتحان اور انعام کی شکل میں ہو۔ جیسے مال و اولاد صحت و عافیت اور فتح و نصرت دے کر آزمایا جا رہا ہو۔ یا مصیبت بھی قہر، اور ابتلا، و آزمائش کے طور پر ہو۔ جیسے جان و مال کی آزمائش ہو۔ جنگ میں شکست یا صدمہ اور پریشانی لاحق ہو تو یہ خیر و برکت اور مصیبت دونوں کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے متصور ہوگا۔ اس لئے کہ صرف حق تعالیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بندوں کو آزمائے زور زبردستی یا سہولت اور نرمی جس میں چاہے ان کا امتحان لے اس لئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ تاکہ ان کی تربیت



کرے۔ اور ان کے معاملات کو حسن و خوبی سے تکمیل تک پہنچائے۔ خود اس کا ارشاد ہے۔

● — وَتَبْلُؤْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاللَّيْنَا تَرْجُفُونَ ○ (انبیاء: ۳۵)

”اور ہم تم کو آزمانے کے لئے مصیبت اور راحت میں جھلا کرتے ہیں۔ اور تم

سب ہمارے ہی پاس لوٹ کر آؤ گے۔“

نیز فرمایا۔

● — فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي

أَكْرَمَنِي وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ كَلَّا

بَلْ لَأَتَّكِرُ مُؤْمِنَ الْيَتِيمِ ○ (عج: ۱۷)

”لیکن (انسان کا عجیب حال ہے) کہ جب اس کا پروردگار (اس طرح) اس کو آزماتا

ہے کہ اس کو عزت اور نعمت بخشتا ہے تو وہ (خوش ہو کر) کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے

مجھے عزت بخشی۔ اور جب وہ (دوسری طرح پر) آزماتا ہے۔ (یعنی) اس کی روزی تنگ کر

دیتا ہے تو (شکایت کرتا اور) کہتا پھرتا ہے کہ اب پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔“

عینہ منورہ کے معلقین کا یہ حال تھا کہ خیر و برکت (یعنی اعزاز و اکرام) کی نسبت اللہ

تعالیٰ کی طرف کرتے تھے، لیکن مصیبت، بلا اور آزمائش کو حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب

کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو جواب دیتے ہوئے ان کی اس روش پر سخت گرفت فرمائی۔

اور پیغمبر پر نکتہ چینی کو ان کی نادانی اور جہالت سے تعبیر کیا۔ اور اپنے پیغمبر کے ذریعے انہیں

کھلوا دیا کہ نفع و ضرر و رنج و راحت اور مصیبت و مسرت سب باری تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

● — قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَآ يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ

حَدِيثَنَا ○ (نساء: ۷۸)

”تم (ان سے) کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا

ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔“

اس وضاحت سے جن لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ ہر دو آیت میں تعارض ہے بجز اللہ ان کے

اس شبہ کا ازالہ ہو گا۔ (انشاء اللہ) اور وہ جان جائیں گے۔ کہ آیات میں کوئی تعارض

نہیں۔ اور یہ انہیں آیات پر موقوف نہیں۔ قرآن پاک میں کہیں کسی آیت یا آیات میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔ نہ اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ اور تعارض کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب کہ یہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ہے جس کا ارشاد ہے۔

● — إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكَيْفٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۳۱﴾  
(فصلت: ۳۱)

● ”بلاشبہ جو لوگ اس (مجموعہ) نصیحت (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس آیا۔ بلاشبہ یہ (قرآن) بڑی یادگت کتاب ہے جس میں جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اس (اللہ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ جو حکمت والا (اور) خوبیوں والا ہے۔“

ایک قابل ذکر تشبیہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کر کے جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے اور فسق و فجور میں پڑ جاتا ہے تو اس گناہ سے متعلق یہ نہیں سمجھا جاسکتا ہے ”کہ اس بندے نے جو کچھ کیا ہے نوشتہ تقدیر سے ہٹ کر کیا۔ اس قسم کے گناہوں کا اندراج تقدیر الہی یا اس کے علم میں نہیں۔“ اس قسم کا تصور بھی درست نہیں۔ بلکہ یہ سوچنا بھی جمالت اور نادانی ہے۔

اس لئے حقیقت یہی ہے کہ نوشتہ تقدیر میں ازل سے جو کچھ درج ہے وہ وہی کرتا ہے۔ سرمو اس کے خلاف نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا اگر بندہ اپنے ارادے سے کوئی معصیت یا گناہ بھی کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ بندہ اپنی معصیت کا خالق ہے۔ خالق اور پیدا کرنے والا تو باری تعالیٰ ہے جس نے انسان کو اس کے ارادے کو اور آزمائش کے ایک ایک سامان کو پیدا کیا۔ اور گناہ اور معصیت جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی نسبت بھی حق تعالیٰ کی طرف کرنا درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام فرمایا ہے۔ ان کے ارتکاب سے سختی سے منع کیا ہے۔ اور اپنے بندوں کے لئے اس کو ناپسند کیا ہے اور اس کی بجائے ان کی اطاعت کو پسند کیا ہے۔ اور

معصیت پر سبھیہ کی ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے۔

● — وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ○ (زمرہ)

”اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم شکر کرو تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔“

نیز یہ امر بھی معلوم و مسلم ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو وہ بندہ اور اس کی نیکی کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کرتا۔ اس لئے کہ تمام تر خلق و مخلوقین سے اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں جملہ خلائق کو آزمانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے۔

● — تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَفُورُ ○ (ملک: ۳۱)

”بست بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے قبضہ میں (دونوں جہان کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون تم میں سے نیک عمل کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔“

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہر کام کے کرنے نہ کرنے کا ارادہ و اختیار دیا۔ اور یہ صلاحیت بخشی کہ وہ چاہیں ہدایت کے راستے پر چلیں چاہیں گمراہی کا راستہ اختیار کریں۔ البتہ جس راستے کو وہ اختیار کریں گے اس کا مال اور انجام ان کے سامنے آکر رہے گا۔ جو حق تعالیٰ نے ازل سے ان سے متعلق وابستہ کر رکھا ہے۔ اس میں کسی قسم کا رد و بدل اور تفاوت نہیں ہو سکتا۔

● — فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ○ (فاطر: ۳۳)

”اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز مٹا ہوا نہ دیکھو گے۔“

### ● مشیت سے متعلق اہم بحث:

ختم کلام پر ہم عرض کریں گے کچھ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آدمی جو کرتا ہے یا کرتا چاہتا ہے۔ اس کے لئے اس کا اپنا ارادہ اور مشیت کافی ہے؟ یہ تصور انتہائی لغو اور غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

۱۔ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ بندہ بہت کچھ کرنا اور حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے لئے اپنی صلاحیت اور اپنے پاس موجود وسائل کو بھی نہایت فراخی کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوتا۔ اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ ابتدائے آفرینش سے تاقیامت جو ہوا اور جو ہو گا تقدیر کا قلم اس پر چل چکا ہے اس لئے کائنات اور دنیا جہان میں وہی ہو رہا ہے جو نوشتہ ازل میں لکھا جا چکا ہے۔ اور جس کے متعلق فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنی فشاء اور مشیت سے جس مراد کو پہنچتا ہے ہو ہو وہی ازل میں لکھا ہوتا ہے۔ اور اس کو رو بہ عمل لانے کے لئے ابتداء سے ان اسباب اور وسائل کی فراہمی کا حکم صادر ہو چکا ہوتا ہے۔ جس کے میا ہونے پر بندہ اپنی حسب مرضی کام انجام دیتا ہے۔ اور اپنی مراد کو پہنچتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مختلف کاموں میں سے کوئی ایک کام بندہ اپنی مرضی سے منتخب کرتا ہے اور اس کو عمل میں لاتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (نکویر: ۳۹)

”اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔“

اس امر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ بندہ اسی چیز کا قصد کرتا ہے جو اس کی تقدیر میں درج ہوتا ہے۔ پھر نوشتہ تقدیر کے مطابق بندہ سے جو کام سرزد ہونے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ جس کے ذریعہ بندہ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور اسے عملی جامہ پہناتا ہے۔ اب اس کا یہ اختیار اور اس کے مطابق وہ کام سب ازل میں لکھے گئے نوشتہ تقدیر کے مطابق ہو جاتا ہے۔

اس تشریح سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ خدا کی خدائی اور بندہ کی بندگی میں کہیں یکسانیت نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس درجہ اور وصف کی مشیت اللہ تعالیٰ کے لئے مسلم ہے۔ بندہ کے لئے اس سے مشابہت کا تصور بھی محال ہے۔ یعنی بندہ کو ایسی کوئی مشیت حاصل نہیں ہو سکتی جو مستقل اس کے لئے ہو خدا کے لئے نہ ہو۔ اس طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خدا کی مشیت پر بندہ کی مشیت کو تقدم یا پیش قدمی حاصل ہے۔ اسی طرح بندہ کو اس قسم کا بھی کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ سے سوال کرے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ○ (انبیاء: ۲۳)

”وہ جو کچھ بھی کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور (جو کام یہ کرتے ہیں اس کی) ان سے باز پرس ہوگی۔“

● خاتمہ:

آخر میں عرض ہے کہ اسلام جن ایمانیات پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ان کے ایک ایک جزو پر ایمان لایا جائے۔ کتب و سنت کا یہی منشا ہے اور ان کے ظاہری نصوص سے اسی کی صراحت ملتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

● يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْأَخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ○

(نساء: ۱۳۶)

”اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کے کتاب اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔“

نیز جس نے حضور اکرم ﷺ سے یہ پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے جواب میں

فرمایا۔

”ایمان یہ ہے کہ تم خدا کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا یقین رکھو۔ اور تقدیر اچھی ہو یا بری اس کو بچ مانو۔“ (مسلم ۱/۱۳۱)

ایمانیات کے وہ نتائج جو ایمان لانے کے بعد مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ کی محبت۔ اس کی عظمت، اس کا خوف و خشیت، اس کی طرف رجوع اور توبہ، اس کے پسندیدہ کاموں کی پیروی، ناپسندیدہ کاموں سے اجتناب اور دوری، اس کے رسولوں سے محبت ان کی تعظیم اور ان کی پیروی، ان سب پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایمانیاں اور اس کے وہ نتائج خود مقصود نہیں بلکہ ان کی حیثیت ذریعہ اور وسیلہ کی ہے۔ یہ اس لئے کہ جس کے دل میں اللہ پر اور اس کے برحق وعدے اور سچی وعیدوں پر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعت کو مضبوطی سے تھامے۔ اور اس پر عمل کرنے۔ اگر یہ ایمان اور یقین نہ ہو تو کوئی اپنے رب کا سچا مطیع اور وفا شعار نہیں بن سکتا۔ نہ ہی اس کے رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت اور پیروی کر سکتا ہے۔ اس سے بجا طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمانیاں کو وسیلہ کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اور انہیں بروئے کار لاتے ہوئے ان پر استقامت اور مداومت کی کوشش کرنی چاہئے۔

ذیل میں اس کی کسی قدر تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کا ذریعہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ کے اسماء اور صفات کے ساتھ اس کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ دل میں اس کی محبت اور عظمت جاگزیں ہوتی ہے۔ اس کا خوف اور اس کی اطاعت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کا تقرب پانے کے لئے بندہ وہ سب کرتا ہے جس سے اس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اور ان تمام کاموں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس سے وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن پاک کی اس آیت سے ہوتا ہے۔

● --- وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ (انفال:۱)

”اور اگر تم ایمان لانے والے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔“

ایمان لانے کے بعد اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کا مطالبہ کرنا ایمان کے وسیلہ

اور ذریعہ ہونے کا ثبوت ہے۔

۲۔ فرشتوں پر ایمان اس کا ذریعہ ہے کہ بندہ ان کی اطاعت اور تابعداری سے عبرت حاصل کرے اور ان کی اطاعت کرنا سیکھے۔ اس لئے کہ۔

● — لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ○ (تحریم: ۶)

”اللہ نے ان کو جو حکم دیا اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔“

نیز اس کا ذریعہ ہے کہ بندہ فرشتوں سے حیا کرے۔ اور ان سے مانوس رہے۔ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کراما کا تین اس کے نیک و بد اعمال مسلسل لکھ رہے ہیں۔ اس ایمان کے ذریعہ اسے فرشتوں کی تخلیق کے اندر پناہ خدا کی عظمت اس کی کبریائی اور اس کی عظیم قوت و قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ جس کی طرف باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

● — يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ○ (حل: ۵۰)

”وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر غالب ہے۔ اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔“

۳۔ کتابوں پر ایمان لانے کے بعد اللہ کی ربوبیت کا یقین دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے اسماء اور اس کے وعدے اور وعیدوں کا علم ہوتا ہے۔ نیز کتابوں پر یقین پیدا ہونے کے بعد رسولوں اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کی تصدیق کا داعیہ دل میں ابھرتا ہے۔ اللہ کی نازل کی ہوئی تمام شریعتوں پر یقینی علم ہوتا ہے۔ اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی مرضی اور اس کو ناراض کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ ان عقائد اقوال اور افعال کا علم ہوتا ہے جن سے وہ خوش یا ناخوش ہوتا ہے۔ اسی طرح واپر آخرت کے احوال اور کل غیبی

۱۔ صحیحین میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے چہ سو بازو ہیں۔

اللؤلؤ والمرجان (۳۱/۱) بخاری (۱۳۰/۳) مسلم (۱۰۹/۱)

امور کا علم بھی اسی ذریعے سے ہوتا ہے۔

۴۔ رسولوں پر ایمان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعتوں میں یکسانیت اور مطابقت تلاش کرتا ہے۔ عبادات اور ان کی ادائیگی کے مختلف طریقوں کو جانتا ہے۔ نیز رسولوں پر ایمان سے ان کی محبت، ان کی پیروی، اور ان کی شریعت کی تابعداری کا جذبہ دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ آخرت پر ایمان کے ذریعے نیک کاموں کا رحمان اور برائیوں سے پرہیز کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دنیا اور آخرت کی خیر و برکت سے رغبت ہوتی ہے۔ اور خدا کے عذاب و عتاب کا خوف دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔

۶۔ تقدیر پر ایمان لانے کے بعد دھن دولت چھن جانے اور دنیا جہان کی پونجی چلے جانے کا صدمہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس برباد اور آنی جانی چیز کے نفیب ہونے پر کبر و نخوت، اور سرکشی اور رعوت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے بالقابل صبر و ضبط تحمل، سکون اور رعایت درجہ طمانیت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا ایمانیت کا چھ نمبر جن سے مل کر مومن کا عقیدہ ترتیب پاتا ہے۔ اس کا ہر رکن بندہ مومن کے لئے علیحدہ علیحدہ ثمرات کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ پر ایمان لانے سے اس کی محبت بڑھتی ہے۔ اس کی شان کبریائی کا دل میں

لے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ○ (حدید: ۲۲، ۲۳)

● کوئی مصیبت ظلم پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ عمل اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو۔ اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اترایا نہ کرو۔"



احساس ہو کر اس کا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔ اور اس کی اطاعت اور بندگی کے لئے دل آمادہ ہو جاتا ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانے سے ان کی اطاعت اور بندگی سے عبرت ہوتی ہے۔ ان سے مانوسیت بڑھتی ہے۔ اور ان سے حیاء کا احساس تیز ہوتا ہے۔ اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے سے خدا پر ایمان میں طاقت آتی ہے۔ اس کے بیان کردہ احکام و مسائل اور آداب و اخلاق کو زندگی میں برتنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔ آخرت پر ایمان لانے سے نیک کاموں کی رغبت اور برے کاموں سے نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ ہر قسم کے مفاسد اور ناگوار کاموں سے کراہت کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ قضاء و قدر پر ایمان لانے سے نفس کو سکون اور چین حاصل ہوتا ہے۔ تقدیر پر شاکر اور راضی برضار رہنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ دل کے اندر طمانیت اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ اور اس یقین کا احساس ہوتا ہے کہ وہ حق اور صداقت کے راستے پر ہے۔ اور پھر ان ثمرات کے پیدا ہونے کے بعد نفس دنیاوی لذات سے نجات پا جاتا ہے۔ جو نہیں ملتا اس پر رنج اور افسوس نہیں ہوتا۔ نہ آئندہ نہ ملنے کے احساس سے اس کے دل میں کسی قسم کا خدشہ یا غلغلہ لاحق ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات پر غور و خوض سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمانیات کے ہر رکن سے وابستہ ثمرات کو حاصل کرنے کے لئے ایمانیات ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ یہ ثمرات بھی خود اس کا ذریعہ ہیں کہ ان کے ذریعہ سب سے اعلیٰ ترین مقصد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اور یہ مقصد انسان کا جسمانی اور روحانی کمال اور دنیا و آخرت میں اس کی سعادت مندی اور بامرادی ہے۔ اور حقیقت ہے کہ انسانی کمال اور اس کی ابدی سعادت کا مرجع اور مدار اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر ہے۔ اور اطاعت بھی وہ جس سے نفس کا تزکیہ ہو۔ اور انسان امن و آشتی اور سلامتی کے گھر یعنی جنت میں جانے کا حقیقی مستحق بن سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● — قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ○ (شمس: ۹، ۱۰)

● ”بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اور وہ شخص ناکام

رہا جس نے اس کو گناہوں میں دبا دیا۔“

نیز فرمایا۔

● ۱۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا (نساء: ۶۹-۷۰)

”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ (آخرت میں) ان (برگزیدہ بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا انعام فرمایا۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور اللہ جانتے والا کافی ہے۔“



مؤلف کتاب فرماتے ہیں۔

مؤرخہ یکم رمضان سنہ ۱۳۹۶ھ کو اس کتاب کی تحریر سے فراغت ہوئی۔ واللہ اولاد

آخراً۔

● — وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ الْأَتَمَّانِ الْاِكْمَلَانِ عَلَي نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا۔

# بندہ مومن کے لیے

## عقیدہ کی ضرورت و اہمیت

اسلامی عقائد پر کامل یقین بندہ مومن کی انفرادی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ بلا شک و شبہ اور بلا شرکت غیرے اپنے پیدا کرنے والے کو ایک مانے، کفر و شرک کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی گندگیوں سے اپنے دل و دماغ کو آئینہ کی طرح صاف و شفاف رکھے۔

خصوصاً آج کے دور میں عقیدے کی صفائی اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ آج مادے اور معدے کی ضرورتوں نے ایک طرف سے عقیدے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور دوسری طرف سائنسی علوم اور نئے اقتصادی نظام کی تابزدگیاں کا میا ہوں نے ایک دنیا کو حیرت زدہ کر رکھا ہے۔

ان حالات و واقعات کے پیش نظر کتاب ”بندہ مومن کے عقائد“ قرآن و سنت کی روشنی میں ایک منفرد کتاب ہے جس میں مرد مومن کے مذہبی عقائد، ان کی حاجات و ضروریات، ان کے اصول و ضوابط اور پھر ہر اصول کے ایک ایک جزئیے پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے جس کے نتیجے میں اس موضوع کی کوئی بحث تشنہ یا نامکمل محسوس نہیں ہوتی۔

بلاشبہ یہ کتاب ہر دینی لائبریری کی زینت ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو امت مسلمہ کے لیے نافع بنائے۔ (آمین)



M14

نعمانی مکتب خانہ حق سٹیٹ  
اردو بازار لاہور



E-Mail: [nomania2000@hotmail.com](mailto:nomania2000@hotmail.com)